رسالہ

جدید توضیح المسائل

فقیہ مصلح قرآنی کے فتووں کا مجموعہ

مؤلف:آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادق تہرانی(رہ)

الحمد للہ رب العالمین و افضل الصلوۃ و السلام علی خاتم المرسلین انح

یہ دفتر مبتلا بہ مسائل اور احکام پر مشتمل ہے جو تمام مکلفین کی ضرورت کا سامان ہے اور ایک طرف فقہا کے اختلافاتی نظریات پر بھی مشتمل ہے۔اور ان صفحوں میں (کہ قرآنی فقہ و فقاہت کے تمام عاشقوں کے لئے کھولا جاتا ہے)صرف اور صرف قرآنی محور پرہے اور اس کے ساتھ ساتھ پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہار (ع)کی سنت قطعیہ سے اشارہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں ان مورد اختلاف احکام کی حقیقت روشن ہوجائے گی۔

(اس حقیقت پر نظر کرتے ہوئے کہ سنت بھی قرآن سے معصومانہ رسالتی اور خلافتی مستفاد ہے چنانچہ" وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا"(سورہ کہف آیت/۲۷) اور جو کچھ کتاب پروردگار سے وحی کے ذریعہ آپ تک پہنچایا گیا ہے آپ اسی کی تلاوت کریں کہ کوئی اس کے کلمات کو بدلنے والا نہیں ہے اور اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا ٹھکانا بھی نہیں ہے۔ "لن" ہر گز رسول گرامی کی غیر قرآنی رسالت کو محال جانتا ہے۔اس بنیاد پر ہرگز کسی صورت حضرت کے لئے وحی رسالتی قرآن کی طرف رجوع کرنے کے سوا ممکن نہیں ہے۔چنانچہ سورہ جن کی ۲۲ویں آیت "قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّـهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا" خدائے وحدہ لا شریک کے لئے ربانی اور الہی پناہگاہ کے سوا محال جانا ہے ۔اس اصل کی بنیاد پر آنحضرت کا مرجع اور ماوٰی ان احکام میں کہ قرآن کی وصفی اور لغوی دلالت سے خارج ہے ـصرف حروف مقطعہ اور قرآن کا رمز تھا اور بس۔

پس سورہ کہف کی ۲۷ویں آیت مبارکہ کی بنیاد بھی مسلمان بھی پیغمبر اکرم پرہونے والی وحی الہی کی پیروی میں قرآن کے سوا بہ طریق اولیٰ کوئی ملجا اور ماویٰ نہیں رکھتے۔نیز پیغمبر اور ائمہ معصومین (ع) سے مروی تواتر سے بھی آگے بڑھی ہوئی احادیث کے مطابق بھی ان معصوم ہستیوں نے تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو بطور وجوب روایات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کا حکم دیا ہے نتیجتاً اگر کوئی متواتر حدیث بھی لیکن نص یا قرآن میں ثابت ظاہر کے مخالف ہو تو مردود ہے۔اگر

اسلام کے ضروری حکم کی بھی حامل ہو پھر بھی اصل قرآنی کی محتاج ہے ۔مگر یہ کہ(کچھ تھا) اس کے سلسلہ میں نفی یا اثبات نہ رکھتا ہو تو "اطیعو الرسول" کے باب سے قابل قبول ہے ۔چنانچہ اگر ائمہ معصومین (ع) ایسی ضرورت کی تائید کریں تو تصدیق ہو جائے گی البتہ "اولی الامر منکم " کے باب سے البتہ روایات قطعی بھی حروف مقطعہ سے ماخوذ ہیں اور آیات قرآن کا رمز ہیں۔کہ (سورہ کہف کی ۲۷ویں آیت) سارے احکام کا سر چشمہ قرآن کو جانتی ہے۔یہاں پر قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ اگر چہ اسلام کی شناخت میں مذکورہ بالا روش کے ماننے والے مسلمانوں کی اقلیت ہے کہ افسوس حوزہ کی اکثریت کی مخالفت کا نشانہ بنی ہے لیکن یہی اقلیت (فئۃ قلیلہ)اسلام کی صحیح شناخت سے مالامال ہوئی اور یہی اہلبیت (ع)کے واقعی اور سچے شیعہ ہیں۔)

تا کہ جو مجتہد نہیں ہیں وہ بھی مجتہدین کے صحیح ادلہ کی روشنی میں ان دلیلوں کی بنیاد پر احکام اور قواعد شرعیہ سے آشنا ہو ں جن سمجھنا سب کے لئےآسان ہو۔

یہ مختصر رسالہ (تمام رسالہ عملیہ کے لحاظ سے) احکام قرآن کی ایک فہرست ہے کہ تفسیر مسلسل (۳۰ جلدی) "الفرقان" اور ۱۰ جلد تفسیر موضوعی"الفقہ مقارن بین الکتاب والسنۃ"اور "ترجمان قرآن" اور "ترجمان وحی"اور "تبصرۃ الوسیلۃ" اور فقہی دورہ "تبصرۃ الفقہا"میں بسط و تفصیل کے ساتھ مورد تحقیق اور بررسی واقع ہوا ہے اور علوم قرآن کے محققین کے ایک گروہ کے اصرار اور بار بار تکرار کرنے پر (کہ تفسیر الفرقان کے دروس یا اس کے مطالعہ اور بررسی سے آشنائی رکھتے ہیں۔)تحریر کی گئی ہے۔اور اگر دیگر تمام فقہا کے فتووں سے کافی اختلاف رکھتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اصلی محور قرآن اور وہ روایات ہے جو قرآن کے موافق ہیں یا کم از کم قرآن کے مخالف نہیں ہیں اور قطعی ہیں۔

اس رسالہ کے متن میں قرآن کی آیتیں اور روایات اور فقہا کے فتوے اس کے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔کہ اس رسالہ میں ہمارا اصل مآخذ وہی ہے۔اور فرعی گواہ سنت قطعیہ اور مؤلف کے موافق یا مخالف بعض فقہا کے نظریات پاورقی میں دیئے گئے ہیں۔قارئین محترم سے امید ہے کہ حقیقت بین ،ہر قسم کے تعصب سے دور اور منصفانہ نظر سے اس میں غور و فکر کریں اور مولف تمام شخصیت ساز تنقیدوں کے جوابات دینے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہے کیونکہ فقہ اسلامی ایک آزاد فقہ ہے اور اس کا صحیح واحد راستہ ادلہ کتاب اور سنت قطعیہ ہے اور بس ۔

اس رسالہ میں پوری تاریخ فقاہت میں درست قرآنی نظریات کے موافق فتوے ذکر کئے گئے ہیں ۔خواہ متقدمین میں ہوں یا متاخرین میں اور بعض معاصرین تا کہ یہ ثابت ہو کہ

بعض فقہا قرآن اور سنت قطعیہ کے موافق بھی تھے کہ انہوں نے بے خوف و خطر فتویٰ دیا ہے۔

غیر معاصرین کی نسبت ان نظریات کے مآخذ (عبارت ہیں "الینابیع الفقیھہ،الجواھر،مفتاح الکرامۃ،مستند نراقی،خلاف شیخ طوسی ،تذکرۃ الفقہا علامہ حلی ،مفاتیح الشرائع فیض کاشانی ،اور شیخ مرتضیٰ انصاری ،میرزا محمد تقی شیرازی ،سید محمد حسین شیرازی ،سید اسماعیل صدر،سید محمد کاظم یزدی کے رسالے اور معاصرین میں آیات عظام مرحوم آقا بروجردی،مرحوم آقا خمینی ان میں سے ہر ایک نے چار چار حاشیہ لگائے ہیں ،وسیلۃ النجاۃ مرحوم سید ابولحسن اصفہانی،اور مجموعاً فقہا شیعہ کی تقریباً ۱۰۰ جلد استدلالی اور تقلیدی کتابیں اور کبھی کبھی سنی ان رسالوں کے حواشی پر مورد تحقیق اور بررسی واقع ہوا ہے۔

مفاتیح الشرائع میں فیض کاشانی نے بھی رمز(ذ) کا استعمال کیا ہے کہ پہلی عدد مجلد کی طرف اور دوسری اس کے صفحہ کی طرف اشارہ ہے اور دیگر تمام کتابوں کی نسبت براہ راست ان کی مستندات سے نقل ہوا ہے ۔

اس رسالہ کا دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن (۱۹۸۹/۰۵/۰۵) پر نظر ثانی اور اضافات کے ساتھ مورخہ ۲۱/رمضان ۱۴۲۰ ھ‌ق یعنی ۱۹۹۹/۱۲/۲۹ اور اس وقت بھی خدا کی عنایتوں اور اس کی توفیقات سے تیسرا ایڈیشن متن اور حاشیہ میں اضافہ اور دوبارہ تصحیح کے ساتھ مورخہ ۲۰۰۳/۰۹/۲۰ کو چھپنے کے لئے آمادہ ہے اور دیگر دفتر میں بھی قضائی اور غیر قضائی استفتائات جیسے ملحقات کا اس مجموعہ میں اضافہ ہوا ہے کے قارئین کی نظر سے گذرے گا۔

انشا اللہ اس رسالہ پر عمل حضرت حق کی خوشنودی اور اس کی رضا کا سبب ہوگا۔قم المقدسہ محمد صادق تہرانی۔

شرعی مسائل کی چند قسمیں ہیں :الف) اصلی عقائد :اصول دین خود اجتہادی اور دو طرح کے ہیں:۱۔ نوعی کے ایک طرح سے مستقل ہیں کہ خود آپ لوگ ان تمام چیزوں کو دلیل کے ساتھ جانتے ہیں اور ان پر اکتفا کرتے ہیں ۔۲۔ایک دوسری قسم ہے شریعت مداروں سے سوال کرنے سے قانع کرنے والی دلیلوں سے توانائی کے حد میں ان سے قانع ہوتے ہیں ۔ ب) فرعی احکام کہ ان کی بھی دو قسمین ہیں :ایسے احکام کہ بہر صورت ان کے بارے میں یا خود یا کوئی دوسرااجتہاد کرے یا اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھنے کی صورت میں احتیاط یا تقلید کرے ۔اجتہاد،تقلید،احتیاط اور تقلید اعلم جیسے مسائل آخری مسئلہ کی قسم سے ہیں کہ بغیر دلیل کے ان میں تقلید کرنا باطل ہے اور

یہ مسئلہ جس کی رسالہ عملیہ میں تکرار ہو ئی ہے کہ اعلم کی تقلید میں اعلم کی تقلید کرنی چاہیئے ،مندرجہ ذیل تنقید کا نشانہ بنا ہے۔

آپ لوگوں نے اس مسئلہ کو تقلید مسائل کے ضمن میں اپنے تقلیدی رسالہ میں کیوں ذکر کیا ہے ؟اگر آپ لوگوں نے اپنے مقلدین کے لئے ذکر کیا ہے تو یہ توضیح واضح ہے : (سورج کو چراغ دکھانے جیسا ہے) کیونکہ یہ لوگ بہر صورت آپ تقلید کر رہے ہیں پھر کیا مطلب کے دوبارہ آپ کی تقلید کریں ؟ یا پھر آپ لوگوں نے دوسروں کے مقلدین کے لئے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی تقلید کو چھوڑ دیں اور اس مسئلہ میں آپ کی تقلید کرلیں ؟یا پھر ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اب تک کسی کی تقلید ہی نہیں کی ہے ایسی صورت میں بھی یہ مسئلہ ان کے لئے کوئی نقش ہی نہیں رکھتا کیونکہ اعلم کی تقلید کا وجوب خود انکے لئے روشن ہے کہ آپ کی یا کسی دوسرے کی تقلید کریں گے یا ابھی واضح نہیں ہے تو پھر آپ کا فتوی ان کے لئے لازم نہیں ہوتا۔

آخر کار آپ کا اس فتوی میں کوئی مخاطب نہیں ہے اس بنا پر آپ کا فتویٰ کسی کے لئے لازم نہیں ہے اور منطقی قاعدہ کی رو سے یہ خود دورمصرح اور محال ہے۔کیونکہ اعلم کی تقلید کا وجوب خود آپ کی تقلید کی بنیاد پر ہے اور آپ کی تقلید کا وجوب اعلم کی تقلید کے وجوب کی بنیاد پر ہے ۔کہ ہر گز ثابت نہیں ہوا ہے یہاں پر بھی جس طرح اصول عقائد کےاثبات میں شریعت کےجاننےوالوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے مکلفین کو عام فہم ،سادہ اور رسا عبارت میں اجتہاد،تقلید اور احتیاط کے مسائل سمجھا کر انھیں قانع کریں ۔اور تقلید اعلم وغیرہ جیسے حکم کوبھی کتاب اور سنت سے قانع کرنے والی دلیلوں سے دوسروں کے لئے ثابت کریں تا کہ ہر مکلف اجتہادی قناعت کی بنیاد پر ان مسائل میں خدا کی راہ طے کرےجیسا کے ہم بھی مستدل مسائل کے ساتھ (منجملہ وجوب تقلید اعلم) اس رسالہ میں اس طرح عمل کیا ہے کہ ہم نے اجتہاد کے قانع کرنے والے طریقوں کو ادلہ شرعیہ کے طالب حضرات پر کھول دیا ہے۔

اس بنا پر جس طرح اصل وجوب تقلید تقلید نہیں ہے اسی طرح ہر تقلید اعلم کا حکم بھی تقلیدی نہیں ہے اور اصول عقائد کی طرح قانع کرنے والے استدلالی مبنی پر خود مکلفین کی ذمہ داری ہے یا اپنے یا کسی غیر کے قانع کرنے والے اجتہاد سے ان کے وجوب کو ثابت کریں۔

مسئلہ ۱۔تقلید اصول عقائد اور اس کے مانند میں (اصل تقلید اور تقلید اعلم کے وجوب کے مانند) جائز نہیں ہے۔بلکہ کافی دلیلوں سے اس سلسلہ میں خود آپ حضرات اجتہاد کریں یا پھر علمائے دین سے سوال کرکے کافی دلیلوں سے قانع ہو جائیے ،فروع دین

میں بھی اصل وجوب نماز ،روزہ وغیرہ جیسے مسائل میں تقلید کی گنجائش نہیں ہے(مگر ان لوگوں کے لئے جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں پہلا قدم اٹھایا ہے اور ابھی تک اس کے فرعی احکام سے واقف نہیں ہیں۔)نماز اور روزہ وغیرہ جیسے احکام میں تقلید کرنی چاہیئے البتہ تقلید سے مراد یہود و نصاریٰ کی طرح بے چون وچرا پیروی کرنا نہیں ہےبلکہ مجتہد کی قانع کرنے والی دلیل کی پیروی ہے یا پھر یہ اطمینان ہو کہ اس مجتہد کی دلیل قرآن اور سنت قطعیہ کے مطابق ہیں۔

مسئلہ ۲۔"اجتہاد" یا اس سے بہتر اور رسا کلمہ "استنباط"آیۃ کریمہ کے مطابق " وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّـهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلً " (سورہ نساء آیت ۸۳) اگر (خفیہ جنگی ٹکنیک کے مسئلہ کو) پیغمبر اور ان کے (بنائے ہوئے) جنگی کمانڈروں کی طرف رجوع کرو تو ہمیشہ اس کا حکم بعض استنباط کرنے والے اور"دانشور کمانڈر "استنباط اور کاوش کر یں گے ۔

مسئلہ۳۔"تقلید"بہترین الفاظ اور عبارت میں "اتباع احسن القول"(بہترین قول کی پیروی کرنے)کا نام ہے۔شرعی احکام سے متعلق آیۃ کریمہ" الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّـهُ ۖ وَأُولَـٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ"(سورہ زمر آیت ۱۸) پس میرے بندوں کو مژدہ سنا دو کہ وہ لوگ جو (حق) بات کو کوشش و کاوش سے (دل) کے کان سے سنتے ہیں اور اس میں بہترین کی پیروی کرتے ہیں ،یہی وہ لوگ ہے جن کی خدا نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ صاحبان عقل ہیں۔

یہ دو کلمہ کہ اجتہاد اور استنباط در حقیقت صاف اور پوشیدہ پانیوں سے شائستہ جستجو کے معنی میں ہے اور اصطلاح میں علمی خزانوں اور کتاب اور سنت کی معرفت حاصل کرنے کے لئے شائستہ انداز میں کوشش سے عبارت ہے۔تقلید اور پیروی بھی وہی ظاہر شدہ پانی کے پینے کے معنی میں ہے۔اور یہاں ہر کلمہ "احتیاط" کا اضافہ کر کے فقہا کے مورد اختلاف احکام شرعی سے متعلق ہندسہ مسؤلیت کا ایک مثلث تشکیل دیتا ہے ۔

مسئلہ ۴۔ ہر عاقل اور مکلف مسلمان اپنے ایمان کے حکم سے جانتا ہے کہ وہ احکام الہی کے مقابلہ میں براہ راست مسؤلیت رکھتا ہے ؛ کیونکہ کتاب اور سنت کا خطاب (دورسروں کے واسطہ کے بغیر) سب کو شامل ہوتا ہے ۔ اور مکلف ان احکام کو سنت " کی روشنی میں جاننے پر مجبور ہے تا کہ ان پر عمل کرسکے بہر صورت (وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ) (اسراء آیت ۳٦) جتنی آیات صحیح علمی اور شائستہ اسلامی احکام کے جاننے کی ذمہ داری تمام مسلمان مکلفین کی ہو تی ہیں اور انھیں مجہول اور غیر مطمئن چیزوں کی پیروی کرنے سے روکتی ہیں ۔اور اندھی تقلید ،بغیر

سوچے سمجھے کسی کے پیچھے چلنے اور بدون علم اتباع کو کلی طور پر ممنوع قرار دیا ہے۔مسلمان شخص خواہ کتنا ہی اسلامی مسائل سے بے خبر ہوگا جس چیز کی پیروی کا ذکر ہوا ہے اسے علم آگہی کے ساتھ ہونا چاہیئے اور بس ہاں قرآن نے علمی راہوں کو تمام مکلفین کے لئے کھول رکھا ہے لیکن ایک گروہ نے باب علم کے انسداد کے عنوان سے علم کی راہ اپنے اور دوسروں کے لئے بند کردی ہے اور اس کی جگہ پر ظن اور گمان کی راہ کھول رکھی ہے۔گویا خداوند عالم (نعوذباللہ) ہم مکلفین کے لئے علمی قطعی بیان سے عاجز ہے یا خائن یا نادان رہا ہے!!!

دوسری طرف " إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّـهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ "(سورہ انفال آیت۲۲)

اللہ کے نزدیک بد ترین زمین پر چلنے والے وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ہیں(غور و فکر نہیں کرتے)

یہ جاننا یا براہ راست اور خود کفا ہے کہ شرعی احکام کو کتاب اور سنت سے استنباط کرے کہ اصطلاح میں مجتهد ہے۔یا خود اس کی اتنی صلاحیت نہیں رکھتا یا ذاتی استعداد نہ ہونے کی وجہ سے یا معیشیت زندگی کے لئے ضروری شغل کی وجہ سے استنباط کرنے کی شائستہ اور ضروری استعداد نہیں رکھتا تو یہاں پر صاحبان استعداد سے مدد لینی چاہیئے کہ ان لوگوں کے نظریات کے درمیان احتیاط کر ے مگر اس صورت میں کہ احتیاط خود احتیاط کے خلاف ہو یا پھرعصر و حرج کا سبب ہو کہ یہ "احتیاط" اس پر زندگی کو سخت ،دشوار اور انہونی بنادے اور آیہ کریمہ " يُرِيدُ اللَّـهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" (سورہ بقرہ آیت ۱۸۵) کے مطابق کہ :(خداوند عالم تم سے آسانی چاہتا ہے نہ دشواری) ایسی احتیاط نہ صرف یہ کہ واجب نہیں ہے بلکہ تنگی اور نقصان یا تضاد کی صورت میں حرام بھی ہے۔اس کے علاوہ "تقلید"با الفاظ دیگر فقہا کے بہترین نظریوں کی پیروی کرنی چاہیئے اور اس طرح کی تقلید خود اجمالی اجتہاد ہے نہ یہ کہ صرف عقل اور شرع سے سازگار ہے بلکہ بنیادی طور پر عقلی اور شرعی ایک کام ہے " فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (سورہ نحل آیت ۴۳) صاحبان ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے کہ یہاں پر تقلید کا ترک کردینا بے عقلی (نادانی) ہے کیونکہ تکلیف الہی کے ترک کرنے کا موجب ہے اور یقیناً یہ تمام مکلفین کی ذمہ داری ہے کہ ہر صحیح راہ سے اپنے فرائض کو بخوبی جان لے اس کے بعد اس پر عمل کرے۔

مسئلہ ۵۔ اسی بنیاد پر امام باقر(ع) اپنے مقلدین کو فرماتے ہیں:جب بھی میں تم سے کوئی حدیث بیان کروں تو مجھ سے سوال کرو کہ اس کا قرآنی مستند کیا ہے ؟تا کہ میں تم کو اس سے آگاہ کروں (یہ قرآنی مستند صرف دلالت قرآنی کے لحاظ سے ہے اور

جو احکام دلالت قرآنی نہیں رکھتے اور اشارہ اور رمز کے عنوان سے ہو نتو اس استناد سے خارج ہیں) مسلمانوں کے لئے یہ امام معصوم (ع) کی روش اور شیوہ ہے۔کیا بہتر اور اچھا ہوتا کہ ہمارے علمائے دین معصومین کے غیر معصوم نائب ہیں وہ بھی اپنے مقلدین اور ماننے والوں سے بھی ایسی ہی رفتار رکھتے ،نہ یہ کہ کہیں جاہل سے عالم کو کیا ربط ہے اور دلیل ذکر نہ کر کے لوگوں کو اپنی اندھی تقلید پر ابھاریں۔

مسئلہ٦-استنباط ،تقلید یا احتیاط تینوں ہی اصل استنباط میں درجات کے لحاظ سے برابر ہیں ۔صرف تفصیل اور اجمال میں فرق ہے اس معنی میں کہ استنباط کتاب اور سنت سے مفصل بررسی اور تحقیق کا نام ہے ،لیکن تقلید اور احتیاط ان سب کی مختصر اور اجمالی بررسی اور تحقیق ہے ۔اور یہ تینوں صرف اور صرف غیر ضروری احکام فرعی میں جاری ہوتے ہیں کہ یا در اصل غیر ضروری اور اختلافی ہیں یا اب تک آپ کے لئے سو فیصد روشن نہیں ہے ؛کیونکہ یہ دونوں یا یہ تینوں طریقے صرف اور صرف احکام الہی کے حصول کے لئے ہیں کہ اگر حکم خداوند منان کسی بھی صحیح طریقے سے آپ کے اختیار میں ہو تو پھر مجہول کو حاصل کرنے میں کسی قسم کی بھاگ دوڑ اور سعی و کوشش کی تمھیں ضرورت نہیں پڑے گی۔

مسئلہ ٧-اعتقادی اصول میں دین کی بنیادیں ہیں ،تقلید کی کسی صورت کوئی گنجائش نہیں ہے اور واضح اور قانع کرنے والی برھان اور دلیل سے ثابت ہوا اور بس کہ یہاں پر صرف اپنا یقینی میلان در پیش ہے،بالاخر روشن اور واضح کرنے والی دلیل آپ کو قانع کرے اور ہر مکلف اپنی ذاتی قناعت کے بعد اپنے اعتقادی پایوں کو اصول دین سے محکم اور مستحکم بنائے۔

یہاں پر اگر مکلف اس صحیح اور ثابت رجحان کو حاصل کرنے میں خود کفا ہوگیا ہے تو کیا بہتر ورنہ اعتقادی ماہرین اور شریعت کے جاننے والوں سے مدد لے،نہ تقلید کی طرح بلکہ ان دلیلوں اور براھین سے جو اسے قانع اور مطمئن کرنے والی ہوں اور یہ خود ہی ایک تفصیلی اجتہاد اور استنباط ہے (لیکن بالواسطہ) کہ براہ راست اجتہاد کی طرح مناسب اعتقادی رجحان کے لئے کافی ہے۔اور یہ ہونے والی اورنہ ہونے والی ضروری چیزیں اعتقادی اجتہاد کے لزوم میں ہو خواہ فرعی مسائل میں سہ گانہ بررسی ہو تو یہ سب بھی ہر گز تقلیدی نہیں ہے؛کیونکہ وہ سب صحیح اصول اور فطری،عقلی بنیادوں اور انسانی فہم پر استوار ہیں۔ یہاں پر علمائے دین پر دوسروں کے لئے دلیل اور برھان سے واجبات اور محرمات کو واضح کرنا واجب ہے ۔تا کہ ان کی قصوری اور تقصیری نارسائیوں کو برطرف کریں۔

مسئلہ۸۔اجتہاد یا تقلید اور بالاخر احتیاط سے متعلق سورہ "نحل" اور سورہ "زمر"کی دو آیتیں کاوش اور سوال سے متعلق تمام مسائل کی بنیاد ہیں ۔کہ   " وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (٤٣) بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (٤٤)" (سورہ نحل آیت ۴۳ اور ۴۴) (اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مرٖدوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور ان کی طرف بھی وحی کرتے رہے ہیں تو ان سے کہئے کہ اگر تم نہیں جانتے ہو تو ہم نے ان رسولوں کو معجزات اور کتابوں کے (۴۳)جاننے والوں سے دریافت کرو ساتھ بھیجا ہے اور آپ کی طرف بھی ذکر کو (قرآن)نازل کیا ہے تاکہ ان کے لئے ان احکام کو واضح کردیں جو ان کی طرف نازل کئے گئے ہیں اور شاید یہ اس بارے میں کچھ غور و فکر کریں(۴۴))

اور "وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّـهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ (١٧) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّـهُ ۖ وَأُولَـٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (١٨)"(سورہ زمر آیت ۱۷ اور ۱۸) (اور جن لوگوں نے (بے چون و چرا)"طاغوت" کی پرستش اور پیروی سے اجتناب کیا اور (خدا)کی طرف راہی ہوگئے اور (جس شخص سے جو کچھ بھی ہے صرف اس کی طرف)گذشتہ کی توبہ اور مغفرت طلب کر کے حق کی سمت روانہ ہوگئے ہیں۔(۱۷)پس ہمارے بندوں کو نوید دیدو،وہ لوگ کہ حق بات بخوبی سنتے ہیں(یہاں پر يَسْتَمِعُونَ اور فَيَتَّبِعُون ہے نہيَسْمِعُون اوريَتْبِعُون ،اس صورت میں حق کا سننا بھی اور اس کی پیروی کرنا بھی کوشش اور اہتمام کے ساتھ حق کی راہ میں ہونا چاہیئے نہ معمولی طریقہ سے)کہ کاوش اور کوشش سے حق باتوں کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں اس کے بعد بہترین قول(بات) کی (حق کے بنیادی روشن کرنے کی راہ میں)پیروی کرتے ہیں۔صرف یہ لوگ ہے جن کی خدا نے ہدایت فرمائی ہے اور یہی لوگ صاحبان عقل ہیں(۱۸)) چونکہ چند آیات کے مطابق "اللَّـهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّـهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّـهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّـهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ " (سورہ زمر آیت۲۳) قرآن صرف قول احسن ہے حسن اور احسن نظریات کے بارے میں بھی شریعت کے پابند قرآنی محقق کہ قرآن فہمی کے سلسلہ میں حسن اور احسن درجات کے مالک ہیں کے نزدیک صرف فہم احسن مکلفین کی پیروی کا مورد ہے اور بس اگر چہ پورا قرآن احسن قول ہے لیکن قرآنی محققین کے ارتقائی اختلاف کی صورت میں علمی اور اعتقادی اور عملی اعتبار سے اکمل اور احسن ہی صرف اتباع کے لائق ہے۔سورہ نحل کی آیت میں " أَهْلَ الذِّكْرِ" کہ قرآن سے آگاہی رکھنے والوں کی نظر میں قرآن اور سنت قطعیہ کے لائق ہیں۔صرف یہی لائق افراد ہیں جو نادانستہ باتوں سے متعلق

صحیح سوال کا مورد واقع ہوتے ہیں،لیکن کن لوگوں کے لئے یہ سوال مناسب ہے؟آپ مکلف مسئول کے لئے" إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" کی شرط کے ساتھ اگر نہیں جانتے تھے اور نہیں جان سکتے کہ یا اس کی ذاتی توانائی اور کشش نہیں رکھتے یا پھر زندگی کی مصروفیتیں مسئولیت اور گرفتاری تمھیں اس کی مہلت نہیں دیتی کہ اپنے
مجہولات کو کتاب اور سنت کی روشنی میں تفصیلی استنباط کے ذریعہ تلاش کرو۔ یا اگر تمھیں ان دونوں ہی میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن اس وقت تکلیف آپہونچی ہے اور تمہارے پاس خود کفائی اجتہادی طور پر جاننے کی فرصت نہیں ہے تو اس مشترک الزاویا مثلث میں " إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ"" أَهْلَ الذِّكْرِ" سے سوال کرنا لازمی اور مناسب ہے اگر چہ تیسرے ضلع میں کبھی کوتاہی کر گئے ہو کہ خود کو موجودہ تکلیف تک پہونچنے کی راہ میں پہلے سے آمادہ کیا ہے۔

کیا یہاںصرف سوال کرنے کا موقع ہے کہ آپ کے لئے اندھی تقلید کافی ہو؟ہر گز ایسا نہیں ہے،کیونکہ" بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ " کی روشنی میں اس تکلیف کا بنیادی مرکز چند پہلو کا حامل ہے(یہ چند پہلو اس طرح سے ہیں کہ (مَا أَرْسَلْنَا ....نُّوحِي إِلَيْهِمْ ....فَاسْأَلُو...أَهْلَ الذِّكْرِ ...إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ)یہ سارے کے سارے " بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ " کے محور اور اس کی بنیاد پر ہے۔نُّوحِي إِلَيْهِمْ "بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ" فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ"بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ"إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ"و هكذا۔

کہ ان میں سے ایک اهل ذکر سے سوال کرنا ہے کہ "بینات و زبر"کی بنیاد پر روشن براهین کے ساتھ اور کتب وحی کو روشن کرنے والی دلیلوں سے محقق ہونا
چاہیئے۔اسلامی ماحول میں بینات اور زبر دونوں ہی "کتاب اور سنت قطعیہ" ہیں کہ یہ دونوں ہی رسالت کا معجزہ اور خود رسالت ہیں اور قرآن میں جمع ہیں کہ عقلا کے درمیان اختلاف کی کوئی راہ نہیں ہے۔اور اگر دوسری شریعتوں میں بینات ،انبیاء کے معجزات اور زبر ،آسمانی کتابیں رہی ہیں ۔لیکن ان دونوں کی آخری شریعت (قرآن کریم) میں جمع ہے کہ سنت محمد کی بھی اصل قرآن ہے خواہ لغوی دلالت کے اعتبار سے ہو خواہ وحیانی دلالت بالخصوص رسمی رمزی حروف کے لحاظ سے یا رموز ہو اس پر دلالت کرنے والے کلمات اور آیات کے بطون۔

ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ جس طرح " أَهْلَ الذِّكْرِ" صرف "بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ" لے محور پر لائق اور فائق علماء اور دانشور حضرات ہیں ،محققین اور ان سے سوال کرنے والے بھی "بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ" سے سوال کرے نہ یہ کہ ان سے جو کچھ سنا بغیر کسی دلیل اور برهان کے قبول کرلیں تو ایسی صورت میں ان کی اندھی اور یہودیوں جیسی تقلید ہوگی۔

مسئلہ۹-اصل ذکر سے سوال کے سلسلہ میں اگر آپ کے اندر استنباط کی صلاحیت پائی جاتی ہے تو آپ کا سوال بھی "کتاب اور سنت " کی روشنی میں ہونا چاہیئے کہ اگر دوسروں کی تقلید اور پیروی کرو تو آپ کی تقلید اور پیروی بھی اسی تفصیلی مبنیٰ پر ہونی چاہیئے ۔ورنہ کم سے کم ممکن حد میں تحقیق کرنی چاہیئے تا کہ آپ سمجھ سکیں کہ جس سے آپ سوال کر رہے ہیں وہ شخص"بینات اور زبر"(کہ مسلمانوں کے لئے کتاب اور سنت ہے)کی روشنی میں نظر دیتا ہو اور بس کہ " أَهْلَ الذِّكْرِ" عقلاء ہیں چاہے جس حد تک عاقل ہوں اگر قرآن اور سنت قطعیہ کی روشنی میں نظر نہ دیں تو ان کے نظریات اور فتوے کسی صورت کوئی اهمیت نہیں رکھتے(اور یہ مورد دوسری دلیل کا بھی طالب ہے کہ " إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ"اگر بینات اور زبر کے ذریعہ احکام شرعی دریافت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو اس آخری مرحلہ میں علمائے دین اور شریعت کے جاننے والوں کی تقلید کیجیئے کہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ان دو مبنی پر فتویٰ دیتے ہیں)بنابر یں سارے مکلفین اپنے دینی مجہولات کو حاصل کرنے کے لئے اجتہاد اور استنباط کریں مگر یہ کہ ہر شخص پر استعداد اور توانائی اور امکانات کے بقدر کاوش کرنا واجب ہے کہ تفصیلی یا اجمالی اجتہاد کرے ،گر چہ اس کا دوسرا پہلو (اصطلاحاً) تقلید ہے ،لیکن خود یہ تقلید بھی ایک اجمالی اجتہاد ہے کہ حکم الہی کو حاصل کرنے میں اسے مطمئن کردے یہاں پر بخوبی واضح ہے کہ تمام مکلفین کی احکام کی نسبت سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے احکام الہی اور شرعی کو جاننے میں مستقل اور بے نیاز ہو ۔خواہ براہ راست اپنے استنباط سے یا بالواسطہ اور ان فقہا کی مدد سے جو تفصیلی دلیل سے ان لوگوں کو قانع کردیں خواہ ان دونوں پہلوؤں کوعدم امکان کی صورت میں کہ ایسی صورت میں اپنے احکام دیندار اور پابند شرع عالموں سے دریافت کریں۔کیونکہ "اجتہاد"تکالیف شرعی کے حقیقی مصداق کو جاننے کے لئے خود سب سے پہلی تکلیف ہے اس کے بعد احتیاط یا مشروط تقلید ہے ۔

مسئلہ۱۰-آیا " أَهْلَ الذِّكْرِ" (یہ سچ ہے کہ اس آیت میں مخاطب اہل کتاب ہیں،لیکن " أَهْلَ الذِّكْرِ" کتاب اور سنت اسلامی کے بطریق اولیٰ جاننے والے ہیں کیونکہ سائل اور مسئول دونوں کے شرائط تمام شریعتوں میں ایک جیسے ہیں اور شریعت اسلام میں برتر ہے۔)کہ اس طرح کے سوالات کی لیاقت اور استعداد رکھتے ہیں اور ان سوالوں کی صحت میں کوئی شرط نہیں پائی جاتی؟

ج:سورہ زمر کی آیت کہ حکم الہی پر شائستہ آگاہی اور علم کی خبر دے رہی ہے ،اجتہاد اور تقلید میں سےدونوں ہی کو "احسنہ"کی بنیاد پر معین فرمایا ہے اور اس بنیاد پر سورہ نحل کی آیت بھی کہ صرف اس علم و آگہی کی اصلی راہ کی نشاندہی کر رہی ہے ،مکلفین کو "احسنہ" کی پیروی کرنے کی دعوت دے رہی ہے ۔اور چونکہ

یہاں پر "عباد"تمام مکلفین کو شامل ہے نہ صرف علما کو پھر اس قانون کی روشنی میں" يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ" قول حسن پر ناظر ہے نہ ہر بات اور نہ ہی ہر کس اور نا کس کی کیونکہ حق و باطل کی تمام باتیں سننے لے لئے عام لوگوں میں حوصلہ نہیں ہوتا اور کبھی کبھی گمراہ کرنے والا ہے صرف علمائے دین ہی ہیں کہ ہر حق اور باطل بات سننے کی صلاحیت اور لیاقت رکھتے ہیں تا کہ اس کے باطل کا انکار اور اس میں بہترین کا انتخاب کرے۔اور خود "احسنہ"بھی(کہ "بہترین"ہے)اس بات پر ایک دوسری دلیل ہے کہ قابل سماعت "قول" اور بیانات وہ ہیں کہ عاقلانہ اور عادلانہ طریقے سے کتاب اور سنت کی بنیاد پر اور شیعہ دوازدہ امامی میں سے حقیقت کی نظر رکھنے والا ہو۔لیکن قرآن کی نظر میں وہ قول اور بیان خوبصورت اور "حسن" ہے اور زیباترین اور احسن وہ قول ہے کہ حکم خدا کو بیان کرنے کے دوران قرآن اور سنت کے ساتھ ہم آہنگ اور رساتر ہو ۔کہ ان دونوں صورتوں کے علاوہ" أَهْلَ الذِّكْرِ" مرجع تقلید نہیں ہیں اور نہ ہی اس کا قول حسن ہے چہ جائیکہ احسن ہو۔

کسی ایسےشخص کو فتوی دینے کا حق نہیں ہے جس نے اصل کے عنوان سے احکام قرآن کا ایک مکمل دورہ اور اس کے ساتھ سنت قطعیہ کی درست تحقیق اور بررسی نہ کی ہو۔اور اگر دے تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا اور اس کا اتباع اور تقلید بھی حرام ہے کیونکہ بہت سارے فقہا کے گمان کے خلاف قرآن کی ایک ہزار سے زیادہ آیت قرآن میں فقہی احکام سے متعلق ہیں حتی صرف ۵۰۰ آیات کے ان (فقہا) کے خیال میں آیات احکام ہیں ؛بھی کو علما حضرات نے شائستہ اور سنجیدہ انداز میں مورد استدلال واقع نہیں ہوتی ہیں اور ان کے گمان میں (ظنی الدلالۃ)ہونے کی وجہ سے اگر روایات یا اجماعات ،شہرتوں یا فتووں کے خلاف ہو تو بھی زبردستی اس کی تاویل اور توجیہ کردی ہے۔ اور مظلوم قرآن میں موجود نص یا ظاہر کے خلاف نظر دیتے اور فتویٰ صادر کردیتے ہیں۔

اسی طرح ایسے شخص کا بھی فتویٰ دینا حرام ہے جس نے(قرآن کریم) کو قطعی دلیل کے عنوان سے قبول نہ کیا ہو اور اس کی لغات اور جملوں کی دلالت کو ظن اور گمان کی حد میں قبول کرتے ہیں بنابریں تمام مکلفین اور بالغ و عاقل حضرات پر قرآنی فتووں کے حصول کے لئے شائستہ انداز میں تلاش اور جستجو کرنا واجب ہے؛کیونکہ انتہائی افسوس اور شرم کی بات ہے کہ شیعہ اور سنی بہت سارے فقہا کے نظریات قرآنی بنیاد پر نہیں ہیں،اور نص (قطعی اور واضح حکم کی سو فیصد دلالت) یا "قرآن" میں موجود ظاہر(ظاہر مستقر یعنی کامل تحقیق کے ساتھ قرآن کے ثابت اور آشکار مطلب)کے خلاف ہے کہ یہ بھی سنی فقہا کی اپنی ششگانہ (صحاح ستہ)کتابوں کے مقابلہ میں قرآن کی نسبت بے توجہی کا نتیجہ ہے۔اور شیعہ فقہا کی جانب سے قرآن کے قطعی دلائل کو ظنی اور گمانی سمجھنا ہے اور یہ خود اسلامی تمام شعبوں

میں ثقافتی حملہ کی بنیاد ہے کہ ان میں سے ایک مسلمانوں کے درمیان اعتقادی اور احکامی استعمار اور خارجی اور داخلی استعمار کے پٹھو ہیں کہ ان کے مقابلہ میں اسلام قرآنی اور خالص محمدی نے گمراہی کے تمام سرچشموں کو پاؤں تلے روند کر دقیق تفکرات اور انفرادی ،اجتماعی اور شورائی صحیح اعمال کو (قرآن کریم اور سنت) اصلی اور جاوید مبنی پر مکلفین کے لئے قرار دیا ہے۔

مسئلہ ١١۔سورہ نحل کی آیت میں " بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ"سوال اور جواب کو صرف اور صرف "وحی"کے محور پر رکھا ہے اور یہاں پر بھی "احسنہ"کی بنا پر احسن الاقوال کو صرف وحی کے حسین اور خوبصورت نظریات ہیں قابل سماعت قرار دیا ہے تا کہ ان میں سے جو سب سے بہتر ہو اس کی پیروی کریں۔لہٰذا "عباد"کے لئے سننے اور کہنے کی وہی بات خوبصورت ہے جو قول الٰہی کی روشنی میں ہو اور بس۔اور اگر امام حسن عسکری(ع) کی حدیث میں "احسنہ"کی لفظ ذکر نہیں ہوئی ہے اور اس میں صرف مرجعیت کے لئے مناسب صفات ذکر ہوئے ہیں۔تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نے اندھی تقلید کی مذمت کرنے کے بعد تقلید کے عمومی موارد کو بیان کررہے تھے کہ صرف یہی لائق افراد اس کے محقق ہیں۔یعنی دوسروں کے مرجع تقلید بننے کی لیاقت رکھتے ہیں نہ کوئی ۔

احتجاج طبرسی اور تفسیر امام حسن عسکری(ع) میں آنحضرت سے منقول ہے کہ آپ نے ایک طولانی حدیث میں تقلید کے سلسلہ میں نا اہلوں کو شمار کیااوراس کے بعد اہلیت رکھنے والوں کی صفات بیان فرمائے (آیت----------)لیکن جو بھی فقہا (بینات اور زبر)،کتاب اور سنت قطعیہ کی روشنی میں فقہ ہے(وہ شخص جو اپنے نفس کو حفاظت کرتا ہے)کہ احکام کے سلسلہ میں اپنی عقلی اور نفسانی خواہشات کا استعمال نہ کرے (اور اپنے دین کا محافظ ہو) کہ دین کی ناموس کو عقیدہ،جان،مال،عقل اور آبرو جیسے پنجگانہ نوامیس پر مقدم کرے اور اسے ترجیح دے(اور اپنے نفسانی خواہشات کی مخالفت کرے)کہ اپنی نفسانی خواہشات کی لگام چالاکی اور خوبی کے ساتھ عقل ایمان اور تقوٰیکے قوی ہاتھ میں لےلے -(اور اپنے مولا(خدا)کے امر کا فرمانبردار ہو)تو عوام پر اس کی تقلید کرنا واجب ہے یہاں پر"لئے""نہ پر"صرف تقلید کی تجویز کو اس کی حرمت کے مقابلہ میں بیان کیا ہے اور سورہ زمر کی آیت "پر" کو کہ وجوب تقلید ہے"احسنہ""ان میں سب سےبہتر" میں منحصر کیا ہے۔نتیجہ یہ ہوا کہ تقلید صرف اور صرف احسن القول کی پیروی کا نام ہے اور بس ۔جیسا کہ سورہ نحل کی آیت بھی اسی طرح ہے کہ" فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" کہ اس آیہ کریمہ میں بھی سائل اور مسئول کے عمومی مورد اور مقام کو بیان فرمایا ہے اور حسن اور احسن کے بیان کے مقام میں نہیں تھے ۔سورہ زمر کی آیت میں " فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ " بہترین اقوال کا اتباع کتاب و سنت کی روشنی میں ہونے والے قول کی پیروی واجب جانی ہے

۔اور دیگر تمام نیک اقوال کے اتباع کو "عباد"کی روش کے خلاف جانا ہے اور "احسنہ"کے علاوہ کے ماننے والوں کو گمراہ اور احمق جانا ہے کہ " أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّـهُ ۖ وَأُولَـٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ" سورہ زمر آیت ۱۸شاہد ہی مدعا ہے۔

مسئلہ۱۲۔احسن الاقوال کا انتخاب ایک عمومی اور شرعی ذمہ داری ہے کہ تمام مجتہدین ،مقلدین اور احتیاط کرنے والوں شرعی تکلیف کو مشخص اور معین فرمایا ہے ۔کیونکہ آیہ کریمہ میں لفظ عباد کا اطلاق علماء اور غیر علما تمام مکلفین کو شامل ہے کہ عوام اور مقلدین ہیں نہ صرف علما اور مجتہدین کو یہ لوگ اپنے نظریات کی تحقیق اور بررسی کرنے کے علاوہ ادلہ اور براھین سے اپنے ہم نوع اور ہمراہ دیگر علما کے نظریات کی بھی بررسی کریں اور اپنی پسندیدہ برھان سے ان میں سے بہترین کا انتخاب کریں کہ۔" وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" سورہ شوریٰ آیت ۳۸۔"احسنہ"کے حصول کا خود ایک گروہی وسیلہ ہے اور دوسرے لوگ بھی کہ اس طرح کے اجتہاد کی فرصت یا صلاحیت نہیں رکھتے انہیں "احسن القول"تک پہونچنے کے لئے اجتہاد کرنا چاہیئے کہ شرعی وسیلہ جیسے دو عادل کی گواہی اور قرآنی محققین کے درمیان شائع اور رائج ہو اور شہرت سالم ہو اور قرآن کی روشنی میں بغیر کسی معارض کے برابر یا قوی تر۔۔۔ یا پھر دوسرے کسی شرعی وسیلہ سے لائق مجتہدین کا اتباع کریں کہ حضرت امام حسن عسکری(ع) کی حدیث کے مطابق چار نایاب خصوصیات کے مالک ہوں تو کیا یہ دقیق بررسی عقل و فکر کا استعمال کئے بغیر ایمان کی روشنی میں ممکن ہے؟ہرگز!!

مسئلہ۱۳۔" فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ " آیہ کریمہ میں ہر مکلف پر احکام شرعی سے متعلق بہترین نظریات کی پیروی کرنا واجب ہے ۔اس معنی میں ہے کہ اس "احسنہ"پر رجحان پیدا کریں اور اس کا استعمال کریں کہ اس کے درمیان "حسن" مطلق تک رسائی ہو کہ احسن القول اور حکم الہی ہے،یہ حسن مطلق ،مطلق ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ کہ اس کے مقابلے میں سارے احسن اصلاًحسن نہیں ہیں ،بلکہ قبیح ہے۔اور "احسنہ"صرف ان مقامات پر ہے کہ جہاں حقیقت سو فیصد ظاہر نہ ہو اور اس کے بارے میں جو اقوال ہیں وہ حسن اور احسن کے درمیان دائر ہوں ،کہ پسندیدہ اور پسندیدہ تر حقیقت سے نزدیک اور نزدیک ہونے کے اعتبار سے ہے ،بنابریں "احسنہ"کی پیروی ---- ہے اور بس،اور "احسنہ" کا صرف معیار یہ ہے کہ صاحب نظر کوشش اور تلاش کے اعتبار سے احکام خدا کو بیان کرنے اور اس میں غور و خوض کرنے کے اعتبار سے زیادہ عالم ،زیادہ پابند اور زیادہ پرھیزگار ہو۔

مسئلہ۱۴۔"تقلید"اور بہترین اور خوبصورت عبارت میں "اتباع احسن القول"صرف متعہد اور پابند فقہا کے بہترین نظریات کا اتباع ہے اور صرف اس وجہ سے کہ یہ

فتوے بہتر اور حقیقت سے زیادہ قریب ہیں ،مورد اتباع ہوں گے ،کہ اگر اس نظریہ کا مالک زندہ یا مردہ ہو ،بالغ یا نا بالغ ،مرد یا عورت یا خواجہ سرا ،یا جو بھی شرائط بیان کئے گئے ہیں ان پر ہو یا نہ ہو،صرف اعلم اور اتقی ہونا شرط ہےاور کچھ نہیں کہ بہترین رای کا انتخاب کے لئے یہی روش بہترین روش ہے اور صرف یہی اس پیروی کے لازم ہونے کی بنیاد ہے۔

مسئلہ۱۵۔اس اصل کی روشنی میں " فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ " کے مطابق اس میت اعلم اور اتقیٰ فقیہ کی کی ابتدائی تقلید تمام مکلفین پر واجب ہے۔اور جہاں تک ہم پہچانتے ہیں،وہ (مجتہد) تمام زندہ اور مردہ مجتہدین پر فضیلت اور برتری رکھتا ہے(جو اعلم،اتقیٰ اور افقہ ہوگا)(چنانچہ متقدمین میں سے صاحب حدائق اور معاصرین میں سے آیۃ اللہ حکیم ،آیۃ اللہ خمینی اور آیۃ اللہ خوئی نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس مردہ مجتہد کی تقلید پر باقی رہنا جو جو تمام زندہ مجتہدین سے اعلم ،اتقیٰ اور افقہ ہے ،واجب ہے اگر چہ ان مسائل میں کہ جن پر عمل نہیں کیا ہے)کیونکہ اجتہاد،تقلید یا احتیاط کا اصلی مقصد احکام خدا میں سے بہترین اور صحیح ترین تک رسائی ہے ، خواہ مردوں کے نظریہ کے مطابق ہو یا زندہ افراد کے کہ اس میں اصلی مرجع اور مقلد ،خداوند سبحان ہے اور وہ ہمیشہ زندہ اور باقی ہے ،اور تمام انبیاء،ائمہ اور علمائے دین اور پابند شریعت حضرات سارے کے سارے احکام الہی کی روایت کرنے والے ہیں اور بس ۔اس اصل کی بنیاد پر اعلم اور اتقی میت کی تقلید دیگر تمام برتر تقلیدوں کی طرح در حقیقت خداوند حی و قیوم کی تقلید ہے نہ کہ مردوں کی ۔اس وقت سارے مجتہدین سب سے پہلے معصوم خدا کے نظریات کو حاصل کرنے کی اپنے استنباط میں کوشش کرتے ہیں کہ آخری کے علاوہ یہ سارے لوگ مرچکے ہیں اور ان سے سوالات نہیں کئے جاسکتے ت کی تقلید اور اس سے سوال کرنا حرام ہو تو یہ سارے اجتہادات بھی حرام ہوگے ،اور اگر پہلی بات بیان کی جائے کہ یہ سب خدائی تقلید کی جانب بازگشت کریں گے۔بلکل یہی بات مردہ مجتہدین کی تقلید کے بارے میں بھی تکرار ہوگی کیا ایسا نہیں ہے کہ یہ لوگ خود پیغمبر اور ائمہ معصومین(ع)کی تقلید کرتے ہیں ۔پس مقلدین خود کو مردہ فقہا کی تقلید کرنے سے کیوں روکتے ہیں ۔اور بہت حیرت کا مقام ہے کہ تقلید ابتدائی میں اعلم اور اتقیٰ کے زندہ ہونے کی شرط(کہ کتاب و سنت میں اس کے مخالف دلیل کے سوا ہرگز کوئی دلیل نہیں ہے)اتنا زیادہ قوی اور اصلی ظاہر ہوا ہے کہ اس کے سلسلہ میں حرمت کا فتوی بھی دیا گیا ہے۔اور یہ جو کہا ہے مردہ کی کوئی رائی نہیں ہوتی اور اس کے مر جانے سے رائی بھی مر جاتی ہے ،خود یہ بات مردہ لگتی ہے اور سارے لوگ جانتے ہیں کہ"احسن القول"جب تک بہتر یا اس کے برابر قول سامنے نہیں آتا وہ بہتر اسی طرح زندہ اور لائق تقلید ہے اگر چہ اس کا مالک مر چکا ہو چنانچہ "احسن القول"کے علاوہ بھی جب تک احسن القول کے

مرتبے کو نہ پہونچ جائے اسی طرح مردہ ہے اگر چہ اس کا قاتل زندہ ہو ،کیا معصومین (ع) کے نظریات (ان کی رحلت کی وجہ سے)مردہ ہیں!!!؟؟؟

بنابریں ایک ایسے زندہ مجتہد کی تقلید کہ مردہ مجتہد اس سے زیادہ بہتر اور لائق ہے ،خود مردہ ایک تقلید اور مردہ کی تقلید ہے ۔اور اس کے مقابلہ میں اس مردہ کی تقلید کہ اب تک تمام زندہ اور مردہ مجتہدین سے بہتر ہے ایک زندہ تقلید بلکہ زندہ کی تقلید ہے کہ مورد تقلید صرف "احسن القول"ہے اور یہ بھی زندہ ہے نہ مردہ یا زندہ شخص اور اگر یہ کہیں کہ مسلمانوں کی رہبری سیاسی اور روحانی دو قسم کی ہے اور مردہ شخص سیاسی رہبری نہیں کرسکتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیاسی اجتہادات زمان و مکان کی تبدیلی کی وجہ سے مختلف اور بدلتے رہتے ہیں جیسے تمام ---- جدید مسائل زندہ مجتہدین میں منحصر اور "احسنہ"کے نظریات پر مبنی ہیں ،اگر چہ اس نظریہ کا مالک مردہ کا مبنی رکھتا ہو لیکن جو احکام شرائط زندگی کے اختلاف کی بنا پر دگرگوں نہیں ہوتے اسی طرح" يَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ "کی ضرورت میں اپنی جگہ پر ثابت ہیں کہ اگر زندہ مجتہد سیاسی رہبر بھی ہو کہ ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے چنانچہ وہ سیاسی رہبر غیر سیاسی احکام میں اعلم اور اتقیٰ کی تقللید کرنی چاہیئے اور احکام سیاسی میں کہ وہ (بالفرض)اعلم اور اتقیٰ ہو خود اس کی تقلید کی جائے گی کہ یہاں پر تجزی کی اصطلاح میں تقلید واجب ہے اس معنی میں کہ اس کی تقلید کو جزء جزء کر کے اور عبادی پہلو کہ مجتہد اس پہلو میں اعلم ہے، اس کی تقلید کرنی چاہیئے جس طرح تجزی اجتہاد میں جائز ہے اسی طرح تقلید میں بھی تجزی جائز ہے اور یہ تنقید بھی کہ ---تقلید کا وجوب یا جواز ہے حوزہ ھای علمیہ کو سست کردیتا ہے ،یہ خود ایسی سست بات ہے کہ ،حساب کئے بغیر ذکر ہوگئی ہے،کیونکہ خود میت کی تقلید پر باقی رہنا ان کے موارد نقض میں سے ایک ہے اور اصل اجتہاد اس بنیاد پر نہیں ہے کہ جو شخص بھی مقام اجتہاد تک پہونچنے کے لئے درس پڑھے تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اعلم ،اتقیٰاور مسلمانوں کا مرجع ہوجائے ،بلکہ "اجتہاد"(جیسا کہ گذر چکا) ایک عمومی واجب ہے مگر عذر کی صورت میں کہ تقلید اس کی جاگزیں ہوگی۔

اور اس وقت اگر اجتہاد بھی اعلم اور مسلمان کا مرجع ہونے کی بنیاد پر ہوگا تو جس قدر ان کے پیرو کار زیادہ سے زیادہ ہوں گے مجتہدین کی کوشش اور کاوش بھی اس سلسلہ میں اتنی زیادہ ہوگی نہ کمتر کہ اگر آپ ایک چھوٹے حوزہ میں ہوں تو اس حوزہ میں اعلمیت کے لئے کوشش کریں گے لیکن اگر مرکزی حوزہ میں ہوں گے تو پھر مرکزی حوزہ میں اعلمیت کے لئے کوشش کریں گے ۔بہر صورت اس طرح کے عذر و بہانہ گناہ سے بدتر ہیں کہ اگر کوئی چیز ہو بھی تو قرآن کے مقابلہ میں

مصلحت اندیشی ہے اور ہرگز کوئی نقش نہیں رکھتی۔ہر قرآن کے نقش کے سامنے ہر نقش،نقش بر آب ہے ۔اور بالاخر یہ "يَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ " ایک با برکت حرکت کے لئے تحریک ہے کہ ہمیشہ تمام شائستہ مکلفین کو اجتہادی استعداد کے ساتھ بہترین اور شائستہ ترین تک پہونچنے کے لئے حقیقت سے متعلق نظر انتھک اور دائمی کوشش پر ابھارتی ہے کہ شخص کو کوشش و کاوش اور تفکر اور ساتھیوں کی ہماہنگی سے ایمانی مقصد تک مسلمان کے ۔۔۔مجمع "احسن القول" کے انتخاب کے لئے اپنی تمام توانائیوں کو جہت دے کر بہترین راہ کے لئے کوشاں ہوں تا کہ شخص پر جمود اور رکود سے (زندہ ہو یا مردہ) آزاد ہو جایئں کہ ان کوششوں کا واحد مقصد بہترین تک پہونچنا اور خدا کی مرضی کی راہ سے نزدیک ہونا ہے کہ رہروان حقیقت اس میں قدم اٹھایئں تا کہ اسے پاسکیں۔

مسئلہ١٦۔اس بنیاد پر کہ اجتہاد اور تقلید دونوں ہی "احسن القول"کو حاصل کرنے کے لئے ہے اگر دونوں وسیلہ کے علاوہ کوئی عمل انجام دے اور گروہ واقع کے مطابق ہو (کہ خدا جانتا ہے) تو قابل قبول ہے کیونکہ اجتہاد یا تقلید میں کوشش اور تلاش کا مقصد اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہے اور قصد قربت میں اس طرح نیت کرنا کافی ہے کہ حکم الہی کی موافقت کی امید میں اس کام کو کررہا ہوں اور اگر واقع کے خلاف اور "احسن القول" کے مطابق ہو تو یہاں پر بھی قابل قبول ہے کہ اجتہاد اور تقلید کا دوسرا مقصد احسن القول کا پانا ہے ۔ان دونوں صورتوں میں صحت عمل کے لئے کوئی وجہ نظر نہیں آتی ،مگر یہ کہ وہ شخص قاصر مطلق ہو کہ تکلیف کو نہ جانے اور یہ بھی نہ جانے کہ وہ نہیں جانتا اور اس طرح کے موارد میں وہ قاصران مطلق کے حکم میں ہے۔مگر یہ کہ غیر اعلم کی تقلید جائز ہو اور اس کا عمل اس کی رای کے مطابق ہو کہ تقصیر کی صورت میں بھی اس کا عمل درست ہے اور اب اگر کسی دن ہوش میں آجائے اور اپنی گذشتہ خطا کی تلافی کرنی چاہے تو پہلی صورت کی نسبت کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ واقعیات مطلق کو صرف خداوند متعال جانتا ہے اس کے بعد رسول اکرم اور ائمہ معصومینؑ اور وہ شخص جس کا ہاتھ ان مرحلوں سے دور ہے اور قہری طور پر حقائق کا ادراک نہیں کرسکتا تا کہ اپنے اعمال اندازہ لگا سکے کہ اس کا عمل ان کے مطابق تھا یا نہیں بنابر یں اس کی ذمہ داری ہے کے جو اعمال احسن القول کے مطابق نہ ہوں یا احسن القول کے مخالف تھے انہیں دوبارہ انجام دے مگر یہ کہ دوسرے حصہ میں داخل ہو یعنی(احسن القول) کے موافق تھا کہ یہاں پر اس کے تمام اعمال کے اس کے موافق تھے صحیح ہیں لیکن اگر"احسن القول" کے مطابق نہ ہو لیکن دوسروں کے فتوے کے مطابق تھا تو اس قسم کے اعمال کی صحت کئ لئے کوئی وجہ نہیں ہے مگر عدم وجوب تقلید اعلم اگر اس کے اعمال تمام

فتووں کے مخالف ہوں تو ایسی صورت میں ممکنہ حد تک ایسے اعمال کا تکرار کرے یا ان کی تلافی کرے۔

مسئلہ ۱۷-زیادہ تقوی کی تشخیص مین کبھی کبھی خود مکلف دوسروں سے زیادہ کامیاب ہوسکتا ہے ۔یا پھر کسی دوسری شرعی صحیح راہ سے حاصل کرے مثلاً احتمال نہیں --کہ یا مرجع حقیقت کو مصلحت کا فدیہ بنائے گا یا یہ احتمال دے کہ یہ شخص دوسروں سے کم ہے ۔لیکن اعلم ہونے کی تشخیص یا قرآنی اہل خبرہ دو عادل کی گواہی کہ برابر معارض یا برتری نہ رکھتا ہو یا شہرت اور صحیح چرچا جس میں کوئی دھوکہ اور فریب نہ ہو اور حقیقت کی نظر سے ہو یا ایسا مکلف کہ خود اہل خبرہ اور مسائل فقیہہ کی تشخیص (کمیٹی) میں ہو،مجتہدین کے نظریات کی تحقیقی سے ان کے درمیان سے برتر یا بطور اطمینان یا (کم سے کم) عرفی اور عقلائی احتمال تشخیص دے کہ ہر صورت اس شخص کی تقلید واجب ہے لیکن کسی بھی ممکن وسیلہ سے نہ اعلمیت پر اطمینان حاصل ہو اور نہ احتمال تو یہاں پر مخیر ہے(اسے اختیار ہے) کہ جس کی چاہے اس کی پیروی کرے یا ان کے درمیان اس کی تقلید کی ترویج کرے اور اہل خبرہ (اس فن کے ماہرین) کی طرف رجوع کرنے کا مسئلہ ایک وجدانی ،فطری اور شرعی اصل ہے کہ اگر تم خود شرعی مسائل میں اہل خبرہ نہیں ہو تو اس مسئلہ میں ماہرین کی طرف رجوع کرو تا کہ وہ اپنے ماہر ہونے کی بنیاد پر علم و تقویٰ کے لحاظ سے برتر اور مورد اعتماد شخص کے بارے میں تمھیں بتا سکے ۔اور مہارت اور شہرت قرآنی محققین میں منحصر ہے اور بس نہ غیر قرآنی کہ احسن القول کا بیان نہیں ہے بنابریں چونکہ ہم یقین رکھتے ہیں ہمارے حوزہ ہائے علمیہ افسوس کے سو فیصد قرآنی بنیاد نہیں رکھتے ،لہٰذا عام طور سے ان مسائل میں مورد مشورت واقع نہیں ہوسکتے۔

مسئلہ ۱۸- اگر مجتہدین کا ایک گروہ تقویٰ اور پرہیزگاری میں برابر ہے لیکن علمی اعتبار سے ان میں سے ہر ایک فقہی مسائل میں دوسرے سے برتر ہے تو یہاں پر "احسن القول"کی بنیاد پر اس کی تقلید کی ترویج کرنا واجب ہے ۔تا کہ ہر صورت "احسن القول"کی پیروی کی ہو۔

مسئلہ۱۹-اگر دو یا چند مجتہدین کے درمیان علم وتقویٰ میں تقریباً برابر ہوں ان میں سے بعض اعلم ہو تو بعض اتقیٰ ہوں تو یہاں پر اتقیٰ مجتہد کی تقلید اعلم پر مقدم کرنا لازمی ہے (یاد رہے کہ یہاں کے بعد سے علم،اعلم اور اعلمیت کی بات پیش آئے تو اس سے مراد کتاب اللہ اور رسول اللہ کی سنت قطعیہ کی بات ہے ۔ورنہ دیگر کتابوں کا اعلم (اعلم بہ اجماعات،شہرت،قالات،قیلات و---- خواہ کتنا ہی با تقوی ہوگا چونکہ اس کا علمی مبنیٰ سو فیصد قرآنی نہیں ہے،اس کی تقلید جائز نہیں ہوگی)

کیونکہ علم صرف واقعیت (حقیقت) کا کشف کرنے والا ہے لیکن تقویٰ واقع کی نگہبانی کا ایک معاہدہ اور پابندی ہے اور واضح ہے کہ کمترین مہارت کے ساتھ زیادہ پابند کم تعہد کے ساتھ زیادہ مہارت سے بہتر ہے ۔تقویٰ بھی دو پہلو کا حامل ہے حقیقت نگری بہتر اور نگہبانی بہتر حقیقت ہے۔کہ (إِن تَتَّقُوا اللَّـهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا)(سورہ انفال،آیت ۲۹) (اگر تم تقوٰی الٰہی اختیار کرو گے تو وہ تمہیں حق و باطل میں تفرقہ کی صلاحیت عطا کردے گا)چنانچہ تقوی کے بغیر اصل علم صرف حقیقت کو جاننے نظر دینے کا وسیلہ ہے نہ اس کی محافظت اور نگہبانی کا لیکن بے علم تقوی حقیقت کی نسبت نظر دینے کا بھی وسیلہ ہے اور اس کی نگہبانی کا بھی کے اگر واقع پر نظر کرنے میں کوتاہ نطر ہوگا چنانچہ واقع کے مطابق اس پر نظر نہ کرے اور اسے دریافت نہ کیا ہو تو حکم تقوی کے مطابق اس سے متعلق سوالوں کے جواب میں نہیں جانتا ۔

اعلمیت کے تین اصلی رکن درج ذیل ہیں:

۱-زیادہ سے زیادہ استعداد(صلاحیت)

۲-اس استعداد کا زیزادہ سے زیادہ استعمال کرنا

۳-کتاب اور سنت میں صحیح ترین بمنیٰ

اور اتقی (سب سے زیادہ پرہیزگار) ہونے میں بھی تین اصلی شرط ہے:۱-واقع سے متعلق زیادہ سے زیادہ جستجو اور تلاش (تحقیق اور کاوش)۲-جو کچھ سمجھا ہے اس پر خود عمل کرے ۳-جس طرح سمجھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے دوسروں کے لئے بیان کرے با تقوی شخص کے اندر ان تینوں علمی تعہد میں خلاف ورزی کرنے کا احتمال اعلم کی نسبت بہت کم ہے بنابریں اتقیٰ کی تقلید کرنا اعلم کی تقلید کرنے کی نسبت (کہ ان میں سے دونوں ہی عالم اور باتقویٰ ہیں)لازمی طور پر برتری رکھتا ہے ۔ان لوگوں کے درمیان جو علم اور تقویٰ کے لحاظ سے برابر ہیں ،اگر اتقیٰ کے احتمال دیا جائے تو اس کا تقلید کرنا چاہیئے جس کے بارے میں تقوی کا احتمال زیادہ ہے(اور اسی مبنیٰ پر) اتقیٰ کی تقلید واجب ہے ۔

مسئلہ۲۰-جس طرح اصل اجتہاد اور تقلید میں احسن القول کی پیروی واجب ہے،اس مرجع کا فتوی حاصل کرنا جس نے یہ بنیاد (کتاب اور سنت)اختیار کی ہے ممکن نہ ہو تو شائستہ ترین نقل کرنے والوں سے سنے نہ ہر مسئلہ بیان کرنے والوں سے اور اگر اپنے مرجع تقلید کا گوناگوں رسالہ موجود ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس میں کونسا پہلے لکھا ہے تو عدم امکان کی صورت میں جس پر زیادہ اطمینان ہو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔بالاخر ہمہ جگہ اور ہمیشہ"احسن القول"پیشقدم اور آگے ہے۔

مسئلہ۲۱۔اگر عاقلانہ احتمال دے کہ اس کے مرجع کا فتوی کسی مسئلہ میں عوض ہوگیا ہے تو اسے حتی الامکان کوشش کرنا چاہیئے تا کہ یہ احتمال برطرف ہوجائے یا موجودہ مرجع کا نظریہ بخوبی نہ جانتا ہو تو موجودہ فتوی کی ممکن تحقیق سے پہلے اس کے گذشتہ فتوی پر عمل کرے کہ "احسن القول"کو مورد اطمینان ہونا چاہیئے کیونکہ گذشتہ فتوی کے بدلنے کا احتمال اسے"احسن القول"پر اطمینان کرنے سے دور کردیتا ہے۔

مسئلہ۲۲۔اگر کسی نے کسی مجتہد کا فتوی اس کے مقلد کے لئے غلط بیان کردیا یا اس مجتہد کا فتوی صحیح فتوی بیان کرنے کے بعد عوض ہوجائے تو ہر صورت اس مقلد کو اس فتویٰ سے آگاہ کرنا واجب ہے بالخصوص سب سے پہلے مسئلہ میں مگر یہ کہ دوسری صورت میں وہ مطمئن ہو کہ خود مقلد عقلائی احتمال کی بنیاد پر فتوی کے بدل جانے سے اپنی تکلیف پر عمل کرتا ہے۔

مسئلہ۲۳۔اگر تمام مسائل میں اجتہاد مطلق کی توانائی یا امکان نہ ہو لیکن بعض مسائل میں اس کی قدرت رکھتا ہے یا خود کتاب اور سنت قطعیہ کی روشنی میں اجتہاد کرے اور حکم الہی کو حاصل کرے یا کوئی دوسرا مجتہد ان مسائل کو اس طرح بیان کرے کہ وہ مطمئن اور قانع ہوجائے ۔ان دونوں صورتوں میں اس کے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے جس پر وہ دلیل شرعی سے قانع ہوا ہے جیسے نماز اور مسافر کا روزہ کہ نص " يُرِيدُ اللَّـهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ"(سورہ بقرہ آیت ۱۸۵)روزہ مسافر کے افطار کے سلسلہ میں کہ" الْعُسْرَ"کو سفر میں افطار کے لئے (یا اس کے علاوہ) روزہ کی حرمت کا سبب جانا ہے (اور نیز(سورہ نساء کی ۱۰۱ آیت میں)نماز قصر پڑھنا خطرہ کی صورت میں منحصر ہے۔وہ بھی نماز کی کیفیت میں قصر نہ تعداد میں چنانچہ(سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۹میں)ذکر ہوا ہے" فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا")صرف اور صرف خطر کو نماز اور روزہ کے قصر ہونے کا موضوع جانا ہے (نماز ،روزہ کی کیفیت میں کمی آئے گی نہ تعداد میں)ایسی صورت میں اسی نظریہ پر عمل کرنا چاہیئے ،کیونکہ" إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ"کہ موضوع " أَهْلَ الذِّكْرِ"سے سوال کرنے کا ہے،خارج ہوگیا اور اس مسئلہ میں خود ہی اہل ذکر ہوگیا ہے ۔اس صورت میں کہ کوئی مجتہد تم سے کہ خود مجتہد ہو (اپنے فتوی یا بعض میں(کتاب اور سنت)کی روشنی میں)تم سے برتر ہو تو اتباع احسن القول کی بنیاد پر ان فتوی میں جس میں وہ تم سے برتر ہے تمھیں اس کی تقلید کرنی چاہیئے البتہ اس اجتہاد کی بنیاد پر کہ خود وہ ایک اجتہادی تقلید ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے مقلدین یا اجتہاد میں متجزی افراد بلکہ مجتہدین بھی کتاب"مسافران"کا مطالعہ کرکے قانع اور آگاہ ہوگئے ہیں اور اپنی تقلید یا اپنے اجتہاد کو بدل دیا ہے ۔کہ عادل اور منصف مزاج مجتہدین وہ ہیں کہ

اپنی رائی پر تعبد کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ دلیل کے تابع ہیں اور جب انھیں کوئی قطعی دلیل مل جائے تو اپنی رائی اور نظر کو اس مبنیٰ پر استوار کرتے ہیں ۔اور دوسرے اس مبنیٰ پر کہ یہ خود "احسن القول"ہے اسے قبول کرنا چاہیئے اور یہ بہت ہی حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے علمائے دین نوعاً دشوار اور عقلی مسائل کو عوام الناس کی دسترس میں قرار دیدیتے ہیں جبکہ ان میں سے بہت سارے افراد اسے دریافت کرنے کی کوشش نہیں رکھتے چونکہ ایسے تخصص اور ایسی مہارت کے مالک نہیں ہیں لیکن فقہ کے عملی مسائل کے عموماً عرفیات سے زیادہ نہیں ہوتے اور ان کا سمجھنا بھی اسی عرف سے مخصوص ہے ۔ان کی دسترسی سے دور رکھتے ہیں ۔جبکہ آیات و روایات کے عرفی مفاہیم کا ادراک کرنے میں خود بھی اسی عرف کے محتاج ہیں ۔کیوں اس طرح بر عکس عمل کرتے ہیں؟خدا جانتا ہے اور اس کا اہل ۔جبکہ پیغمبر اعظم اور ائمہ اطہارؑکی روش یہی رہی ہے کہ اسلامی حقائق بالخصوص احکام شرعی کو ممکن حد تک دلیلوں کے ساتھ لوگوں کے حوالے کرتے تھے تا کہ ہر شخص اپنی استعداد اور صلاحیت کے بقدر ان بیکراں معارف سے بہرہ مند ہو اور حتی المقدور دینی حقائق کے دریافت کرنے میں مستقل ہوجائے ائمہ معصومینؑ کہ علاوہ کہ یہ ہستیاں پیغمبر کی تمام رسالت کی دریافت کرنے والے تھے ۔اور تمام مسلمین کسی بھید بھاؤ اور امتیاز کے منبر شریعت سے ان باتوں کو غور سے سنتے اور اپنے دینی احکام کو سمجھنے اور کتاب اور سنت کی روشنی میں نظریہ کا۔۔کرنے میں ہمیشہ پوری تاریخ اور مکانی وسعت میں مطیع،فرمانبردار اور آزاد ہوں۔اور چونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کہ دونوں ہی اسلامی احکام ہیں تو اس طرح مستدل(دلیل کے ساتھ)بیان کرتے تھے اور آیات اور روایات کے مخاطب سارے مکلفین تھے اس بنا پر ان کا سمجھنا بھی کسی خاص گروہ میں منحصر نہیں ہے کیونکہ"ھو للناس "ہے بنابریں علمائے دین کی ذمہ داری ہے کہ ممکنہ حد تک "ناس"کی نارسائی کو کتاب اور سنت کو سمجھنے میں برطرف کریں اور اس سلسلہ میں انھیں قوت پرواز عطا کریں ۔اور جو کچھ ان سے کہتے ہیں حتی الامکان دلیل اور برھان سے ہوتا کہ یہ موجود خشک اور غیر عاقلانہ تقلید کرنے کا رواج ختم ہوجائے اور عقل و ہوش اور فہم و فراست کے مالک مسلمانوں کی آگاہی میں روز افزوں اضافہ ہو کہ شارع مقدس بھی ہم سے یہی امید رکھتا ہے کہ ان مردہ موجود کی تقلید کو زندہ اور اجتہادی کرنے کی کوشش کریں ۔اور بندگان خدا کو تعلیم دیں کہ تقلید دلیل اور برھان سے ہونی چاہیئے نہ بے جان اور مردہ کہ اگر فقہ اسلامی میں مردہ کی تقلید باطل ہےتو اس سے مراد یہ تقلید اور پابندیاں ہیں جو شیعہ اور سنی سماج میں رائج ہےیہ نہ صرف یہ کہ دلیل و اجتہاد سے نہیں ہے بلکہ کلی طور پر جہل ،لاعلمی اور مردہ ہے ورنہ ایک ایسے مجتہد کی تقلید جو علم اور تقوی میں سب سے آگے ہو اور ابھی ابھی انتقال ہوا ہے ،زندہ علماء میں اس سے زیادہ اعلم اور اتقیٰ کوئی نہیں ہے اور کوئی اس کے ہم

پلہ بھی نہیں ہے تو ایسے مجتہد کی تقلید نہ صرف جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے
۔جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے آیہ کریمہ "فَبَشِّرْ عِبَادِ (۱۷) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّـهُ ۖ وَأُولَـٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ(۱۸)"(سورہ زمر آیت ۱۷$۱۸) اسی بات پر گواہ اور دلالت کر رہی ہے۔اسی مناسبت سے ہم نے تفسیر الفرقان اور تبصرۃ الفقہا میں احکام کی تفصیلی دلیلوں کو آیات احکام کی روشنی میں بیان کیا ہے اور اس رسالہ میں بھی (جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں) حتی المقدور بے دلیل کوئی بات نہیں کہی یا لکھی ہے۔جیسا کہ مناسک حج ،مسافران،سپاہ نگہبانان ،مفسرین فی الارض ،مفت خواران ،استفتائات کے جوابات ۔حقوق زنان در اسلام ،فقہ
گویا،حکومت صالحان یا ولایت فقیہان اور اس جیسی کتابوں میں ہم نے اسی روش کا استعمال کیا ہے۔امید ہے کہ اس جدید روش کہ پیغمبر اکرم□ اور ائمہ اطہار کی قدیم روش کی پیروی ہوگی احکام خداوندی کے دلنشین بنانے میں زیادہ سے زیادہ توفیق پیدا ہو۔صفحوں کے ضمن میں یہ دفتر تعمیری تنقیدوں کی وجہ سے اس کے مفہوم اور مطالب کو کم اور زیادہ کرنے کے لئے معارف قرآن اور سنت کے محققین کے لئے اسی طرح کھلا ہے ۔اور ہم یہاں پر اختیار اور تقلید کے خاتمہ پر اضافہ کریں گے کہ سیاسی اور غیر سیاسی احکام میں کہ مورد اختلاف ہے اور آیہ کریمہ" وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"(سورہ شوری آیت ۳۸)کی روشنی میں اجتماعی اور مشورتی اجتہاد ایک اسلامی ضرورت ہے۔کیونکہ آیہ کریمہ ایک شخص کو کہ چاہے جتنا علم اور تقوی کے لحاظ سے دوسروں سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہو اس کے باوجود شورای فقہا کی اجتماعی نظر تجلی اور ترقی اور دوبارہ نظر کا سبب ہوگی کیونکہ خیال اور نظریوں کا تبادلہ (اہل نظر کے درمیان) فقہا کو زیادہ مطمئن اور اس سے ماخوذ نظریات کو زیادہ سے زیادہ اطمینان اور کمال عطا کرے گا اور یہاں پر فقہا کی کمیٹی میں شائستہ نظر حاصل ہو تو کیا بہتر اور اس سے مناسب اور قیمتی چیز اور کیا ہوسکتی ہے ۔اور اگر اتفاق رائی نہ ہو پھر بھی ان کی رائی پختہ اور حقیقت سے قریب تر ہوگی اور یہیں پر اکثریت کی پیروی کا مقام ہے اور یہی متعین ہے۔

اگر اس طرح کا اتفاق ہوجائے تو کیا بہتر ورنہ (شورائے فقا   ہت کے دو طرف کے نظریات کے مساوی ہونے کی صورت میں) ان مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیئے جنھوں نے قرآن اور سنت میں زیادہ سے زیادہ تحقیق اور بررسی کی اور اپنے ساتھیوں کے نظریات کےمطابق قرآن اور سنت کی روشنی میں فتوی دیا ہے کہ نتیجتاً فی الحال ان کی رائی اور حضرت صاحب الامر(عج) کی غیبت کے زمانہ میں "احسن القول"اور ان کے مقلدین بھی (۱۷) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ کے حقیقی اور واقعی مصداق ہوں گے۔

زندہ فقہا کے ساتھ رابطہ مردہ فقہا کے ساتھ عشق(کہ ان کے نظریات کی طرف رجوع ہے) بہتر ہے؛کیونکہ دوسرا صامت اور خاموش اور پہلا گویا اور ناطق ہے کہ نتیجتاً ان کے نظر رد و بدل اور نفی و اثبات کرنے کے قابل ہے، لیکن دونوں ہی سے عشق اور لگاؤ ذہن نشیں اور کامیاب ترین ہے۔اگر علماء صحیح فکر اور احکام قرآن میں غور و خوض کر کے فتویٰ دیں تو احکام میں اختلافات کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کم رنگ ہوجائے گیں کے اس کہ درمیان میں اصلی مرجع قرآن کریم اور سنت قطعیہ ہے اور فقہاء کی کمیٹی بھی انہی دو بنیادوں پر ہونا چاہیئے پھر ایسی صورت میں مرجع تقلید صرف اور صرف فقہاء کی کمیٹی ہوگی نہ یہ نہ وہ اور فقہاء کی کمیٹی نہ ہونے کی صورت میں صرف اس فقیہ کی تقلید کرنی چاہیئے جو قرآن کی روشنی میں "احسن القول" کو بیان کرے اگر آپ نے کسی ایسے مجتہدکی تقلید کی جسے آپ نے سب سے بڑا عالم اور سب سے زیادہ پرہیزگار جانا ہے تو مزید اطمینان کے لئے قرآن کی تحقیقی اور بررسی کر کے اپنی تقلید کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیے یا پھر آپ کے مرجع کی فقہی قرآنی کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں اس کی تقلید چھوڑ دیجیئے،لیکن اگر خود آپ مجتہد ہیں اور کسی دوسرے کو اعلم اور اتقیٰ جانتے ہیں تو پھر اس صورت میں ان کے درمیان اختلافی مسائل مین اس کی مجتہدانہ تقلید کریں اور بہر صورت اور ان کے مقلدین بھی (۱۷) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ کے حقیقی اور واقعی مصداق ہوں گے۔

زندہ فقہا کے ساتھ رابطہ مردہ فقہا کے ساتھ عشق(کہ ان کے نظریات کی طرف رجوع کرناہے) بہتر ہے؛کیونکہ دوسرا صامت اور خاموش اور پہلا گویا اور ناطق ہے کہ نتیجتاً ان کے نظر یات رد و بدل اور نفی و اثبات کرنے کے قابل ہے، لیکن دونوں ہی سے عشق اور لگاؤ ذہن نشیں اور کامیاب ترین ہے۔اگر علماء شریعت صحیح فکر اور احکام قرآن کی جستجومیں غور و خوض کر کے فتویٰ دیں تو احکام میں اختلافات کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کم رنگ ہوجا ئیں گے؛ کیونکہ اس کہ درمیان میں اصلی مرجع قرآن کریم اور سنت قطعیہ ہے اور فقہاء کی کمیٹی بھی انہی دو بنیادوں پر ہونا چاہیئے پھر ایسی صورت میں مرجع تقلید صرف اور صرف فقہاء کی کمیٹی ہوگی نہ یہ نہ وہ اور فقہاء کی کمیٹی نہ ہونے کی صورت میں صرف اس فقیہ کی تقلید کرنی چاہیئے جو قرآن کی روشنی میں "احسن القول" کےاتباع بیان کرے اورآپ نےایک ایسےمجتھدکی تقلید کی ہے جوسارے مجتھدین سےاعلم اوراتقی نیز مزید اطمینان کے لئےقرآنی احکام کی تحقیق اور بررسی کر کے اپنی تقلید کو مضبو ط سے مضبوط تر کیجیےیا آپ کے مرجع تقلیدکےقرآنی فقہ کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں اس کی تقلید ترک کر دو،لیکن اگر آپ خود مجتھد ہوں اور کسی دوسرے کو اپنے سے زیادہ اعلم جانتے ہوں تو اس صورت میں اس کی مجتھدانہ تقلید

کیجیئے کیونکہ بہر صورت" احسن القول"اور قول احسن کی پیروی سارےمکلفین پر واجب،لازم اور متعین ہے۔

بلوغ کے مراحل

مسئلہ ۲۴۔آیۃ کریمہ(قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّـهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَـٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّـهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ قُل لَّا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ) (سورہ انعام آیۃ ۱۹)کی روشنی میں قرآنی شریعت تمام مکلفین اور بالغ افراد سے مخصوص ہے اور بلوغ اور رسائی کا سب سے پہلا قدم ،اسلام کے اعتقادی اصول کا قبول کرنا اور آسان معلومات حاصل کرنا ہے ۔ اس حد تک کے مسئولیت آور ہو اور یہ بلوغ اور رسائی جسمانی اور روحی لحاظ سے گوناگوں مراحل کی حامل ہے۔

مسئلہ ۲۵۔ احکام بلوغ کا سب سے پہلا مرحلہ نماز وغیرہ کے لئے بطور وجوب عقلی رسائی اور قبولیت ہے کہ حضرت حق جلّ و علی کے حضور تمام عبادتوں اور بندگی کے سارے رابطوں کی بنیاد ہے اور ابتدائی اسلامی احکام کو انجام دینے کے لئے خدا اور دین کی شناخت وہی عقلی رشد ہے۔

مسئلہ ۲٦نماز اور اس کے مانند (عبادتوں) کے سلسلہ میں (عقلی فرائض میں سے) درمیانی بلوغ کا لڑکا اور لڑکی کے لئے نوعاً ۱۰ سال کے سن سے آغاز ہوجاتا ہے ،کیونکہ ایک طرح یکساں طور پرایمانی فضا میں اپنے ایمانی عقیدہ کا آغاز کرتے ہیں جیسا کہ اس سلسلہ میں روایات بھی وارد ہوئی ہیں۔

مسئلہ۲۷۔ بلوغ کا دوسرا مرحلہ،روزہ رکھنے کا بلوغ ہے کہ اس کا معیار جسمانی توانائی ہے اور لڑکا اور لڑکی دونوں کے لئے اس کی درمیانی حد ۱۳ سال ہے اور لڑکی کی جسمانی توانائی اگر لڑکے سے کم نہ ہو تو اس سے زیادہ بھی نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ برابراور روایات میں بھی دونوں کا معمولی سن بلوغ(روزہ کے لئے) ۱۳ سال ذکر ہوا ہےلہذا لڑکیوں کے ساتھ ایک ناروا زبردستی ہے کہ وہ لڑکوں سے ٦ سال پہلے ہی سے روزہ رکھنے لگیں! بنابر یں لڑکوں کے لئے ۱۵ سال اور لڑکیوں کے لئے۹سال کے نظریات اور فتوے کسی صورت اساس اور بنیاد نہیں ۔

مسئلہ۲۸۔تکلیف کا تیسرا مرحلہ: شادی بیاہ کے لئے بلوغ ہے کے اس کا معیار ازدواجی توانائی کا حامل ہونا ہے اور اس مرحلہ میں لڑکیاں لڑکوں سے پہلے بالغ ہوجاتی ہیں اور لڑکیوں میں جسمانی اور جنسی بلوغ تقریباً یکساں ہے۔

مسئلہ۲۹۔چوتھا مرحلہ :اقتصادی بلوغ ہے کے نوعاً لڑکے لڑکیوں سے آگے ہیں ،کیونکہ ان کے اندر اقتصادی سعی و کوشش کا رشد اور تلاش کرنے کے راستہ زیادہ ہیں ؛بالخصوص شرعی حقوق حج،عمرہ اور تمام عبادتوں کی ادائیگی کہ ان میں مال کی ضرورت ہوتی ہے۔

مسئلہ۳۰۔پانچواں مرحلہ:اسلام کی تبلیغ،امر بالمعروف اور نہی از منکر کرنے کا بلوغ ہے کہ ضروری شرائط کا مالک ہونے کی صورت میں لڑکا اور لڑکی دونوں ہی پر واجب ہے یہاں پر لڑکوں کی لڑکیوں کی نسبت ذمہ داری اور ان کے لئے امکان بھی زیادہ سے زیادہ ہے ،کیونکہ یہ (لڑکے) وسیع ترین اجتماع میں زندگی گذارتے ہیں۔

مسئلہ۳۱۔چھٹا مرحلہ:جہاد اور دفاع کے لئے بلوغ ہے کے جو لڑکے ان شرائط کے حامل ہوں ان پر (جہاد اور دفاع) واجب ہے اور کلی اور عمومی افواج کی ضرورت پڑنے پر لڑکیوں پر واجب ہوجاتا ہے۔

مسئلہ۳۲۔تمام مرحلوں میں بلوغ کے نشیب و فراز پہلے عقلی توانائی اس کے بعد جسمانی یا جنسی یا مالی یا اجتماعی توانائی ہے۔

مسئلہ۳۳۔ہمیں متوجہ رہنا چاہیئے کہ آیۃ کریمہ میں "من بلغ" دو پہلو کا حامل ہے اس کا پہلا رخ فردی اور ذاتی فرائض کا اثبات ہے اور اسکا دوسرا رخ یا پہلو :فردی اور ذاتی فرائض کے حصول کے علاوہ شرائط اور ضوابط کے مطابق بلوغ غیر اور احکام رسالتی پر بھی مشتمل ہوتا ہے؛کیونکہ"من بلغہ"یعنی جس کو بھی قرآنی دعوت کا علم ہو اور اس کے لئے رسا اور مفہوم ہو کیونکہ صرف ذاتی بلوغ شرعی تکلیف کے لئے کافی نہیں ہے،بلکہ اپنی اور غیر کی کوشش بھی احکام تک رسائی

حاصل کرنے کے لئے ان کا جاننا واجب ہے کہ تقصیر کرنے کی صورت میں بالغ حضرات خود گنہگار ہیں ۔لیکن شریعت دانوں کی تقصیر کی صورت میں کہ جنہیں احکام الہی کو بیان کرنا چاہیئے یہ لوگ مقصر ہیں اور غیر مجتہد مکلفین قاصر ہیں بنابریں :من بلغ"دو پہلو کا حامل ہے:کہ پہلا "من بلغ"لازم،ذاتی بلوغ اور شخصی رسائی ہے اور دوسرا "من بلغ"کہ "من بلغہ"ہے متعدی ہے کہ خودی اور غیر دونوں بلوغ کو شامل ہے۔

مسئلہ۳۴۔مجموعی طور پر جس طرح دیوانے کلی طور پر بالغ اور مکلف نہیں ہیں اسی طرح سفہاء اور وہ ناتواں جو عقلی،عملی،جسمانی اور ان جیسی کمیوں کے مالک ہیں بھی ان مسائل سے الگ ہیں ۔جیسا کہ توانائی رکھنے والے دوسروں سے زیادہ فرائض

اور کمترین زمانہ میں رکھتے ہیں مثلاً حضرت ولی عصر(عجہ اللہ تعالی فرجہ الشریف) ۵ سال کی عمر میں منصب امامت پر فائز ہوگئے کے تکلیف سے بالاتر ہے اور علماء میں علامہ حلی(رہ) ۸ سال کے سن میں مجتہد ہوگئے ۔اور دیگر مکلفین کی طرح جسمانی بلوغ سے پہلے علمی اور تکلیفی بلوغ کو پہونچ گئے،اور ان کے مقابلہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ معمولی سب تکلیف سے کچھ دیر بعد بالغ ہوتے ہیں۔اور جیسا کے گذر چکا ۱۰ اور ۱۳ سال وغیرہ خود عمر تکلیف کی درمیانی عمر ہے۔

مطہرات اور طہارات

مسئلہ ۳۵۔ اسلام،تمام شریعتوں میں بلندوبالادین اورشریعت ہےاور انسانی تمام شعبہ ھائے حیات میں طہارت وپاکیزگی اور گندگی کو دور کرنے کی شریعت ہے،خواہ باطنی طہارت ہو(کہ اصل میں)اور خواہ ظاہری کہ انسان کے ظاہری چہرے کو پاک کرتی ہے جیسا کہ(إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ) (سورہ انفال ایہ۱۱) قرآن کریم میں"الطھارۃ من الا ایمان" سنت میں طہارت کی تمام قسموں کوایمان کا جز جانا ہے کہ"من الایمان"سے مراد ظاہری اور باطنی طہارت ہے،"من الایمان"فطرت ایمان اور طہارت کے درمیان اتحاد،ہماہنگی،یکجہتی اور عمومی وحدت رکھی ہے اور"من" یہاں پرجنس کے لئے ہے کہ باطنی اور ظاہری تمام ایمان کو شامل ہے۔

مسلمان جس طرح ایمان کے حکم سے
فطرت،عقل،علم،اخلاق،عقیدہ اور اپنے باطنی تمام پہلوئوں کو برایئوں اور نجاستوں اور گندگیوں کو پاک کرنے کا ذمہ دار ہے اسی طرح وہ اپنے ظاہر کوبھی طہارت اور پاکیزگی سے آراستہ کرے کہ " إِنَّ اسد جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَال " (خدا جمیل ہے اور وہ جمال کو دوست رکھتا ہے)۔

ایمانی ھندسہ۳ ضلعوں پرمشتمل ہے: ۱۔ بدن،لباس،گھراوربیوی وبچہ وغیرہ کوتمام نجاستوں اورکثافتوں سے پاک کرنے۔ ۲۔ نماز اور اس جیسی عبادت کی معراج تک پہچنے کے لئےضروری ہےوضو،غسل اورتیمم کے ذریعہ پاکیزگی۔۳۔باطنی اوراندورونی پاکیزگی کی ان طہارتوں میں نیت،علم،بصیرت،عقیدے،مقاصد و۔۔ کوتمام گندگیوں،اور اخلاقی رزایل سےپاک کرے تاکہ اس کےذریعہ انسان کاباطن تمام نجاستوں اور گندگیوں سے پاک ہوجائےاور وہ پہلی دوطہارتیں اس اندورونی طہارت کا مقدمہ ہیں اس معنی میں کہ ان باطنی طہارت کاادامہ ظاہری دوطہارت ہے کہ وہ دونوں طہارت وپاکیزگی اس اندورونی اور باطنی طہارت کی زیادہ سے زیادہ آمادگی کے لئے مقدمات کاجز ہے جیسا کے طاہر پانی ظاہری طہارتوں اور پا کیزگیوں کے لئےبہترین

وسیلہ ہے اس طرح علم ودانش،بصیرت،نیت اور پاکیزہ عقیدہ ظاہری اور باطنی طہارت وپاکیزگی کے لئے بہت ہی مناسب وسیلہ ہے۔اور انسان کے ظاہرو باطن کی ہماہنگی اور یکسانیت اپنی ہرقسم کی طہاررت اور پاکیزگی کے لئے ایک مسئولیت ہے اور بس ورنہ خطاب تو تمام مومنین سے ہے کے"الطہارہ من الا یمان"اور پانی ظاہری نجاستوں کو پاک کرنے کا بہترین وسیلہ ہے امام معصوم (ع)کتنا حسین اور سنہرا کلام ہےکہ " الماء یطھر ولا یطھر "پانی پاک کرتا ہے پاک کیا نہیں جاتا۔اور جب متنجس ہو جاتا ہے تو وہ پانی ہونے سے خارج ہو جا تا ہے۔یعنی جب نجاست کا رنگ،اس کی بو،اور مزہ بدل جائے اورپانی نجاست سے مغلوب ہو جائے جیسا کے خبر میں بھی ذکر ہوا ہے جب تک پانی نجاست پرغالب ہو(اس طرح سے کےوہ اسے(نجاست کو)اپنے اندرمحو اور نابود کردے)تو ہرگز متنجس نہیں ہوتا صرف اس وقت ایساہوگا جب نجاست پانی پر غالب اجائے تو یہا ں پرمتنجس ہوتا ہے اور پھر پانی نہیں رہ جائے گا کیوں کہ اپنے اطلاق سے خارج ہو گیا ہے"بالاخرفقہاء کا اس پانی کی پاکیزگی میں اجماع ہے جس سے پیشاب اورپاخانہ دھویا ہے،اگر نجاست سے تغیر کئے بغیر اس طرح ہو(اگرچہ اس میں پاخانہ کے اجزا نمو دار ہوں)یہ خوداس بات پرمتفق ایک دلیل ہے کہ قلیل پانی جب تک نجاست کے پڑنے سےبدل نہ جائے پاک ہے(گرچہ پاکیزہ نہ ہو)؛کیونکہ قلیل پانی کا تنجس پاخانہ کی وجہ سےریزہ پانی کے علاوہ اس پاکی سے جس میں اپنامدفوع کا ذرہ دکھا ئی دے اس میں واضح تناقض پایا جاتا ہے۔

مسلہ٣٦-آزاد پانی جسے مطلق پانی کہتے ہیں وہی ہے جو صرف اور صرف"پانی"ہے کہ نہ خود اس میں کوئی اضافہ پایا جاتا ہے اورنہ اس کہ نام میں اور کھارا(شور) کڑوا،شیریں،دریا،چشمہ،کنواں یا کثیف اور نا پاک جیسی قیوداوران کےمانند گوناگوں قسمیں پانی کی پہچان کراتی ہیں،یہ قیودپانی کی اصل حقیقت کوئی اضافہ نہیں ہیں سب ہی اور سارے کا ساراپانی ہےاوربس۔

لیک انگورکاپانی،انارکاپانی،لیموکا پانی،کھٹےیاکچے انگورکاپانی وغیرہ اوراس کےمانندمٹی کاپانی،گلاب کاپانی،گڑھی کاپانی وغیرہ اصل پانی ہونے سے خارج ہیں آزاداورمطلق پانی کا حکم رکھتے چہ جائیکہ سونےکاپانی،ایسیڈ کا پانی وغیرہ اوراس کےاکھٹاہوجانےپرکیامعلوم کہ پانی ہے اگر پانی ہے توپانی کا حکم رکھتا ہے یاجوجانتے ہیں کہ پانی نہیں ہےتوپانی کاحکم نہیں رکھتا اور جس کے بارے میں شک وتردید ہے کہ پانی تھا یاکچھہ اورپھراس کے بعد موردشک واقع ہوگیا تو اس طرح کےموارد میں حالت گذشتہ کےاستمرار کاحکم پانی یاغیر پانی کےحکم میں اسی طرح باقی ہے۔

مسلہ٣٧-جو چیز پانی ہےجہاں بھی ہو جس حد تک ہواور جس قسم کی

ہو د و قرآنی آیت کی نص کے مطابق پاک بھی ہےاورپاک کرنے والا بھی ہے۔ " وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا" (سورہ فرقان،آیت۴۸) "إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ " (سورہ انفال،آیت۱۱)ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا اور چونکہ زمین پر موجودسارے پانی اسی آب طہورسے ہیں کہ، " وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ" (سورہ مومنون آیت۱۸)اور ہم نے آسمان سے پانی نازل کیااور(اسے)زمین میں ساکن کیا اور ہم اس کو دوبارہ واپس کرنے پر قادر ہیں،کہ پاک اورپاک کرنے میں نہ"کر"ہونااورنہ متنجس ہونا شرط ہے اور نہ ہی کوئی دوسری شرط اور صرف پاک ہونے اور پاک کرنے میں پانی ہونااورمتاثرنہ ہونا کافی ہےاور س کیونکہ"پانی"اصل خلقت کے لحاظ سے"طهور":پاک اور پاک کرنے والا ہے۔

مسئلہ۳۸-پاک ہونے، پاک کرنے اوراثرقبول نہ کرنےکی یہ تینوں حالت پانی کے ذاتی حالات میں سے ایک ہے اور ہرگز زوال پزیر نہیں ہے۔ مگر یہ کے پانی ہونے سے خارج ہو جائے جیسے مٹی کا پانی یا گلاب کا پانی ےا وہ(پانی)جس کا رنگ بواور مزہ بدل گیا ہوکہ اب اس کو پانی نہیں کہتے جساکہ شیعہ اورسنی کے درمیان مشہور حدیث میں پیغمبراکرم (ص)سے منقول ہے: خلق الله الماء طهوراً لا ينجسه شيء إلا ما غير لونه أو طعمه أو ريحه خلق الله الماء طهوراً لا ينجسه شيء إلا ما غير لونه أو طعمه أو ريحه (وسائل الشيعة: ج۱ ص۱۰۱ ح۹) کہ پانی کا نجس ہونااس طرح کی تبدیلی(رنگ،بو،مزہ)میں منحصرہےاوربس-ان لوگو میں سےایک جوقلیل پانی کے نجاست سے متغیرنہ ہونے سےمتنجس نہیں جانتے شیخ مفیدہیں چنانچہ مفاتیح(۱-۸۱)ذکر ہوا ہے- اورفیض کاشانی اور عثمانی بھی اور مستند میں نراقی کی نقل کے مطابق متاخرین کا ایک گروہ ہے اور معاصرین میں سے فیض قمی ہیں ۔اور قدماء میں مبسوط میں شیخ طوسی اور نافع میں محقق اور ابن عقیل ہیں اور سید مرتضیٰ بھی عین نجاست کے زائل اور بر طرف ہونے کو اس کے مقا م کو پاک ہونے کا موجب جانتے ہیں کہ اگر کسی بھی طریقہ سے عین نجاست زائل ہوجائے تو وہ جگہ بھی پاک ہوجائے گی چہ جائیکہ پانی سے دور کی جائے اور کتاب الوسیلہ میں کہتے ہیں:اگر قلیل متنجس پانی کو دوسرے پانی سے کر کی حد تک پہونچا دیں تو پاک ہوجائے گا اور شیخ طوسی کی کتاب خلاف میں بھی اور علامہ حلی کی منتھیٰ اور کتاب غنیہ میں کر اور قلیل کے برابر ہونے کے اجماع نقل کیا ہے۔

کر سے کم پانی کا متاثر ہونا نہ صرف یہ کہ کتاب اور سنت میں کوئی دلیل نہیں رکھتا بلکہ اس کے خلاف دو اسلامی سند بھی موجود ہے ،اس کے علاوہ کہ صحت اور حفظان صحت کے لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں ہے،کر کی مساحت اور اس کے حجم

سے متعلق روایات بھی متضاد ہیں وہ حیرت انگیز کے مساحت کے لحاظ سے(۳)بالشت اور () ()۳ بالشت اور وزن کے لحاظ سے بھی اختلاف ہے اس وصف کے ساتھ ایک کر سے کم پانی کو تاثیر پذیر جانتے ہیں کہ جس کا نہ کر معلوم ہے اور نہ ہی معلوم ہونے کی صورت میں قابل قبول ہے۔مثال کے طور پر کہتے ہیں:اگر کوئی کتا (کر کے بقدر) پانی میں پیشاب کردے تو یہ پانی اسی طرح پاک ہے لیکن اگر وہی کتا اس سے پانی پی لے تو وہ متنجس ہوجائے گا ۔اور اگر کر سے کم سینکڑوں بالٹی پانی فاصلہ سے ڈال دیں گے پھر بھی پاک نہیں ہوگا! اس وقت قلیل پانی کے اثر قبول کرنے کی بنیاد پر نجاست کے ملنے سے کلی طور پر آب قلیل سے نجاست کی تطہیر محال ہے کیونکہ اس ملاقات میں سب سے پہلے پانی متنجس ہوجائے گا پھر کس طرح وہ نجاست کو پاک کرے گا اور اگر سب سے پہلے اسے پاک بھی کردے پھر اسی حال میں (یا اس کے بعد اس سے برتر)متنجس ہوجائے گا !!!اور ہم نے اس رسالہ میں قرآن کریم کی روشنی میں مختصر ادلہ احکام کے علاوہ پوری تاریخ فقاھت میں وہ اقوال اور روایات جو قرآنی نظریات سے میل کھاتے ہیں ہم پاورقی میں ذکر کریں گے کہ(معاذاللہ) ان قرآنی اقوال کو کہ فقہ اسلامی سے ناواقف افراد بزرگوں کی مخالفت کے عنوان سے بطلان کی مہر نہ لگائیں اگر چہ بزرگوں کی بزرگی ہماری حق بین نظر کو ہر گز اندھا نہ بنائے اس طرح سے کہ کسی بزرگ شخصیت کے احترام میں یا مثلاً فقیہ عالی مقام نے کہا ہے حق تعالی اور سچی بات کو نظر انداز کردیں اور کتاب(اللہ) کے اور سنت قطعیہ کے خلاف استاد کے احترام یا عالم کے احترام میں ناروا اور غلط بات خدا اور اس کے رسول کے طرف منسوب کردیں(نعوذباللہ تعالیٰ من شرور افکارنا و اعمالنا و اقوالنا) اصولی طور پر بہت سارے مسائل میں علماء اسلامی کے نظریات میں کافی اختلافات پائے جاتے ہیں اور ہم تمام فقہی نوشتوں میں صرف ان نظریات کو قبول کرتے ہیں جو (اللہ) اور سنت قطعیہ کے مطابق ہوں۔ اور اگر کچھ موارد میں کتاب فقہ کے مولفین نے قرآن کے خلاف فتویٰ دیا ہو تو صرف اور صرف قرآن سے مستفاد فتویٰ قابل قبول ہے اور بس ؛کیونکہ (قرآن)ایسی معلوم کتاب ہے اور فقہائے اسلام اور ان کے غیر قرآنی مستندات کبھی معصوم نہیں رہے ہیں اور نہ ہیں اور فقہا کے فتووں میں سے بہت کم فیصد اس وقت موجود ہے کہ اگر سارے کے سارے فقہاء قرآن کے خلاف فتویٰ دیں پھر بھی قابل قبول نہیں ہے۔حتی اگر بالفرض محال شخص معصوم بھی قرآن کے خلاف کوئی بات کہے تو اس کی عصمت پر خدشہ وارد ہوجائے گا (اگر چہ معصوم ہستیاں کبھی قرآن کے خلاف کچھ کہہ ہی نہیں سکتیں)لیکن معصومین(ع) سو فیصد قرآن کا اتباع کرتے ہیں اور اگر ان حضرات سے قرآن کے خلاف روایات نقل ہوتی ہیں ،تو یا جعلی ہیں یا پھر راویوں کی کج فہمی کی وجہ سے نقل ہوگئی ہیں۔اور اس رسالہ میں جو اقوال ذکر ہوئے ہیں سارے کے سارے مفتاح الکرامہ والینابیع الفقیہہ،تذکرۃ

علامہ،مستند نراقی اور بعض رسالہ علمیہ سے نقل ہوئے ہیں۔اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ مشہور کے خلاف فتوے خصوصاً اپنے اکابر علماء سے ان کے صحیح تر ہونے کی دلیل ہیں کہ انہوں نے ایسی مخالفتوں کی جرات کی ہے)کیونکہ اس حدیث کی نص کے مطابق کہ تمام اسلامی فرقوں کی متفقہ حدیث ہے خداوند عالم نے پانی کو "طہور"پاک اور پاک کرنے والا (بنا کر) پیدا کیا ہے اس طرح سے کہ کوئی چیز اسے کبھی نجس نہیں کرسکتی۔سوائے اس نجاست کے کہ اس کا رنگ، بو اور مزہ بدل ڈالے تو پھر مطلق پانی نہیں رہ جائے گا بلکہ گندا اور نا پاک کی قید کے ساتھ پانی کہلائے گا کہ پھر اس میں پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رہ جائے گی اور اس کا پہننا بھی حرام ہے اور جیسا کہ ہم ملاحظہ کرتے ہیں اس تغییر قبول نہ کرنے میں نہ مساحت کی شرط ہے اور نہ ہی وزن کی اور نہ ہی کوئی دوسری شرط اور صرف پانی ہونا اور بس گندا پانی بھی کہ پاک ہے(و یحرم علیہم الخبائث) کے حکم سے(خارجی استعمال کے علاوہ اس کا سارا استعمال جیسے آبیاری اور مکافات وغیرہ کی تطہیر ہے) اس کا استعمال حرام ہے۔

مسئلہ۳۹۔ان دونوں آیتوں کے مقابلہ میں کہ پانی کو پاک اور پاک کرنے والا اور اثر قبول نہ کرنے والا بتارہی ہیں اور پیغمبراکرم کی حدیث بھی کہ اس کے متنجس ہونے کو نجاست سے رنگ ،بو اورمزہ میں سے کسی ایک کے بدل جانا قرار دیا ہے ،صرف ایک معتبر اور مسلم حدیث کہ خود نمائی کررہی ہے" إذا بلغ الماء کر(قدرکر) لم ینجسه شیئ " جب پانی کر کی مقدار میں پہونچ جائے تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی ۔ کہ اس کا مفہوم "اگر کر کے بقدر نہ پہونچے تو کوئی چیز اسے نجس کردے گی "یہ حدیث ان لوگوں کے استدلال کا محور ہے پانی کا "کر" ہونا متنجس نہ ہونے کی شرط جانا ہے۔

اور یہ مفہوم (نہ منطوق صریح) اگر شمولیت رکھتا بھی ہو تو ان آیتوں اور پیغمبر کی مسلم روایات کے سامنے ٹکنے کی تاب نہیں رکھتا اور کم سے کم یہ ہے کہ یہ دونوں حدیث کہ ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہے قرآن سے مطابق کرنے پر دوسری ساقط ہوجائے گی اور پہلی قرآن کی موافقت کی بنا پر اسی طرح اپنی جگہ پر باقی اور ثابت رہے گی۔اور دیگر روایات بھی کہ انہی دو قسموں کی طرح دلالت رکھتی ہے اسی سرنوشت میں گرفتار ہیں۔ لیکن حدیث "کر"میں غور و خوض کرنے سے اس خیالی معارضہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ شاید "حدیث کر"میں"شئی"ایک نجاست ہو کہ پانی کو دگرگوں کردے اور بہت روشن اور سامنے کی بات ہے کہ حجاز جیسی گرم ترین سرزمین پر جہاں پانی کی قلت ہو کبھی کوئی "کر"پانی میں اس سے زیادہ نجاست ،نہیں ڈالے گا کہ اسے دگرگوں کردے اور یہ دو"شئی"کہ دونوں ہی نجاست کے معنی میں ہے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں کہ " ینجسه شیئ" پیغمبر اکرم کی

حدیث میں کوئی بھی نجاست ہے کم ہو یا زیادہ مگر یہ کہ"غیر۔"رنگ،بو،مزہ کو بدل دے اور" لم ینجسه شیئ"دوسری حدیث بھی وہی دگرگوں کرنے والی نجاست کے معنی میں ہے کہ ایسی فضا اور پانی کی قلت کی صورت میں بلکہ کبھی بھی اس طرح کا اتفاق نہیں ہوتا کہ اسی(پانی)کے بقدر اس میں کوئی نجاست ڈال دے کہ دگرگوں ہوجائے جز حمام کے نالے،پاخانوں کے کنویں اور اس کے مانند میں بالاخر حدیث " لا ینجسه شیئ"کا مفہوم یہ ہے کہ اگر پانی زیادہ نہ ہو تو کوئی چیز بھی اسے نجس کردے گی اور یہ چیز علی الظاہر مجہول ہے لیکن گذشتہ تحقیق سے یہ وہی نجاست ہے جو پانی کو بدل دیتی ہے اور رسول اکرم سے جو احادیث نقل ہوئی ہیں لفظ کر چنداں ظاہر نہیں ہے بہر صورت کر لغت میں زیادتی کے معنی میں ہے کہ مختلف مناسبتوں میں گوناگوں ہے۔

روایات میں وزن اور مساحت کے لحاظ سے اندازہ "کر"کا اختلاف بھی خود اس بات پر گواہ ہے کہ "کر"کا کوئی معین اندازہ نہیں ہے اور صرف زیادہ پانی کے معنی میں ہے اس نجاست کے مقابلہ میں کہ اس سے مخلوط ہوگئی اور اس میں پڑ گئی ہے مثال کے طور پر ایک بالٹی پانی دو یا ۳ قطرہ خون یا پیشاب کے مقابلہ میں کر ہے اور ایک کیلو خون پانی کے ایک حوض میں کہ رنگ ،بو اور مزہ نہ بدلے وہ حوض ایک کر پانی ہے اور اسی طرح کہ صرف زیادہ نجاست قلیل پانی کی نسبت اس طرح ہو کہ اس کا رنگ،بو ار مزہ بدل دے اس قلیل پانی کو دگرگوں اور متنجس کرسکتا ہے اور یہ بھی عموماً خارج میں بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔

بہر صورت دو آیہ کریمہ اور پیغمبر اکرم(ع) کی حدیث کی نص کے مطابق کوئی نجس چیز کسی پانی کو متنجس نہیں کرتی مگر یہ اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک تبدیل ہوجائے ۔مگر ممکن ہے کہ کر ہونا متنجس نہ ہونے کی اصلی شرط ہو اور اس طرح کے اہم قاعدہ کے بیان کے لئے صرف "اگر پانی کر کے بقدر نہ ہو تو کوئی چیز اس کو نجس کردے گی"کے مفہوم پر اکتفا کی جائے تو یہ چیز اولاً تمام نجس چیزوں پر دلالت نہیں کرتی اور ثانیاً جیسا کہ گذر چکا ہے صرف اس ایک مخصوص نجس چیز کو کہ نجس کرنے والی اور بدلنے والی ظاہر کرتی ہے اور بس۔

قلیل پانی بھی کر اور زیادہ پانی کے مقابلہ میں ہے ۔اور یہ کیسا حکم ہے کہ مورد ابتلا ہونے کے باوجود کہ شب و روز مکلفین کی ضرورت ہے بالخصوص حجاز جیسے پانی کی قلت کے ماحول میں وہ بھی نزول وحی کے زمانہ میں کہ پانی کی قلت (وحی کے ماحول میں) آج سے کہیں زیادہ تھی ایسا حکم وہ بھی اتنا مجمل اور نا مفہوم اور یا ایسا نا رسا مفہوم بیان ہو؟جبکہ اس طرح کے احکام میں ادلہ قطعی کہ سند اور دلالت دونوں لحاظ سے سب کے لئے یقینی ہو ۔

مسئلہ ۴۰۔ پانی کے تینوں اوصاف کا تبدیل ہونا کہ طاہر اور مطہر ہونے سے خارج ہوجائے صرف خود نجاست کے رنگ یا بو اور مزہ کے انحصار میں اور نجاست کی سہ گانہ صفت کے بارے میں ہے کہ اگر آنار کے جوس سے مخلوط پیشاب پانی کو آنار کردے اور پانی کی کوئی خصوصیت اپنے اندر قبول نہ کرے تو اس طرح کی تبدیلی بھی کوئی خاص اثر نہیں رکھتی مگر یہ کہ اس کا رنگ اس درجہ تبدیل ہو جائے کہ اب اسے پانی نہ کہا جائے کہ یہاں پر صرف پانی نہ ہونے کے لحاظ سے (نہ صرف دگرگوں ہونے کے لحاظ سے) مطلق "طہور"ہونے سے خارج ہوجائے گا (جیسا کہ کہتے ہیں) یہ پانی مطلق "مطہر" اور پاک کرنے والے کی طرح نہیں ہے نہ یہ متنجس ہے۔

بہر صورت اگر پانی کی نجاست کی وجہ سے اس طرح دگرگوں ہوجائے کہ نجاست کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک صفت بھی غالب آجائے اور اور "طہور" پانی ہونے کی صفت سے خارج کردے یا نجاست کی طرھ گندگی بن جائے تو یہاں پر بھی اس متواتر حدیث کی روشنی میں متنجس ہوجائے گا اور ان دونوں آیۃ شریفہ کے مورد میں بھی "طہور"نہیں رہ جائے گا ، کیونکہ اصولی طور پر اس طرح کی تبدیلی سے یا پانی نہیں ہے اور اگر ہے تو ناپاک اور گندہ پانی ہے ۔اور خبر میں ہے کہ پانی نجاست پر غالب رہتا ہے اور پاک کرنے والا ہے اور صرف اس وقت جب نجاست اس پر غالب آجائے (کہ گذشتہ حدیث کے مطابق نجاست کے تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک صفت اپنالے)تو ایسی صورت میں یہ پانی نہ پاک ہے اور نہ پاک کرنے والا ہے؛ کیونکہ جو پانی خود ہی نجاست سے مغلوب ہوگیا ہو وہ کسی دوسری نجاست پر کس طرح غالب آسکتا ہے؟!

مسئلہ۴۱ – کیا متنجس پانی یا کوئی بھی دوسری متنجس چیز(نہ عین نجس) کسی دوسری چیز کو متنجس کرنے والی بھی ہے۔یا صرف خود ہی نجاست سے محکوم ہے ؟ہمارے پاس اس سلسلہ میں کتاب اور سنت کی روشنی میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ متنجس (نہ خود نجس) اثر بخش ملاقات کے زیر اثر دوسری چیز کو ناپاک کردے اور یہ مسئلہ اتنا زیادہ مبتلی بہ ہے کہ اس کی شب و روز مکلف کو ضرورت ہوتی ہے بالخصوص اس جگہ پر جہاں پانی کی قلت ہو جیسے حجاز یہ خود بخود ان چیزوں کے تاثیر قبول نہ کرنے کی دلیل ہے جو اس سے ملاقات کریں۔

ہاں اگر متنجس تر کسی پاک چیز کو تر کردے یہاں پر متنجس کا انتقال تھا یہاں پر وہی حکم جاری ہوگا لیکن متنجس خشک اگر کسی پاک اور تر چیز سے ملاقات کرے تو اسے متنجس نہیں کرتا۔

مسئلہ ۴۲- اگر کسی متنجس پانی سے کسی طرح سے اس کی نجاست ختم ہوجائے تو پاک ہوجائے گا ۔کیونکہ کیمیاوی کاموں کی وجہ سے یا پھر زمین کا طبیعی تصفیہ ہو کیونکہ تنجس کی شرط وہی پانی کافی الغور اوصاف نجاست کے ساتھ تبدیل ہونا ہے آیا زمین نے جوش مارنے والا صاف پانی اور اس کی اور اس کا سر چشمہ (کبھی کبھی)آلودہ پانی ہے تو اس طرح متنجس ہیں؟تا کہ تصفیہ شدہ(فیلٹر) پانی فیزیکی اور کیمیائی اسباب سے اسی طرح ناپاک ہے ! یہاں پر قاعدہ استصحاب کی گنجائش نہیں ہے۔کیونکہ اولاً موضوع عرض ہوگیا ہے اور ثانیاً ایک پانی ہے جو مشمول طہارت ہے ۔بنابر یں "متنجس"(نہ عین نجس) کسی شکل میں دوسری چیز کے ساتھ (رطوبت کی حالت کے علاوہ) اگر چہ متنجس کی کوئی صفت بھی اپنالے تو بھی اسے اپنے حکم سے محکوم نہیں کرےگا خواہ پہلی ملاقات میں ہو خواہ دوسری تیسریی ملاقاتوں اس اصل کی بنیاد پر صرف نجس اور جو کچھ نجس سے ملاقات کرنے کی وجہ سے تبدیل ہوگیا ہے،وہ نجس اور متنجس کا حکم رکھتا ہے اور بس مگرمتنجس کے کسی پاک جگہ پر منتقل کردینے کی وجہ سے جیسا کہ گذرا۔

مضاف پانی بھی اس صورت میں نجاست قبول کرتا ہے کہ مطلق پانی کی طرح نجاست سے تبدیل ہو کر اس پر نجاست کا حکم لگ جائے۔اس کے علاوہ صورت میں پاک ہے مثال کے طور پر اگر کوئی نجاست مٹی کے تیل کے کنویں میں ڈال دی جائے تو کبھی یہ تیل نجاست بردار نہیں ہے(آقا خمینی نے بھی آب مضاف کے سلسلہ میں کہ عادت سے زیادہ ہو ،تامل کیا ہے ۔اور سید مرتضی اور بعض دیگر فقہا اسے اسی طرح پاک جانتے ہیں)کیونکہ شرعی لحاظ سے اس پر ہرگز کوئی دلیل نہیں ہے اور صرف مطلق پانی کو مضاف پانی پر جو امتیاز حاصل ہے یہ ہے کہ حدث اصغر اور حدث اکبر صرف اور صرف مطلق پانی سے برطرف ہوسکتا ہے اور بس۔

مسئلہ ۴۳- یہ دونوں خود ہی نجاست عینیہ میں ہیں اور حدث اصغر میں سے بھی ہیں کہ وضو کو باطل کردیتے ہیں اور اس کہ منجملہ احکام (کسی ناظر محترم کی موجودگی میں) شرمگاہ چھپانے کا وجوب ہے اور اگر کوئی محترم دیکھنے والا نہیں ہے تو وجوب نہیں رکھتا اور اس کی قرآن سے دلیل"قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ " (سورہ نور آیۃ ۳۰)کے شرمگاہ کا دوسروں کی نظر سے چھپانا کلی طور پر ہر جہت سے واجب ہے (جز میں بیوی اور غیر ممیز بچوں کے منجملہ دیکھنے اور دیکھانے سے نگہبانی ہے خواہ مومن کی شرمگاہ ہو خواہ کافر کی کیونکہ "نعضوا"کا مفعول محذوف اور مطلق ہے اور نہ دیکھنے کی تمام چیزوں اور بالخصوص شہوانی مقامات کے دیکھنے وغیرہ سب کو شامل ہے۔

مسئلہ ۴۴- پیشاب ،پاخانہ اور ہمبستری کے محرمات میں سے رو بہ قبلہ یا پشت بہ قبلہ ہونا ہے کی ایسی حالت میں رو یا پشت قبلہ رخ نہ کریں چنانچہ ان دونوں کی تفسیر میں بے شمار روایات ذکر ہوئی ہیں اور بطور مطلق اس حکم پر واضح گواہ ہے (پیغمبر ؐ مروی خبر میں ہے "جب پیشاب اور پاخانہ کے مقام پر جاؤ تو قبلہ سے اجتناب کرو "کہ طبعاً اس سے مراد جسم کی چاروں سمت نہیں ہے ،بلکہ آگے اور پیچھے کی دو سمت ہے کیونکہ چار سمت کبھی امکان نہیں رکھتی کہ کلاً برابر یا پشت بہ قبلہ ہو)اور بعض اخبار میں اس حکم کی نسبت "کراھت" کی لفظ نہ صرف عدم حرمت پر گواہی نہیں ہے بلکہ حرمت شدید پر دلیل بھی ہے ۔

اور اصولی طور پر یہ لفظ بالخصوص (قرآن کریم) میں حرمت شدید کے معنی میں ہے نہ اصطلاحی کرامت کے معنی میں کہ علماء حضرات کی گڑھی ہوئی ہے جیسا کہ (كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا)[1] یہ سب برائی تمہارے رب کے نزدیک مکروہ ہے'' یہاں پر مورد اشارہ شرک، والدین کے ساتھ نیکی نہ کرنا، اقربا کے حقوق ادا نہ کرنا، اسراف اور فضول خرچی اور بھوک اور عارکے خوف سے بچوں کو قتل کرنا، زنا، آدم کشی، مال یتیم کے ساتھ تجاوز اور غیر علم (ظن اور وھم) کی پیروی کرنا ہے کہ یہ سب گناہان کبیرہ میں سےہیں۔ آیا یہ سب اصطلاحاً مکروہ ہیں؟یا خداوند عالم نے حرام کو بجائے کہ حرمت نص میں ہے ''مکروہ '' کے مرجوح غیر حرام کے معنی میں ہے ذکر کیا ہے؟
مسئلہ ۴۵: پاخانہ کےمقام کی تطہیر کے لئے یا اسے دھونا کافی ہے یا پھر کسی ایسی چیز جو اسے بر طرف کر دے ، سے پاک کرو لیکن پیشاب کے مقام کی تطہیر کے لئے ہر صورت پانی ہے کہ معتبر حدیث کے مطابق '' مثلی فاعلی الحشفۃ من البلل'' ہوگا یعنی پیشاب کے دو گنا جو شرمگاہ پررہ گیا ہے کہ ایک قطرہ پیشاب ہے تو دو قطرہ پانی) اس کے تطہیر کے لئے کافی ہے (چنانچہ محقق کی شرائع اور شیخ مفید کی مقنعہ اور شیخ طوسی کی مبسوط اور شہید اوّل کی ذکریٰ اور تذکرہ اور تحریر میں ذکر ہواہے) بالآخر پانی کا پیشاب پر غلبہ ہے کہ کم سے کم دو گنا پانی سے حاصل ہو جائے گا۔ اور ہم یہاں پر ملاحظہ کرتے ہیں کہ '' مثلی فاعلی الخشفۃ''علماء اور حوزوی حضرات کی ؟؟؟سلیقوں اور مصلحت اندیشوں کے زیر اثر کبھی کبھی دوبار دھونا مراد لیا گیا ہے جبکہ اس رطوبت کے دوگنا جو شرمگاہ پر رہ گئی ہے کسی لغت میں نہیں ہے بلکہ یہاں پر مقدار مراد ہے نہ تعداد اور کیفیت کہ اگر پیشاب کی باقی بچی دو گنا رطوبت کہ اگر اس پر پانی ڈالو تو پاک ہو جائے گی۔
ہاں، ''پیشاب'' بہر صورت نجس ہے اور اگر شرمگاہ کے کنارے پر ہے تو اس طرح تطہیر ہوگی اس کے درمیان شیر خوار بچہ کا ''پیشاب '' خواہ لڑکا ہو یا لڑکی

[1] ۔ سورہ بنی اسرائیل، آیہ ۳۸.

کہ لفظ '' صبی'' زکر ہوا ہے اور روایت میں ہر طفل کے معنی میں ہے نہ صرف لڑکے کے بالخصوص یہ کہ ذیل کی روایت تصریح کر رہی ہے کہ لڑکا اور لڑکی اس حکم میں برابر ہیں۔(یہ حدیث حلبی کی صحیحہ یا حسنہ ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے میں نے بچہ کے پیشاب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس پر پانی ڈال دو اور اگر غذا کھانے لگا ہو تو اسے دھوؤ اور اس حکم میں لڑکا اور لڑکی برابر ہیں '' اور ظاہراً برابر دونوں حکم میں ہوگی نہ صرف غذا کھانے والے بچہ کا پیشاب دھونے میں) صرف اس پر پانی کے غلبہ سے طہارت ہو جائے گی اس معنی میں کہ اگر زمین یا فرش اور لباس پر یا کسی بھی دوسری چیز پر پیشاب کرے تو کافی ہے کہ اس پر کچھ مقدار میں پانی ڈال دو اور بس اگرچہ بچہ کے پیشاب اور دیگر نجاست کےعلاوہ بھی اگر پانی سے مغلوب اور محکوم جائے تو پاک ہو جائے گا لیکن بچہ کے پیشاب میں اس طرح کی تطہیر اولویت رکھتی ہے۔

نجاسات

اصولی طور پر شرعی اصطلاح میں نجس وہ چیز ہے جس سے اجتناب واجب ہے کہ کبھی یہ پرہیز تمام پہلوؤں سے نجاسات سے ملاقات ہے جیسے باطنی اور روحی نجاسات عقیدتی ہوں یا اخلاقی کہ ہر صورت ان سے پرہیز واجب ہے اور کبھی عملی نجاست سے جیسے شیراب خوری ، قمار بازی اوربت پرستی کہ اس طرح کے اعمال خود ہی نجاست کا موضوع اور ان سے پرہیز کرنا واجب ہے اور آلات قمار اور بت شراب کی ظاہری طہارت کسی قسم کا منافات نہیں رکھتی اور کبھی صرف کھانے ، پینے یا نماز پڑھنے اور مسجد جانے میں نجس اور نا پاک ہے ۔ بنابراین کسی کام یا کسی چیزسے اجتناب صرف اسی رخ سے نجاست کے معنی کو اپناتا ہے نہ تمام پہلوؤں میں کہ اگر نماز یا حج اور اس کے مانند میں کسی چیز کا ہمراہ رکھنے سے پرہیز واجب ہوگیا تو یہ ممنوعیت کہ لفظ'' نجس'' سے یا کوئی بھی اس سے مشابہہ لفظ سے ہو ممنوعیت مطلق کے معنی میں نہیں ہے۔ مثلاً جنب کے پسینہ کے بارے اگرچہ نماز میں اس سے پرہیز کے وجوب پر دلیل رکھتے ہیں لیکن یہ دلیل اس کی کل نجاست کو ثابت نہیں کرتی ہم نتیجہ نکالیں گے کہ اگر کھانے یا پینے کی چیز اس سے مؤثر ملاقات کرے تو اس کا کھانا اور پینا اس مخصوص ممنوعیت کی وجہ سے حرام ہے۔

آخر کار ہر حرام نجس ہوگا اس معنی میں کہ اس سے پرہیز واجب ہے خواہ فکری ، اعتقادی اور اخلاقی حرام ہو یا ہر قسم کا حرام کہ اس کے ساتھ عملی ملاقات ممنوع اعلان کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کلمہ رجس ، نجس، رُجُز، اور اس کے مانند گونا گوں موارد میں ممنوعیت لایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی دلالت کے حدود کے اعتبار سے خصوصی یا عمومی ممنوعیت کو سمجھاتا ہے مثلا ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ در آیہ شریفہ (...إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُواْ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ

عَامِهِمْ هَذَا ...)[1] صرف شرک نجاست کا موضوع واقع ہوا ہے یعنی معنوی نجاست نہ جسمانی ، کیونکہ روح مشرک ہوتی ہے نہ جسم کیونکہ جسم ہر گز شرک کا حامل نہیں ہے یا جن آیتوں میں کلمہ '' رجس'' کے ذریعہ ممنوعیت کا اعلان کر رہا ہے ، ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک خاص ممنوعیت کو نظر میں رکھتے ہیں۔ جسے (رجسٌ من عمل الشیطان'' ان کی نسبت ہر قسم کے ناروا عمل کو رجس اور شیطانی عمل کہا ہے جسے شراب خواری اور ہر وہ کام جو پینے پر تمام ہو وہی کھانا، پینا اور اس جیسے امور کو شامل ہے اور یہ اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ اگر ''خمر'' کسی پاک چیز سے مل جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا باطل ہوگا (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے چنانچہ خبر میں ہے کہ شراب سے آلودہ ایک لباس ہے کیا اس لباس میں نماز صحیح ہیں ہے ؟ فرمایا: لباس مست نہیں ہوتا اس میں نماز درست ہے اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شراب کا صرف پینا حرام ہے اور بس) چنانچہ '' مَیْسِر'' جوا ایک نجس عمل ہے نہ یہ کہ جوے کے اسباب بھی نجس ہوں گے، اور اسی طرح انصاب کہ مخصوص بت ہیں کہ ان کے لئے ذبح کرتے ہیں ان کا جسم نجس نہیں ہے تاکہ رطوبت کے ساتھ ملاقات کرنے پر نجاست جس میں سرایت کر جائے ، بلکہ ان کی پرستش اور پوجا کرنا اور ان کے لئے قربانی کرنا نجس اور حرام ہے اور اسی طرح '' ازلام'' کہ تیرا چلانے والے جوا سے ایک دیوان کو ایک گروہ اپنے درمیان تقسیم کرتا ہے کہ خود جوا اور اس کے ذریعہ جو کچھ حاصل ہوا ہے '' رجس'' اور حرام ہے ، نہ وہ جس پر تیر لگے مگر ایک دوسری دلیل ہے کہ اگر وہ حیوان شرعی طریقہ سے ذبح نہیں ہوا ہو تو وہ مردار نجس ہوگا پھر ایسی صورت میں ہمارے موضوع بحث سے خارج ہو جائے گا۔ اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ '' رجس'' ان منافقین کے بارے میں جو جسمانی لحاظ سے قطعی طور پر پاک ہیں (باوجودیکہ یہ لوگ مشترکین سے بھی زیادہ ناپاک اور گندے ہیں) قرآن میں اس کی تصریح ہوئی ہے کہ (... فَأَعْرِضُواْ عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ...)[2] منافقوں سے رو گردانی کرو ہمیشہ یہ لوگ '' رجس'' ناپاک ہیں خدا اس قسم کا رجس ان لوگوں کے لئے ثابت کرتا ہے جو ایمان نہیں لاتے کہ منجملہ ان سے پرہیز ہے اور دنیاوی اور اخروی عذاب کہ (قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ...) [3] اور اسی معنی میں معنوی پرہیز ہے (...فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ '' رجس'' ناپاکی سے بچو، بتوں سے اور ناپاک [4]مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ) اور گندی باتوں سے پرہیز کرو'' کہ بتوں سے اجتناب ان کی پرستش میں اعتقادی اور عملی اجتناب ہے اور ناپاک بات سے پرہیز، ترک کرنا، نہ سننا اور ان پر عمل نہ کرنا ہے۔

---

[1] سورہ توبہ، آیہ ۲۸.
[2] ۔ سورہ توبہ، آیہ ۹۵.
[3] سورہ اعراف، آیت ۷۱.
[4] سورہ حج، آیہ ۳۰.

اور ہم دیکھتے ہیں کہ نمونہ کے طور پر بھی ''رجس'' اور رُجز'' پورے قرآن میں نجاست مطلق کے معنی میں نہیں آیا ہے کہ اس سے ہر قسم کی ملاقات حرام اور متنجس کرنے والی ہو یہاں تک کہ مردار، بہائے گئے خون اور سور کا گوشت کہ قطعہ نجس ہیں کھانے اور ان کے اجزاء کا نماز میں ساتھ رکھنے میں منحصر ہوتا ہے نہ سور کا بال کہ حیوانی روح نہیں رکھتا اور کھانے کی چیز بھی نہیں ہے اور جیسے کتے کا بال کہ دونوں ہی پاک ہیں گرچہ جسمانی لحاظ سے اس کا گوشت کھانا نجس ہے۔

بالآخر ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کلمہ '' رجس'' ، '' نجس'' اور ''رُجز'' دیکھیں تو اس سے نجاست اصطلاحی مراد لے لیں، چہ جائیکہ اگر کسی چیز کا کھانا اور پینا ممنوع ہو گیا تو فوراً اس پر نجاست مطلق کی مہر لگا دی جائے اور اس کا نماز میں ساتھ رکھنا ممنوع سمجا جائے اور اس سے بڑھ کر اس کے نمازی کے لباس یا بدن سن ہو جانے کو نماز کے باطل ہونے کا سبب جانیں یا اگر کسی چیز کے نماز میں ساتھ رکھنے پر ممانعت ہو اس پر نجاست کی اصطلاحی مہر لگا کر کھانا ، پینا یا اس سے بالاتر اس چیز کا کھانا یا پینا جو اس سے ملاقات کرے کو حرام جانیں جیسے حرام گوشت جانوروں کا بال بالخصوص کتا اور سور اب مندرجہ ذیل مسائل میں احکام اور ان نجاستوں کے بارے میں گفتگو کریں گے جسے علما دین نے اپنی کتابوں میں شمار کیا ہے۔

نجاسات کی تعداد اور کافروں اور شراب کی طہارت

مسئلہ ۴۶: جس چیز کو جسمانی نجاسات کے عنوان سے شمار کیا ہے ، صرف سات چیزیں ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ پیشاب ۲۔ پاخانہ۔ ۳۔ منی ۴۔ خون ۵ مردار ۶ کتا اور سور ان کے بالوں کے علاوہ (چنانچہ سید مرتضی نے کتاب ناصریات میں اور صاحب اصباح الشریعۃ نے ذکر کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ (بال) میں حیوانی روح نہیں ہوتی) مذکورہ شرائط کے ساتھ نجس میں اور بس کہ علماء حضرات کے پاس ان سات چیزوں کی نجاست کے علاوہ ہر کوئی دلیل نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۷: فقہی کتابوں اور رسالہ ھای عملیہ میں ذکر شدہ نجاسات کے درمیان شراب اور اس کی تمام قسموں اس طرح کافر اور اس کی تمام قسموں کے بارے میں ان کی عینی نجاست کے بارے میں علماء حضرات کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور '' رجسٌ من عمل الشیطان'' شرا ب کے بارے میں ''من عمل الشیطان'' کے قرینہ ہے کہ اس ایک شیطانی عمل کہا گیا ہے اور نیز '' میسرٌ'' انصاب اور ازلام '' کہ شراب کے ساتھ سورہ مائدہ میں '' رجس من عمل الشیطان'' فاجتنبوا لعلکم تفلحون'' بتایا گیا ہے اور '' رجس'' کو عینی اور جسمی نجاسات سے معنوی اور عملی نجاسات کی طرف منصرف کرتا ہے اس بنا پر مست کرنے والی تمام چیزیں چہ

) انگور [1] جائیکہ مارنے والی چیزیں جیسے الکحل، صنعتی اور غیر صنعتی پاک ہے (کا رس اور کھجور کا رس اگر ثلث نہ ہوئے ہیں اگر مست کرنے والے نہ ہوں تو پاک اور حلال ہیں ؟؟؟ کے کھانے کی چیزوں کے بیان میں آئے گا۔[2] اہل کتاب کے بارے میں سورہ مائیدہ کی ۵ ویں آیت (...وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ...) خداوند عالم نے کلی طور پر اہل کتاب کے کھانوں کو ہمارے حلال کیا ہے ان کھانوں کے علاوہ جو نجس ہیں ۔ جیسے کتے اور سور کا گوشت یا ان کے غیر شرعی ذبیحے یا پاک ہیں لیکن ان کا کھانا حرام ہے جیسے شراب کہ یہ سب کلی طور پر حرام ہیں خواہ کافر ہو یا مسلمان سے اور ظاہر ہے کہ ان کی زیادہ تر غذائیں مرطوب اور طبعاً ہاتھوں کی پکی ہوئی ہیں اس زمانہ میں کہ جدید اسباب اور وسائل سے غذا پکائی جاتی ہیں بہت کم امکان ہے کہ بغیر ہاتھ لگائے پک کر تیار ہو جاتی ہیں اگر اہل کتاب بجز العین ہوں گے تو یہ قانون کس طرح درست ہوگا کہ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور روایات سے بھی ان کی عینی نجاست کا پتہ نہیں چلتا اگر ان کے عین نجاست پر کوئی درست ہوتی تو اس آیہ شریف کی نص اور دیگر روایات کے مقابلے میں (کہ زیادہ بھی ہیں) نا چیز اور قابل توجہ نہیں ہے اور طہارت کا اہل کتاب کے کھانے سے مخصوص ہونا (نہ تمام کا فروں کے) اسی بنیاد پر ہے کہ اہل کتاب وحیانی کتابوں کی روشنی میں کبھی نجس یا متنجس غذا نہیں کھاتے، لیکن تمام کفّار (خواہ مشرک ہوں یا ملحد) کسی قسم کی غذا کو حرام نہیں جانتے اور یہ خود ان کی ذاتی طہارت سے منافات رکھتا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے مشرکین کے بارے میں بھی (إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُواْ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ...)[3]''مشرکین صرف نجس ہیں لہذا مسجد الحرام سے قریب نہ ہوں '' یہ نجاست '' المشرکون'' کی مناسبت سے ان کی ارواح ان کے عقائد ، اخلاق اور اعمال کے بارے میں ہے نہ ان کی جسم کے بارے میں [4] کیونکہ شرک کی صفت روح اور قلبی عقیدہ اور ان کے شرک آلود کاموں کے بارے میں ہے نہ جسم کے کیونکہ جسم نہ کبھی موجود ہوتا ہے اور نہ مشرک بلکہ موحد اور مشرک کا بدن ہر لحاظ سے یکساں ہے اور اس وقت اگر مشرکین جسمانی نجاست کی وجہ سے ان کا مکہ میں داخل ہونا (مسجد الحرام کے قریب ہے) حرام ہو تو یہ حکم بلا استثنا) تمام نجاستوں کو شامل ہوتا نہ صرف ایک خاص قسم کی نجاست کو اور اس اصل کی

---

[1] ۔ مسکرات کے پاک ہونے کے بارے میں ابن بابویہ قمی ، مقدس اردبیلی ، جعفی، اور حسن بھی قائل ہیں (۱: ۱۴۳).اور مفتاح الکرامۃ اور علامہ کی تذکرہ میں ہے کہ ابن ابی عقیل اور تمام سنی علماء اسے پاک جانتے ہیں سوائے شافعی، داود اور ربیعہ کے حرام سے بجنب ہونے والے شخص کے پسینہ کے پاک ہونے کے بارے میں بھی مرحوم آقای خمینی ، خوئی، گلپائیگانی، اراکی شریعت مداری ، میلانی اور نجفی مرعشی نے فتوی دیا ہے۔

۲ ۔آقائے خمینیؒ ، خوئی، گلپائیگانی کے فتوی کے مطابق پاک ہیں صرف ان کا کھانا حرام ہے۔

[3] ۔ سورہ توبہ، آیہ ۲۸.

٤ ۔ علامہ تذکرہ میں اور آیۃ اللہ نراقی نے مستند میں کافر کی نجاست کو اشہر علماء کی طرف دی ہے اور شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مشرک کو بھی پاک جانا ہے اس روایت کے مطابق کہ پیغمبر اکرم نے ایک بت پرست عورت کے برتن میں پانی لےکر وضو کیا اور شیخ طوسی بھی نہایہ میں اور مفید و عمانی نے بھی اورمرحوم آیت اللہ حکیم کے معاصرین بھی تمام اہل کتاب کو پاک جانتے ہیں اور انہی معاصرین کا دوسرا گروہ جیسے مرحوم آقائے خمینیؒ مرحوم آیۃ اللہ منتظری اہل کتاب کے پاک عینی اور نجس سیاسی جانتے ہیں۔

بنیاد پر بنیادی طور پر مکہ میں زندگی ان تمام نجاستوں کے ضروری وجود کی بناء پر حرام ہوگا؛ کیونکہ (فلا یقربوا المسجد الحرام) مسجد الحرام سے نزدیک ہونے کو مشرکین کے لئے حرام ہے کیا ہے نہ صرف خود مسجد الحرام میں دخول کو اس اصل کی بنیاد پر '' رجس'' مشرکین صرف اور صرف معنوی ہے نہ جسمانی، کیونکہ مسجد الحرام میں نجاست کا داخل کرنا اگر مسجد کو آلودہ نہ کرے یا توہین نہ ہو تو ہرگز حرام نہیں ہے چہ جائیکہ پورے مکہ یا پورے حرم میں کیونکہ اصولی طور پر دونوں مقامات کو ہر نجاست سے خالی ہونا چاہئے کہ مجموعی طور پر ہر مؤمنین بلکہ معصومین ؑ کی بھی نجاستوں کی وجہ سے مکہ اور حرم میں سکونت حرام ہونا چاہئے یہاں تک مسجد الحرام اور کعبہ معظمہ سے نزدیک ہونا(کہ ام القری اور توحید کا مرکز اور ہر قسم کی روحانی طہارت کا مقام ہے ان پر حرام کرتا ہے)۔

ہاں یہاں پر ''مسجد الحرام'' سے نزدیک ہونا (نہ صرف اس میں دخول) ممنوع ہے اور مسجد الحرام کے نزدیک پورا مکہ ہی ہے اور اس کے بعد حرم، (وإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً) بھی کہ مشرکین مسجد الحرام سے نزدیک ہونے کو ترک کرنا اور بے نوائی جانا ہے ، مسجد الحرام سے نزدیک ہونے کا بخونی معنی کرتے ہیں کہ پورا مکہ مکرمہ ہے؛ کیونکہ مسجد کبھی بھی تجارت کی جگہ نہ تھی اور نہ ہے۔

مسئلہ ۴۸: اصولی طور پر انسان(جو بھی ہو اور جس عقیدہ اور نظریہ کا مالک ہو) جسمانی لحاظ سے کبھی بھی کتا ،سؤر اور تمام عینی نجاستوں کی طرح نجس العین نہیں ہے اورطہارت اور نجاست میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جسمانی لحاظ سے واحد فرق یہ ہے کہ اگر کوئی نمازی مسلمان کہ متنجس ہو گیا ہے ایک نماز کے پورے وقت کے بقدر پوشیدہ ہو جائے یہ خود کہے کہ میں نے اپنی تطہیر کی ہے تو اس پر طہارت کا حکم لگایا جائے گا لیکن کافر شخص اس طرح کا التزام اور پابندی نہیں رکھتا اور کسی طہارت ملتزم اور پابند نہیں ہے ، اس کا قول قابل قبول نہیں ہوگا ، یا وہ مسلمان جو اصلاً نماز پڑھتا اور نہ ہی طہارت کا پابند ہے اس کے سلسلہ م یں اس وقت اس کی طہارت پر یقین کیا جا سکتا ہے یا تم خود دیکھو یا کسی دوسرے شرعی طریقہ سے یہ جان لو کہ اس نے خود کو پاک کیا ہے۔

اگر کافر(غیر ملتزم) نے خود کو نجس بھی اور پاک بھی لیکن نہیں معلوم کہ ان میں سےکون پہلے تھا تو اس مورد میں بھی اس پر طہارت ہی کا حکم لگایا جائے گا کہ اس کی طہارت اور نجاست دونوں ہی مورد شک ہے اور قاعدہ'' کل شیئ طاہر حتی تعلم انہ قذر فاذا علمت فقد قذر'' ہر چیز پاک ہے جب تک یہ جان لو کہ وہ نجس ہے اورجب جان گئے کہ وہ ناپاک ہے تو اس وقت بھی نا پاک ہی رہے گی'' اورمشکوک موارد میں طہارت اصلی حاکم ہے یہ کافر یا مسلمان طہارت اور نجاست کے درمیان تقدم اور تأخر کے لحاظ سے دو مشکوک حالت رکھتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی کسی وسیلہ سے معلوم نہ ہو تو دونوں ہی پر طہارت کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ

دونوں کی نجاست مجہول ہے اور اصطلاح میں دو استصحاب کے تعارض سے طہارت و نجاست کی حالت تساقط کی بنا پر شک بدوی کا مورد ہوگا اور قاعدہ طہارت کو شامل ہوگا آخر کار قاعدہ طہارت کے مطابق کسی چیز کی نجاست تک یا حکم موضوع کے لحاظ سے معلوم نہ ہو تو صرف طہارت حاکم ہے اور بس۔

اور آخر کار اسلامی جذب کرنے والی سیاست کے لحاظ سے اگر جسمانی لحاظ سے نجس ہوں اور دوسری طرف سے تألیف قلوب کے باب سے بھی زکوۃ کے مصرف کا موارد میں یہ خود ان کے جذب اور دفع کرنے میں تناقض ہے کہ ایک ہاتھ سے انہیں انکار کر دیا جائے اور تو دوسرے ہاتھ سے اپنی طرف جذب اور مائل کر لیا جائے باوجودیکہ ردّ کرنا جذب کرنے کی نسبت زیادہ قوی ہے۔

اور اگر مشرکین بھی جسمانی لحاظ سے نجس ہوں گے اہل کتاب (جیسا کہ گزر چکا ہے) بھی آیہ مائدہ کی روشنی میں پاک ہیں اور (اس آیت سے صرف نظر ہونے کی صورت میں)مشرکین میں سے بھی نہیں ہیں؛ کیونکہ قرآن میں مشرکین اہل کتاب کے مقابلہ میں ہیں اگرچہ توحید میں انحرافات رکھتے ہیں اور وھابیوں کی طرف بھی ہیں کہ توحید میں ان کے انحرافات کے باوجود ان پر اسلام کے احکام جاری ہیں۔

پیشاب اور پاخانہ

مسئلہ ۴۹: کیا انسان کے علاوہ ہر حیوان کا پیشاب اور پاخانہ نجس ہے؟ تمام حرام گوشت حیوانوں کے بارے میں خون جہندہ رکھتے ہیں ، ایسا ہی ہے لیکن حلال گوشت حیوانات یا جو خون جہندہ نہیں رکھتے یا مشکوک ہیں کہ خون جہندہ رکھتے ہیں یا نہیں تو ان کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے اور گوشت کے حلال یا حرام ہونے میں یا کسی حیوان کے خون جہیندہ رکھنے میں ہم شک کریں تو قاعدہ طہارت کی بنیاد پر طہارت سے محکوم ہیں بنابرایں اس حیوان کا پیشاب اور پاخانہ نجس ہے جس کے بارے میں یہ جان لیں کہ یہ حرام گوشت ہے اور خون جہیندہ رکھتا ہے۔

اس کے بیچ تمام پروندوں کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے[1]''کل شيئ يطير فلا بأمس ببولہ وخرہ''[2] ہر پرندہ حیوان کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے جس پر ہر''یطیر'' کا عنوان صادق آتا ہے ، یہ خود طہارت کی علت یا حکمت ہے کہ اگر یہاں پر طہارت کے لئے صرف حلال گوشت ہونا ذکر ہوا ہے تو پھر اس حکم میں پرندہ ہونے کا کوئی موقع نہیں ہے بنابریں جس طرح طہارت کا موضوع حلال گوشت ہونا ہے اسی طرح پورے میں پرندہ ہونا بھی ہے۔

---

[1] ۔ مرحوم آقائے حکیم، خوئی، گلپائیگانی، شاہردوی ، شریعت مداری اورآقائے منتظری دامت برکاتہ افاضاتہ بھی ان کو پاک جانتے ہیں اور مرحوم آقائے خمینیؒ اس کی طہارت کی وجہ سے خالی نہیں جانتے۔

[2] ۔ یہ حدیث عبداللہ بن سنان کی حسنہ ہے حضرت امام جعفر صادقؑ سے ، وسائل الشیعہ، ابواب نجاسات ، ب۱۰، ح۱.

ہمارے پاس اس معتبر روایت کے مقابلہ میں کوئی دلیل بھی نہیں ہے مگر '' اغْسِلْ ثَوبکَ مِنْ بَول ما لا یؤکل لحمہ''[1] اپنے لباس کوغیر ماکور لحم کے پیشا ب پڑ جانے پر دھوو'' کہ طبیعی طور پر گذشتہ حدیث سے تخصیص پا جاتا ہے اور پرندوں کے علاوہ میں منحصر ہو جاتا ہے اور اگر گذشتہ حدیث کے مقابلہ میں نص ہوتی تو تعارض کی صورت میں تساقط کرجائے گی اور دونوں ہی بے سود ہوجائیں گی اس صورت میں بھی قاعدہ طہارت کا مقام ہے اور آخر کار چونکہ حرام گوشت پرندوں کے پاخانہ کے نجس ہونے پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے پر اس بنیاد پر ان سب کے بارے میں قاعدہ طہارت جاری ہوگا۔ اس حکم کے موافق متقدمین میں سے صدوق، عمانی، جعفی اورمتأخرین میں سے نراقی اورصاحب حدائق ہیں شیخ طوسی مبسوط میں حرام گوشت پرندوں میں سے صرف چمگاڈر کے پاخانہ کو نجس جانتے ہیں اور متأخرین میں سے سبھی حرام گوشت پرندوں کا پاخانہ پاک جانتے ہیں ، مرحوم سید محمد کاظم طبا طبائی ، صاحب العروۃ الوثقی ، حکیم شاہرودی ،خوئی اورشریعت مداری اور بعض دیگر ہیں۔

مسئلہ ۵۰۔ مردار اور اصطلاح میں اس حیوان کا ''مردہ'' جو خون جہیندہ رکھتا ہے اس کے تمام حیوانی اجزاء جس میں حیوانی روح رکھتے ہیں نجس ہے مثال کے طور پر ہڈی کہ گوشت سے بھی زیادہ اور حساس ترین قوی حیوانی روح رکھتی ہے کہ اس کے ٹوٹنے یا کوئی بھی صدمہ پہنچےکی صورت میں اس کا درد زخم اور گوشت کے پھٹنے سے بھی زیادہ ہوتا ہے، بدون شک نجس ہیں اور بہت ہی حیرت کا مقام ہے کہ ہڈیاں اس طرح رسالہ عملیہ میں اجزاء کا جزو ظاہر ہوئی ہیں کہ حیوانی روح کی مالک نہیں ہیں باوجودیکہ دلیل حسی کے علاوہ (... أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ...)[2] جیسی قرآنی آیاتہیں کہ '' کون ہے جو ان ہڈیوں کو بوسید ہونے اور پاک میں ملنے کے بعد زندہ کرتا ہے '' کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے:'' وہی ذات جس نے ابتدائی مرحلہ میں ان ہڈیوں کو زندہ کیا تھا وہی ذات دوبارہ ان کو زندہ کرے گی'' کہ خود ہڈی کی حیات اور موت پر واضح نص ہے۔ اور اسی طرح دانتوں کی جڑ بھی ہے ، سینگ اور ان دونوں کے حساس حصہ اور کہنی کی
ہڈی کہ دیگر ہڈیوں کی طرح حیوانی روح رکھتی ہے لیکن بال، اون ، نرم اون اور ناخن حیوانی روح نہیں رکھتے اور نباتی روح مورد نجاست بھی نہیں ہے۔ بنابریں مرغی کا وہ انڈا جو مرغی کے شکم میں مر گیا ہو اور اسی طرح پنیر مایہ اور اس کے مانند کہ حیوا نی روح نہیں رکھتے ہیں (کسی شرط کے بغیر) پاک ہیں اگرچہ مردار سے مس ہونے کی بنا پر ان کے ظاہر کو دھو دینا چاہئے۔

---

[1] یہ حدیث موثقہ یا بہتر کہ ابو بصیر کی صحیحہ ہے حضرت امام صادق ؑسے ، وسائل الشیعہ ، ابواب نجاسۃ ، ظروف اورجلدیں، ب۸، ح۳.

[2] ۔سورہ یس، آیہ ۷۹.

مسئلہ ۵۱: ''مردار'' نجس صر اس حیوان کا نہیں ہے جو خود بخود مر گیا ہو، بلکہ وہ حیوانات بھی مردار کے حکم میں ہیں جوغیر شرعی طریقہ سے ذبح ہوئے ہوں اور وہ اجزء بھی کہ حیوانی روح رکھتے ہیں چنانچہ اگر زندہ حیوان سے جدا ہو جائیں تو یہی حکم رکھتے ہیں ، لیکن جلد، ہونٹ، اور منہ یا بعض دیگر چھوٹے اعضاء کہ بعض حالات میں انسان یا حیوان کے بدن سے جدا ہو جاتے ہیں ، نجاست مراد کی دلیل ان کو شامل نہیں ہے، بلکہ معلوم ہے کہ ایسے اجزاء مردار نہیں ہیں ؛ کیونکہ ان پر مردار کا صادق آنا وہ بھی مورد نص مردار معلوم نہیں ہے بلکہ معلوم ہے کہ ایسے اجزاء مردار نہیں ہیں خواہ یہ جلد خود بخود گر جائے یا آسانی کے ساتھ اکھاڑی جا سکے، بہرحال پاک ہے۔[1] اور اسی طرح مرغی کا وہ انڈا کہ مرغی کے شکم سے مردہ باہر آئے خواہ اس کی جلد سخت ہوئی ہو یا نہیں ، بھی ذاتی طہارت کا حکم رکھتا ہے۔(جیسا کہ آقائے حکیم اور گلپائگانی اس کا فتوی دیا ہے)۔

مسئلہ ۵۲: وہ گوشت اور کھال جو مسلمانوں کے بازار میں فروخت ہوتا ہے ، پاک ہے اور غیر اسلامی ملکوں سے آنے والی کھال اس وقت نجس ہے کہ جب یہ معلوم ہو کہ اس کا ذبیحہ کفار کے طریقہ سے ہواتھا جسے شرعی شرائط کے بغیر ذبح کیا ہے اور شک کی صورت میں طہارت کا حکم لگایا جائے گا۔[2]اور اس میں نماز پڑھنا بھی جائز ہوگا ہاں اگر یہ معلوم ہوکہ حرام گوشت حیوان سے تعلق رکھتی ہے۔

خون

مسئلہ ۵۳:حرام گوشت حیوانات کا خون کلی طور پر نجس اور اس کا کھانا حرام ہے اور غیر حیوان کا خون کلی طور پر پاک اور حلال ہے اور صرف حلال گوشت حیوانات کہ خون جہیندہ رکھتے ہیں دو حصہ ہیں: پہلا وہ خون کہ شرعی طور پر ذبح کرنے سے خارج ہو یا زخمی کرنے سے طبیعی اور متعارف طریقہ سے جسم سے خارج ہو جائے کہ نص قرآن کے مطابق(دماً مسفوحاً)[3] بہایا ہوا ایک خون ہے کہ جس اور اس کا کھانا حرام ہے اور دوسرا وہ خون ہے کہ شرعی طریقہ سے ذبح کرنے کے بعد معمول کے مطابق اس کے بدن میں رہ جاتا ہے کہ وہ پاک بھی ہے اور اس کا کھانا حلال بھی ؛ کیونکہ (دماً مسفوحاً) نے حرمت کو بہائے گئے خون میں منحصر جانا ہے لیکن جو خون بہایا نہیں گیا ہے اور اسی طرح معمول کے مطابق حیوان کے جسم میں رہ جاتا ہے اس کا کھانا اوربطریق اولیٰ پاک ہے۔ اور آخر کار ہمارے پاس قرآن اور سنت سے عمومی طور پر خون کی نجاست یا طہارت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور حرمت اور نجاست صرف اور صرف '' دما مسفوحاً'' میں منحصر ہے اور بس۔

---

[1] ۔ مرحوم آقائے خوئی ، اراکی، شریعت مداری، اور مرعشی نجفی بھی اس کو پاک جانتے ہیں۔

[2] ۔ چنانچہ آقائے حکیم، خوئی جیسے بعض مرحومین فقہاء نے فرمایا ہے کہ تذکیہ کے بارے میں شک ہو تو پاک ہے اور عموماً (اصولی اصطلاح میں) پہلے کی طہارت کا استصحاب اس کے بعد اس مشکوک کا حکم طہارت سے دو کتاب اور سنت جیسی دلیلوں نے بھی حیوان کی کھال کی نجاست بھی اس وقت ثابت ہوگی جب اس کے مردار ہونے کا علم ہو گوشت کے علاوہ کہ قرآنی نص کے مطابق تذکیہ سے مشروط ہے۔

۳ ۔ سورہ انعام، آیہ ۱۴۵.

اس اصل کی بنیاد پر جو خون کبھی انڈا میں رہ جاتا ہے پاک اور حلال ہے [1] کیونکہ حیوان کا بہایا گیا خون نہیں ہے اور نجاست اور حرمت کے لئے صرف خون ہوو نا بھی کافی نہیں ہوگا، بلکہ یہ خون ، حیوان کا خون نہیں ہے اور غیر حیوان تمام خون پاک اور حلال ہیں جیسے وہ خون جو لیب میں بنایا جاتا ہے یا عاشورا کے دن بعض درخت سے خون کا ٹپکنا ہے ۔[2]

جسم کے اندر موجود خون بھی پاک ہیں لہذا اگر اس بنیاد پر سوئی یا انجیکشن انسان کے جسم کے اندر جائے اور نکل آئے تو کبھی نجس نہیں ہوگا۔ وہ خون بھی جو کبھی کبھی منہ یا دانتوں کی جڑ سے بہنے لگتا ہے مگر یہ کہ تھوک سے مخلوط ہوکہ نابود ہوگیا ہو تو بھی پاک اور حلال ہے۔[3]

مسئلہ ۵۴: ان حرام گوشت حیوانات کا خون جو خون جہیندہ نہیں رکھتے جیے سانپ اور چھپ کلی تو پاک ہیں کیونکہ ''دماً مسفوحاً'' کے عنوان سے خارج ہیں اور اگر حلال گوشت بھی ہوں جیسے مچھلی تو پاک ہونے کے ساتھ ساتھ حلال بھی ہیں لیکن حرام گوشت حیوانات کا خون خود ان کی طرح حرام ہے۔

مسئلہ ۵۵: نجس خون کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ (تمام نجاستوں کی طرح) اگر جسم لباس میں شرمگاہ ڈھانپنے کے بقدر نجاست ہو تو نماز اور احرام کے لئے اس کی تطہیر کرنی چاہئے یا اسے الگ کر دینا چاہئے ، لیکن اگر خون ایک درہم(کہ ہمارے زمانہ میں تقریباً ۲/ ریال کے ایک سکہ کے برابر ہے) کے بقدر ہوتو کلی طور پر نماز کے لئے اشکال نہیں رکھتا، تمام نجاستیں اس مورد میں ہرگز استثناء نہیں رکھتیں، چنانچہ نجس المعنی اور حرام گوشت حیوانات کے خون اور حیض ، نفاس اور استحاضہ کے خون میں بھی اس طرح کا استثنا ئی مسئلہ نہیں ہے اور نماز و احرام میں نجاست کے ساتھ رکھنے کی حرمت ان تمام چیزوں کو شامل ہوگی اور صرف انسان اور حلال گوشت حیوانات کا خون جو ایک درہم کے برابر ہو اور زخم ، پھوڑا پھنسی اور جسم اگر کٹ گیا ہو سب مستثنی ہے گرچہ قدر مسلم زخم و جراحت کے خون کا استثناء اس وقت ہے جب تک ٹھیک نہ ہوا ہو اور ان کا دھونا مشقت اور حرج کا سبب ہو کہ ان موارد کے علاوہ اسی طرح ممنوع ہے۔

مسئلہ ۵۶: نماز میں جو خون ممنوع ہے صرف وہ خون ہے جو جسم پر ہو اس لباس پر جو شرمگاہ کو چھپانے کے لئے کافی ہو اس بنا پر موزہ، چھوٹا رومال، پسینہ خشک کرنے کے لئے ، کپڑے یا جالی دار ٹوپی اور اس کے جیسا کوئی بھی کپڑا جو شرمگاہ چھپانے کے لئے کافی نہ ہو اشکال نہیں رکھتا۔

---

۱ ۔ معاصرین میں سے جو لوگ انڈا میں موجود خون کو پاک جانتے ہیں مرحوم آقا حکیم مرحوم آقا خوئی اور مرحوم آقا خمینی ہیں ،لیکن آقا خمینی اس کے حلال ہونے کی شرط پھٹینا اور اس کو محو کرنا جانتے ہیں۔

۲ ۔ اور اس کے مانند بہت زیادہ ہے جیسے کھانے کی دیگ کہ امسال عاشورا کے دن (تہران میں) جو عزاداروں کے لئے آمادہ کی گئی تھی پوری دیگ کھانے سمیت خون ہوگئی، مجھ سے سوال کیا گیا کہ اس خون کا حکم کیا ہے ؟ میں نےکہا: پاک اور مبارک ہے اس میں سے کچھ لے آئیے کہ امام حسین ؑ کی خاص توجہ کا مرکز ہے۔

۳ ۔ مرحومین حضرات حکیم، خمینیؒ گلپائیگانی ، میلانی، شریعت مداری، نجفی، مرعشی، اور منتظری موافق ہیں۔

منی

مسئلہ ۵۷: جو کچھ مسلم اور یقینی طورپر دلیل سے سمجھتے ہیں یہ ہے کہ منی خواہ مرد ہو یا عورت نجس ہے، اس کی دلیل محمد بن مسلم کی امام جعفر صادق علیہ السلام سے صحیح ہے کہ حضرت نے فرمایا:'' ذکر المنی ....(ص ۶۱ کتاب) آنحضرت نے منی کا ذکر کیا لیکن اس کے بارے میں شدت سے کام لیا کہ یہ پیشاب سے بھی زیادہ مشکل ہے اور اس کے بعد فرمایا: اگر نماز شروع کرنے سے پہلے یا اس کے بعد (منی) کو دیکھا تو تم پر پھر سے نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر آپ اپنے لباس میں نظر کی لیکن اس میں اس کا کوئی اثر نہ دیکھو اور پھر اس کے بعد اسی لباس میں نماز پڑھ لی اور نماز پڑھنے کے بعد اس (لباس) پرمنی دیکھی تو اپنی نماز پھر سے نہ پڑھو اور پیشاب بھی اسی طرح ہے۔

یہ حدیث اور اس کے مانند احادیث صرف انسان کی منی کو شامل ہیں کہ غیر انسان کی منی سے واضح طور پر انصراف رکھتی ہے بالخصوص حلال گوشت حیوانات کی منی کہ اصولی طور پر انسان کسی حیوان کو منی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تاکہ لفظ منی سے حیوان کی منی کی نجاست بھی ح اصل ہو، اور یہاں پر (قاعدہ طہارت کی روشنی میں) پاک حیوانات کی منی پاک ہے خواہ حلال گوشت ہوں یا حرام گوشت(چنانچہ علمائے شیعہ میں سے آقای منتظری بھی اس کی نجاست کو مشکل جانتے ہیں اور اہلسنت سے شافعی نے بھی اسے پاک شمارکیا ہے) ایسے موارد میں انصراف کے بقدر واضح ہے کہ اگر حیوانات کی منی استثناء ہو جائے تو جو ہم سمجھ چکے ہیں اس پر معلومات میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا بلکہ حیرت کا مقام بھی ہوگا۔

لیکن، شراب اور ۲/۳ سے پہلے انگور کا عرق جیسی دیگر خبریں کہ کبھی کبھی علماء حضرات نے اسے رسالہ ھای عملیہ میں نجس جانا ہے جیسا کہ گزرا اور آئے گانہ صرف یہ کہ ان نجاست پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس کتاب اور سنت میں ان کی طہارت پر دلیل ہے۔

مسئلہ ۵۸: انسان کی منی اگر شہوت کے ساتھ جسم سے خارج ہوئی ہو تو پیغمبر اور آئمہ معصومین علیھم السلام کی حدیث کی روشنی میں نجس اور جنابت کا سبب ہے۔

نجاسات سے متعلق کچھ وسائل

مسئلہ ۵۹: صرف نجس العین ہی کسی دوسری چیز کے متنجس ہونے کا باعث ہے اس شرط سے سرایت کرنے والی رطوبت کے ساتھ اس سے مس ہو جائے لین متنجس چیز اس حکم میں عین نجس کی طرح نہیں ہےکہ کسی دوسری چیز سے سرایت کرنے والی (رطوبت) کے چھو جانے سے اسے متنجس کر دے کہ ہم اصطلاح میں کہتےہیں متنجس نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ متنجس کی منتقل ہونے والی رطوبت پاک چیز سے مس ہو جائے۔

مسئلہ ۶۰: خود نجاست اور تنجس چند طریقوں سے ثابت ہو جائے کہ آپ خود ہی نجس یا متنجس کو دیکھ کر یقین کریں یا جس کے اختیار میں کوئی چیز ہوکہے کہ فلاں چیز نجس یا متنجس ہے مگر اس صورت میں کہ اس کی گواہی قابل اطمینان نہ ہو یا وسواسی اور شکی ہونے کی بنیاد پر یا خود اس سے مخصوص اجتہاد اور تقلید کہ آپ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے اسے نجس یا متنجس جانے ، بالآخر جو شخص آپ کا مورد اعتماد ہے وہ کسی چیز کے نجس یا متنجس ہونے پر گواہی دے اگرچہ دو عادل نہ ہوں کہ یہاں پر اصل اطمینان ہے اور اگر دو یا چند عادل کی گواہی بھی قابل اطمنان ہو تو کافی نہیں ہے۔ آخر کار قاعدہ '' لاتقف ما لیس لک بہ علم'' کلی طور پر یہاں اور ہر جگہ حاکم ہے۔

مسئلہ ۶۱: اگر دو یا چند چیزوں میں سے کوئی ایک نجس ہے اور یہ معلوم نہیں کہ (ان میں سے) کون نجس ہے تو پھر جن موارد میں طہارت شرط ہے ان میں ان سب کا استعمال کرنا حرام ہے لیکن اگر مثال کے طور پر ان میں سےکوئی ایک آپ کے اختیار میں اور دسترس سے خارج ہو جائے یا نابود ہو جائے یا آپ خود ہی اسے نابود کر دیں جیسے یہ کہ پانی کے دو برتنوں میں سے کسی ایک کا پانی انڈیل دیا تو جو باقی بچا ہے اس پر طہارت کا حکم لگے گا چونکہ شک ابتدائی کا مورد ہے اور جن چیزوں کے لئے طہارت شرط ہے وہاں پر اس کا استعمال جائز ہے کہ پہلی شبہہ محصورہ ہے لیکن ایک طرف آپ کے اختیار سے نکل چکا ہے بنابرایں آپ کا مشتبہ شک بدوی اور ابتدائی تبدیل ہو چکا ہے کہ جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے درست ہے کہ دو طرف میں سے کسی ایک طرف کا پانی پھینکنے (گرانے) سے پہلے حلال نہیں تھا کہ ان میں سے ایک سے پانی پیئو یا وضو اور غسل انجام دو، کیونکہ آپ دونوں کی طہارت کی وجہ نہ جانتے ہوں اس وقت ان کاموں میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے جن میں طہارت شرط ہے اور طرفینی ٹکراؤ سے دونوں کی طہارت کا استصحاب ساقط ہے بنابرایں ان دونوں یمں سے کوئی بھی طہارت کا حکم نہیں رکھتا۔ لیکن جب ان دو میں سے کوئی ایک (خواہ جس طر ح ہو) آپ کے اختیار میں سے نکل جائے۔ تو اس دوسرے کے مورد میں شک ابتدائی ہے اور اس صورت میں قاعدہ طہارت جاری ہے ، لیکن گذشتہ فرض کی بنیاد پر قاعدہ طہارت میں تعارض اور ٹکراؤ تھا اور اس وقت معارض زمین پر گرا دیا گیا ہے اور نا چیز ہو چکا ہے یا آپ کے اختیار سے نکل چکا ہے تو اس میں باقی ماندہ قاعدہ طہارت بلا منافع اور معارض ہو جائے گا اور اسے طہارت کے حکم سے سرفراز کر دے گا۔

اور یہ شک میں ڈالنے کا سلسلہ خود ایک شرعی راستہ ہے کہ حتی المقدور انسان خود کو نجاست کے یقین سے آزاد کرے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ پیشا ب کرتے

کے وقت جو پانی ٹپکتا ہے ، اسے زمین پر بہا دیتے تھے تاکہ پیشاب کرنےکے بعدترشح اور ٹپکنے کا مشاہدہ کیا تو کہیں '' ھذ من ذلک'' یہ طہارت (شاید) اسی ٹپکنے کی وجہ سے تھی۔

مسئلہ ۶۲: اگر چند چیزوں میں سے ان کے درمیان ایک نجس ہے وہ کسی مرطوب اور گیلی چیز سے مس ہو جائے تو مس ہونے والی چیز پاک ہے کیونکہ اس کا مورد مشکوک ہوگا ، لیکن اگر ان تمام چیزوں کے ساتھ مس ہو جائے تو متنجس ہو جائے گا مگر یہ کہ مورد شک متنجس ہو کہ اس کا مس ہونا یا ملاقات کرنا (مگر انتقال کے ذریعہ) اس چیز کو متنجس نہیں کرے گا چونکہ متنجس کلی طور پر متنجس(نجس کرنے والا) نہیں ہے۔

نجاسات کو پاک کرنے والی چیزیں یا مطہرات

پانی

مسئلہ ۶۳: پانی اس صورت میں مطہر(پاک کرنے والا) ہے جب نجاسات کی وجہ سے دگر گون نہ ہوا ہو نیز ہر پاک مضاف پانی،پاک کرنےوالا ہے۔
-

مسئلہ ۶۴: اس حد تک کہ پانی عین نجاست کو برطرف کر دے تو مکان نجاست کے پاک ہونے کے حکم کے لئے کافی ہے۔ پانی کے اس برتن کے علاوہ جسے کتے اور سئور نے چاٹ لیا ہو تو سب سے پہلے اس ظرف کوپاک مٹی سے مانجھا جائے پھر اسی طرح اسے دھوئیں(چنانچہ ابو العباس کی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خبر میں ہے کہ انہوں نے کتے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: رجسٌ یعنی نجس ہے اور فرمایا کہ اس کے باقی بچے پانی سے وضو نہ کرو اور اس پانی کو انڈیل دو اور اس کا ظرف ایک مرتبہ مٹی سے اور اس کے بعد ایک مرتبہ پانی سے دھو دو)

مسئلہ ۶۵: کسی نجاست کا کسی پاک چیز کے ذریعہ دگر گوں ہونا خون کی طرح سےکہ حیوان کے جسم میں گوشت میں تبدیل ہو جائے یا غیر خون میں تبدیل ہو اور خون ہونے سے خارج ہوئے جیسے جل کر خاک ہو جائے یا پھر مرور زمانہ سے خاک میں تبدیل ہو جائے یا اس مردار کی طرح کہ نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے کہ ان تمام فروض کو اصطلاح میں استحالہ کہتے ہیں اور یہ استحالہ خود پر نجس کو پاک کرنے والا ہے۔

مسئلہ ۶۶:گیلی نجس یا متنجس زمین یا ہر وہ چیز جو اپنی جگہ پر ثابت ہے جیسے عمارت، درخت اور دروازہ اگرچہ جدا کرنے کے قابل ہے، اگر سورج کی روشنی پڑنے (خواہ براہ راست پڑے یا بالواسطہ) سے خشک ہو جائے اگرچہ ہوا یا ہوا کی گرمی اس میں معاون ہو جب تک عرف عوام میں اس خشک ہونے کو سورج کی روشنی میں پڑنے کی وجہ سے جانیں کہ یہ خود تنہا خشک کرنےکے لئے کافی تھا یا بالآخر عرف میں یہ کہا جائے کہ اس رطوبت کو آفتاب نے خشک کیا ہے، کافی ہے۔

مسئلہ ۶۷: تلوا یاعصا کا نچلا حصہ یا (اور اس جیسی چیزوں) یا گاڑی کا ٹائر آخر کار سواری یا پیدل چلنے کا کوئی بھی ذریعہ کہ زمین پر رگڑ کھانے، ملنے یا راستہ چلنے سے اس کی عین نجاست برطرف ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اس حکم میں زمین کا پاک ہونا شرط ہے اور بس کہ اگر ڈامر اور بالو یا اینٹ اور اس جیسا بھی ہو اور جب تک اسے زمین یا زمین کا کہیں وہ پاک کرنے والا ہے اور اصولی طور پر عین نجاست کا برطرف ہونا خواہ (آب مطلق) خواہ خالص سے ہو یا [1]مضاف پانی سے یا کسی اور پاک ذریعہ سے ہو تو طہارت کا موجب ہے۔

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اصطلاحی پانی کا کر نجاسات کو پاک کرنے کے لئے شرط جانتے ہیں پلاسٹر کی ہوئی زمین اور اس کے مانند کو اگر نجس ہو جائے تو عین نجاست کے زائل ہونے کی شرط کے ساتھ پورے فرش پر پانی ڈالنے سے پاک ہو جاتا ہے۔[2]

سہ گانہ طہارتیں

[وضو، غسل اور تیمم]

مسئلہ ۶۸: اس طرح کی طہارتیں کہ عبادتوں اور بعض دیگر کاموں کے لئے واجب ہیں، معرفتی فقہ میں انسان کی روحانی طہارت کے لازم ہونے کی طرف ایک اشارہ ہے کہ بارگاہ رب العزت میں حاضری کے وقت(رسمی طور پر لباس اور اس کے بدن کے نجاستوں سے پاک ہونے کے بعد) اسے حدث سے بھی پاک ہونا چاہئے کہ اس کا وسیلہ وضو اور غسل اور ان کے بدلہ تیمم ہے وضو اس بات کی طرف ایک معرفتی اشارہ ہے کہ اس بارگاہ اقدس میں انسان چہرہ کا اس کی ظاہری انسانیت کا اصلی مرکز اور مظہر ہے ، وہ دیکھنے ، سننے اور کہنے سے پاک ہو کہ اس کا رمز چہرہ دھونا ہے اور اس کے ہاتھ بھی نا پاک اور نا پسندیدہ کاموں اور سرگرمیوں سے پاک ہوں کہ اس کا رمز اس کا دھونا ہے۔ اور انسان کا مغز بھی کہ عقل اور فکر کا مرکز ہے ، اپناک نیت، ارادہ، علم اور گندہ عقیدہ سے پاک ہونا چاہئے کہ اس کا رمز سر کا مسح کرنا ہے اور آخر کار اس کے قدم بھی نا پسندیدہ اور غلط کاموں میں پڑھنے سے پاک ہوں کہ اس کا رمز اس کا مسح ہے غسل کہ پورے جسم کا دھونا خصوصاً جنابت، حیض، نفاس ، ظاہری جسم دھونے کے علاوہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکلف اس بارگاہ اقدس میں اپنے پورے وجود سمیت تمام گندگیوں ، نجاستوں اور کثافتوں سے دور اور پاک ہو کہ حیض ، نفاس اور جنابت خود ناپاکی یا ایسی شہوت ہے جو انسان کے پورے بدن، اس کی روح اور مکمل انسان کو شامل ہے اور یہ اگرچہ حلال ہے لیکن حضرت حق کی بندگی کے حضور ہر قسم کی گندگی،

---

[1] ۔ چنانچہ فقہاء کا ایک گروہ جس میں سید مرتضیؒ ، صدوق، عمانی ہیں مضاف پانی سے طہارت کو کافی جانتے ہیں اور سید مرتضیؒ (۱: ۷۷) اور شیخ مفید)۱۱: ۷۷) مطلقاً (خواہ کسی طرح کے پانی سے یا کسی اور ذریعہ سے) اگر عین نجاست زائل ہو جائے تو موجب طہارت جانتے ہیں۔

[2] ۔ مانند مرحوم آقا ی بروجردی.

نجاست اور شہوت (اگرچہ پاکیزہ شہوت ہو) سے پاک ہو چہ جائیکہ ناپاک خواہشات اور شہوتیں ہوں(چونکہ پاک اور حلال خواہشات اور شہوتیں عالم مادہ اور مادی دنیا کی قہری معیشت کے اعتبار سے جواز رکھتی ہیں لیکن اس کےماوراء اور ملکوتی پہلو کے لحاظ سے معنی اور بقا میں ہرگز نہ صرف اس طرح کا کوئی جواز نہیں رکھتے ،بلکہ اس سمت توجہ بھی انسان کو اس مقام محدود اور محصور تک صعود رکھتا ہے(کہ فاخلع نعلیک انک بالواد مقدس طوی) اس سلسلہ میں ایک دائمی گواہ ہے کہ اس راہ میں یہاں تک کہ حلال اور جائز لذتوں سے بھی رد کا اور پابندی لگائی گئی ہے (تو اگر ترک کی لذت کو لذت جانو) تو پھر لذت نفس کو لذت نہ کہو گے)

اور تیمم مٹی لگے ہاتھوں سے چہرہ اور دونوں ہاتھ کی پشت پر ملنا اور پھیرنا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکلف پاکیزہ خاک یا ہر پاک زمین سے اپنی پیشانی کو کہ انسانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے اور اپنے ہاتھوں کو کہ اس کی ظاہری سرگرمیوں کا محور ہے خدا کی بندگی کے لئے آمادگی کے عنوان سے خاک ملے اور اب ان تینوں طہارت کی عملی فقہ کا آغاز ہو رہا ہے۔

مسئلہ ۶۹: وضو، آیہ کریمہ (... فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا ...)[1] کی روشنی میں مطلق اور پاک و پاکیزہ پانی کے سوا درست نہیں ہے اور یہ وضو دو دھونے اور دو مسح کرنے کا نام ہے کہ پہلے چہرہ دھونا اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے اور پہلا سر کا مسح ہے اور دوسرا پیر کا مسح ہے۔

مسئلہ ۷۰: وضو یا غسل میں استعمال کا پانی پاک و پاکیزہ ، مباح اور بغیر نقصان کے ہو نیز متنجس ، گندا، ناپاک اور مضاف نہ ہو۔

مسئلہ ۷۱: عسر و حرج اور نقصان کی صورت میں وضو یا غسل کرنا حرام ہے اور حرج اور طاقت فرسا ہونے کی صورت میں مستحب ہے اور عام حالت میں نماز (نماز میت کے علاوہ) اور طواف حج اور عمرہ جیسے واجبات کے لئے واجب ہے اور نیز جسم سے قرآن کو چھونے) یا اللہ کے نام کو چھونے جیسے بعض کاموں کے لئے بھی (واجب ہے) اور نافلہ نمازوں جیسے مستحبی امور کے لئے شرط ہے اور اہل قبور کی زیارت کے لئے (یا معصومینؑ کی زیارت یا دینی مجالس میں شریک ہونے کے لئے اور اصولی طور پر تمام حالات میں یہاں تک کہ کھانے پینے اور سونے کے لئے وضو مستحب اور اللہ کے تقرب کا باعث ہے ۔

مسئلہ ۷۲: نماز کے وقت سے پہلے وضو یا غسل کرنا نماز کے وقت کی طرح جائز ہے لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ چنانچہ وضو یا غسل کرنے میں تأخیر کی تو وقت داخل ہونے کے بعد اس کے انجام دینے کی صلاحیت یا امکان (گرچہ احتمال کی بنا پر ہو) نہیں رکھے گا تو یہاں پر وقت سے پہلے انجام دینا واجب ہے لیکن عام حالت میں

---
[1] ۔ سورہ مائدہ، آیہ ٦.

وقت سے پہلے انجام دے تو مستحب ہے مگر یہ کہ نماز کے پورے وقت میں اس کی انجام دہی سے معذور ہو تو ایسی صورت میں جیسا کہ ذکر ہوا ہے وقت سے پہلے وضو یا غسل کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۷۳: صحیح وضو چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا دھونا اور دو مسح یعنی سر اور دونوں پاؤں کا مسح کرنا ہے کہ اس کی صحت کے شرائط ترتیب وار ذکر ہوں گے۔

مسئلہ ۷۴: وضو میں دھونے اور مسح کرنے کے اعضا پاک وپاکیزہ ہونا واجب ہے لیکن ارتماسی وضو میں خود بخود تطہیر ہو جاتی ہے لیکن ترتیبی وضو میں پہلے تطہیر کرنا اس کے بعد وضو کرنا چاہئے۔

مسئلہ ۷۵: وضو کی ابتداء میں چہرہ کو کسی طرح بھی چوڑائی اور لمبائی میں دھونا واجب ہے البتہ مستحب ہے یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف دھویا جائے۔

مسئلہ ۷۶: چہرہ دھونے کے بعد پہلے داہنا ہاتھ اس کے بعد پایان ہاتھ دھوئے اس کے بعد سر کا مسح اور پھر دونوں پیروں کا مسح کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۷۷: صحت وضو کے شرائط میں سے ایک شرط قربت کی نیت ہے کہ (اذا قمتم الی الصلاۃ فاغسلو) ''جب نماز کے لئے آمادہ ہو تو دھو'' اور چونکہ نمازعبادت ہے اور قصد قربت کے بغیر درست نہیں ہے ، لہذا جو نماز کے لئے وضو ہے طبعی طور پر بغیر قصد قربت کے درست نہیں ہوگا کہ اگر ٹھنڈا ہونے یا پاک و پاکیزہ ہونے یا خود نمائی یا کسی بھی دوسرے قصد کے لئے وضو کی نیت کے علاوہ ہو تو کبھی وضو محسوب نہیں ہوگا اور جس نماز کے لئے بھی حدث سے طہارت شرط ہے کافی نہیں (قرآن کریم کے حاشیہ پر موجود)چنانچہ شیعہ اور سنی کی روایت اس دلالت کر رہی ہے)۔

مسئلہ ۷۸: وضو ارتماسی ہے یا ترتیبی ، ارتماسی میں سب سے پہلے چہرہ کو پانی کے اندر کریں گے یا پانی کے اندر لے جائیں گے اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو ترتیب وار یعنی پہلے داہنے ہاتھ کو پھر بائیں ہاتھ کو پانی کے اندر لے جائیں گے اور باہر نکالیں گے یا گرتے ہوئے پانی نیچے لے جا کر وضو کی نیت کرے گا اس کے بعد ہاتھوں کی بچی ہوئی تری سے سر کا اس کے بعد پیروں کا مسح کرے گا۔

اور اس لئے کہ باقی ماندہ پانی وضو کا پانی ہو تو ہاتھ باہر نکالتے وقت اسے وضو کے لئے نیت کرنی چاہئے یا اس کے آغاز اور انجام میں وضو کی نیت رکھتا ہو۔

مسئلہ ۷۹: وضو میں چہرہ اور ہاتھوں کو ارتماسی اور تربیتی وضو میں جمع کر سکتا ہے اور جب اس کا چہرہ ہاتھ زخمی ہو اور خونی ہو اور ا س کے لئے پانی ضرورت نہیں ہے یا اس کا ایک ہاتھ لمس یا قطع ہے کہ قہری طور پر ارتماسی کے بغیر وضو نہیں کر سکتا تو یہاں پر مذکورہ عضو میں ارتماسی وضو کرے، لیکن زخمی یا خونی عضو میں اس ترتیب سے ہے کہ خونی عضو کو پانی کے اندر لے

جائے اور اگر ممکن ہو تو خون نکلنے (اچھلنے) کی جگہ تو اس طرح دبائے کہ ایک لحظہ کے لئے خون بند ہو جائے اور اگر بند بھی نہ ہو تو اتنا ہی کافی ہے۔

مسئلہ ۸۰: جسے چہرہ کہا جاتا ہے اسے دھویا جانا چاہئے اور اس کی طول پیشانی پرسرکےبال اگنےکی جگہ سے نیچے ٹھڈی تک اور چوڑائی میں چہرے کی چوڑائی کے بقدر ہے خواہ ایک ابیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے زیادہ فاصلہ ہو یا کم بالآخر جو ظاہری چہرہ ہے اسے دھونا چاہئے (ہتھیلی اور چہرے کے بقدر عرف اکثریت کبھی موضوعیت نہیں رکھنی، چنانچہ مرحوم آقای امام خمینی ، شریعت مداری، اور خوانساری بھی موافق ہیں) کہ منجملہ چہرہ کا بال ہے اور بالوں کے نیچے دھونا لازم نہیں ہے مگر یہ کہ کم بال آگئے ہوں کہ اس کے نیچے سے چہرہ کی جلد نظر آتی ہو اور آنکھ ناک اور منہ کے اندر دھونا ضروری نہیں ہے صرف ظاہری چہرہ کا دھونا کافی ہے۔

مسئلہ ۸۱: چہرہ اور ہاتھوں کے دھونے میں کوئی خاص ترتیب شرط نہیں ہے (فاغسلوا وجوھکم) نے جس طرح چاہو چہرہ کا دھونا واجب کیا ہے اور اس سلسلہ میں روایات کا اختلاف کے سب سے پہلے چہرہ کے اوپری حصہ سے آغاز کرنا چاہئے یا نہیں آیت کے مطلق نقش کے سامنے کوئی نقش نہیں رکھتا کہ صرف چہرہ کا دھونا چاہے جس طرح ہو واجب جانا ہے اور آیت کے اطلاق کی روشنی میں چہرہ دھونے میں کوئی خاص کیفیت ضروری نہیں ہے اور اگر روایات کا دوسرا گروہ جس نے چہرہ دھونے میں اس کے بالائی حصہ سے ذکر کیا ہے وجوب پر دلالت کرے تو یہ آیت اور بہت ساری روایات کے مخالف ہے جس نے رسول خدا کے وضو کی خبر دی ہے اور اس طرح کی کیفیت بھی بیان نہیں کی ہے ، مردود ہے اور قابل قبول نہیں ہے۔ اس اصل کے مطابق ہم چہرہ دھونے میں کوئی خاص اسلوب اور طریقہ نہیں رکھ پائیں گے سوائے اس کے کہ '' اپنے چہروں کو دھوؤ'' (خواہ ارتماسی ہو کہ اکھٹا اس پر پانی ڈالو، پانی کے اندر لے جاؤ) اور خواہ ترتیبی ہو کہ سب سے پہلے اوپر سے یا نیچے سے یا درمیان سے یا کسی دوسری طرح سے لیکن اوپر سے دھونا عرف میں رائج ہے اور مسلماً بہتر ہے۔ البتہ نہ ھندسی لحاظ سے دقت اور غور و خوض کہ رسالہ ھای عملیہ میں کبھی کبھی بعنوان تکلیف ذکر ہوئی ہے اور اصولی طور پر احتیاط کے نام پر یہ باریک بنی اور غور و خوض احتیاط کے خلاف رہی ہے اور روح عبادت کو محو اور انسان کو پورے طور سے عبادت کے ظاہری رخ کو مٹا دیتی ہے۔

مسئلہ ۸۲: اس کے بعد کہنیوں اور داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے کو دھوکہ دونوں ہڈیوں کے تینوں حصوں کو ہاتھ کے دو جزا کے درمیان رابطہ اور جوڑ ہے اور طبعی طور پر دو ہڈیوں کے درمیانی حصہ کو بھی انگلیوں تک دھوؤ اور اس کے بعد اسی طرح بائیں ہاتھ کو اور دونوں ہی ہاتھ میں خواہ کہنیوں سے انگلیوں کے سرے تک دھوو خواہ اس کے برعکس انگلیوں کے سرے سے کہنی تک بہر حال اس میں

کوئی فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ پہلا فرض عرف عقلاء کے مطابق ہے اور دوسرے فرض کی پابندی جاہلی تعصبات کا نتیجہ ہے(اس سلسلہ میں کہ چہرہ کا دھونا کسی صورت میں ہو درست ہے سید مرتضی اور ابن ادریس قائل ہیں (۱: ۵۷) اور ابن سعید و صاحب معالم اثنی عشریہ متأخرین کے گروہ کی طرف نسبت دی ہے اور شیخ بھائی، صاحب مدارک و ذخیرہ اور فیض کاشانی(۱: ۴۵) بھی صرف ابن سعید نے ہاتھوں کو انگلیوں کے سرے سے دھونے کی مخالفت کی ہے ۔(۱: ۲۵۲) مفتاح الکرامۃ اور کتاب اصباح الشیعۃ میں انگلیوں کے سرے سے دھونے کو'' قیل'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے جو ایک اشارہ ہے مذکورہ ان اقوال کی جانب ایک اشارہ ہے اور ابن ادریس کی کتاب سرائر میں ذکر ہوا ہے کہ کہنی سے ابتداء کرنا واجب ہے لیکن مذہب شیعہ میں صحیح یہ ہے کہ اس کا برعکس مرجوح ہے لیکن باطل نہیں ہوگا اور شرع میں ہےکہ کہنی سے دھونا ظاہر تر ہے اور علامہ نے تذکرہ میں چہرہ کے اوپری حصہ سے دھونے کو علمائے شیعہ کی طرف نسبت دی ہے اور ان (علمائے شیعہ) میں سے کچھ لوگوں کے خلاف جیسے سید مرتضی اور تمام علمائے اہل سنت کہ ہر طرح سے جائز جانتے ہیں۔

چہرہ اور ہاتھوں کے دھونے یا سر اور پیرکے مسح کے بارے میں آیہ وضو میں کسی قسم کی کوئی کیفیت ذکر نہیں ہوئی ہے اور ''الی المرافق'' ہاتھوں میں اصطلاحاً مغسول کے خاتمہ کے لئے ہے نہ غسل یعنی ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے کہ ان میں دھونے کا اندازہ دو حد کے درمیان ہے انگلیوں کا سرا تو معلوم اور اس کی آخری حد کہنیاں ہیں، بنابراین ہاتھوں کے دھونے میں کوئی خاص کیفیت ذکر نہیں ہوئی ہے لیکن اگر '' الی المرافق'' '' اغسلوا'' سے متعلق ہو تو سنیوں کا نظریہ ہو جائے گا۔ لیکن جو دلیلیں فقہ اور تفسیر تفصیلی کی کتابوں میں ذکر کی ہیں(اور متن میں بھی ہم نے اشارہ کیاہے) ایسا نہیں ہے) کہ اس سلسلہ میں آیہ کریمہ اور بہت ساری روایات مطلق ہیں آیت میں '' کائن'' اور '' الی المرافق'' مقدر سے متعلق ہے اس معنی میں کہ کہنیوں اور تمہاری انگلیوں کے درمیان جانا چاہئے اور اگر '' الی المرافق'' اور ''اغسلو'' سے متعلق ہو تو اس کے معنی میں اشکالات پیش آئیں گے منجملہ جس طرح ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا چاہئے اسی طرح چہرہ کے لئے بھی (عطف کے سبب) کہنیاں ہوں کہ دھوئی جائیں جبکہ چہرہ کے لئے کسی صورت کہنیوں کا تصور نہیں ہے پھر اس کے بعد بعض حصہ کو وضو کے باقی بچے پانی سے خواہ داہنے ہاتھ سے ہو خواہ بائیں ہاتھ سے(1) خواہ اوپر سے نیچے یا برعکس(2) یا پھر کسی اور طریقہ سے مسح کرو ، واجب صرف یہ ہے کہ سر کے بعض حصہ کو دو ہاتھوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ مسح ہو چنانچہ نص (فامسحوا بروؤسکم) اپنے

---

۱ ۔ مرحوم آقای خمینیؒ موافق ہیں۔
۲ ۔ مرحوم آقای حکیم موافق ہیں۔

سروں کے بعض حصہ کو مسح کرو،، نے اس سے زیادہ واجب نہیں کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے زرارہ کے سوال کے جواب کہ انہوں نے سوال کیا ہم یہ کیسے سمجھیں کہ سر کا مسح پورے سر کو شامل نہیں ہے ؟ فرمایا: ''لمکان الباء،، کہ '' برووسکم،، '' میں ''با،، تبعیض کے لئے ہے[1] لیکن پیروں پر مسح کرنے سے متعلق طول و عرض میں ٹخنے سے لے کر پیروں کے بھری ہوئی ابتدائی ہڈیوں کے پورے پیر کا مسح کرنا واجب ہے اس کام کے لئے بہتر ہے کہ پوری ہتھیلی کو پاؤں کی انگلیوں پر رکھیں اور پہلی ابھار تک ہاتھوں کو پھیریں یا مسح کریں۔ اور یہ ''و ارجلکم الی الکعبین،، کی وجہ سے ہے کہ منصوب ہے اور یہ مسح سر کے مسح سے کہ '' بروسکم،، ہے یہ فرق رکھتا ہے اور آیت کے اسی سادہ ترجمہ سے کہ اپنے بعض سروں کو اور اپنے تمام پیروں کو ٹخنے تک مسح کرو پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔[2] اور پاؤں میں '' الی الکعبین،، ہاتھوں میں'' الی المرافق،، کی طرح ہے '' کائن ،، محذوف سے متعلق ہے اور اگر '' امسحوا،، سے تعلق رکھتا تو اتفاق فریقین کے خلاف پاؤں کا مسح بر عکس جائز نہیں ہوتا۔[3]

مسئل ۸۳: پیر کے مسح جس طرح داہنے ہاتھ سے داہنے پیر کا اور اس کے بعد بائیں ہاتھ سے بائیں پیر کا مسح کیا جا سکتا ہے اسی طرح برعکس یا ایک ساتھ بھی مسح کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ ۸۴: سر اور پیروں کا مسح میں ہاتھوں کی رطوبت اور تری کا ان تک منتقل ہونا واجب ہے کہ یاسر اور پیروں کے مسح کرنے کی جگہ خشک ہر یا اگر اس میں کوئی رطوبت ہے تو ہاتھوں کی رطوبت سے مغلوب ہو جائے اور بالآخر معلوم ہو کہ اتھوں کی رطوبت نے سر اور پیروں پر اثر کیا ہے ۔

مسئلہ ۸۵:اگر کسی مناسب عذر کی بنا پر سر اور پیروں کے مسح کے لئے ہاتھوں کی رطوبت کافی نہ ہو کہ وضو کی تکرار سے بھی کوئی چارہ نہ ہو تو پھر چہرہ یا ہاتھوں کی رطوبت سے سر اور پیر کا مسح کرنے میں استفادہ کرنا چاہئے اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو پھر جدید پاین کا استعمال کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ بالآخر سر اور پیروں کا مسح رطوبت سے ہونا چاہئے نہ خشکی سے۔

مسئلہ ۸۶: ان چار دھونے اور مسح کرنے درمیان اتنا فاصلہ نہ ہو کہ عمل وضو یگانگی سے خارج ہو جائے اور اس طرح ہونا چاہئے کہ لوگ یہ کہیں کہ یہ شخص ایک کام میں مشغول ہے نہ چند کاموں میں اور یہی معنی'' فاغسلو،، کا مقتضا اور

---

۱ ۔ تمام علمائے شیعہ اور علمائے اہل سنت میں شافعی، ابن عمر،داود، ثوری، احمد، مزنی اور شافعی کے بعض نظریات سر کے بعض حصہ کا مسح کرنے کے سلسلہ میں موافق ہیں۔

۲ ۔'' الکعبین،، دو پاؤں کا دو ابھار ہے کیونکہ ہر پاؤں میں ابھار ہے یہاں پر مسح کا آخری مرحلہ دو پاؤں کی پہلے ابھار تک مسح کرنا ہے ورنہ ''الی الکعاب ،، ہوتا جیسا کہ ہاتھوں میں '' الی المرافق ،، آتا ہے۔

[3] ۔تمام شیعہ و سنی فقہاء اور مفسرین پاؤں کے مسح کو مطلق جانتے ہیں یعنی چاہے انگلیوں کے سر سے آپ مسح کریں اور چاہ برعکس دونوں ہی طرح سے درست ہے، کہ نتیجتاً یہاں پر '' الی ،، ''الی المرافق،، کی طرح ' کائن،، محذوف سے متعلق ہے اور اگر یہ دونوں تعلق ان دونوں آیتوں میں مشکوک ہوتا تو انگلیوں سے آغاز کرنے کا وجوب بھی مشکوک ہوتا اور اس سلسلہ میں روایات بھی آپس میں اختلاف رکھتی ہیں۔

موالات کا معنی ہے کہ تمام اعضائے وضو ایک دوسرے سے متصل کرے وہ بھی فائے تفریح کے ذریعہ فاصلہ کو کم کرتے ہیں اور جیسا کہ خبر میں ہے '' فان الوضوء لایتبعض'' وضو حقیقتاً قابل تبعیض نہیں ہے'' یعنی ایک کام ہے اور یہاں پر سابق اعضاء کے خشک ہونے یا نہ ہونے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کہ پیوستگی (لگا تار کرنے) اور موالات سے خشک ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور برعکس اگر موالات کے ترک کرنے سے سابق اعضاء خشک ہو جائیں یا خشک نہ بھی ہو تو وضو صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۸۷: سر کا مسح کرنے میں اتنا ہی کافی ہے کہ کہا جائے کہ اس نے سر ک مسح کیا ہے خواہ ایک انگلی سے ہو یا اس سے زیادہ یا طول کے لحاظ سے کم ہو یا زیادہ اسی حد تک اگر کیا جائے کہ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر پھیرا ہے ، کافی ہے لیکن پاؤں کے مسح کرنے میں ہتھیلی سے پیر کی تمام عرض میں کھینچا جائے اور طول کے اعتبار سے بھی انگلیوں کے سر سے ٹخنے تک ہونا چاہئے کہ یہ طول و عرض تقریباً ایک مستطیل کی تشکیل دیتا ہے ایک منحرف زاویہ کے ذریعہ کہ انگلیوں کا زاویہ ہے جیسا کہ گزرا۔

مسئلہ ۸۸: دھونے اور مسخ کرنے میں سے کسی ایک میں بھی درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو خواہ (وہ واسطہ) کپڑا ہو یا اس کے مانند خواہ میل کچیل اور رنگ ہو جو اعضائے وضو کی جلد تک رطوبت کو پہنچنے سے مانع ہو اور خبر میں ہیں '' جو لوگ حیوان کی جلد کہ جوتا چپل) اور اس کے مانند ہے، پر مسح کرتا ہے وہ آخرت میں خود حیوان کی جلد پر دیکھیں گے جنہوں نے انسانی جلد پر مسح نہیں کیا ہے'' اور اپنی انسانی جلد کے بجائے ؟؟ حیوانی جلد پر مسح کیا ہے۔

مسئلہ ۸۹: وضو کے پانی کا جس طرح پاک و پاکیزہ ہونا لازم ہے اسی طرح اس کا مباح ہونا بھی ضروری ہے کہ غصبی پا نی سے وضو کرنا باطل ہے یہاں تک کہ اضطراری صورت میں بھی کہ خود اس کا موجب نہ تھا اگرچہ (الا ما اضطررتم)(1) کہ اضطرار کے وقت حرام کو حلال کر دیا ہے صرف تمہاری مرضی کے خلاف جس کا تم نے ارادہ نہیں کیا تھا وہ پیش آگیا ہے وہ مستثنی ہے لیکن غصبی پانی سے اضطراری وضو نہیں ہے کیونکہ اضطرار وہاں پر ہوتا ہے جہاں موضوع منحصر ہو اور اس کا کوئی بدل نہ ہو لیکن وضو کے اب میں چونکہ بدل موجود ہے اس لئے اضطراری حالت میں وضو کی تکلیف یتیم میں بدل جائے گی کہ ہر صورت میں یتیم کے ساتھ نماز وقت پر انجام دی جائے اور اس کے بعد اختیاری اضطرار کی صورت میں صحیح وضو کے ساتھ نماز کی قضا کی جائے۔

---

[1] ۔ سورہ انعام، آیہ ۱۱۹.

مسئلہ ۹۰: پیروں کے مسح میں احتیاط واجب یہ ہے کہ پیر کے اوپر پورے طور سے رطوبت کے ساتھ مسح کیا جائے، جز اس مقدار کہ جو عسر و حرج ممکن نہیں ہے تو یہ لازم نہیں ہے۔
مسئلہ ۹۱: سر کے مسح میں مذکورہ کیفیت کے علاوہ کوئی خاص کیفیت لازم نہیں ہے اور پیر کا مسح کرنے میں جیسا کہ جائز ہے انگلیوں کے سر سے اوپر کی طرف ہو اور اس کے برعکس یعنی اوپر سے انگلیوں کی طرف مسح کیا جائے تو جائز ہے (الی الکعبین) پیر کا مسح کرنے میں مسح سے متعلق نہیں ہے، بلکہ '' کائن'' مقدر سے متعلق ہے کہ '' پیروں کا کعبین کی حد تک'' مسح کیا جائے ، لیکن کس طرح؟ نہ یہاں پر اور نہ ہی روایات میں انگلیوں کے سر سے آغاز کرنے سے اختصاص نہیں رکھتا) بلکہ اس کے برعکس بھی مورد تائید اور تصدیق ہے۔
مسئلہ ۹۲: ظاہراً دونوں پیروں کے مسح کرنے میں ترتیب نہیں ہے کہ اگر دونوں ہی پیروں کا ایک ساتھ مسح کرو یا پہلے بائیں پیر کا اور اس کے بعد داہنے پیر کا مسح کرو تو کوئی اشکال نہیں ہے، اگرچہ داہنے پیر کو مقدم رکھیں استحباب موکد ،احتیاط کے خلاف ہے ، کیونکہ اس کی ممنوعیت پر کافی دلیل موجود نہیں ہے اور آیت بھی اس سلسلہ میں مطلق ہے اور صرف ترتیب پہلے داہنا پھر بایاں دونوں ہاتھوں کے (دھونے) میں متواتر روایات کی بنا پر لازم ہے نہ پیروں (کے مسح کرنے میں)
مسئلہ ۹۳: سر اور پیروں کے مسح کرنے میں دھونا صادق آنا شرط ن ہیں ہے کہ مسح تمام نتائج میں واجب اور کافی ہے خواہ صرف نم کرے یا تر کرے یا وضو کا باقی بچا پانی اتنا زیادہ ہو کہ دھونا صادق آئے؛ کیونکہ مقصد مسح کرنا ہے اگرچہ اس کے درمیان قصد کے بغیر دھونا بھی آتا ہے۔
ہاں، اگر مسح کئے بغیر سر یا پیروں کو دھوئے اگرچہ اس کی تری مسح کرنے کی تری سے کم ہو، باطل ہے ، کیونکہ چہرہ اور ہاتھوں کو دھونے کے بعد تکلیف صرف سر اور پیر کا مسح کرنا ہے نہ ان کا دھونا اور اہلسنت فقہاء کی یہ بات کہ اگر تم نے دھو دیا تو تم نے زیادہ تری کے ساتھ مسح کیا ہے اور تکلیف (فریضہ) سے زیادہ اشکال نہیں رکھتا، یہ خود زیادہ بات ہے اور مردود ہے ؛ کیونکہ خداوند عالم کے دستور پرزیادہ کرنا حرام ہے چنانچہ ہر دھونا مسح نہیں ہوتا جس طرح ہر مسح کو دھونا نہیں کہتے اور یہاں پر فریضہ صرف مسح ہے۔اگرچہ دھونا بھی صادق آئے نہ دھونا (مکہ دو سالہ ہجرت کے دوران سب سے پہلے دن کہ زمزم کے پانی سے وضو کیا تو ایک سنی عالم نے مجھ سے کہا : ''یا شیخ لما ذا لا تغسل...''اے شیخ آپ اپنے سر اور پیروں کو کیوں نہیں دھوتے؟'' میں نے اس سے کہا: اللہ امرنا بالمسح'' خدا نے ہمیں مسح کرنے کا حکم دیا ہے'' اس نے کہا: '' ألیس الغسل انظف'' کیا دھونا پاکیزہ تر نہیں ہے ؟ میں نے کہا: ''ولکن'' اللہ اعرف'' لیکن خدا زیادہ جانتا ہے یہاں پر خاموش ہو کر جلدی سے چلا گیا۔''

مسئلہ ۹۴: نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا خصوصاً اتنا پہلے کہ اول وقت اپنی نماز پڑھ سکے اور نماز کی آمادگی کے لئے وقت سے پہلے وضو کرے ایسا کرنا صرف صحیح ہی نہیں بلکہ مستحب یا واجب بھی ہے اور یہ خود خدا کی بندگی کی ادائیگی میں ایک ادب ہے کہ ہم خود کو وقت پہلے سے آمادہ کر لیں اور نماز کے لئے وقت سے پہلے وضو کے صحیح نہ ہونے پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ آیت اور بعض روایات کے نص کی روشنی میں نماز کے وقت سے پہلے اس طرح کی آمادگی (گونا گوں حالت میں) استحباب یا وجوب کا پتہ دیتی ہے ۔ اور اگر ہم جانیں چنانچہ وقت کے بعد یہاں تک کہ ایک گھنٹہ یا کئی گھنٹے پہلے وضو کرلیں تو پھر وضو کرنے کی صلاحیت یا امکان نہیں ہے واجب ہے کہ وضو اس حد تک پہلے کریں کہ آئندہ بے وضو اپنے سے نجات پائیں اور بہر صورت '' اذا قمتم الی الصلوة) نماز پہلے وضو کرنے کو واجب یا جائز جانا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ نماز اوّل وقت مستحب موکد ہے لہذا طبیعی طور پر یہ وضو وقت سے پہلے ہے(اور یہ شرعی ٹوپی کہ وقت سے پہلے وضو استحباب کی نیت سے طاہر ہونا ہے جبکہ حقیقت میں نماز کے لئے ہے، خود حقیقت کے خلاف ہے بالخصوص اس امام جماعت کے لئے جو کچھ فاصلہ سے مسجد پہنچتا ہے اور بالآخر وقت سے پہلے واجب کی ادائیگی کے لئے آمادگی معرفتی ایک ادب ہے خصوصاً اگر زحمت کے ساتھ بھی ہو کہ دو آیہ (تطوع) کی روشنی میں یہ وقت سے پہلے وضو وقت میں وضو کرنے سے بہتر بھی ہے)۔

مسئلہ ۹۵: اگر وقت سے پہلے با وضو ہے اور یہ جانتا ہو کہ وقت کے بعد اس کے لئے وضو ممکن نہیں ہے ، یا بیمار ہو جائے گا یا کوئی بھی دوسری رکاوٹ پیدا ہو جائے گی جو وضو کو حرام یا نا ممکن بنا دے گی تو ایسی صورت میں اس وضو کا باطل کرنا حرام ہے مگر یہ کہ اس کا باقی رکھنا عسر و حرج کا باعث ہو۔

مسئلہ ۹۶: اگر اس وقت جس پانی سے وضو کر سکتا ہے، اس کے پاس نہ ہو، لیکن برف کو پانی بنانے یا اس کے پانی بننے میں کچھ وقت در کار ہو کہ نماز کے معین وقت نہیں گزرے گا تو اس پر انتظار کرنا واجب ہے تاکہ اپنی نماز وضو سے پڑھے اور تیمم اس میں ہے کہ '' لم تجدوا ماءاً'' پورے وقت میں (آخری وقت میں نماز سے پہلے) جس پانی سے وضو کرے گا میسر نہ ہو سکے۔

مسئلہ ۹۷: اگر احتمال اور کیا بہتر تعین کی بنا پر پانی کچھ فاصلہ پر موجود ہو خواہ فاصلہ کم ہو یا زیادہ کہ عسر و حرج کے بغیر اس تک رسائی حاصل کر سکتا ہو تو اس پر وضو کرنا واجب ہے خواہ فاصلہ ایک یا دو تیر یا سو تیر کا ہو؛ کیونکہ پورے معین وقت میں پا نی کا نہ ملنا تیمم کا سبب بنتا ہے اور بس اور ر وایات ایک یا دو تیر کا فاصلہ یا پانی تک عدم حالت میں رسائی کے امکان پر گذشتہ زمانہ میں نظر رکھتی ہے یا ''لم تجدوا ماءاً'' کے بر خلاف ہے قابل قبول نہیں ہے کہ آپ نے پورے وقت میں وضو کا پانی نہ ملنے (یا آخر وقت میں نماز سے پہلے) تیمم فریضہ جانا ہے

کیا تم جو بس، (ٹیکیسی یا کسی سواری) سے روڈ پر چل رہے ہو اور یہ معلوم ہو کہ کافی فاصلہ پر پانی موجود ہے اور نماز کا وقت بھی باقی ہے پھر ایسی صورت میں ایک یا دو کمان کا فتوی دینا کیا مفہوم رکھتا ہے ؟؟؟

مسئلہ ۹۸: اگر پانی صرف ایسے شخص کے پاس ہے جو اسے مفت لیکن منت و سماجت کرنے پر تمہیں دے گا تو یہاں پر اس مفت کے پانی سے وضو کرنا واجب نہیں ہے بلکہ حرام بھی ہے کیونکہ ذلت قبول کرنا ہر حال میں حرام ہے اور اس طرح کا مفت منت اور احسان کے ساتھ پانی حاصل کرنا پانی کے شرعی پانے کے مصداق میں سے نہیں ہے اور وہ عزت مومن کے خلاف ہے جیسا کہ خداوند عالم ہمیشہ اپنے با عزت مومنین کے عزت کا خواہاں ہے اور ارشاد فرماتا ہے: '' واللہ العزۃ ولرسولہ و للمؤمنین ''[1] اور اگر منت اور سماجت کے بغیر ہمیشہ سے ہے اوراس کا دینا اسراف اور فضول خرچی میں نہ آتا ہو اور اس کی صلاحیت کے اندر ہو (پانی سے) وضو کرنا واجب ہے لیکن اگر اس پانی کی رقم دینا اس کی استطاعت سے خارج ہو یا ادا کرسکتا ہے لیکن اس کی قیمت حد معمول سے کافی زیادہ ہو تو یہ اسراف اور مفت کھلانا ہے اس صورت میں بالطبع واجب بلکہ جائز ہے۔

ہاں اگر کسی ایسی جگہ سے اس کا گذر ہو کہ پانی کمی کی وجہسے اصولی طور پر اس کی قیمت زیادہ ہو اورمفت خوری اور فرصت طلبی ہرگز شمار نہیں ہے جیسے مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ میں مثال کے طور پر الگ الگ گلاس پانی ایک ریال اور ایرانی پیسہ کے مقابلہ میں ۲۰۰/ یا اس سے زیادہ تومان کا ہو تو یہاں پر اگر صلاحیت رکھتا ہے تو اس پانی کو خرید کر وضو یا غسل انجام دے اور اس کے خریدنے میں ناتوانی یا سنگینی اور حرج کی صورت میں وہاں پر پانی خرید کر پانی سے طہارت کرنا اس پر واجب نہیں ہوگا۔ لیکن اگر یہی ۲۰۰/ تومان کا پانی جہاں پانی کی فراوانی ہے کوئی خاص قیمت نہیں رکھتا لیکن اتفاق سے اس وقت پانی آپ کی دسترس میں نہیں ہے مگر یہ کہ ایک گلاس پانی ۲۰۰/ تومان میں خریدیں یہاں پر بھی یہ مبلغ دینا اسراف اور مفت کھلانے کے عنوان سے حرام ہے اور یہ وضو بھی حرام ہے اور کم سے کم باطل ہے بالآخر '' فلم تجدوا'' اس طرح سے پانی حاصل کرنے کو اس واجب کا راستہ جانا ہے کہ شرعی لحاظ سے جائز ہو بنابراین ایسے موارد میں وضو کے پانی کے لئے رقم دینا کہ اس کی عام قیمت سے زیادہ ہو اسراف بھی ہے اور مفت خوری کرنا بھی نتیجتاً اس فرت میں اس کی دوزخ سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور منت و سماجت کے ساتھ وضو کا پانی حاضل کرنا بھی پانی حاصل کرنے کے موارد میں نہیں ہے۔

---

[1] ۔ سورہ منافقون، آیت ۸.

کیونکہ مؤمن پر اس طرح کی تکلیف ایمانی احترام کے خلاف اور پانی نہ ملنے کے موارد میں سے ہے کہ (وللہ العزۃ و لرسولہ و للمومنین) خدا نے مؤمنین کے لئے ہمیشہ عزت چاہی ہے اور اس کا ایمانی شرافت کی بنیاد پر عسرو حرج کا باعث بھی ہے۔

بالآخر وضو یا غسل کے لئے پانی ملنا یا نہ ملنا صرف اور صرف عقلی، عرفی اور شرعی امکان حدود میں ہے کہ سب شرعی امکان ہے اور آپ مباح پانی رکھتے ہوئے طہارت کوئی دوسرا مانع ہے تو وضو نہ آپ کے لئے واجب ہے اور نہ مباح کہ اگر اس صورت میں وضو کر لیا تو چونکہ یہ وضو شرعی نہیں ہے تیمم بھی کرنا چاہئے تاکہ جو عبادت میں طہارت شرط ہے ، تمہاری قبول ہو۔

اور ہمارے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ پانی پر دسترسی نہیں ہے بلکہ اس کے استعمال پر شرعی دسترسی ہے اس سے خود متعلق آیت ہے کہ ارشاد ہوتا ہے :

(... وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاء أَحَدٌ مَّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاء فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَكِن يُرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ)[1] ’’اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو پاخانہ وغیر نکل آیا ہے یا عورتوں کو باہم لمس کیاہے اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اور و اضح ہے کہ پانی کا نہ ملنا بیماری کے سلسلہ میں صرف حفظان صحت اور پانی کے مباح نہ ہونے کی وجہ سے ہے (نہ پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے) اور صرف یہی بیماری کہ طہارت کے لئے پانی کو نا پسند شمار کیا ہے ، کافی ہے اور کوئی بھی شرعی عذر ہو’’لم تجدوا‘‘ کی روشنی میں کہ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تمہارا فریضہ تیمم ہے۔

شرائط صحت وضو

جو گذر چکا ہے اس کے علاوہ وضو کے صحیح ہونے میں دیگر شرائط کی بھی رعایت کی جائے۔

مسئلہ ۹۹: وضو کے پانی کی ایک شرط اس کا پاک و پاکیزہ ہونا ہے (جس طرح اس کا مطلق ہونا شرط تھا) ’’ فلم تجدوا ماءً‘‘ کی روشنی میں پانی ہونا شرط جانا گیا ہے اور ’’ طہور‘‘ اس کا پاک کرنے والا ہونا بھی اس شرط سے مشروط ہے کہ خود پاک ہوتا کہ نجاستوں کو پاک کر سکے، یا کسی حدث کو برطرف کرے اور بالآخر ’’ و یحرم علیهم الخبائث‘‘[2] کی بنیاد پر گندے پانی کا استعمال اگرچہ پاک بھی ہو وضو اور غسل جیسی عبادتوں کے لئے حرام کیا ہے۔

مسئلہ ۱۰۰: وضو کا پانی اور اس کی جگہ بھی پاک اور مباح ہونا چاہئے؛

کیونکہ جو چیز عبادت بجا لانے میں حرام ہے وہ عبادت کو بھی حرام کر دیتا ہے اور

---

[1] ۔سورہ مائدہ ، آیہ ۱٦.

[2] سورہ اعراف، آیہ ۱۵۷.

جس وضو کا حکم نہ ہو کم از کم خود بخود باطل ہے چہ جائیکہ اس کے پانی کا استعمال اور اس کرنے کی جگہ مورد نہی واقع ہوئی ہے کہ یہاں پر (لم تجدوا ماءً) کا واضح نمونہ ہوگا کہ ممکن ہے پانی پاگئے ہوگے لیکن ایسا پانی نہ ملا ہو شرعاً وضو کا پانی اور وضو کے لئے شائستگی رکھتا ہو بنابراایں وضو کے پانی کا مباح ہونا اور اس کے انجام دینے اس کے شرعی طریقہ سے معلوم ہو کہ اس کے علاوہ اس وضو کا شروع ہونا معلوم نہیں ہے نتیجتاً کافی نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۱۰۱: وضو، غسل کھانے اور پینے کے لئے سونے اورچاندی کے برتن کا استعمال حرام ہے۔

مسئلہ ۱۰۲: ایسی عام جگہوں پر وضو کرنا جو ظاہراً عام لوگوں کے استعمال کے لئے بنائی گئی ہے جائز ہے اور اگر عمومی استعمال مباح ہونا مشکوک ہو تو اس سے وضو نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ تمام شرائط کے ساتھ شرعی پانی کا ملنا معلوم ہو کہ منجملہ اس کا مباح ہونا ہے۔

مسئلہ ۱۰۳: وضو کی چاروں جگہوں کو پاک و پاکیزہ ہونا چاہئے کہ متنجس ہونے یا گندہ ہونے کی صورت میں اسے صاف ستھرا اور پاک کرنا چاہئے اس کے بعد وضو کرنا چاہئے اور اگر وضو ارتماسی ہو تو تطہیر اور وضو دونوں ہی ایک ساتھ انجام دینے میں کوئی اشکال نہیں ہے اس شرط کے ساتھ کہ پانی میں چہرہ یا ہاتھوں کو داخل (اور پاک و پاکیزہ) کرنے کے بعد وضو کی نیت کرے تاکہ وضو کا عمل پاک و پاکیزہ اعضاء پر انجام پائے۔

مسئلہ ۱۰۴: تمام اعضائے بدن کی نجاست نیز پیشاب اور پاخانہ کا مقام بھی صحت وضو کے مقابلہ میں نہیں ہوتی، لیکن وضو کرنے کے بعد اگر نماز قائم کرنا چاہے تو نجاست کی جگہ کا پاک کرنا یقیناً ضروری ہے۔

مسئلہ ۱۰۵: ترتیبی وضو میں اگر وضو کے دھونے والے بعض اعضا متنجس رہے ہوں اور وضو کے بعد شک کرے کہ اس کو پاک کیا یا نہیں جبکہ وضو کے وقت اس کی نجاست اور طہارت کی طرف متوجہ رہا ہو(توجہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وضو کرتے وقت نجاست اور طہارت کی متوجہ رہا ہے کہ اگر متنجس تھا تو اس کی تطہیر میں اس نے اپنا شرعی فریضہ ادا کیا ہے۔) تو اس کا وضو صحیح ہے ورنہ پھر سے وضو کرنا چاہئے لیکن ارتماسی وضو میں ہر صورت اس کا وضو صحیح ہے ؛ کیونکہ پانی کے اندر چہرہ اور ہاتھوں کا داخل کرنا ان کی طہارت کا باعث ہوتا ہے، لیکن سر اور پیر کے مسح کرنے کی جگہ حتماً پہلے سے تطہیر یا توانائی کے بقدر اس کی نظافت ہو ورنہ وضو باطل ہے۔

مسئلہ ۱۰۶: وقت کا نماز اور وضو دونوں کے لئے (کم سے کم واجبات کے لئے) کافی ہو اور اگر نماز کا کچھ حصہ وقت کے بعد انجام پائے تو ایسا وضو فریضہ سے خارج ہے اور اس نماز کے لئے تیمم کرنا چاہئے اور اگر وقت اس درجہ تنگ ہو

کہ تیمم کے ساتھ بھی نماز کا کچھ حصہ وقت کے بعد انجام پائے تو یہاں پر اگر ایک رکعت وقت کے اندر ہو تو تیمم واجب ہے؛ کیونکہ '' من ادرک رکعۃً من الوقت فقد ادرک الوقت کلہ'' کا قانون اضطراری وقت کے لئے ہے اور اس بات کے پیش نظر کہ آخر کار نماز کے لئے طہارت ضروری ہے یہاں پر کم سے کم تیمم کرنا چاہئے اور وہ نماز کہ کم سے کم ایک رکعت وقت کے اندر انجام دینا چاہئے ، کیونکہ (کم سے کم) تیمم جیسی طہارت نماز کے لئے واجب ہے اور وقت میں عمداً تأخیر ہو تو دونوں یہ حالتوں میں نماز کا وقت کے بعد اعادہ کرنا چاہئے خصوصاً جب کسی طہارت کے بغیر نماز پڑھی ہوگی اور تینوں صورتوں میں اگر تعمد نہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۰۷: مسح کے امور میں ہاتھ سر یا پیر کے اور پھیرا جائے اور اگر اس کے برعکس ہو تو مسح باطل ہے ، لیکن اگر مسح کرنے والا اور جس پر مسح ہو رہا ہے دونوں ایک ساتھ حرکت کریں تو اشکال نہیں رکھتا، اگر بقدر واجب کہ ہاتھ کا حرکت کرنا ہے، انجام پا گیا ہو۔

مسئلہ ۱۰۸:خود مسح سے معلوم ہے کہ سر اور پیر پر صرف ہاتھ رکھنا کافی نہیں ہے بلکہ ہاتھ رکھ کر کھینچنا بھی ضروری ہے اور حد تک کہ اس پر مسح صادق آئے اور لوگ کہیں کہ اس نے اپنا ہاتھ سر یا پیر پر پھیرا ہے۔

مسئلہ ۱۰۹: وضو کا کام خود مکلف کو انجام دینا چاہئے اس صورت میں دوسروں سے مدد لے سکتا ہے یا اس کے تمام اعمال وضو دوسرا بجا لا سکتا ہے جب وہ خود انجام دینے پر قادر نہ ہو ایسے موارد میں مکلف نیت کر کے جتنا خود کر سکتا ہو انجام دے اور باقی اس کے لئے دوسرا انجام دے اور سر اور پیر کا مسح کرنے کے لئے امکانی صورت میں عسر و حرج کے بغیر خود مکلف کے ہاتھوں کا استعمال کیا جائے۔ البتہ ضرورت کے علاوہ وضو کرنے کے لئے ہاتھ پر صرف پانی ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی طرح اگر کوئی دوسرا اعضائے وضو پر پانی ڈالے اور وہ خود وضو کی نیت اور اس کے افعال انجام دے تو صحیح ہے ۔

مسئلہ ۱۱۰: اگر اضطراری نائب اس کام کے لئے اجرت کا مطالبہ کرے اور مکلف کی استطاعت کے اندر ہو اور اسراف اور مفت کھلانے کی بات نہ ہو تو اس اجرت کا تحمل کرنا واجب ہے اور اس کے علاوہ صورت میں اس کا فریضہ تیمم ہے اور اگر اسی طرح وضو انجام دے تو چونکہ اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے (بلکہ اس سے روکا گیا ہے) باطل ہے۔

مسئلہ ۱۱۱: اگر شرعی مانع کے باوجود کرے تو اس کا وضو باطل ہے اور اگر نہ شرعی کوئی مانع ہو اور نہ ہی شرعی الزام ہو جیسے یہ کہ حرج کے ہوتے ہوئے وضو کے لئے پانی حاصل کر لے یہاں پر اگرچہ وضو واجب نہیں ہے لیکن مستحب موکد اور کافی ہے۔

مسئلہ ۱۱۲: اگر اس نے وضو بھی کیا اور اس سے حدث بھی سر زد ہو گیا اور یہ نہ جانتا ہو کہ ان میں کون پہلے سر زد ہوا ہے تو اگر یہ شک نماز سے پہلے ہو تو اسے وضو کرنا چاہئے اور اگر نماز کے دوران ہو تو اس کی نماز باطل ہے اور اسے اسی طرح وضو کر کے پھر سے نماز پڑھنا چاہئے اور اگر نماز کے بعد ہے، چونکہ طہارت میں شک نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہوگا تو اس کی نماز صحیح ہے لیکن دوسری نمازوں اور ہر اس کام کے لئے جس میں وضو شرط ہے اسے وضو کرنا چاہئے اس شرط کے ساتھ کہ اس بات کا احتمال دے کہ نماز شروع کرتے وقت اپنے بارے میں با خبر تھا کہ لیکن اگر عاقلانہ احتمال اس طرح کی آگاہی ظاہر نہ کرے تو اس نے جو نماز پڑھی ہے وہ باطل ہے کیونکہ فارغ ہونے کے بعد کا شک اس صورت میں گذشتہ عمل کو درست کرتا ہے کہ وہ عمل علم یا عقلائی احتمال کے ساتھ شرائط سے واقفیت کے ساتھ انجام پائے۔
مسئلہ ۱۱۳: اگر نماز کے بعد شک کرے کہ وضو سے تھا یا نہیں (بشرطیکہ حالت طہارت یا اس کے عقلائی احتمال کی طرف متوجہ رہا ہو) تو اس کی گذشتہ نمازیں صحیح ہیں اور آئندہ نماز کے وضو کرنا چاہئے مگر یہ کہ گذشتہ وضو سے تھا اس کے بعد شک کرے گا اس کا وضو باطل ہوا یا نہیں کہ یہاں پر ہر صورت میں طہارت کا حکم لگایا جائے گا۔
مسئلہ ۱۱۴: (لاتقف مالیس لک بہ علم)[1] کی روشنی میں غیر علم کی پیروی کو حرام کیا ہے اور قاعدہ استصحاب (لاتنقیض الیقین بالشک ابداً) کہ کبھی یقین کو شک کی بنا پر نقض نہ کرو یہ بھی مذکورہ بالا آیت کی طرح سر چشمہ رکھتا ہے کلی طور پر یقین کے بعد کا شک کبھی کوئی اثر نہیں رکھتا کہ اگر گذشتہ میں تمہارا بدن یا لباس پاک رہا ہو اور اب شک کر رہے ہو کہ نا پاک ہوا یا نہیں تو ایسا شک تمہارے گذشتہ یقین کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اس کے برعکس بھی اگر گذشتہ میں تمہارا جسم یا لباس نجس تھا اور اب شک کر رہے ہو کہ اسے پاک کیا ہے یا نہیں تو اس شک کا بھی کبھی کوئی اعتبار نہیں ہے اور اسی طرح وضو، غسل اور تیمم بھی شک اور یقین کی صورت میں اسی قاعدہ کے تحت ہے۔
مسئلہ ۱۱۵: اگر کوئی ایسی بیماری لاحق ہو گئی ہے کہ آہستہ آہستہ پیشاب اور پاخانہ نکل رہا ہے اور روکنے کے قابل بھی نہیں ہے مگر عسر یا کم سے کم حرج کے ساتھ اگر جانتا ہو یا احتمال دے کہ نماز کے وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے(ان دونوں واجبات کی ادائیگی کے لئے وقت مل جائے گا) تو اسے اپنی تکلیف کو اس وقت تک تأخیر میں ڈالے اور اسے مہلت صرف واجبات نماز انجام دینے کے بقدر ہے تو بھی ایسا ہی ہے لیکن اگر اس طرح کی مہلت کا اگر یقین یا

---

[1] سورہ اسراء، آیت ۳۶.

احتمال نہ دے تو اسے (آخر وقت میں) مفطر کا عمل انجام دینا چاہئے کہ نماز کے دوران جب اسے پیشاب اور پاخانہ نکل جائے تو اپنے پاس اس نے پہلے سے جو پانی آمادہ کر رکھا ہے ہر بار تطہیر کرے اور اپنے وضو کو بھی تجدید کرے اور اسی ترتیب سے نماز توڑے بغیر انجام دیتا رہے مگر اس صورت میں یہ عمل عرج یا عسر کا سبب یا طاقت فرسا ہو تو صرف اس کے مقدورکے بقدر اور باقی حرج کی صورت میں مستحب اور عسر کی صورت میں حرام ہے۔

مسئلہ۱۱۶: اگر کسی مخصوص بیماری کی وجہ سے مسلسل نیند آرہی ہو یا ریاح خارج ہو رہی ہو تو یہاں پر بھی اسی فریضہ پر عمل کرے۔

مسئلہ ۱۱۷: اگر معذور شخص (ہر ممکن وسیلہ سے کہ کوئی حرج نہ ہو) اپنا عذر برطرف کر سکے تو ایسے مورد میں اپنے عذر کا برطرف کرنا دو جہت سے واجب ہے کہ علاج بھی واجب ہے اور واجب کو انجام دینے کے لئے عذر برطرف کرنا بھی لازم ہے اور عذر بھی اس تک عذر ہے اس کا بر طرف کرنا ہرگز مکلف کی توانائی سے خارج ہو۔

مسئلہ ۱۱۸: اگر بعض واجبات یا افعال وضو میں دونوں پاؤں کا مسح کرنے کے بعد شک کرے تو قاعدہ فراغ کے مطابق اس پر طہارت کا حکم لگایا جائے گا اور اگر ابھی وضو تمام نہ ہوا ہو تو مورد شک عمل کو اور جو کچھ اس کے بعد انجام دیا اس کو انجام دینا چاہئے۔

کن کاموں کے لئے وضو کرنا چاہئے

مسئلہ ۱۱۹: واجب اور مستحب نمازوں کے لئے خواہ یومیہ ہوں یا غیر یومیہ جز نماز میت اور نافلہ شب کے (کہ ان دونوں میں بھی وضو مستحب ہے ۲۔ بھولے ہوئے سجدہ اور تشہد اور نماز احتیاط کے لئے ۔ ۳: طواف واجب کے لئے خواہ اس کا وجوب اصلی ہو خواہ نذر اور اس کے مانند کی وجہ سے واجب ہوا ہو یا طواف حج یا عمرہ مستحب کے لئے ہو(احرام کے وقت سے تمام حالات میں واجب ہو جاتا) لیکن حج اورعمرہ سے صرف نظر مستقل طواف میں وضو شرط نہیں ہے۔ ۴: اگر قرآن کی تحریر کا کسی وجہ سے چھونا واجب ہو گیا ہو تو طبعاً بغیر وضو کے حرام ہے، کیونکہغ (لا یمسہ الا المطھرون)[1] پاک و پاکیزہ ’’ لا یمسہ‘‘ قرآن میں منحصر ہے لہذا جسے بھی قرآن کہا جائے گا اس کا یہی حکم ہے اور اس کی ظاہری طہارت نجاستوں کثافتوں یا حدث سے پاکیزگی سب کو شامل ہے۔

مسئلہ ۱۲۱: خداوند عالم کے اسماء کے اصل قرآن میں خواہ کسی زبان اور لغت میں ہو طہارت اور پاکیزگی کے بغیر بدن کے کسی عضو سے ہو مس کرنا حرام ہے مگر کسی وسیلہ سے کہیہ بھی ترک کرنا بہتر ہے۔

---

[1] ۔ سورہ واقعہ، آیت ۷۹۔

خدا کا نام جس زبان اور جس مشکل میں ہو اسی طرح کلی طور پر قرآن کی آیات اور اس کے کلمات اس '' لا یمسہ'' میں شامل ہیں کہ اگر درخت یا چمن یا دیواریں یہاں تک کہ گاڑیاں یا کوئی بھی اس طرح ہوں کہ خداوند متعال کے ناموں میں سے ایک نام یا قرآن کا کلمہ یا جملہ یا آیت بنتی ہو وضو کے بغیر ہاتھ یا پاؤں سے مس کرنا حرام ہے مثال کے طور پر ایک باغبان ایک ایسے چمن کی تحقیق کر رہا ہے جس میں اللہ کا نقش ہو تو نجاستوں سے خواہ اکبر ہو یا اصغر طہارت کئے بغیر یا حدث سے حرام ہے یا گندگی کے ساتھ اس چمن اللہ کے نقش کو یا قرآن کے کسی دوسرے کلمہ کو (چھونے کا) حق نہیں رکھتا نیز متنجس کرنا یا سکا کثیف کرنا حرام اور اس کا بر طرف کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۱۲۲: چہاردہ معصومین علیھم السلام کے اسماء کو اس سے مراد خود یہ ہستیاں ہوں (نہ ان کے علا وہ) بھی حدث، خبث، نجس اور متنجس سے طہارت کئے بغیر بغیر چھونا جائز نہیں ہے۔

مبطلات وضو

مسئلہ ۱۲۳: مبطلات وضو میں سے وہ چیزیں ہیں جو غسل کو باطل کر دیتی ہیں اور پیشاب اور پاخانہ بھی اگرچہ (اس کے مقام کے علاوہ) جسم کے دوسرے حصہ سے خارج ہوں وضو کو باطل کرنے کا سبب ہیں اور پاخانہ کے مقام سے نکلنے والی ریاح(ہوا) اور نیند جو آنکھ اور کان پر غالب آجائے(إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّن السَّمَاء مَاء لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الأَقْدَامَ)[1] ''جب خدا تم پر نیند غالب کر رہا تھا جو تمہارے لئے باعث سکون تھی اور آسمان سے پانی نازل کر رہا تھا تاکہ تمہیں پاکیزہ بنا دے اور تم سے شیطان کی کثافت کو دور کر دے...'' اور اگر ''یغشیکم النعاس'' وضو کو باطل کرنے والی نہ ہوتی تو پھر یہاں پر '' لیطھرکم'' بھی کوئی گنجائش نہ رہ جاتی اور صرف '' نعاس'' اونگھ آنا وضو کو باطل نہیں کتا بلکہ ' 'یغشیکم النعاس'' ایسی نیند ہے جو پورے حواس پر غالب آجائے اور پورے وجود پر جو غالب نے والی صرف یہی ہے۔ وضو کو باطل کرتی ہے کہ کبھی بھی آنکھ کو نیند ہے لیکن کان بیدار رہتا ہے لیکن اگر آنکھ اور کان دونوں ہی سو گئے تو طبعاً قلب اور روح بھی بطور کلی سو جاتے ہیں۔
اور یہاں پر '' یغشیکم النعاس'' کا مقام ہے اور بالآخر ہر قسم کا خواب ، مستی اور ایسی بیہوشی کہ انسان کے قلبی حواس کو پورے طور پر معطل کر دے حدث ہے۔
اور جملہ(لیذھب عنکم رجز الشیطان'' جنابت ہے کہ کبھی بھی خواب میں پیش آتی ہے کہ خود ''لیطھرکم'' کا دوسرا راستہ ہے کہ پانی سے پاک ہوتی ہے جس طرح شیطانی خیالات کا اثر نہ تھا یا جنگ کے دوران پانی کی کمی کہ کبھی شکست کا گمان

---

[1] سورہ انفال، آیہ ۱۱.

تھا اس بارش کے برسنے نے تما خیالی اور واقعی گندگیوں اور نجاستوں کو نابود کر دیا لیکن طہارت کا حتمی اور واقعی مورد وہی پورے طور سے محیط خواب ہے کہ حدث اصغر ہے اور دائمی لیکن جنابت اور اس کے مانند کہ حدث اکبر ہے دائمی نہیں ہے ایسا کبھی بھی ہوتا ہے۔
مسئلہ ۱۲۴: کیا جو چیزیں عقل کو ڈھانپ دیتی ہیں وہ بھی مبطل وضو ہیں یا نہیں؟ مطلق مستی کو نسبت جواب منفی ہے (یعنی وضو کو باطل نہیں کرتی) (لاتقربوا الصلاة و انتم سکاری)[1] نشر کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ جاؤ'' اگرچہ وضو کے باطل ہونے پر مورد استدلال ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ جو کچھ بھی نماز سے مانع ہو وہ حدث ہے ، کہ غصبی مکان اور لباس اور ممنوع کپڑے پہننا بھی نماز کے موانع میں سے ہیں اور حدث نہیں ہوں گے۔
اور اس وقت ذیل آیہ (حتی تعلموا ما تقولون) ''تاکہ جان لو کہ تم کیا کہتے ہو'' نے یہاں پر نماز میں رکاوٹ کو اس طرح کی مستی جانا ہے کہ اس مستی کے برطرف ہونے سے مانے بھی برطرف ہوں جائے گا۔ پھر وضو کسی دوسرے مطہر کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی صرف ہوش میں آنا ہی کافی ہے '' حتی تعلموا ما تقولون'' تاکہ جان لو کہ تم کیا کہتے ہو'' اس بنا پر مستی وقتی مانع ہے جب تک سے یہ مانع بھی ہے اور جب ہوش میں آجائے تو وہ نماز پڑھ سکتا ہے مگر یہ کہ مستی سے پہلے وضو یا غسل نہ کئے ہو کہ اس کا حکم معلوم ہے یا مستی پورے وجود پر محیط خواب کی طرح ہو کہ '' یغشیکم النعاس'' کے حکم میں ہے نہ صرف مستی کہ پورے وجود پر محیط نہ ہو۔
یہاں دیگر بے ہوشیوں کا حکم بھی معلوم ہے جو نا تمام رہ جاتی ہیں کہ ہوش میں آنے کے بعد تم اپنی نماز پڑھ سکتے ہو اگر وضو اور غسل کئے ہوئے تھے تو کچھ نہیں ہے ورنہ وضو یا غسل کرو اور اپنی نماز پڑھو کہ آخر کار مجموعی طور پر صرف بے ہوشی اور بے عقلی صحت وضو کے موانع میں سے نہیں ہے مگر یہ کہ محیط اور مطلق خواب کی طرح ہو۔

وضو اور غسل جبیرہ

مسئلہ ۱۲۵: جبیرہ اس پٹی کو کہتے ہیں جو زخم پر باندھی جاتی ہے خواہ وہ دوا ہو، کپڑا ہو اور اس کے مانند (پلاسٹر) کہ امکان کی صورت میں وضو یا غسل کے لئے اس کو دھونا چاہئے اور مسح کرنے میں مسح کرنا چاہئے اور اگر اس کا دھونا نقصان دہ ہو یا بہت دشوار ہو تو صرف وضو کی نیت سے دھونے کے بجائے بھیگا ہاتھ پھیرنا کافی ہے اور امکان کی صورت میں اس کے اطراف تو ممکن مقدار میں دھوئیں یا مسح کریں اور جبیرہ کا حکم '' ما جعل علیکم فی الدین من حرج''[2] اور ''

---
[1] ۔ سورہ بقرہ، آیہ ۴۳.
[2] ۔ سورہ حج، آیہ ۷۸.

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العُسر‘‘[1] سے بھی ظاہر ہے کہ اگر زخم کی جگہ کا دھونا یا کوئی بھی دوسرا عارضہ عسر و حرج کا حامل ہو تو زخم اس کے اوپر کوئی پاک کپڑا رکھ کر اپنے فریضہ کہ دھونا یا مسح کرنا ہے، پر عمل کرو گے جیسا کہ خبر میں ہے : میرے پیر کے ناخن میں زخم ہو گیا ہے پھر میں اس پر کس طرح مسح کروں؟ حضرت ؑنے فرمایا: ’’ امسح علی المرارۃ‘‘ زخم پر لگی دوا کے اوپر سے مسح کرو‘‘ کہ یہ آیت فرمان الٰہی ’’ ما جعل علیکم فی الدین من حرج‘‘ کے موارد میں سے ایک ہے کہ آخر کار اس زخمی انگلی کا مسح کرنا ساقط نہیں ہے بنابرایں دوا کسی دوسری چیز کو کہ زخم اور مسح کے درمیان فاصلہ ہے ، مسح کرو تاکہ اس مسح کرنے میں نقصان نہ اٹھاؤ اور اپنا فریضہ بھی انجام دے چکے ہو گے۔ اور اگر زخم ایسا ہو کہ مسح کرنے یا دھونے کے ایک عضو کو پورے طور سے گھیرے ہو تو یہاں پر بھی ظاہراً یہی فریضہ ہے مگر یہ کہ تیمم کا ضمیمہ کرکے احتیاط کی رعایت کرو۔

غسل

مسئلہ ۱۲۶: غسل کتاب اور سنت کی روشنی میں بالوں کے ساتھ پورے بدن کا دھونا ہے[2] اور واجب غسل درج ذیل ہیں:

۱): غسل جنابت، ۲):حیض، ۳)۔نفاس،۴) استحاضہ ۵)متوسطہ، ۵)کثیرہ ،

۶):مس میت، ۷):غسل میت جز اس مسلمان کے جو معرکہ جنگ یا شرعی جہاد میں شہید ہوا ہو کہ ہوا ہو کہ ’’ لا یغسل ولا یکفن بل یصلی علیہ و یدفن فی ثیابہ‘‘ اس کو شامل ہے نیز غسل جمعہ اور وہ غسل جو نذر، عہد اور قسم وغیرہ کی وجہ سے انسان پر واجب ہو جاتے ہیں غسل الستحاضہ کے علاوہ کے بعد میں بیان آئے گا، باقی یہ سارے غسل وضو کے لئے کافی ہوں گے جس طرح ۲۸/ مستحب غسل بھی وضو کے لئے کافی ہیں۔[3] اور اگر کسی عذر کی بنا پر غسل جمعہ کو جمعرات یا سنیچر کے دن انجام دو تو بھی اسی طرح وضو کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ اپنے اصلی وقت کے ابتداء صبح کی آذان سے ظہر تک اور اس کے بعد جمعہ کے غروب تک ہے ترتیب کے ساتھ انجام پائے اس فرق کے ساتھ کے جمعہ کے دن کا غسل جمعرات کو اس صورت میں کافی ے جب جمعہ کے دن اس کے امکان کا عقلی احتمال نہ ہو اور اگر اس خصوصیت کی بنا پر جمعہ کا غسل جمعرات کو کر لے تو اس کے امکان کی صورت میں جمعہ کے دن غسل کی تکرار کرنا واجب ہے کیونکہ پہلے والا غسل عدم امکان کے احتمال کی بنیاد پر انجام دیا تھا اور اب جبکہ سمجھ گیا کہ اس کا حتمال

---

[1] ۔ سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۵.

۲ ۔ معاصر میں سے محروم آیت اللہ العظمی خمینی بھی اس فتوی کے موافق ہیں کہ ’’ فاغسلو‘‘ کے اطلاق کے موافق ہوں گے۔

[3] ۔چنانچہ معتبر روایات میں ہے کہ ’’ ای وضو نقی من الغسل‘‘ یہ تمام غسل کو شامل ہے اور سید مرتضی ، اسکافی ، جیسے فقہا اور متأخرین کا ایک گروہ جیسے محقق علامہ حلی، مقد س اردبیلی ، محقق خوانساری ، صاحب مدارک ، وسیلہ اور ذخیرہ جیسے علماء نے بھی یہی فتو دیا ہے اور مجلسی نے بحارالانوار، میں اس فتوی کے اکثر فقہاء کی طرف نسبت دی ہے اور کچھ روایات بھی اس فتوی پر گواہ ہیں۔

صحیح نہیں تھا تو پھر اس کے مقررہ وقت پر غسل کرنا واجب ہے لیکن چنانچہ جمعہ کے دن کسی وجہ سے غسل جمعہ نہ کر سکے یا سرے سے فراموش کر گیا ہو یا پھر کسی بھی وجہ سے غسل نہ کر سکا ہو تو اس پر سنیچر کے دن غسل جمعہ کی نیت سے غسل کرنا واجب ہے اور ہر صورت وضو کے لئے کافی ہے اگرچہ عذر کے بغیر اس میں تأخیر کر دے۔

غسل ارتماسی

مسئلہ ۱۲۷: غسل کی دو قسم ہیں: ارتماسی اور ترتیبی ، ارتماسی وہ ہے کہ پورے جسم کے ساتھ ڈھیروں پانی کے اندر یا پورے بدن پر محیط شناور کا یا آبشار (جھرنے) یا اس کے مانند کے نیچے جانا ہے کہ پورے بدن پر محیط ہو جائے اس طرح سے کہ پانی پورے بدن پر ایک ساتھ پڑے اور اگر پانی پر تدریجاً پڑ رہا ہے تو پہلے غسل کی نیت کر سکتا ہے اور پورے جسم کو تدریجاً غسل کی نیت سے دھوئے بنابرایں جو ترتیب اکثر فقہاء نے ذکر کی ہے ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں ہے اس بنا پر استحباب پر حمل کئے جائیں گے ترتیبی غسلوں کے استحباب کی دلیل یہ ہے کہ اولاً غسل آیتیں مطلق ہیں اور حتی (وضو کے بر خلاف بھی) غسلوں میں ترتیب کے وجوب پر معمولی ترین بھی اشارہ نہیں ہے اور ثانیاً اس باپ کی روایات بھی تین طرح کی ہیں سہ گانہ ترتیب ، دوگانہ ترتیب اور عدم ترتیب ، اس بنا پر سہ گانہ اور دو گانہ روایات استحباب پر حمل ہوں گی اور عدم ترتیب کی روایات مطلق اور آیات غسل کے موافق ہیں کہ وہی واجب اور کافی ہے۔

غسل ترتیبی

غسل ترتیبی میں جو فقہائے عظام نے اپنے اپنے رسالہ عملیہ میں ذکر فرمائی ہیں: اول : جیسا کہ گزر چکا ہے) سر اور گردن اس کے بعد داہنی سمت پھر بائیں سمت کو دھوئ اگرچہ جائز اور کافی ہے لیکن اصولی طور پر اس ترتیب کے وجوب پر کسی قسم کی ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ اس بنا پر غسل میں کوئی ترتیب واجب نہیں ہے اور اطلاق آیہ (ان کنتم جُنُباً فاطهروا)(1) اور سورہ نساء، آیہ ۴۳، ’’ ولا جنباً اِلاّ عابری سبیل حتی تغسلو‘‘ اس اختلاف کا سر چشمہ ترتیب اور عدم ترتیب کے وجوب کے سلسلہ میں روایات میں کہ خود غسل کی سہ گانہ، دوگانہ، اور عدم ترتیب کا مثلث ہے اور یہ آخری روایت میں فتوے بھی موجود ہیں۔(2)

بنابراایں اگر غسل کے بعد یہ سمجھے کہ بدن کے بعض حصہ کو اس نے نہیں دھویا ہے خواہ سر اور گردن سے مربوط ہو یا تما اعضائے بدن سے تو اس صورت

---

۱ ۔ سورہ مائدہ، آیہ ٦.

۲ ۔اس سلسلہ میں غسل ترتیبی میں سر اور طرفین (داہنے اور بائیں طرف) کے درمیان کوئی ترتیب نہیں ہے ا یک گروہ جیسے ذخیر ہ میں فاضل خراسانی صاحب ریاض المسالک اور شیخ عبداللہ بحرانی موافق ہیں اور داہنے اور بائیں کے درمیان عدم ترتیب میں بہت سارے بھی فقہاء ، موافقت کرتے ہیں:۱۱: ۳۷.) اور گذشتہ علماء میں صاحب مفتاح الکرامۃ و صدوق ، ابن جنید ، ابن ادریس اور فیض کاشانی جیسے اور معاصرین میں مرحوم آقائے خوئی ہیں۔

میں ہرگز تجدید وضو لازم نہیں ہے صرف جس جگہ کو نہیں دھویا ہے اس کا دھونا کافی ہے لیکن اگر اس کے دوران حدث اصغر سر زد ہو جائے تو غسل تمام کرنے کے بعد وضو بھی لازم اور واجب ہے۔

مسئلہ ۱۲۸: تمام غسلوں میں پورے بدن کا دھونا واجب ہے اور یہاں پر (جیسا گزر چکا ہے) بالوں کے اوپر دھونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر کا دھونا بھی واجب ہے کہ '' اغسلو'' اور ''اطھروا'' پورے بدن کو شامل ہے اور اصل اس سلسلہ میں جسم کی جلد کا دھونا ہے۔ بدن تبیعت میں اور بال بھی دھویا جائے اور ظاہر وضو کے خلاف چھوٹے اور بڑے بالوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۲۹: غسل تربیتی میں (جیسا کہ گزر چکا ہے) موالات اور پے در پے انجام دینا واجب نہیں ہے، بنابراین اگر عمداً یا بھولے سے بدن کے کسی حصہ کو نہ دھویا ہو یاد آنے کے بعد تو جب بھی چاہے، اسی حصہ کو دھو لے تو کافی ہے۔

مسئلہ ۱۳۰: غسل کے دوران حدث اصغر سر زد ہو جائے وضو کو باطل کرنے والا ہے تو غسل کو تمام کر کے بعد میں وضو کرلے کیونکہ حدث اصغر صرف وضو کو باطل کرتی ہے، نہ غسل کو اور چونکہ غسل، تمامیت کی صورت میں وضو کے لئے کافی ہے یہاں پر اصل غسل صحیح ہے لیکن وضو کے لئے کافی نہیں ہوگا لہٰذا غسل تمام کرنے کے بعد اور اس جیسی عبادت حتماً نماز کے لئے وضو بھی کرے۔

مسئلہ ۱۳۱: اگر نماز تمام کرنے کے بعد یا اس کے دوران شک کرے کہ اس نے اپنا واجب غسل انجام دیا ہے یا نہیں تو اگر عاقلانہ احتمال دے کہ نماز کے وقت اپنی حالت کی طرف متوجہ تھا تو اس کی نماز صحیح ہے اور بعد کی تمام نمازوں اور جس میں طہارت شرط ہے کے لئے اسے غسل کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ صورت میں (کہ عقلائی احتمال نہ دیا ہو) غسل کرنے کے بعد گذشتہ نمازوں کو پھر سے پڑھے۔

مسئلہ ۱۳۲: اگر کسی انسان کے ذمہ متعدد غسل ہوں تو سب کی نیت سے ایک غسل کافی ہے اور بہتر یہ ہے کہ غسل کے وقت ما فی الذمہ کی نیت کرے کہ جو غسل بھی اس کے ذمہ ہے اس وسیلہ سے انجام پا جائے اور اگر صرف ایک غسل کی بھی نیت کرے (بالخصوص تمام غسلوں کو بھول جانے کی صورت میں) تو وہی ایک غسل کافی ہے ؛ کیونکہ غسل چار ونا چار ہر حدث کو ختم کر دیتا ہے اور جیسا کہ خبر میں ہے اور یہ خصوصی غسل بھی تمام غسلوں سے بے نیاز کر دے گا اور یہ خود نجاستوں سے تطہیر کے مانند ہے کہ اگر صرف خاص نجاست کی تطہیر مد نظر ہے تو دیگر تمام نجاستیں بھی (مگر دیگر شرائط کے ساتھ جیسے اس ظرف کو مٹی سے مانجھنا جسے کتا اور سور نے چاٹ لیا ہو) بر طرف ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۳۳: جنابت کی حالت میں جو چیزوں بغیر وضو کے حرام ہیں وہی ساری چیزیں جنب پر بھی حرام ہیں ، اس کے علاوہ کہ جنب تیمم کے ساتھ بھی مسجد

میں داخل نہیں ہو سکتا(... وَلاَ جُنُبًا إِلاَّ عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىَ تَغْتَسِلُواْ ...)[1] جنابت کی حالت میں مجبور کرنے کے سوا مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک غسل نہ کر لے اور چونکہ یہاں پر '' حتی تغسلوا'' ہے نہ '' فاطھروا'' کہ نماز کے بارے میں تھا مسجد میں صرف اس صورت میں داخل ہو سکتا ہے جب اس نے غسل کیا ہو [2] اور (فیتمموا صعیداً طیباً) نے بھی اسی آیہ کریمہ کے ذیل میں وضو یا غسل کے بجائے تیمم کو نماز اور طواف کے لئے واجب اور کافی جانا ہے چنانچہ(التراب اور الطھورین) بھی کہ دو پاک کرنے والی چیزوں میں ایک پاک کرنے والا ہے وضو اور غسل کے بدلے تیمم کو صرف اضطرار کی صورت میں ثابت کرتی ہے ، بالخصوص یہ کہ یہاں پر ''
فاغتسلوا'' مسجد میں داخل ہونے کا سلسلہ میں ہدایت کی نفی کر رہا ہے اور
''فاطھروا'' نے اسے صرف نماز کے لئے جانا ہے اور جو کچھ خود نماز کے لئے ضرورت ہے کہ تیمم کرے وہ مسجد میں جانے کے لئے ہر گز ایسی ضرورت نہیں ہے تیمم یہاں پر بھی اس طرح کی بدلیت نہیں رکھتا مگر یہ کہ واجب طواف کے لئے ہو کہ اگر تیمم کے ساتھ مسجد الحرام میں نہ جائے تو اس کا وقت گزر جائے گا (یہ بھی اضطراری صورت ہے) یا غسل کرنے کے لئے مسجد میں جانا ضروری اور منحصر ہو تو اس صورت میں تیمم کر کے مسجد میں چلا جائے اور امکانی صورت میں بلا فاصلہ غسل کرے اور اس کے علاوہ صورت میں بلا فاصلہ غسل کرے اور اس کے علاوہ صورت میں طواف اور اس کی نماز اس طہارت سے مشروط ہے کہ یہاں پر تیمم میں منحصر ہے۔

مسئلہ ۱۳۴: جس طرح جنب (ناپاک انسان) صرف عبور کرنے کے لئے مسجد میں جانے کا حق رکھتا ہے کہ صرف اس کا عبورکا کرنا آیت کی نص کے مطابق استثنا ہوا ہے بنابرایں اس حالت میں کسی صورت میں مسجد میں داخل نہ ہو سوائے ضرورت کے اور مسجد میں کوئی چیز رکھنا یا مسجد سے کوئی چیز اٹھانے میں اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے جن روایتوں نے ان دونوں کے درمیان قائم کیا ہے وہ اس بات پر ناظر ہیں کہ نوعاً مسجد میں کسی چیز کا رکھنا ضروری نہیں ہے لیکن اٹھانا کبھی ضروری ہو جاتا ہے اور اگر کوئی ضرورت اس کے برعکس ہو تو رکھنا ضرورت اور جائز اور اٹھانا حرام ہو جائے گا۔

اور اگر دونوں ضرورت رکھتا ہو تو دونوں جائز ہو جائے گا اور کوئی بھی ضروری نہ ہو تو کوئی بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ آیت نے مسجد سے مجنب کے عبور کرنے کو تجویز کیا ہے اور ضرورت کے علاوہ صورت میں عبور یا ضروری ورود حرام ہے۔

۱۔ سورہ نساء، آیہ ۴۳.
۲۔ جیسا کہ علامہ فرزند فخر الدین نے یہ فتویٰ دیا ہے

مسئلہ ۱۳۵: جنب کا صرف مسجد الحرام اور مسجد النبی کے علاوہ مسجدوں میں جانا جائز اور ان دونوں میں حرام ہے اور جن مسجدوں میں جائز ہے ان میں ایک دروازہ سے زیادہ دروازہ ہو اور اس سے ضروری عبور کی راہ عنوان سے استعمال کیا جاتا ہے بنابرایں جنب کے مسجد میں داخل ہونے کا مقصد ضروری عبور نہ ہو بلکہ تماث یا کسی اور مقصد سے ہو تو جائز نہیں ہے ؛ کیونکہ (الا عابری سبیلٍ) یقینی طور پر اس طرح کا گزر تجویز کرتی ہے صرف مسجد کو مسجد سے باہر جانے کی وجہ سے گزرنا ہو کہ اگر مقصد دو راہ رکھتا ہو یہاں پر (الا عابری سبیل) کا صادق آنا مشکل ہے ، کیونکہ اس کے مشابہ ایک دوسری راہ ہے کہ اسی طرح اس کو مقصد تک پہنچا دیتی ہے جز عسر و حرج کی صورت میں ، بنابرایں مسجد سے عبور کنا صرف اصل عبور کرنے کے عنوان سے نہیں ہے مگر یہ کہ مسجد کا تصور کئے بغیر دو راہ میں سے ایک راہ سے نا چار عبور کرے کہ اس صورت میں ''عابری سبیل'' کے اطلاق میں داخل ہے۔

مسئلہ ۱۳۶: ان آیات کا پڑھنا جس میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے یا سجدہ نہ کرنے پر اس کی مذمت کی گئی ہے ، نا پاک انسان اور حیض و نفاس کی حالت میں ہونے والی عورت پر حرام ہے نہ تمام ان سوروں کے پڑھنے پر جن میں سجدہ کا حکم نہ ہو اور آیات سجدہ صرف اور صرف چار ہی سوروں میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام آیات میں جن میں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور سجدہ نہ کرنے پر مذمت کی گئی ہے محض آیات سجدہ کے تلاوت کرنے سے واجب ہو جاتا ہے کہ ظاہر معروف چار سورہ عزائم پر ۸/ دیگر سورے بھی اضافہ ہوئے ہیں (قرآن کریم میں ۲۱ / آیات سجدہ پائی جاتی ہیں کہ مکلف کے لئے اس کے پڑھنے یا سننے کے بعد فوراً خدا کی عظمت کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور سجدہ کرے ان کی بارہ آیتوں میں سجدہ واجب ہے اور ۹/ دیگر آیتوں میں سجدہ مستحب ہے واجب سجدوں کی آیتیں درج ذیل ہیں:

۱): سورہ اعراف، آیت ۲۰۶
۲): سورہ نمل، آیت ۲۵۔۱۰
۳): سورہ فصلت ، آیت ۳۷
۱۱): سورہ نجم، آیت ۶۲
۱۲): سورہ علق، آیت ۱۹

مستحب سجدوں والی آیتیں در ج ذیل ہیں:

۱): سورہ آل عمران ، آیت ۱۱۳
۲): سورہ حجر، آیت ۹۸
۳):سورہ نحل، آیت ۴۹
۴): سورہ ص، آیت ۲۴
۵): سورہ مریم، آیت ۵۸

۶): سورہ فتح، آیت ۲۹
۷): سورہ الرحمن، آیت ۶
۸): سورہ انسان، آیت ۲۹
۹): سورہ انشقاق ، آیت۲۱

مسئلہ ۱۳۷: اگر نماز یا طواف اور ان کے مانند کے بعد شک کرےکہ اس نے ان کے واجب وضو یا غسل کو انجام دیا ہے یا نہیناگردر وست ہونے کا احتمال دے کہ نماز کے وقت اس حالت کی طرف متوجہ رہا ہے تو اس کی عبادت صحیح ہے ورنہ غسل یا وضو کر کے دوبارہ نماز یا طواف کی تکرار کرے اور پہلی صورت میں بھی (کہ اس نے انجام دیا تھا) لیکن شک کی صورت میں) دیگر نمازوں کے لئے اسے غسل یا وضو کرنا چاہئے۔

مسئلہ ۱۳۸: چونکہ غسل وضو کے لئے کافی ہوتا ہے (یعنی غسل کرنے کے بعد کسی واجب یا مستحب کام کے لئے وضو کی ضرورت نہیں ہوتی) پھر غسل اور وضو کے درمیان وجوب کے عنوان سے جمع کرنا بدعت اور حرام ہے مگر '' الوضو علی والوضو نور علی نور'' کے باب سے استحباب کے عنوان سے ہو کہ پہلا وضو غسل سے مستغا ہے اور دوسرا وضو اس حدیث کا مصداق ہے۔

مسئلہ ۱۳۹: قرآن اور سنت کا ظاہر یہ ہے کہ تمام واجب اور مستحب اغسال وضو سے کفایت کرتےہیں: [1] جز ان موارد کہ نص اور وضو کے واجب ہونے پر دلالت کر رہی ہے(جیسا کہ استحاضہ کی بحث میں آئے گا) اگرچہ اغسال مسحبہ میں احتیاط مستحب وضو کا اضافہ کرنا ہے۔

غسل جنابت

مسئلہ ۱۴۰: جنابت جنسی عمل انجام دینے سے یا شہوت کے ساتھ منی کے باہر نکلنے سے خواہ مرد سے ہو یا عورت سے بہر حال میں اور ہر وقت ان دونوں میں ایک جنابت کا موجب ہے چہ جائیکہ ان دونوں کے درمیان جمع ہو(جنسی عمل بھی انجام دیا جائے اور شہوت کے ساتھ منی باہر بھی نکلنے پر جنسی عمل میں دخول صادق آنا کافی ہے۔)

مسئلہ ۱۴۱: منی کی تین خصوصیت ہوتی ہے کہ عام حالت میں سالم انسان سے محسوس ہوتی ہے کہ منی کا شہوت کے ساتھ اچھلنا، بدن کا سستی کی حالت میں ہونا اور اس کی بدبو ہے کہ سارے لوگ ہی جانتے ہیں ۔رہا سوال ان بیماروں میں کہ خود سست ہیں ان میں سستی کی علامت شرط نہیں ہے بلکہ شہوت اساسی شرط ہے منی کے مخصوص بو کے ساتھ بہر صورت اگر آپ یقین کر لیں کہ باہر نکلی ہوئی رطوبت

[1] چنانچہ نراقی نے سید مرتضی ، اسکافی، اور متأخرین فضلاء کے ایک گروہ سے نقل کیا ہے کہ ان میں سے ایک محقق ، علامہ حلی، مقدس اردبیلی ، خوانساری ، صاحب مدارک، وسیلہ اور ذخیرہ ہیں اور ور ابو عقیل اور ابن جانتے ہیں اور جنید بھی ان کو کافی (۱: ۴۵) اور مجلسی بحارالانوار، میں اس قول کی اکثر فقہاء کی طرف نسبت دی ہے ان صحیح روایات کی بنیاد پر جو اس کی تصریح کرتی ہے۔

شہوت کے ساتھ منی ہے تو اس پر منی کے احکام جاری ہوں گے اور اگر اس میں شک کرو تو یہ احکام جاری نہیں ہوں گے۔

مسئلہ ۱۴۲: اگر شک کرو کہ شہوت کے ساتھ باہر نکلنے والی رطوبت منی ہے یا پیشاب تو یہاں پر وضو اور غسل دونوں ہی کرنا واجب ہے کیونکہ اس مشکوک رطوبت سے جو حدث حاصل ہوتی ہے وہ حدث اصغر اور اکبر کے درمیان مردد ہے کہ اگر صرف غسل کر لو تو یہ شک ہوگا کہ شاید حدث اصغر تھی کہ تمہارا فریضہ وضو تھا نہ غسل اور صرف وضو کر لو شاید حدث اکبر تھی اور تمہارا فریضہ غسل تھا نہ وضو لہذا حدث کے برطرف ہونے پر اطمینان کرنے کے لئے غسل اور وضو دونوں ہی واجب ہے کہ ان دونوں کے درمیان مردد یقینی فریضہ ،برأت یقینی کا باعث ہے اور یہ ان دونوں کے جمع کرنے سے حاصل ہے مگر اس صورت میں کہ یہ رطوبت بدون شہوت منی کے مانند ہو یا شہوت میں شک کے ساتھ ہو کہ اگر پہلے با طہارت تھا تو اس وقت نہ وضو واجب ہے اور نہ غسل کیونکہ یہاں پر آپ کا شک دو حدث کے درمیان مردد نہیں ہے بلکہ صرف مشکوک حدث پیشاب اور نا معلوم منی ہے کیونکہ جنابت کی اصلی شرط کے شہوت ہے اس کا یقین نہیں ہے اور یہاں پر صرف احتیاط مستحب کے ساتھ رطوبت کی تطہیر ہوگی پیشاب یقیناً نجس اور اس کی منی اس صورت میں مشکوک ہے۔

مئلہ ۱۴۳: اگر منی کا استبرا کرنے کے بعد کہ پیشاب کے ذریعہ ہوتا ہے منی کی طرح کوئی رطوبت باہر آجائے کہ اطمینان بخش نہیں ہے کوئی حکم نہیں رکھتی جیسا کہ پیشاب کے سلسلہ میں بھی ایسا ہی ہے کہ اگر شک کرے کہ پیشاب یا پیشاب کے علاوہ تو اس کا بھی کوئی حکم نہیں ہے کیونکہ ''لاتقف ما لیس لک بہ علم'' کی بنیاد پر آخری فرض میں اس کا پیشاب ہونا یا پہلے فرض میں اس کا منی ہونا معلوم نہیں ہے اور مشمول قاعدہ طہارت ہے اور اگر استبراء سے پہلے ہی ایسا ہو جائے تو علم نہ ہونے کی صورت میں نہ اس پر پیشاب کا حکم لگے گا اور نہ منی کا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی معلوم نہیں ہے [1] زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس قسم کے موارد میں وضو اور غسل دونوں مستحب ہے۔

مسئلہ ۱۴۴: چنانچہ جنابت حاصل ہوگی یا نہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ (لا مستم النساء) نے ظاہراً جنابت کو اگرچہ منی نکالے بغیر جنبی عمل عورتوں کے ساتھ اختصاص دیا ہے نہ غیر عورتوں سے لیکن اگر منی نکل آئے خواہ جائز طریقہ سے یا نا جائز جس قسم کی بھی ہو اور جس طریقہ سے بھی بہر حال جنابت حاصل ہو جائے بالآخر مرد اور عورت کے درمیان جنسی عمل کے علاوہ میں مانند العیاذ باللہ لواط اور

[1] ۔ یہاں پر ایک دوسرے کے مخالف روایات میں کہ کم سے کم تساقط کا حکم رکھتی ہیں، کیونکہ آیہ حرمت کے خلاف علم کی پیروی ہے ، قابل قبول نہیں ہے۔

ما حقہ یا حیوان سے جنسی عمل منی کے باہر آئے بغیر عورتوں کے ساتھ عمل جنسی کا حکم نہیں رکھتا۔
۲): اگرچہ یہ اعمال دنیاوی اور آخروی عقاب کے لحاظ سے (عقلاً، شرعاً اور عرفاً) بہت بڑا گناہ شمار ہوتا ہے اور ان اعمال کا ارتکاب کرنے والے کا شدت کے ساتھ مواخذہ کریں گے لیکن حکم جنابت کے لحاظ سے جب تک شہتوں یا منی کی ریزش نہ ہو کوئی حکم نہیں رکھتا) کیونکہ '' لامستم النساء'' نے فرمایا ہے اور بس اور (ان کنتم جنبا) بھی اس نص کے ساتھ صرف جنسی جنابت کو مردوں کے عورتوں کے ساتھ مخصوص جانتی ہے اور اس زیادہ یہ کہ جنابت تمام جنسی روابط کے ساتھ بدون اخراج منی مشکوک ہے [1]
اور یہ (لا مستم النساء) جس نے عورتوں کے ساتھ مجامعت اور ہمبستری کرنے پر صرف غسل کو واجب کیا ہے اس بات سے اعم ہے کہ آگے سے ہو یا پیچھے سے (اگرچہ پیچھے سے حرام ہے) اور روایات(اذا التقی الختانان فقد وجب الغسل و المهر و الرجم)[2]محصور کرنے والی نہیں ہے کہ جنابت آگے سے جنسی عمل کرنے میں حاصل ہوتی ہے آخر کار (لا مستم النساء) جنابت حلال ہو یا حرام آگے ہو یا پیچھے سے تمام جنسی عمل کو شامل ہے اور مہر حرام جنسی عمل کو بھی جیسے زنا، حالت حیض میں اور نفاس یا حالت احرام یا ماہ مبارک رمضان کے روزہ کی حالت میں یہ سارے کے سارے (لا مستم النساء) کا مصداق ہوں گے۔ یہاں سے واضح ہے کہ مرد کا مرد یا حیوان کے ساتھ جنسی عمل یا عورت کا عورت کے ساتھ جنسی عمل ہو اگر منی باہر آنے کا موجب نہ ہو تو جنابت کا موجب نہیں ہے [3] کیونکہ ہمارے پاس اس حکم پر شرعی قابل قبول کوئی دلیل نہیں ہے زیادہ سے زیادہ احتیاط مستحب کا مقام ہے لیکن اس کا غسل وضو کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ استحباب بھی ثابت نہیں ہے چہ جائیکہ وجوب ثابت ہو۔

استحاضہ

مسئلہ ۱۴۵: خون استحاضہ، خون حیض اور نفاس کے بر خلاف زرد رنگ کا، سرد اور دباؤ اور سوزش کے بغیر ہوتا ہے اس بنا پر عورت کے تناسلی مقام سے آنےوالا یا زخم کا خون حیض اور نفاس اس کے علاوہ سارا خون استحاضہ ہوتا ہے۔
مسئلہ ۱۴۶: استحاضہ یا کم ہے (قلیلہ) یا زیادہ ہے (کثیرہ) یا بین بین ہے ''متوسطہ'' کہلاتا ہے کم یہ ہے کہ صرف روئی کے اوپری حصہ کو آلودہ کرےکہ

---

[1] ۔ چنانچہ محقق نے معتبر کتاب میں تصریح اور کتاب نافع میں تردید کی ہے اور سید مرتضی نے بھی فتوی دیا اور اس پر اجماع مرکب کا ادعا کیا ہے اور واحد روایت جو اس مورد میں جنابت کو ثابت کرتی ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کافی کی روایت ہے کہ آپ نے رسول خدا سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا ہے: اگرکوئی کسی لڑکے سے مجامعت کرے وہ قیامت کے دن جنابت کی حالت میں محشور ہوگا لیکن یہ روایت اکیلی ہونے کے باوجود متعلقہ آیت کے بر خلاف ہے اور ریزش منی کی توجیہ کے قابل ہے بنابرایں اس صورت میں جنابت غسل سے برطرف ہو جائے گی ، اس اصل کی بنیاد پر قیامت میں جنابت کی حالت اس عمل کی شدت حرمت ہے۔
[2] ۔اور حدیث (الرجل یاتی اهله من خلفها قال هو احد الماتین فیها الغسل بھی اس شمولیت کی تائید کر رہی ہے۔
[3] ۔ حیوان کے ساتھ عمل جنسی انجام دینے میں جنابت کی نفی منی نہ نکلنے کی شرط کے ساتھ شیعوں میں شیخ طوسی اور اہل سنت میں ابو حنیفہ موافق ہیں۔

غالباً بلوغ سے پہلے یا حیض و نفاس کی عادت کے استمرار میں یا یائسہ ہونے کے بعد حاملہ ہونے کے اور دوران آتا ہے ، متوسطہ روی کے اندر کو بھی آلودہ کر دیتا ہے اور زیادہ (کثیرہ) وہ ہے کہ روئی سے باہر نکل جاتا ہے۔
مسئلہ ۱۴۷: استحاضہ قلیلہ میں ہر نماز کے لئے ایک وضو ہے کہ روئی کو بھی ہر وضو میں بدل دے یا تطہیر کرے اور شرمگاہ کو بھی دھوئے۔
مسئلہ ۱۴۸: استحاضہ (کثیرہ) یعنی زیادہ خون آنے پر ہر نماز میں وضو اور غسل کے درمیان جمع کرنا واجب (یعنی ہر نماز کے لئے وضو بھی کرے اور غسل بھی) مگر یہ دو نماز ایک جگہ پر ایک ساتھ بدون وقفہ پڑھے تو پھر ایسی صورت میں ایک وضو اور ایک غسل کافی ہے اور نماز یومیہ (روزانہ) کے لئے تین وضو اور تین غسل کے درمیان جمع کرنا واجب ہے بالآخر اگر تینوں نماز کی نوبت میں استحاضہ قلیلہ تھا تو اس کا حکم بھی صرف ہر نماز کے لئے ایک وضو ہے اور سارے کا سارا استحاضہ متوسطہ تھا تو نماز صبح کے لئے وضو کے علاوہ صرف ایک غسل کافی ہے اور نماز ظہرین اور مغربین کے لئے صرف وضو کافی ہو گا۔
اور اگر استحاضہ کثیرہ ہے تو ہر نماز کے لئے وضو اور غسل کے درمیان جمع کرنا واجب ہے (یعنی ہر نماز کے لئے وضو بھی کرے اور غسل بھی) مگر جمع کی صورت میں اگر ان تینوں نوبت میں دو طرح یا تین طرح کا استحاضہ تھا تو اس کا فریضہ بھی استحاضہ کی قسموں کے اعتبار سے ہوگا اور بہر صورت استحاضہ حدث اصغر اور وضو کو باطل کرتا ہے اور استحاضہ کثیرہ سب کو اور متوسطہ نماز صبح کے لئے مجموعی طور پر دو حدث ہے (لہذا ایک وضو اور ایک غسل ضروری ہے)
مسئلہ ۱۵۰: یہ وضو اور غسل وقت نماز داخل ہونے اور نماز پڑھنے کے وقت انجام دیئے جائیں ورنہ اس کے علاوہ درست نہیں ہے مگر وقت کے بعد کسی عذر کی صورت میں (کہ وقت کے بعد وضو یا غسل کرے تو مشکل کا سامنا ہوگا)
مسئلہ ۱۵۱: اگر معلوم نہ ہو کہ اس وقت اس کا استحاضہ کس قسم کا ہے تو اسے نماز سے پہلے اپنے خون کی جانچ کرنی چاہئے کہ یہ کسی قسم کا استحاضہ ہے تاکہ اس وقت نمازسے پہلے اسی استحاضہ موجود سے مخصوص فریضہ پر عمل کرے۔
مسئلہ ۱۵۲: حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام اس صورت میں ہیں کہ خون ان حالات میں خارج ہو؛ کیونکہ جو خون باطن میں ہے کچھ بھی ہوجب ظاہر نہیں ہوتا اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا جیسے منی کہ باہر نکلنے سے پہلے اس پر کوئی حکم نہیں لگتا اس فرق کے ساتھ کہ جنابت میں جب تک غسل انجام نہ دے اس کا اثر اسی طرح باقی ہے ، لیکن استحاضہ میں اگر نماز کے وقت سے پہلے عورت استحاضہ ہو جائے اور نماز کے وقت میں خون سے پاک ہو جائے تو اس پر کوئی قسم کا غسل

واجب نہیں ہے صرف خود کو خون سے پاک کرے اس کے بعد وضو کرے اور اپنی نماز پڑھے کہ معیار اس کی موجودہ حالت ہے۔
مسئلہ ۱۵۳: مستحاضہ کا وضو جب تک کہ دوبارہ کوئی خون نہ آجائے وہ وضو اپنی قوت پر باقی ہے اور اس سے اپنی دیگر نمازیں پڑھ سکتی ہے مگر کسی دوسری وجہ سے اس کا وضو باطل ہو جائے۔
مسئلہ ۱۵۴: مستحاضہ عورت کی نماز اپنی توانائی اور امکان کے بقدر اپنا خون پاک کئے بغیر یا وضو اور غسل کے بغیر یا اس کے موارد میں غسل کا اضافہ کئے بغیر باطل ہے لیکن اس کا روزہ صحیح ہے ، کیونکہ روزہ کے بطلان پر ایک غیر معتبر خبر کے کوئی اور دلیل نہیں ہے اس کے روزہ کی صحت کے مویدات میں سے یہ ہے کہ غسل جنابت روزہ کی صحت کے لئے واجب نہیں ہے چہ جائیکہ وضو یاغسل استحاضہ
مسئلہ ۱۵۵: جو عورت استحاضہ کثیرہ کی حالت میں ہے اور اس بات کا احتمال دیتی ہو کہ نماز کا وقت ختم ہونے تک اس کا استحاضہ ، متوسطہ یا قلیلہ میں تبدیل ہو جائے گا یا پاک ہو جائے گی یا استحاضہ متوسطہ کی حالت میں اور یہ احتمال دیتی ہو کہ نماز کے آخری وقت تک اس کا استحاضہ قلیلہ میں تبدیل ہو جائے گا یا پاک ہو جائے گی تو اس پر نماز پر نماز کے آخری وقت تک انتظار کرنا واجب ہے اور قلیلہ کے حکم پر یا پھر اس وقت طہارت کے حکم پر عمل کرے گی۔
مسئلہ ۱۵۶: احکام استحاضہ اس وقت انجام دئیے جائیں جب خون آنا بند ہو جائے یا کم ہو جائے بہر صورت خون کا مقام دھویا جائے اور خون بند ہو جانے کے بعد اس کے احکام سب سے پہلی نماز سے مخصوص ہیں۔
مسئلہ ۱۵۷: اگر نماز کی تین نوبت میں تین مختلف استحاضہ رونما ہو تو ہر ایک کے لئے اس سے مخصوص حکم کی رعایت کی جائے اور بالآخر ہر استحاضہ کے خصوصی احکام اس نماز سے مخصوص ہیں جو بجا لائی جا رہی ہے۔
مسئلہ ۱۵۸: مستحاضہ کے ساتھ ہمبستری کرنے اور اس کے وضو اور غسل کے بغیر مسجد میں داخل ہونے کی حرمت پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور اسی طرح آیات سجدہ کے پڑھنے پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ خود ان سب کے جواز پر ایک دلیل ہے۔

حیض

مسئلہ ۱۵۹: خون حیض وہ خون ہے جو معمولاً ہرماہ میں چند روز عورت کے مقام تناسلی سے خارج ہوتا ہے اوراکثر اوقات غلیظ ، گاڑھا گرم اور سرخ رنگ یا نیلے رنگ کا ہوتا اور دباؤ اور کچھ سوزش کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا زمانہ بلوغ کے بعد یائسہ ہونے سے پہلے تک ہے۔

مسئلہ ۱۶۰: جو لڑکی یہ شک کر رہی ہو کہ بالغ ہوئی ہے یا نہیں اور وہ عورت کے جو اپنے یائسہ ہونے کے بارے میں نہیں جانتی ہے کہ یائسہ ہوئی ہے یا نہیں اگر حیض کی علامتوں کا خون دیکھے تو دونوں ہی حیض کا حکم پر عمل کریں گی اور یہی خون لڑکی کے بالغ ہونے اور عورت کے یائسہ نہ ہونے کی علامت ہے۔

حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سےزیادہ دس سے ۸ دن تک ہے اور ظاہراً ایام حیض کا متصل ہونا (پے در پے آنا) شرط نہیں ہے۔[1] کہ ا گر حیض کے مقرر وقت پر کوئی خون خارج ہو اگرچہ پے در پے نہ ہو وہ حیض کے حکم میں ہے اگرچہ یہاں پر احتیاط شدید احکام حائض اور استحاضہ کے درمیان جمع کرنا ہے کہ مثلاً رمضان کا روزہ بھی رکھے اور اس کی قضا بھی کرے اگرچہ ظاہراً اس کی قضا واجب نہیں ہے کیونکہ حیض ہونا ہی مسلم نہیں ہے اور حیض کے سن میں سید اور غیر سید کے درمیان فرق نہیں ہے کہ حس اور ڈاکٹری علم بھی اس کی تائید کرتا ہے[2]

مسئلہ ۱۶۱: یہ تین دن یا اس سے زیادہ دس دن کے اندر ہو کیونکہ اگر دس دن سے زیادہ ہوگا تو وہ حیض کا حکم نہیں رکھتا اور طبیعی طور پر کوئی دوسرا خون ہے اور یہاں پر بھی شدیدا احتیاط ہے کہ ۱۵ ویں سے ۱۸ ویں دن تک حائض اور مستحاضہ کے احکام کے درمیان جمع کیا جائے البتہ جب یہ خون دس دن سے زیادہ خون حیض کے اوصاف رکھتا ہو۔

مسئلہ ۱۶۲: جس عورت کے حیض آنے کی وقت معین ہو مثلا ۷ دن یا اس سے زیادہ یا کم تو پھر مخصوص وقت کے بعد یہ خون کے دیکھنے کی صورت میں (کہ خون حیض کے صفات نہیں رکھتا) مستحاضہ محسوب ہوگی مگر یہ کہ عاقلانہ احتمال دے کہ اس کی ماہانہ عادت بدل گئی ہے۔ اسی طرح وہ عورتیں جن کی پاکی کا کوئی معین وقت نہیں رکھتیں اگر ان عورتوں کے دو حیض کے درمیان دس دن سے زیادہ کا فاصلہ ہو تو حائض ہوں گی ورنہ مستحاضہ ہیں۔

مسئلہ ۱۶۳: جن دنوں میں (دس دن کے درمیان) خون نہیں آتا اور خون آنےکے دنوں میں فاصلہ ہے تو احتیاطاً حائض اور مستحاضہ کے احکام کے درمیان جمع کرے۔[3] کہ مثلا نمازپڑھے اور روزہ رکھے پھر حیض تمام ہونےکے بعد دوبارہ روزہ رکھے جبکہ یہاں پر ظاہراً روزہ کی قضا واجب نہیں ہے، کیونکہ حیض بھی ثابت نہیں ہے۔

---

[1] ۔ اصباح الشیعہ کتاب میں اس فتوی کو '' قیل'' کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے جواس مسئلہ کے اختلافی ہونے کی طرف اشارہ ہے اورکتاب الوسیلہ میں ابو حمزہ طوسی کہتےہیں : ''روایت کی گئی ہے'' علامہ نے تذکرہ میں فقہاء شیعہ کے ایک مختصر گروہ کی طرف نسبت دی ہے شیخ طوسی کی طرح نہایہ میں اور معاصرین میں سے آقائے سید احمد اخوانساری اور شریعت مداری ، گلپائگانی اور میلانی احتیاط واجب جانتے ہیں کہ حائض ور مستحاضہ کے احکام کے درمیان جمع کرے اورسید محمد کاظم طبا طبائی صاحب عروۃ الوثقی اورسید ابو الحسن اصفہانی کی نظر میں تین دن تک عرفی اتصال کافی ہے اور تین دن پے در پے آنے پر کوئی روایت نہیں ہے روایت رضوی کے علاوہ لیکن تمام روایات ان تین دن کی شرط سے خالی ہیں۔

[2] ۔ معاصرین میں آقائے خوئی اس نظریہ کےموافق ہیں۔

[3] ۔ معاصرین میں آقائے گلپائیگانی احتیاط واجب کرتےہیں۔

مسئلہ ۱۶۴:اگر حیض کےمخصوص زمانہ میں مستحاضہ کے مانند خون آئے تو اس پر استحاضہ کا حکم لگے گا۔

مسئلہ ۱۶۵: اگرچہ حائض عورت سے ہمبستری کرنا حرام ہے لیکن ظاہراً توبہ کے سوا کوئی اور کفار نہیں ہے۔ [1]

مسئلہ ۱۶۶: اگر ڈاکٹری دواؤں یا دیگر وسائل سے حیض کو روکا جائے تو اس پر حیض کے احکام جاری نہیں ہیں اور اگر مذکورہ روکنے والی دوائیں یا اسباب حیض کی تعداد ماہانہ معمول سے زیادہ اور دنوں کو کم کر دیں اس طرح سے کہ ۳ حیض اور۳ طہر جمعاً ۲۹ دن کی مدت میں واقع ہوں قطعاً عدہ طلاق بھی کہ نص (قرآن کریم) کے مطابق تین طہر تین حیض ہے ، واقع ہو سکتی ہے۔ اور عدہ طلاق تمام ہو جائے گا اور اگر کچھ وسائل سے خون حیض کو روک دیں اگرچہ مہینہ طولانی ہوجائیں تو یہاں پرحیض کا حکم جاری نہیں ہوگا ، بلکہ خون بند ہونےمیں عدہ طلاق کےلئے اس صورت میں تین ماہ انتظار کریں مگر حاملہ نہ ہونے کی یقین کی صورت میں کہ ایسی صورت میں عدہ بھی نہیں ہوگا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ طواف کی غرض سے حیض میں تأخیر کرنے کے لئے دوا کا استعمال جائز ہے بہر صورت حیض کا ظاہری خون احکام حیض کا حکم رکھتا ہے۔

مسئلہ ۱۶۷: جو چیزیں مجنب پر حرام ہیں وہ تمام چیزیں حائض پر بھی حرام ہیں اس کے علاوہ ہمبستری اور جنسی عمل خواہ آگے سے یا پیچھے سے وہ بھی حرام ہیں۔[2] بلکہ حائض عورت سے ناف سے زانو تک ہر شہوانی رابطہ بھی اس کے دائرہ میں ہے لیکن عورت کے باقی اعضائے بدن سے شہوانی رابطہ جیسے بوسہ و کنار ، چھونا اور اس کے جیسے امور اگرچہ ان کا ترک کرنا مورد احتیاط اور مستحب ہے لیکن واجب نہیں ہے اور '' قل ھو اذی'' سے حرمت کے اعتبار سے حائض عورت سے ہر قسم کی ہمبستری سمجھ میں نہیں آتی کہ عورت سے ہر قسم کی اذیت اور نقصان اور جنسی عمل بھی کیونکہ '' اذی'' مطلق ہے اور کوئی خاص خصوصیت نہیں رکھتا خواہ عورت کے لئے اذیت ہو یا مرد کے لئے خواہ دونوں کےلئے یہ زیادہ ہی حرام ہے خواہ حیض کی حالت میں ہو کہ اس کی حرمت دو جہت سے ہے یا حال حیض میں نہ ہو کہ '' اذی'' کی جہت سے اس کی حرمت ایک بُعدی ہے۔

---

[1] ۔ آقائے خوئی ، آقائے گلپائیگانی ، آقائے شریعت مداری، اور آقائے منتظری اس فتوی کے موافق ہیں اور مرحوم آقائے خمینی حائض کے ساتھ پیچھے سے جنسی عمل انجامدینے پرکفارہ کے قائل نہیں ہیں۔

[2] ۔ جیسا کہ ازدواج کے باب میں آئے گا، اپنی بیوی کےپچھلے حصہ سے جنسی عمل انجام دینا کلی طور پر حرام ہے، کیونکہ ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُواْ حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُواْ لأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّكُم مُّلاَقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ کیونکہ عورتوں کو نسل بڑھانے کاذریعہ اور کھیتی جانا ہے اور یہ عورت کے پچھلے اگلے حصہ پر منحصر ہے۔ حائض عورت کے پچھلے حصہ سےجنسی عمل انجام دینے کو شیخ انصاری ، میرزا محمد تقی شیرازی ، صاحب العروۃ الوثقی ، سید اسماعیل صدر، سید محمد حسن شیرازی ، سید ابوالحسن اصفہانی کی حرمت کے بارے میں احتیاط واجب کہا ہے اور مرحوم آقا بروجردی نے اس عمل کی حرمت پر فتوی دیا ہے اور عورت کے ناف سے زانو تک تمام شہوانی رابطہ کی حرمت پر سید مرتضی اور مقدس اردبیلی نے اپنی کتاب آیات الاحکام میں اور شافعی ابو حنیفہ اور یوسف نے فتوی دیا ہے۔

مسئلہ ۱۶۸: عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام اور باطل ہے مگر اس وقت کہ عورت کے حال کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ہو اور اس معلومات کے لئے کوئی ذریعہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں اسے طلاق دی جا سکتی ہے بشرطیکہ تمام تحقیقات کےباوجود عورت کے حالات جاننے کا کوئی اور چارہ اور وسیلہ نہ ہو اوراگر اس طلاق کے بعد سمجھ جائے کہ عورت حیض کی حالت میں تھی تو اسے طلاق کی طہارت کی حالت میں تجدید کرنی چاہئے۔

مسئلہ ۱۶۹: اگر عورت کو معلوم ہو کہ وقت نماز کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد حائض ہو جائے گی تو اس پر حیض آنے سے پہلے نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر دانستہ یا نادانستہ اپنی نماز نہ پڑھے اور حیض آ جائے تو وہ پاک ہونے کے بعد نماز کی قضا کرے

مسئلہ ۱۷۰: غسل استحاضہ کے علاوہ غسل حیض دیگر غسلوں کی طرح وضو کی طرف سے کفایت کرے گا۔

مسئلہ ۱۷۱: روزانہ کی نمازوں کے اوقات میں حائض عورت پر وضو کرنا واجب ہے اور نماز کے وقت میں رو بقبلہ بیٹھ کر نماز کے بقدر ذکر کرے اور چونکہ یہ وضو ظاہری طہارت اور صحیح وضو سے ایک شباہت ہے بنابرایں ناخن پالش اور نیل پالش ظاہراً اس سے مانع نہیں ہے۔

نفاس

مسئلہ ۱۷۲: وہ خون جوولادت کے وقت سے ۱۰ دن تک عورت کےمقام ولادت سے خارج ہوتا ہے اسے خون ’’ نفاس‘‘ کہتے ہیں اور ولادت سے مراد یہ نہیں ہے کہ بچہ صحیح سالم جنے بلکہ اس حد تک کہ کہا جائے ولادت ہوئی ہے خواہ بچہ سالم ہو یا ناقص ، زندہ ہو یا مردہ کہ اگر رہ جاتا تو بچہ کامل ہوتا اتنا ہی کافی ہے۔[1] اورجب اسے ولادت نہ کہیں جیسے یہ کہ صرف ’’علقہ‘‘ (جما ہو خون) دفع ہو جائے تو یہ ولادت اور جننا نہیں کہا جاتا یا یہ کہ ولادت میں شک ہوتو وہ خون نفاس نہیں ہے، بالآخر نفاس صرف وہ خون ہے کسی بھی قسم کی ولادت کے وقت خارج ہوتا ہے اور اگر خون کے بغیر ولادت ہو جائے تو نفاس نہیں ہے صرف وہ خون نفاس کہلاتا ہے جو ولادت کے ہمراہ ہویا اس کے بعد کہ ولادت کے حساب سے ہے آئے تو نفاس ہے اور بس۔

مسئلہ ۱۷۳: خون نفاس کی کم سےکم مدت تک ایک آن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت حیض کی اکثر مدت کہ دس دن ہے کہ بقدر ہے اور احتیاطاً ۱۸ دن تک ہے۔

مسئلہ ۱۷۴: جو چیزیں حالت حیض میں حرام ہیں وہ تمام چیزیں نفاس میں بھی حرام ہیں کہ منجملہ اس کا طلاق دینا اور اس سے ہمبستری کرنا ہے۔

---

[1] ۔ ولادت کے سلسلہ میں عرفی صدق نفاس کی شرط ہے: مرحوم آقائے خوئی اور آقائے منتظری۔

مسئلہ ۱۷۵: اگر ولادت کے بعد دس دن سے زیادہ خون آئے اور ۱۸ دن تک جاری رہے چنانچہ اس کے حیض کی معین عادت ہو تو اسی عادت کے بقدر نفاس اور باقی استحاضہ ہے یا آپریشن کا خون ہے اور اگر کوئی معین عادت نہ رکھتی ہو تو خونریزی کی تمام مدت ۱۸ روز تک نفاس ہے چنانچہ اگر ۱۸ دن سے بھی آگے بڑھ جائے تو باقی استحاضہ یا دیگر زخموں کا خون ہوگا۔

غسل مس میت

مسئلہ ۱۷۶: اگر کسی مردہ انسان کے جسم سے اسے غسل دینے سے پہلے مس ہو جائے جس صورت میں اور جس حال میں مس کرو تو غسل مس میت واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۱۷۷: اس مردہ کوچھونے میں کہ ابھی اس کا جسم ٹھنڈا نہیں ہوا ہے یا جس عضو کو چھوا ہے وہ ابھی گرم ہے تو غسل مس میت واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۷۸: اپنے بال کا میت کے بال سے مس کرنا یا بدن کا میت کے بال سے مس ہو جائے کہ غسل واجب نہیں ہے، کیونکہ میت کے بال کا حکم میت کا حکم نہیں رکھتا اور نجس بھی نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۷۹: اگر زندہ یا مردہ انسان کا کوئی عضو(اس سے) جدا ہو جائے خواہ ہڈی ہو یا ہڈی پر مشتمل گوشت یا خالص گوشت ہو تو ایسا عضو خود مردہ کا حکم رکھتا ہے البتہ انہی گذشتہ مشروط کے ساتھ اور ظاہراً مردہ کے عضو کا ہڈی پر مشتمل ہونا شرط نہیں ہے اور یہاں پر احتیاط بہت مناسب ہے۔

مسئلہ ۱۸۰: میت کو تینوں غسل دئیے جانے کے بعد اس کے مس کرنے پر غسل واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۸۱: غسل مس میت بھی (غسل استحاضہ کے علاوہ) تمام غسلوں کی طرح وضو کی ضرورت نہیں ہے (اس غسل سے بھی وہ تمام کا بغیر وضو کے انجام دے سکتا ہے جن میں وضو شرط ہے)۔

مسئلہ ۱۸۲: اور اس حال میں (مس میت کرنے کی صورت میں) غسل سے پہلے کسی مسجد میں داخل ہونا یا قرآن کی تحریر اور اس کے حروف اور اسمائے الٰہی کا چھونا حرام ہے (لا یمسہ الا المطھرون) کی وجہ سے (۵۶: ۷۹) اور جس شخص پر غسل مس میت واجب ہے وہ '' مطھرون'' میں سے نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۸۳: اس صورت میں غسل میں میت واجب ہوتا ہے کہ مس کرنا یقینی ہو اور شک کی صورت میں اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ اور اگر شک کرے کہ جس میت کو دفن کیا گیا ہے اسے غسل دیا گیا تھا یا نہیں اگر وہ (میت) مسلمانوں کے قبرستان یا مسلمانوں کے ہاتھوں یا مسلمانوں کے شہر یا محلوں میں دنف کیا گیا ہو ان اسلامی حالات میں تو اس کے ظاہر حال کا مقتضی یہ ہے کہ اسے غسل دیا گیا ہے مگر یہ کہ

وہ جان لے کر اسے غسل کے بغیر دفن کر دیا گیا ہے تو امکانی صورت میں غسل میت اور مس میت دنوں ہی واجب ہے۔

غسل میت

مسئلہ ۱۸۴: شریعت اسلام میں ایک واجب غسل ،مسلمان مردہ کو غسل دینا ہے اس شرط کہ ساتھ کہ وہ اسلامی معرکہ میں شہید نہ ہوا ہو اور یہ ان غسلوں میں سے ہے کہ تمام مسلمانوں پر بعنوان واجب کفائی واجب ہے اور امکانی صورت میں پہلے مضاف پانی ہے اس کے بعد بیری کے پانی سے مطلق پانی سے اسے خارج نہ کرے اور اسی معیار پر تیسری مرتبہ کافور کے پانی سے غسل دیں۔

مسئلہ ۱۸۵: اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں سعی تمام کرنے سے پہلے یا عمرہ کے احرام میں تقصیر سے پہلے مر جائے تو اسے آب کافور سے غسل نہیں دینا چاہئے۔ صرف پہلے خالص پانی سے اس کے بعد بیری کے پانی سے اور اسے تیسرا غسل بھی (کافور کے پانی کے بجائے) خالص پانی سے غسل دیا جائے گا۔

مسئلہ ۱۸۶: چار ماہ اور اس سے زیادہ عمر کے مردہ کو غسل دینا واجب ہے اور احتیاط واجب کی بنا پر چار ماہ سے کم مردہ کو بھی کہ جسم کامل ہو چکا ہے یا چار ماہ یا اس سے زیادہ کہ اس کا بدن کامل نہیں ہے یہی حکم ہے اور یہاں پر ماں جس نے اس بچہ کو پیدا کیا ہے اسے غسل مس میت کرنا چاہئے ۔

مسئلہ ۱۸۷: غسل دینے والا کا مسلمان اور مردہ کی جنس سے ہونا واجب ہے میاں اور بیوی کے علاوہ اور ایسا بچہ کو غسل دینے والا کا اس کی جنس سے ہونا لازم نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۸۸: اگر مردہ کو غسل دینے کے لئے کوئی مناسب ہم جنس نہ ملے تو محارم اسے غسل دے سکتے ہیں بشرطیکہ لباس کے اوپر سے غسل دیا جائے اور میت کی شرمگاہ بھی ہر صورت پوشیدہ رکھی جائے اور چنانچہ غسل دینے کے لئے محرم یا ہم جنس نہ ملے تو ایسی صورت میں ایک چادر میں رکھ کر اس کے چاروں کونوں کو پکڑ کر غسل ارتماسی کے عنوان سے تین غسل کی نیت کے ساتھ (اس شرائط کے ساتھ) تین بار اسے سرگانہ پانیوں کے اندر لے جایا جائے باہر نکالا جائے اور یہ کافی ہے۔

مسئلہ ۱۸۹: غسل میت ان واجبات میں سے ایک ایسا واجب ہے جس کی اجرت لینا حرام ہے اور جب غسل دینے والا غسل دینے کی اجرت لے تو اگر قصد قربت کرے کہ امر الہی کو انجام دینے نہ اجرت کے لئے غسل دے تو یہ غسل صحیح لیکن جو اس نے اجرت لی ہے وہ حرام ہے۔

مسئلہ ۱۹۰: پانی میسر نہ ہونے کی صورت میں ہر غسل کے بدلے تیمم کرایا جائے اور اگر بالکل پانی ہی نہ ہو تو ہر غسل کے بجائے تیمم کرنا واجب ہے اور اگر صرف ایک غسل دینے کے بقدر پانی موجود ہو تو پہلا غسل پانی سے اور دوسرے دو

غسلوں کے بدلے تیمم کر دیا جائے اور اگر دوسرے اور تیسرے غسل کے لئے بیری اور کافور موجود نہ ہو یا ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو ان کے لئے بھی مضاف پانی سے غسل دینا کافی ہے۔

مسئلہ ۱۹۱: مردہ کو تیمم کرانے میں بھی زندہ کی طرح کہ خودش نہیں کر سکتا ، خود مردہ کے ہاتھوں سے انجام دے مگر اس صورت میں جب مشقت اور حرج کا موجب ہو۔

مردوں کے تمام احکام

مسئلہ ۱۹۲: مسلمان مردہ کو غسل دینے کے بعد اسے پاک اور مباح تین کپڑوں میں کفن دینا چاہئے اور یہاں پر بھی نماز گزار کے لباس کے تمام شرائط ، شرط ہے اس کے علاوہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح حریر کے کپڑے کا کفن نہیں دیا جا سکتا۔

مسئلہ ۱۹۳: غسل اور کفن پہنانے کے بعد ایک مباح جگہ پر اسے دفن کیا جائے اس طرح سے کہ اس کا بدن چھپ جائے اس درجہ کہ درندوں کی رسائی ، اور جسم کی بدبو سے بدن کے باہر آنے اور محفوظ رہے، مردہ مؤمن کا احترام اسی طرح واجب ہے جس طرح زندہ کا احترام واجب ہے۔

مسئلہ ۱۹۴: مسلمان میت کو (غیر منافق) غسل دینے یا تیمم کرانے، حنوط کرنے، کفن دین کے بعد کہ اس کا حکم مردوں، پر نماز پڑھنے کے احکام میں آئے گا دفن کرنے کے لئے قبر میں اس کے داہنے پہلو کے اس طرح بل لٹائیں کہ اس کے بدن کا اگلا حصہ رو بقبلہ ہو۔

مسئلہ ۱۹۵: جو شہید محاذ اور معرکہ جنگ میں جان دے دے اس کو غسل اور کفن غسل دینا واجب نہیں ہے اور اس کے جنگی لباس میں ہی اس پر نماز پڑھیں گے اس کے بعد اسی لباس میں اسے سپرد لحد کر دیا جائے گا۔

مسئلہ ۱۹۶: مردہ مسلمان کے جسم کا احترام زندہ کی طرح واجب ہے اور اسے اذیت کرنا حرام ہے، کہ اسے جلایا جائے یا گرم کیا جائے، ٹھنڈا کیا جائے اسے پھینک دیا جائے اور اس کے مانند (مگر شرعی ضرورت کے وقت) جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۹۷: میت کو غسل اور کفن دینے، اس پر نماز پڑھنے اور اس دفن کرنے کے لئے اس کی اجرت لینا حرام ہے مگر تلقین میت یا نماز وحشت یا اس جیسے مستحب امور کے لئے۔

مسئلہ ۱۹۸: سدر، کافور،کفن کا فروخت کرنا اور میت کی قبر کھودنے کے لئے اجرت لینا جائز ہے۔

مسئلہ ۱۹۹: اگرمیت فقیر نہ ہو تو سدر اور کافور کے پانی، کفن کے کپڑے کی قیمت اور دفن کرنے کی جگہ کی اور قبر کھودنے کی اجرت اس کے اصل مال سے

لینا واجب ہے مگر یہ کہ کوئی دوسرا مذکورہ اخراجات ادا کر دے یا اپنے ثلث مال سے وصیت کر دے۔

مسئلہ ۲۰۰: میت کا اشرف جگہ سے کسی شریف جگہ پر یا اس سے کمتر جگہ پر منتقل کرنا حرام ہے مثلا مشہد مقدس رضوی سے کسی میت کو قم منتقل کرنا جائز نہیں ہے حتی اگر اس نے وصیت بھی کی ہو لیکن شریف جگہ سے اشرف کی جگہ جائز ہے اور سب مسئلہ اس وقت تک ہے کہ ابھی میت دفن نہ ہوئی ہو ورنہ کسی صورت انتقال جائز نہیں ہے ، کیونکہ نبش قبر کا باعث ہو اور نبش قبر حرام ہے۔

غسل جمعہ

مسئلہ ۲۰۱: واجب غسلوں میں سے ایک واجب غسل جمعہ ہے [1] بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو نماز جمعہ میں شرکت کرتے ہیں اور دیگر تمام واجب اور مستحب غسلوں کی طرح وضو کے لئے کفایت کرتے ہیں (اس کے بعد وضو کی ضرورت نہیں ہے) '' ایُّ وضوءٍ انقی من الغسل'' کونسا وضوغسل سے زیادہ پاک اور پاک کرنے والا ہے۔ تمام غسلوں کو شامل ہوگا۔ اور صحیح اور بہت ساری روایات کے مقابلہ میں غسل جمعہ کےواجب نہ ہونے کی شہرت اس حکم کے نقض کرنے میں ہرگز کوئی اثر نہیں رکھتیں۔

مسئلہ ۲۰۲: غسل جمعہ ادا کرنے کا وقت سب سے پہلے طلوع فجر سے ظہر تک ہے واجب اوّلی ہے اور ظہر جمعہ کے بعد غروب تک واجب ہے اوراس کے بعد اگرکوئی معذور شخص نہ کر سکے تو ہفتہ کی طلوع فجر سے روز جمعہ کی طلوع فجر تک غسل جمعہ کی واجب قضا کو انجام دے ۔ ہفتہ کے غروب تک اس پر قضا واجب ہے اور ہر صورت وضو کے لئے کافی ہے مگر یہ کہ عذر شرعی کے بغیر جمعرات کو جبکہ جمعہ کے دن عسر و حرج کے بغیر غسل کر سکتا تھا، یہ غسل انجام دے لیکن یہاں پر وضو کے لئے کافی نہیں ہے۔

تیمم

مسئلہ ۲۰۴: تیمم وضو اور غسل کے عوض ایک اضطراری بدل ہے جو نماز شب کے وہاں پر اضطرار بھی شرط نہیں ہے اور اس کے اصل لغوی میں ایتمام کے ساتھ مقصد کے معنی میں ہے اور یہاں پر اس کا مرود سورہ نساء کی ۴۳ ویں آیت (فلم تجدوا ماءً تتیمموا صعیداً) ہے کہ (لم تجدوا ماءً) کی صورت میں اگر تمہیں پانی نہ ملے تو ایسا فیصلہ کرنا واجب ہے کہ پاک مٹّی کا سہارا لینا اور چہرہ کے بعض حصہ اور دونوں کو اس پر ملنا ہے اور یہ غسل کے بدلہ یہ عمل وضو ضرورت کے موقعوں پر واجب ہے یہاں پر '' فلم تجدوا ماءً'' پس اگر تمہیں پانی نہ ملے، دو قسم کی دلالت

[1] ۔اس نظریہ کے موافقین میں سے مرحوم شیخ صدوق (۱: ۵۴) نیز شیخ مفید نے مقنعہ میں اسے ایک واجب جانا ے اور خود آیات اور صحیح روایات غسل آیات کا مقتضی ہے اور فقہائے اہل سنت میں حسن بصری اور داود نے اسے واجب جانا ہے۔

رکھتی ہیں اول یہ کہ پانی کی تلاش کرو پھر یہ پانی کا نہ ملنا عقلی، عادی، شرعی، اور اس کے مانند ان سب کو شامل ہے۔
بنابرایں اگر پانی دسترس میں وہ لیکن اس کے استعمال کرنے سے شرعی مانع ہو کہ یا مباح نہیں ہے یا نقصان دہ ہے یا انسان یا حیوان کی جان کو تشنگی کی وجہ سے خطرہ ہو یا تم کوعسر و حرج کا سامنا ہو یا اگر پانی کا استعمال کرتے ہو تو نماز کا وقت نکل جائے گا یا کوئی بھی دوسرا شرعی مانع ان تمام موارد میں تمہارے لئے ''لم تجدوا ماءً'' صادق ہے بالآخر اس کے صحیح اور عام معنی یہ ہیں کہ وضو کرنے یا غسل کرنے سے تمہارے پاس کوئی نہ کوئی عذر ہے، بنا برایں اگر ابھی پانی تمہاری دسترس میں ہے لیکن اس کے استعمال سے شرعی یا عرفی عذر رکھتے ہو تو ''فلم تجدوا ماءاً) کے مصداق ہو ، لیکن اگر اس وقت پانی تمہاری دسترس میں نہیں ہے لیکن آخر وقت تک نماز پڑھنے کے لے فرضت ہو اور مباح پانی تک رسائی کا امکان رکھتے ہو تو پھر '' فلم تجدوا ماءاً) کے مصداق نہیں ہو۔
مسئلہ ۲۰۴: اگر کسی بھی طریقہ سے طہارت کے قابل پانی تک تمہاری رسائی ہے تو اگر عسر و حرج نہ رکھتے ہو تو تم پر اس کی فراہمی کرے کوشش کرنا واجب ہے خواہ ایک تیر کے بقدر (تلاش کرنی پڑے) یا دس تیر کے یہاں تک کہ سو تیر تک بھی ہو اور عسر و حرج کا سامنا نہ ہو تو پانی حکم کا موضوع ہے صرف عاقلانہ احتمال کہ آخر وقت سے پہلے تک نماز کے آخر وقت سے پہلے پانی ملنے کا تمہارے لئے ہر رخ سے امکان ہو تو یہ احتمال پانی کی تلاش کرنے اور اس کا انتظار کرنے کے لئے کافی ہے [1] اور یہ جستجو و تلاش صرف مکلف سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر ممکن اور جائز وسیلہ سے (تلاش) واجب ہے۔
مسئلہ ۲۰۵: اگر اس وقت تمہارے لئے پانی کا استعمال نقصان دہ ہو لیکن آخر وقت تک نماز کے بقدر وقت کافی بچ جائے اور یہ نقصان دہ حالت کو برطرف کر دو تو اس رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کرنا واجب ہے کہ یہ معالجہ بھی اصل میں آپ پر واجب ہے اور نماز کی طہارت انجام دینے کے لئے بھی۔
مسئلہ ۲۰۶: چونکہ '' فلم تجدوا ماءاً) کے بعد فتیمموا صعیداً '' نے تم پر تیمم کو واجب کیا ہے، بنابرایں اگر پانی سے طہارت کرنا ممکن نہ ہوا اور اپنی نمازتیمم سے پڑھے جبکہ عسر و حرج کے بغیر پانی ملنے اور اس کے استعمال کی توانائی رکھتا ہو تو ایسی صورت میں تیمم باطل ہے کیونکہ فریضہ تیمم صرف اس مورد میں تھا کہ (فلم تجدوا ماءًا) جب تمہیں پانی نہ ملے اور یہ سلسلہ نماز سے پہلے پورے وقت نماز تک جاری رہے اور عام طور سے پانی تک رسائی کا امکان نہ ہو۔

[1] ۔ آقائے منتظری بھی اس کا فتوی دیتے ہیں۔

مسئلہ ۲۰۷: اگر کسی نے اپنے تئیں پوری کوشش کی اور نا امید ہونے کے بعد تیمم سے نماز پڑھ لی اور اس کے بعد سمجھا کہ پانی استعمال کرنے کا امکان تھا لیکن وہ نہیں جان سکا، یہاں پر اگرچہ تیمم کی صحت کی درست وجہ رکھتا ہے کیونکہ اس نے اپنی کوشش کی اور پانی تک رسائی نہ ہو سکی لیکن احتیاط مستحب کی بھی گنجائش ہے کہ اپنی نماز کی قضا وضو یا غسل جیسی طہارت سے کرے مگر اس صورت میں کہ ابھی نماز کے لئے وقت باقی بچا ہوا کیونکہ ابھی (فلم تجدوا) ثابت نہیں ہوا ہے یہاں پر نماز کا وضو یا غسل جیسی طہارت سے پڑھنا واجب ہے۔
مسئلہ ۲۰۸: اگر وقت سے پہلے (اور کیا بہتر وقت کے بعد) وضو یا غسل سے ہے اور جانتا ہو یا عاقلانہ احتمال دے کہ اگر اپنی طہارت کو باطل کر دیتا ہے تو پھر آخر وقت تک پانی نہیں ملے گا تو اس پر اسی طرح طہارت پر باقی رہنا واجب ہے تاکہ اپنی نماز پڑھ لے مگر اس صورت میں کہ اس طہارت پر باقی رہنا اس کے لئے اس طرح سخت ہو کہ عام طور سے قابل برداشت نہ ہو کہ عسر و حرج کا مورد ہے اگرچہ بے ضرر حرج اور طاقت ہونے کی صورت میں اس کا برداشت کرنا مستحب ہے۔
مسئلہ ۲۰۹: اگر پانی اس حد تک ہے کہ یا مضطرب تشنہ (خواہ انسان ہو یا حیوان) کو اضطراب سے نجات دلا سکتا ہے یا پھر (اس پانی سے) وضو یا غسل کرے تو یہاں پر بھی (اس کا فریضہ) تیمم ہے ، کیونکہ مسلمان انسان کسی جاندار کو پیاسا تڑپتا دیکھے اور اسے پانی نہ دے اس اصل کی روشنی میں '' فلم تجدوا'' محقق ہے کہ حقیقتاً اسے پانی نہیں مل سکتا ہے۔
مسئلہ ۲۱۰: اگر پانی صرف اتنا ہو کہ اس کے جسم یا لباس سے نجاست کو دور کر سکے یا پھر وضو یا غسل کر سکے تو یہاں پر بھی تیمم کرےکیونکہ وضو یا غسل پر رکھتا ہے کہ تیمم ہے لیکن لباس یا جسم کا پاک کرنا بدل نہیں رکھتا اور جو واجب بدل رکھتا ہے وہ بے بدل واجب پر کبھی مقدم نہیں ہے، چنانچہ (قرآن کریم) اور روایات بھی اس قاعدہ پر گواہ ہیں۔
مسئلہ ۲۱۱: کلی طور پر یقین کی صورت میں پانی کے استعمال کرنے پر نقصان کا عاقلانہ احتمال دینے کی صروت میں پانی استعمال کرنے کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اور تیمم کرنا چاہئے مگر اس صورت میں کہ آخر وفت تک اس کے برطرف ہونے یا برطرف کرنے کا یقین یا گمان یا عاقلانہ احتمال پایا جاتا ہے۔
مسئلہ ۲۱۲: اگر نماز کے دوران پانی کے استعمال کرنے کا عذر برطرف ہو جائے جبکہ وضو اور نماز پڑھنے کے لئے ابھی وقت باقی ہو تو اس کی نماز باطل ہے اور اسے وضو یا غسل سے دوبارہ نماز پڑھنا چاہئے اور اگر وقت باقی نہ بچا ہو تو وہی نماز صحیح ہے۔ اور بعد کے نماز کے لئے وضو یا غسل کرنا چاہئے کیونکہ تیمم اس وقت تک اپنی جگہ پر ثابت ہے جب تک (فلم تجدوا ماءاً) پانی نہ ملے واقعیت رکھتا

ہو۔اور اس وقت تم نے پانی پا لیا ہے تو پھر تیمم کی کوئی گنجائشی ہی باقی نہیں رہ جاتی۔
مسئلہ ۲۱۳: اگر خود مکلف عذر شرعی کا یا پانی کی نابودی کا باعث ہو ار تیمم کرے تو اسے نماز کے بعد اور نماز کا وقت تمام ہونے سے پہلے جب اسے پانی مل جائے تو دوبارہ وضو کر کے وضو یا غسل سے نمازپڑھے اور اگر وقت گذر گیا ہے تو اسے اپنی نماز کی قضا کرنی چاہئے۔
مسئلہ ۲۱۴: اگر عذر شرعی رکھنے کی صورت میں کہ پانی کے استعمال کو حرام کرتا ہے یا کم سے کم واجب نہیں کرتا، وضو یاغسل کر لے تو پہلی صورت میں حرام ہے اور دوسری صورت میں چونکہ وضو یا غسل واجب نہ ہونے کا باوجود مستحب موکد ہے ، درست ہو جائے گا کہ (من تطوع خیراً فھوا خیر لہ) کا مصداق ہے۔
مسئلہ ۲۱۵: اگر کسی شخص کے اختیار میں مضوعی یا آسمانی برف اور بخاری (روم ہیٹر) ہو کہ اسے پانی میں تبدیل کر سکتا ہے اس کا فریضہ یہ ہے کہ اسے پانی میں تبدیل کرے اور عام امکان نہ ہونے کی صورت میں یا فرصت نہ ہونے کی صورت میں خود مصنوعی یا آسمانی برف سے وضو یا غسل کرے کہ صرف بدن پر ملنا ہی کافی ہے اور یہ اس صورت میں ہےکہ اس عمل سے خصوصاً اس غسل می مرض یا شدت مرض کا احتمال نہ دے ورنہ پھر اس کا فریضہ تیمم ہے۔
مسئلہ ۲۱۶: تمام فرائض میں عسر و حرج وجوب کے اصلی ذرائع (رکاوٹوں) میں سےہے اس معنی میں کہ آخری حد تک انسان اپنی پوری توانائی کا استعمال کرےکہ '' حرج'' ہے یا پھر اس طرح دشواری ہوکہ برداشت سے باہر ہو، بلکہ نقصان دہ اور دشوار ہو کہ عسر ہے اور صرف فرائض الٰہیہ کے وجوب کی رات '' وسع'' ہے کہ اپنی ساری صلایت تکلیف (فریضہ) انجام دینے میں صرف نہ کرے اور تنگی ، سختی اور متعادل اور اپنی طبیعت اور مزاج کےمطابق اسے نہ بنا سکتا ہو تو ایسے موارد میں بھی اس کا فریضہ تیمم ہی ہے اگرچہ (حالت جرح کے علاوہ) وضو اور غسل بھی جائز اور صحیح تر ہے۔ کیونکہ یہاں پر طہارت کے لئےکوئی ممانعت درکار نہیں ہے۔ صرف مکلفین کی حالت کی رعایت کی خاطر واجبی امر اٹھا لیا گیا ہے ، لیکن استحبابی (جیسا کہ گذر چکا) موجود ہے۔
مسئلہ ۲۱۷: مستحبی غسلوں کے بدلے تیمم وضو کےلئے کافی نہیں ہوگا ، صرف تیمم واجب غسلوں کے بدلے اضطراری بدلیت کےعنوان سے ان چیزوں کے لئے ہے جن میں طہارت شرط ہے اور غسل استحاضہ غسل جمہ کے علاوہ بنابرایں تیمم غسل جمعہ کے بدلہ (اور غسل استحاضہ) کے بدلہ باوجودیکہ دونوں غسل بھی واجب ہیں لیکن وضو کے لئے کافی نہیں ہوں گے لہذا وضو کرنا چاہئے۔ صرف غسل جنابت، حیض اور مس میت ہے کہ طہارت سے مشروط کاموں کے لئے ان کے بدلہ تیمم کفایت کرتا ہے۔ لیکن جن غسلوں کے ترک کرنے سے نماز صحیح ہے جیسے

غسل جمعہ اور تمام مستحبی غسل تو تیمم کبھی بھی اگر مشروطیت بھی رکھتا ہو ان کے بدلہ وضو کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ لیکن استحاضہ متوسطہ یا کثیرہ کے بدلہ تیمم واجب ہونے کے باوجود وضو سے کفایت نہیں کرےگا اور تیمم کے لئے ضروری راستہ صرف اور صرف '' فلم تجدوا ماءًا) ہے اور جہاں وضو کرنے کے لئے پانی میسر ہے اور نماز کے لئے غسل بھی واجب نہیں ہے تیمم قطعاً مستحب یا واجب غسلوں کے لئے جیسےغسل جمعہ اور استحاضہ وضو کے لئے کافی ہی نہیں بلکہ درست بھی نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۱۸: '' صعیداً طیباً'' نے اس صورت میں تیمم کو واجب اور وضو اور غسل کا بدل جانا ہے کہ اولاً اس پر '' صعیداً '' صادق آئے کہ صعید زمین کہ تمام اجزاء ہیں کہ اسے زمین اور زمینی کہتے ہیں اور '' طیب'' بھی ہوکہ انسانی مزاج اسے نفرت نہ کرے ، بنابرایں اگر مٹی اور اس کے مانند چیزیں پاک ہوں لیکن آلودہ اور بدبو دار ہے وہ بھی اس درجہ کہ طبیعت اس سے نفرت کر رہی ہے تو ایسی صورت میں تیمم واجب نہیں ہے، بلکہ حرام ہے اور اگر تیمم کر بھی لے تو وضو کی جگہ نہیں لے سکتا کیونکہ تیمم کا حکم جس طرح '' صعید'' سے مقید ہے '' طیب '' کی بھی قید رکھتا ہے۔ اور جس طرح تیمم غیر صعید پر باطل ہے غیر '' طیب'' سے بھی باطل ہے۔

کن چیزوں سے تیمم کیا جا سکتا ہے

مسئلہ ۲۱۹: جیسا کہ ہم اس سے پہلے والے مسئلہ میں یاد دہانی کر اچکے ہیں کہ تیمم (صعیدا طیباً) کہ پاکیزگی کی انتہا اورچوٹی یعنی بہت بڑی پاکیزہ چیز کے معنی میں ہے نہ صرف پاک کہ '' طیّب'' کی پاک ہونے کے علاوہ پاکیزگی کو بھی اس شرط جانا ہے اور چونکہ یہ کلمہ صعید (قرآن کریم) میں لفظ '' غائط'' گڑھے کے بعد ذکر ہوا ہے اور گڑھے عام طور پر پاک و پاکیزہ نہیں ہوتے ، کیونکہ کوڑا کرکٹ رکھنے اور ڈالنے کی جگہ ہوتی ہے ، پھر وہاں پر انسانوں کا پاخانہ ہوتا ہے لہذا اس اصل کی روشنی میں '' صعید'' سے مراد پاک زمین ہے خواہ پست ہو یا بلند ، خواہ صاف و شفاف ہو یا گندی اور '' طیباً''بھی اس بلندیوں سے اجتناب کے لئے ہے کہ کبھی بھی پاکیزہ نہیں ہوتیں اور بالآخر تیمم میں اصل یہ ہے کہ تیمم پاک پاکیزہ زمین یا زمینوں پر ہونا چاہئے نہ صرف پاک اور صرف بلند کہ زمین کا بلند اور نمایاں ہونا نوعا پاک و پاکیزہ ہونے والی خصوصیت ہی رکھتی ہے پیغمبر گرامی اس طرح خبر میں ہے کہ آپ نے فرمایا: '' جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً'' (زمین ہمارے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی قرار دی گئی ہے) زمین کا ''طہور'' ہونا نجاستوں سے پاک ہونے کے بعد اولاً سطح زمین پر رگڑ کھانے کی وجہ سے نجس اور متنجس کو پاک کرنے والی ہے اور ثانیاً اس پر تیمم کرنے کی وجہ سے حدث اصغر اور حدث اکبر کو برطرف کرنے والی ہے۔ چنانچہ اس پر راستہ چلنا جوتوں کے تلووں اور

لاٹھی کی نوک اور اس جیسی چیزوں کو پاک کرنے والا ہے بالآخر تمام زمینوں پر پاک و پاکیزہ ہونے کی صورت میں اس پر تیمم کیا جا سکتا ہے یہاں تک مصنوعی اور آسمانی برف پر بھی ابن حمزہ طوسی کی الوسیلہ میں آیا ہے کہ تیمم برف اور خاک پر ایک ہی جیسا ہے اور سید مرتضی بھی برف پر تیمم کرنے کو جائز جانتے ہیں (۱: ۶۱) اور معاصرین میں سے مرحوم آقا بروجردی اور مرحوم سید احمد خوانساری اس کو اضطراری صورت میں صحیح جانتےہیں)

مسئلہ ۲۲۰: جبکہ (جیسا کہ گزر چکا ہے) '' طیب '' پاکیزہ ، پاک ہونے کے علاوہ پاکیزگی کا بھی معنی دیتا ہے بنابراین (صعیداً طیباً) کی شرط بھی زمینوں کی پاکی اور ان کی پاکیزگی بھی ہے کہ اگر پاک ہوئی اور پاکیزہ نہ ہوئی یعنی متعن اور آلودہ ہوئی چنانچہ اگر پاکیزہ ہوئی لیکن پاک نہ ہوئی تو اس پر تیمم نہیں کر سکتے ایسی صورت میں '' فاقد الطھورین'' ہے لہذا اسی حال میں نماز پڑھی چاہئے کہ جو پاکیزہ نہ ہو اس پر تیمم کرنےکے لئے پاکیزہ شرع مکلفین کو کبھی مجبور نہیں کرتی۔ ایسی صورت میں اس نماز کی قضا بھی نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۲۱: چونکہ یہاں پر مخاطب مؤمنین ہیں، بنابرایں '' طیباً'' وہ چیز ہے جیسے مؤمنین کی طبیعت نفرت نہیں کرتی، بلکہ اس کی طرف مائل ہوتی ہے ، بنابرایں پاک و پاکیز ہونے کے علاوہ اس (زمین) کا مباح ہونا بھی شرط ہے لیکن اگر جیل میں یا کسی دوسری غضبی جگہ پر ہو اور اس جگہ کے علاوہ کہیں اور تیمم کرنے کی گنجائش ہی نہ ہو تو یہاں پر اس کا تیمم کرنا صحیح ہے مگر اس صورت میں کہ خود ہی اپنے آپ کو غصبی جگہ میں مبتلا کر دیا ہو کہ '' الا ما اضطررتم'' کے قانون سے خارج ہے اور یہاں پر تیمم واجب بھی ہے اور حرام بھی اس کا وجوب نماز اور اس جیسی چیزوں کے لئے اضطراری طہارت کی وجہ سے ہے اور اس کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس نے خود ہی اپنے آپ کو ایسی غصبی جگہ میں گرفتار کیا ہے بالآخر ایسی نمازوں کی قضا کہ خود ہی اس جگہ پر ایسے اضطرار کا باعث ہوا ہے ، واجب ہے۔

مسئلہ ۲۲۲: جب تک مٹی ، مٹی کی طرح ریت تمہاری دسترس میں ہے تو ان کے علاوہ پر تیمم کرنا مناسب نہیں ہے اور مٹی اور اس کے مانند کا نا پختہ ہونا بھی شرط نہیں ہے [1] کیونکہ صرف زمین اور اس کا پاک و پاکیزہ اور مباح ہونا شرط ہے چنانچہ گچ اور پختہ چونا پر بھی جائز ہے۔[2]

مسئلہ ۲۲۳: اگر تیمم کرنےوالی چیزوں میں سے کوئی چیز موجود نہ ہو تو پھر فرش وغیرہ پر موجود پاک و پاکیزہ غبار پر تیممکرے اس کےبعد پاکیزہ گیلی مٹی (کیچڑ) ہو کہ اگر اس کے تو جتنا ہو سکے مٹی کو خشک کرے اور آخر کار مٹی،

---

۱ ۔ آقای منتظری
۲ ۔ مرحوم آقائے شریعت مداری،

بالو، سمندری ریت، پھتر ، کنکڑی، لکڑی ، پتہ گچ، چونے، تارکول اور گرد و غبار اور اس طرح کی زمین اور زمینوں پر تیمم کرے اور ان میں سے جو پہلے ممکن ہو جائے دوسرے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

مسئلہ ۲۲۴: تیمم خواہ وضو کے بدلہ ہو خواہ غسل کے دو ہاتھوں کی ہتھیلی کو ایک بار زمین پر مارنا کافی ہے اور اس کے بعد سب سے پہلے دو ہاتھوں کی ہتھیلی سے پیشانی کا مسح کرے اور اس کے بعد بائیں ہاتھ کی ہتھیلی داہنے ہاتھ کی پشت پر گٹوں تک اور آخر میں داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت میں گٹوں تک مسح کرے [1]

مسئلہ ۲۲۵: جب تک کسی کو یہ امید ہو کہ آخر وقت تک وضو یا غسل سے نماز پڑھ سکتا ہے تو ایسے تیمم کر کے نماز نہیں پڑھنی چاہئے اور چنانچہ مایوسی کے ساتھ اس نے تیمم سے نماز پڑھ لی اور نماز کا وقت تمام ہونے سے پہلے وضو یا غسل سے نماز پڑھ سکتا ہوتو اس پر دوبارہ وضو یا غسل سے نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر کسی ایسی صورت میں اس نے تساہلی اور سہل انگاری کی اور نماز کا وقت نکل گیا تو اس پر وضو اور غسل کے ساتھ نمازکی قضا کرنا واجب ہے، کیونکہ (نماز سے پہلے) آخر وقت تک پانی کا نہ ملنا تیمم کی شرط ہے۔

مسئلہ ۲۲۶: جس طرح پانی کا مل جانا تیمم کو باطل کر دیتا ہے ، اسی طرح جو چیزیں وضو کو باطل کر دیتی ہیں وہی چیزیں وضوکے بدلہ تیمم کو بھی باطل کر دیتی ہیں اور تمام وہ چیزیں جو غسل کو باطل کر دیتی ہیں وہ چیزیں غسل کے بدلہ تیمم کو بھی باطل کر دیتی ہیں۔

مسئلہ ۲۲۷: جس طرح ایک وضو یا ایک غسل چند جہت سے کافی ہے اسی طرح وضو یا غسل کے بدلہ ایک تیمم بھی چند جہتوں سے کافی ہے۔[2]

مسئلہ ۲۲۸: جس طرح غسل وضو کے لئے کافی ہے، اسی طرح غسل کے بدلہ تیمم بھی وضو کے لئے کافی ہے ان تیمم کے علاوہ جو غسل جمعہ، غسل استحاضہ اور مستحبی غسلوں کے لئے انجام دیا جاتا ہے کہ مستحبی غسلوں کے بدلہ تیمم کے لئےکسی قسم کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی اور غسل جمعہ اور غسل استحاضہ کے بدلہ تیمم وضو کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۲۲۹: اگر غسل کے بدلہ تیمم کے بعد کہ وضو کے لئے کافی ہے کوئی ایسا کام کرے جو وضو کو باطل کر دیتا ہے تو اس پر اس کے لئے جس میں وضو شرط ہے ، وضو کرنا واجب ہے اور اگر وضو کرنے سے بھی معذور ہے تو پھر اسے وضو کے بدلہ تیمم کرنا چاہئے اور غسل کے بدلہ تیمم اسی طرح باقی ہے مگر یہ کہ

---

[1] چنانچہ کتاب ہدایہ، غنیہ کا ظاہر اور سید مرتضی کی کتاب جمل کا صریح اور شیخ مفید کی عریہ قدیمین ، معتبر، ذکری، اور کتاب مقنعہ کا ظاہر ہے اور فروع کافی میں ظاہر کلینی ہے اور معاصرین میں سےمرحوم سید ابوالحسن اصفہانی، آقائے خمینی، آقائے خوئی، آقائے گلپائیگانی اور علمائے اہل سنت میں سے اوزاعی، احمد، اسحاق، داود، ابن جریر طبری، اور شافعی ہیں۔

[2] ۔ مرحوم آقائے خوئی، اراکی اور گلپائیگانی۔

کوئی ایسا کام پیش آجائے جو غسل کو باطل کرتا ہے تو پھر دوبارہ غسل کے بدلہ اسے تیمم کرنا چاہئے اور گذشتہ کی طرح یہ بدل بھی وضو کے لئے کافی ہے۔(یعنی وضو کرنے کی پھر ضرورت نہیں ہے)

نماز

مسئلہ ۲۳۰: ''نماز'' کہ اللہ کی معرفت آسمان کی جانب پرواز کرنے کےلئے ہے ایک (اصول عقاید کے بعد) ایک اہم ترین ربانی فریضہ ہے یہ تمام الٰہی شریعتوں میں تھا اور ہے اور ایسا عمومی واجب ہےکہ (جز حیض اور نفاس کی حالت میں عورتوں کے) کسی صورت اور کسی حال میں کسی مکلف سے ساقط نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۳۱: ''نماز'' کہ رسول خدا ﷺ کے فرمان کے مطابق مومن کی معراج ہے اور دین کا ستون ہے اور ظاہر و باطن اور مقدمات اور شرائط کے لحاظ سے نمایاں ترین، حسین ترین، مناسب ترین اور لائق ترین خدا کے حضور بندگی ہے کہ اگر جیسا کہ شائستہ اور مکلفین کی استطاعت میں ہے، انجام پائے تو یہی تنہا اعتقادی اور عملی تمام برائیوں اور نا پسندیدہ اعمال سے روکنے کےلئے کافی ہے اور روکتی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے(... إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ)[1] یقینا نماز فحشا اور منکر (بری باتوں) سے روکتی ہے اور بہت ہی شکر کا مقام ہے کہ حضرت اقدس الٰہی نے کہ سراپا قصور اور تقصیر بندوں کو نہ صرف اجازہ دی ہے بلکہ واجب فرمایا ہے کہ کم سے کم شب و روز می پانچ مرتبہ اس معراج اور دین کے ستون تک پرواز کریں اور حضرت اقدس کے حضور شرفیاب ہوں۔

'' نماز '' معنوی معرفتی اور ظاہری ارکان رکھتی ہے اس کے ظاہری ارکان یہی پنجگانہ ارکان ہیں:

۱): نیت

۲): تکبیرۃ الاحرام

۳): رکوع

۴): دو سجدے

۵): رکوع سے پہلے قیام (جسے قیام متصل بہ رکوع کہا جاتا ہے) کہ ہم سب نے اس کی ظاہری شکل کو پہچان لیا ہے اور مؤمنین اسی نماز کے سہارے حضرت اقدس الٰہی کی بارگاہ سے خود کو زیادہ سے زیادہ قریب کر سکتے ہیں۔

رہے اس کے معرفتی ارکان تو سب سے پہلے یہ جانو کہ تم کون ہو؟ اس کے بعد آگاہ ہو کہ تم کس کے سامنے کھڑے ہو؟ اور آخر میں یہ جانو کہ کس لئے اس معراج کی سمت راہی ہوئے ہو؟ '' تم نا چیز تھے اور کچھ نہیں تو اس نے تمہیں چیز بنا دیا۔ تمہیں جاننا چاہئے کہ وہ سارے جہاں اور کل ہستی کا خالق ہے اور وہی تمام

---

[1] ۔سورہ عنکبوت، آیہ ۴۵۔

ہستیوں کو وجود عطا کرنے والا اور ہستیوں کے کمالات کوہستی بخشنے والا ہے وہ تمام ممکن اور واجب کو عطا کرنے اور بخشنے والا ہے اور یہ '' تم'' '' اس '' کے سامنے اس وقت شکر گزاری اور اس کے سامنے دست نیاز دراز کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہو کہ اسے تمہاری اور نہ تمہاری عبادت کی کسی طرح نہ احتیاج تھی اور نہ ہے۔ اور یہ تم ہو کہ سراپا نیاز ہو اور صرف اور صرف تمہیں اس کا بارگاہ قدس میں شکر گزاری اور حاجت طلبی کرنی چاہئے اور اسے تمہاری ناشکری اور نا فرمانی سے کبھی کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ یہ تم ہو کہ اپنی نافرمانی اور نا شکری سے پستی اور ذلت کے عمیق اور نا چیز دریا میں حیران اور بیچارہ رہ جاؤ گے۔
بنابراین خداوند متعال کی بندگی کہ اس کا بلند ترین جلوہ نماز میں ہے کہ یہ خود ہی تیرا اس کا بندہ ہونے اور اس کے تیرا خدا ہونے کا اٹوٹ لازمہ ہے کہ کسی صورت ٹوٹنے والا اور جدا ہونے والا نہیں ہے۔
خداوند عالم نے بہت ہی نازک اور حساس پانچ وقت میں بندگی کے اس حسین، خوبصورت اور نازک چہرہ کو تجھ مکلف پر واجب فرمایا کہ صبح کے وقت سب سے پہلے پنجگانہ فریضہ میں سے '' نماز صبح'' کا آغاز کرو اور آدھی رات تک سونے کے وقت تک '' پنجگانہ'' فریضوں میں سے آخری فریضہ '' نماز عشاء'' کو انجام دے کر سو جاؤ۔
نماز ظہرین اور نماز مغربین کے جدا کرنے کی شائستگی اور لزوم قرآن اور روایات کی روشنی میں انکار اور تردید کی گنجائش نہیں ہے سوائے معذور یابے حال یا اس جیسے لوگوں کے لئے ان کے درمیان جمع کر نے کی اجازت دی گئی ہے اور صرف نماز ظہر، عصر، مغرب و عشا (کہ اس جدائی کوبے حساب نظر انداز نہیں کیا جاسکتا) ربانی دلیلوں میں ان نمازوں کے درمیان فاصلوں کے وجوب کی حد ہے۔
صبح کے وقت (فجر صادق کے طلوع کرنے کے وقت) شائستہ اور ضروری ہے کہ اپنی میٹھی نیند سے بیدار ہو کر ہر کام سے پہلے دو رکعت نماز صبح پڑھو، اور ظہر کےوقت اپنے روز مرہ کے حد درجہ سر گرم ہونے کے باوجود ہر چیز اور ہر شخص کو پس پشت ڈال کر معراج نماز کی طرف رُخ کرو اور عصر کے وقت بھی کہ ابھی تمہارے (روز مرہ) کے کام نا تمام اور ادھورے ہیں اور تم کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اس کو تمام کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اسی عمل اور کام کی تکرار کرو اور عصر نامی نماز پڑھو اور اسی طرح شب کے آغاز پر نماز مغرب اور آدھی رات تک نماز عشاء پڑھو کہا س پانچ حساس اور نازک وقتوں میں کہ روز و شب کے اوقات کے ارکان ، میں ایمان کے اس اصلی رکن کو انہی رکنی اوقات میں انجام دو تاکہ تیری ہستی کا رکن یاد خدا کے نور سے زیادہ سے زیادہ مستحکم اور روشن ہو اور تمہاری زندگی تمام کاموں کو روشنی بخشنے والا ہو تاکہ اپنی زندگی کے فرائض انجام دینے

میں خدا اور اس کے دستورات سے غافل نہ ہو کہ (... أَلاَ بِذِكْرِ اللّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ)[1] آگاہ ہو جاؤ کہ یاد خدا سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے'' اور برے کاموں سے دوری اختیار کرو۔

آہ کتنا حسین ہے حضرت سبحان کےدلدادہ افراد کےلئے (ایاک نعبد و ایاک نستعین) کہہ کر کہ صداقت اور صفائی کے ساتھ حضرت اقدس الٰہی کے حضور اعتراف کر رہے ہیں کہ اہل معرفت کےلئے اس سے بہتر اور بلند ترین کوئی لذت نہیں ہے اور اس سے بہتر اور بلند ترین لذت نہیں ہے اور اس سے بڑھ کر کونسی عزت ہو سکتی ہے کہ اسی بلند و بالا اعتراف کی بنیاد پر اور اپنی صداقت کےسب سے پہلے نمونہ کےعنوان سے رکوع میں جاؤ اور'' معراج مومن'' میں صرف رکوع پر اکتفاء نہیں ہے بلکہ رکوع سے اٹھنے کےبعد خود کو خاک پر گراؤ کہ یہ '' سجدہ'' ظاہر اور باطن دونوں لحاظ سے بندگی ، خضوع و خشوع کی بلند ترین نمائش ہے۔

اگر ہم لوگ نماز کے معنی اور اس سے مراد کو جان لیتے تو ہم کبھی حالت نماز سے خارج نہیں ہوتے '' مبارک ہو انہیں جو ہمیشہ نماز میں ہیں'' اس وقت زندگی کے حالات اور شرائط ہمیں دائم الصلاۃ ہونے کی فرصت نہیں دیتے تو مناسب یہی ہے کہ شبانہ اور نماز کی معنوی حالت (اپنے تمام حالات اور گونا گوں کاموں میں) کو حفاظت کریں کہ کم سے کم '' تنهى عن الفحشا و المنكر'' کی خاصیت یہ ہے کہ نماز ہمیں تمام فحشاء اور برائیوں سے محفوظ رکھے۔ اور ہمارے تمام اعمال ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں ربانی اور الٰہی رُخ اور جلوہ عطا کرے کہ اس مقام کےیقین کی صورت میں دائم الصلاۃ افراد کا ثواب ہمیں بھی ملے گا انشاء اللہ۔

اذان اور اقامت

مسئلہ ۲۳۲: اذان اور اقامت مستحب ہے (جیسا کہ تمام علمائے خواہ شیعہ ہوں یا سنی اس بات پر متفق ہیں) اور شہادت ثالثہ بالخصوص اذان یا اقامت کے قصد سے بدعت ہے اور کبھی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی اذان اور اقامت کے اجزاء کے عنوان سے اس طرح کی شہادت کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ [2] چنانچہ یہ ساری شہادتیں نماز میں سوروں کےضمن میں بدعت ہیں کہ بات کا اپنا ایک مقام اور ہر نکتہ کا عمل ہوتا ہے مثلاً تصدیق معاد کی شہادت اور گواہی کہ دین کا رکن ہے (اذان اور

---

[1] ۔ سورہ رعد، آیہ ۲۸.

[2] ۔ چنانچہ شیخ صدوق نے اسے (شہادت ثالثہ) غالیوں اور مفوضہ کا نظریہ جانا ہے اور فیض کاشانی اسے مرجوح جانتے ہیں (مفاتیح الشرائع، ج۱، ص۱۱۸ اور جواہر میں بھی سب کا اعتراف ہےکہ اذان و اقامت میں اس شہادت پر کبھی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس روایت کےجواب میں کہ جس نے معصومین علیهم السلام کی ولایت کی شہادت کو رسول خدا کی شہادت کے بعد واجب شمار کیا ہے تو یہ کہنا چاہئےکہ یہ قضیہ صلوات میں کلی عنوان سے ہے لیکن اذان اور اقامت میں ایسا نہیں ہے ہاں، حضرت محمد کا ذکر کرنے کے بعد ان کی آل کا ذکر بھی واجب ہو جاتا ہے کیونکہ صلوات اگرچہ خود مستحب ہے لیکن آپ نے ایسا ذکر زبان پر جاری کر دیا ہے کہ ذکر صلوات کے بعد آل محمد ؐ کا ذکر واجب ہو جاتا ہے (کہ اللهم صلى على محمد و آل محمد) کہو اور اصولی طور پر اذان اور اقامت کے نماز سے پہلےکہی جاتی ہے اور مستحب ہے رسول خدا کے۲۳/ سالہ دور میں بھی تھی اور بلا حبشیؓ اور دوسرے جو لوگ رسول خدا کے زمانہ میں اذان کہتے تھے یہاں تک کہ خود رسول خدا امیر المؤمنین اور تمام آئمہ معصومین علیهم السلام کہ ہمیشہ نماز کے لئے اذان و اقامت کہتے تھے تو ان ہستیوں میں سےکسی نے بھی اس شہادت بالخصوص (اشهد ان علیا ولی الله) نہیں کہا لیکن رسول خدا اور پہلے معصوم امیر المؤمنین علیہ السلام کےبعد ثواب کی امید اور استحباب کے قصد سے اذان و اقامت میں اس شہادت کا اضافہ کیا ہے۔

اقامت یا نماز میں سورہ حمد کی آیتوں کے درمیان کہنا بدعت ہے) ہاں، دوسری شہادت کہ '' اشهد ان محمداً رسول الله'' ہے سنت محمدیہ بلکہ اس سے بالاتر سنت الٰہیہ کےمطابق آل رسول گرامی کا ضمیمہ واجب ہے کہ ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کہو، کیونکہ یہ جملہ تمام حضرت کے بعد محمدی معصومین علیهم السلام پر مشتمل ہے لیکن اذان و اقامت ، نماز اور حمد و سورہ کی آیتوں کےضمن میں اس طرح کہنا اگر کیا جائے تو بدعت ہے رہا نماز کے تشہد میں تو آنحضرت اور آپ کی آپ کی آل پر صلوات بھیجنا واجب ہے اور رکوع، سجود اور قنوت میں بھی مستحب ہے۔

واجب نمازیں

مسئلہ ۲۳۴: روزانہ کی نمازوں کے علاوہ نماز جمعہ، نماز عید فطر و قربان ، آیات ، میت ، طواف اور نذر، عہد اور قسم کی نمازیں واجب ہیں اور والدین کی نمازوں کی قضا کا بڑے بیٹے پر وجوب اور عدم وجوب کے بارے میں بعد میں بیان کریں گے۔

پنجگانہ نمازیں

مسئلہ ۲۳۴: نماز صبح کا وقت فجر صادق کے طلوع کرنے سے لیکر طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر و عصر کا وقت ظہر سے سورج غروب کرنے تک ہے[1] اور مغرب اور عشاء کا وقت مغرب سے لےکر آدھی رات تک یعنی اس کی حقیقی آدھی رات ہے نصف شب اور معیار کا غروب اورطلوع آفتاب کا درمیانی حصہ، جیساکہ قرآن میں '' الی غسق اللیل''[2] ہے کہ وہی تاریکی شب کی چوٹی اور انتہاء ہے (اس معنی میں کہ اس کا آغاز غروب آفتاب اور آخر طلوع آفتاب ہوگا، نہ وہ کہ جس کا آخر طلوع فجر ہوگا اور معاصرین میں سے آقائے خوئی فتوی کے لحاظ سے اور آقائے خمینی احتیاط واجب کے ساتھ ہمارے نظریہ کے موافق ہیں۔ کیونکہ ''لیل'' کل عرفی تاریکی ''اور غسق'' تمام راتوں کے درمیان عمیق تاریکی ہے۔

مسئلہ ۲۳۵: نماز صبح کی دو رکعت نماز اور مغرب اور عشاء کی دو رکعت نماز بلند آواز سے پڑھنا واجب نہیں ہے چنانچہ(... وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلاً)[3] تمام نمازوں میں صرف ایک قسم کے پڑھنا واجب جانا ہے کہ نہ بہت بلند آواز سےہو اور نہ ہی اس طرح دھیمی آواز نے ہو کہ خود بھی نہ سن سکو۔[4]اور جہر اخفاء کی ششگانہ روایات بھی اس سلسلہ میں متضاد ہیں۔

---

[1] ۔ اس سلسلہ میں کہ نماز عصر کا آخری وقت سورج کا غروب کرتا ہے نہ مغرب اور دو آیت '' غرب سے پہلے '' سورہ طہ، آیت۱۳۰) اور '' قبل الغروب'' سورہ ق آیت ۳۹) اور '' للمغرب'' گواہ ہے اور علامہ حلی نے قواعد میں شیخ صدوق نے علل الشرائع میں اور شیخ طوسی کتاب مبسوط میں سید مرتضی اور فیض کاشانی جیسے علماء اور معاصرین میں آقائی خوئی ۱: ۵۲) اور فقہا شیعہ کا دوسرا گروہ موافق ہیں۔

[2] ۔ سورہ اسراء، آیت۷۸.

[3] ۔ سورہ اسراء، آیت، ۱۱۰.

[4] ۔محقق حلی نے شیخ طوسی کےتوسط ہوئے اجماع کے دعوی پر اعتراض کیا ہے کہ یہ خود شیخ کی زبردستی ہے؛ کیونکہ بعض فقہائے شیعہ اسے واجب نہیں جانتے کہ منجملہ سید مرتضی علم الهدی ہیں اور مجمع البرهان، میں ہے کہ اگر اجماع کا خوف نہ ہو تا تو اسحباب کا فتوی اولویت رکھتا اور صاحب مدارک اور خراسانی ذخیرہ میں اور صاحب بحارالانوار، اسحباب کو قوی جانا ہے۔

مسئلہ ۲۳۶: جیسا کہ بحث نماز کے آغاز میں اشارہ ہو چکا ہے ، ظہر، عصر مغرب اور عشاء اسماء خود ایک لطیف اشارہ ہیں نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے درمیان سنت کے فاصلوں کی جانب جیساکہ سورہ نور کی آیہ استئذ ان (۵۸) می اس طرح ذکر ہوا کہ نماز ظہر اور عشاء کے بعد اپنے لباسوں کو اتارنے کے وقت (والدین) اپنی مخصوص جگھوں پر بچوں کا آنا و الدین کی اجازت سے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری شرمگاہیں ان کے لئے ہوں اور واضح ہے کہ ان دونوں مقامات پر سونا ان دونوں نمازوں کے درمیان فاصلوں کی صورت میں اور دونوں نمازوں کے بعد ہے ''صلاۃ الفجر''نماز صبح کی نسبت کا بھی''قبل الشمس'' کی روشنی میں نماز صبح کے وقت میں وسعت دیتا ہے ، نماز ظہر ، عصر اور مغرب و عشا کے لئے بھی وسعت کا استفادہ ہوتا ہے۔ بالخصوص ''لدلوک الشمس الی غسق اللیل'' کہ اس کے درمیان چار نمازوں کو معین فرمایا ہے اور اس طرح کے جمع و جوبی میں کہ نماز صبح کے لئے اس کے اول وقت میں نہیں ہے ظہرین اور عشائین کے لئے بھی نہیں ہوگا اور آخر الامر یہ ہے کہ روایت کے مطابق اوّل وقت سے تأخیر صرف ''ذنب مغفور'' بخشا ہوگا گناہ ہے لیکن جماعت کے ساتھ قائم کی ہوئی نماز میں دو نمازوں کے درمیان جمع کرتے ہیں کہ کوئی گناہ بھی نہیں ہے ، کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز واجب ہے اور یہ فاصلہ کرنا واجب رسمی کے علاوہ ہے بنابرایں اس طرح کی جماعت میں شرکت کرنا بھی واجب ہے اور نیز فریقین کے طریق سے روایات بھی وارد ہوئی ہیں کہ عذر کے بغیر بھی جمع جائز ہے [1]

مسئلہ ۲۳۷: مغرب کی تین رکعت نماز ادا کرنے کے بقدر وقت مغرب سے مخصوص ہے اور چار رکعت کے بقدر آدھی رات تک عشاء کا مخصوص وقت ہے اور اوّل ظہر سے چار رکعت نماز پڑھنے کے بقدر ظہر کا مخصوص وقت ہے اور قرص خورشید کے غروب ہونے تک چار رکعت کے بقدر وقت عصر سے مخصوص ہے یہ مغرب سے ۔

مسئلہ ۲۳۸: مغرب کےمخصوص وقت میں نماز عشاء پڑھنا یا اس کے برعکس (مغرب کا عشاء کے مخصوص میں پڑھا اور نماز عصر، ظہر کے مخصوص وقت میں پڑھنا یا اس کے برعکس کلی طورپر ان بے جا اور بے عمل نمازوں کے بطلان کا موجب ہے۔ گرچہ جہات یا غلط بنابر ہوں لیکن اگر غلطی سے پہلی نماز سے پہلے مشترک وقت میں دوسری نماز پڑھ لے (نہ مخصوص وقت میں) اور تمام ہونے سے پہلے سمجھ جائے کہ اس نے غلط کر دیا ہے تو اپنی نیت کو بدل دے تو اس کی نماز صحیح ہے اور اگر نماز کےبعد خود ہی اپنی غلطی کی طرف متوجہ ہو جائے تو اس کی وہی دوسری نماز صحیح ہے اور اس کے بعد پہلی نماز پڑھے گا؟

---

[1] ۔کچھ فقہاء (تمام شیعہ فقہاء کی طرح) مانند ابن عمر، معاذ بن جبل، سعد بن ابی وقاص ، سعید بن مزید، ابو موسی اشعری، مالک،ثوری، شافعی، احمد، اسحاق، اور ابو ثور نے نمازوں کے درمیان اس جمع کرنے کو بغیر ضرورت کے بھی جائز جانا ہے)۔

مسئلہ ۲۳۹: اگر صرف ایک رکعت نماز پڑھنے کے بقدر اس کے پاس وقت ہو تو اسے بلافاصلہ فوراً ادا کی نیت سے اپنی نماز پڑھ لے لیکن اگر اذان کےوقت سے پہلے نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو ہر صورت اس کی نماز باطل ہے؛ کیونکہ '' من ادرک...'' کہ جو شخص بھی ایک رکعت نماز پالے اس نے نماز کا پورا وقت پا لیا ہے ، کا قانون ظاہراً آخر وقت سے مخصوص ہے نہ اوّل وقت سے بالخصوص آیات کی نص کے مطابق کی ان نمازوں کا آغاز اوّل وقت مقرر فرمایا ہے۔

مسئلہ ۲۴۰: نماز اوّل وقت میں پڑھنا مستحب موکد ہے مگر یہ کہ واجب کو چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں پہلے اسے انجام دیا جائے گا بعد میں نماز ادا کرے گا جیسےکوئی شخص ڈوب رہا ہو یا کسی کا ہاتھ جل رہا ہے یا احتضار کی حالت میں اور وصیت کرنے میں مشغول ہو تو ایسی صورت میں مختصر پر پھی کہ اگر وصیت زیادہ واجب ہے تو وصیت مقدم ہے اور وحی کے لئے بھی کہ پورے اطمینان اور مکمل توجہ کے ساتھ سنے اور اس طر ح کے موارد یا فی الحال، مقدمات، شرائط، یا اجزاء یا نماز میں کوئی واجب رکھتا ہے میں کوئی عذر رکھتا ہو کہ تعین یا عقلائی احتمال کے ساتھ نماز میں تأخیر کر دینے سے یہ عذر برطرف ہو جائے گا تو ایسے موارد میں لازمی طور پر نماز میں تأخیر کرے ، کیونکہ تکلیف یہ ہے کہ اس وسیع وقت کے درمیان تمام شرائط کے ساتھ ممکن حد میں ایک نماز ادا کرے۔

مسئلہ ۲۴۱: اگر آپ نے کوئی نماز کسی افق میں پڑ ھ لی پھر اس کے بعد ہوائی جہاز سے کسی دوسری جگہ چلے گئے کہ دوبارہ تمہاری ادا کی ہوئی نمازوں کا وقت آ پہنچا تو دوبارہ اپنی نماز پڑھو؛ کیونکہ نماز ادا کرنے کی دلیل اس کے تکراری اوقات کو بھی شامل ہوتی ہے۔[1]

مسئلہ ۲۴۲: اگر مکلف کسی ایسی جگہ پر ہو کہ مصنوعی تاریکی کی وجہ سے شب و روز میں تشخیص نہیں دے سکتا اور شرعی ساعات سمجھنے کا کوئی وسیلہ بھی نہ رکھتا ہو تو ایسے اپنے آغاز ورود (جہاں پر پہنچا ہے سال کے موسموں پر نظر کرتے ہوئے) کا حسبا کرے اور اندازہ کے اعتبار سے فاصلوں اور کچھ تأخیر سے اپنی پنجگانہ نمازوں کو ادا کرے اور اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ وقت کے بارے میں اس کی تشخیص میں خطا کی ہے تو بھی اس کی نماز صحیح ہے مگر اس صورت میں کہ خود ہی ایسی جگہ پر جانے کا باعث ہوا ہے کہ غلط کرنے کی صورت میں بعد میں ان نمازوں کی قضا کرے ۔

---

[1] ۔ قرآن الفجر'' ، ''الظهرة'' ، '' قبل الغروب'' ، ''صلاة العشاء'' اور الی غسق اللیل'' مطلق ہے کہ اگر متعدد افق میں تیز رفتاری کے مطابق ان اوقات کے ایک شب و روز میں پیش آئے تو یہ نمازیں بھی متعدد ہو جائیں گی اور روایات بھی ان مذکورہ آیات کے اطلاق کے مطابق ہے (اگر تیز رفتاری کی وجہ سے ایک شب و روز میں متعدد افق پڑ جائیں تو یہ نماز بھی متعدد ہوں گی۔

مسئلہ ۲۴۳: نماز گذار کا فریضہ ہے کہ ہر صورت کہ خود کو با شرائط نماز کے لئےآمادہ کرے خواہ وقت سے پہلے ہو یا وقت کے بعد کہ اگر وقت کے بعد اگر وقت کے بعد نماز کے صحیح ہونے کے بعض شرائط کو انجام نہ دے سکے تو اس پر امکانی صورت میں توانائی کے بقدر وقت سے پہلے خود کو آمادہ کرے ، بنابراین بدن لباس کی طہارت ، وضو یا غسل یا تیمم نہ رکھتا ہو اور عاقلانہ احتمالے کہ اس کا نماز کے وقت میں امکان نہیں ہے تو اسے امکان کی صورت میں وقت سے پہلے انجام دے۔

مسئلہ ۲۴۴: ہاتھ پر ہاتھ رکھنا (ہاتھ باندھنا) ، آمین کہنا اگر نماز میں وارد ہونے کےقصد سے نہ ہو اور اہلسنت سے شباہت بھی نہ ہو تو (یہ کام) اسے باطل نہیں کرتا۔ اسی طرح دوسرے کام جن سے نماز کی شکل پر اثر نہ پڑتا ہو اور ان کے بارے میں اصل ممانعت بھی نہ ہو تو (یہ کام) نماز کو باطل نہیں کرتے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور آمین کہنا نماز کے لئے ان کو واجب یا مستحب جانے کی صورت میں اور اس کی پابند کرنے کی صورت میں کم از کم اہلسنت سے شباہت ہوگی اور بدعت شمار ہوگی۔

قبلہ کے احکام

مسئلہ ۲۴۵: نماز کے یقینی اور حتمی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قبلہ رو ہو اور جو لوگ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ سکتے ان کے لئے خود کعبہ قبلہ ہے اور دوسروں کے لئے مسجد الحرام ہے اور جو لوگ خود مسجد الحرام کو قبلہ قرار نہیں دے سکتے۔’’شطر المسجد الحرام‘‘،’’مسجد الحرام کی سمت قبلہ ہے ۔‘‘ قبلہ بھی کعبہ کی عمارت یا کل مسجد الحرام میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کعبہ اور مسجد الحرام کا زمین کی آخری نچلی سطح سے لیکر سات آسمانوں کی انتہا تک اس کے پیلر اور ستون کا مقابل زمین و آسمان کے تمام ساکنین کے خود کعبہ اور مسجد الحرام سب کے لئے قبلہ ہے۔[1]

مسئلہ ۲۴۶: اگر کسی وجہ سے مسجد الحرام کی سمت کی تشخیص نہ دے سکے اور آخر وقت تک بھی اسی طرح تھا اور جس طرف بھی نماز پڑھے کافی ہے [2] کیونکہ ایک افق ہیں۔ مکلف پر صرف ایک ہی نماز واجب ہے اور اس وقت کہ قبلہ کو نہیں پہچان سکتا(اینما تُوَلّوا فَثَّمَ وَجه الله)[3] جس طرف رخ کرو اس جگہ ’’ وجہ اللہ ‘‘ ہے کہ خدا کوئی خاص سمت نہیں رکھتا اور مسجد الحرام کی طرف توجہ بھی حکمتوں کے لئے ہے کہ امکان کی صورت میں اس کی طرف نماز پڑھنا واجب ہے اور عذر کی صورت میں مطلق ’’ فثّم وجہ اللہ‘‘ ہر طرف قبلہ ہے ارو اس صورت میں چہار گانہ ، یا سہ گانہ یہاں تک کہ دو گانہ نمازوں کی تکرار کو قبول کرنے کی کوئی

---

[1] ۔مرحوم آقائے گلپائیگانی.
[2] ۔ جیسا کہ صدوق(۱: ۱۴) عمانی (۱: ۱۱۴) حسن، علامہ حلی مختلف و شہید اوّل ذکر ی میں ، اردبیلی اور خراسانی، صاحب مدارک، صدوق، فیض کاشانی مفاتیح میں اور ان کے استاد شریف نے بھی اسی طرح فتوی دیا ہے۔
[3] ۔۲: ۱۱۵.

دلیل بھی نہیں رکھتے اور اس صورت میں بھی کہ بعد میں معلوم ہو کہ اس کی نماز پشت پر قبلہ بھی تو بھی درست ہے، کیونکہ اس کی تکلیف وہی تھی جو اس نے انجام دی۔[1] مگر یہ کہ ابھی نماز کے بقدر خواہ ایک رکعت کے بقدر وقت باقی ہو اور یا خود ہی اس سرگردانی کا موجب رہا ہے۔

مسئلہ ۲۴۷: کعبہ کا اندرونی حصہ اس کے چھت اور اس کی سمت سب قبلہ ہے، کیونکہ کلی طور پر خود ہی قبلہ ہے اور قبلہ کا کوئی دوسرا قبلہ نہیں جس سمت بھی نماز پڑھو وہ قبلہ کی طرف ہوگی، اس شرط کے ساتھ کہ کعبہ کی چھت کے کنارہ اس طرح رہو کہ تمہارا رخ (خواہ کم ہی حد میں ہو) کعبہ کی سمت ہو ایسی صورت میں کعبہ کی چھت کی تمام سمت (چھت کے کنارہ کے علاوہ) آپس میں کوئی فرق نہیں رکھتی۔

مسئلہ ۲۴۸: قبلہ کی تعیین میں امکان اور توانائی کے بقدر بررسی کرنا واجب ہے تا کہ کم سے کم اطمینان بخش گمان حاصل ہو جائے اور قبلہ کی اطمینان بخش علاقوں میں مساجد کی محرابین اور مسلمانوں کی قبریں ہیں۔

مسئلہ ۲۴۹: اگر مطمئن ہو کر قبلہ کی سمت یا تعیین قبلہ کے عدم امکان کی صورت میں کسی سمت نماز پڑھ لی اور وقت تمام ہونے سے پہلے سجھ جائے کہ قبلہ کے سامنے نہ تھا ۔ اگر ۹۰/ درجہ یا اس سے زیادہ کج تھا اور دوبارہ نماز پڑھے کیونکہ آیہ کریمہ (... فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ...)[2]اور حدیث ’’ بین المشرق و المغرب قبلہ‘‘ کا مقتضی ہے کہ مشرق یا مغرب کی سمت سے کج نہیں ہونا چاہئے ۔ بلکہ اس کے درمیان کہ ۹۰/ درجہ ہے اگر چہ ۸۹/ درجہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہے اور یہاں پر اس حکم پر گواہ معتبر اخبار ہیں۔

مسئلہ ۲۵۰: اگر وقت گزر گیا ہو اور معلوم ہو کہ اس کی نماز قبلہ ہے اس سے زیادہ مقدار میں منحرف ہونے کی صورت میں پڑھی گئی ہے تو اس کی نماز صحیح ہے، کیونکہ اس وقت جو فریضہ تھا اسے انجام دیا ہے جیسا کہ معتبر اخبار میں بھی وارد ہوا ہے۔

مسئلہ ۲۵۱: غیر ضروری اورعام حالت میں حرکت کی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے، کیونکہ نماز میں جسم کےسکون کی حالت میں ہونےکےعلاوہ قبلہ کی علامت بھی ضروری ہے اور صرف ضرورت کی صورت میں گاڑی، جہاز اور کشتی میں نماز پڑھ سکتاہے اس شرط کے ساتھ کہ ممکن حد تک قبلہ کی طرف توجہ کرے۔

واجبات نماز:

مسئلہ ۲۵۲:اس واجبات نماز کے دو حصہ ہیں اس میں سے بعض رکن ہیں

---

[1] چنانچہ محقق، شہید اوّل، شہید ثانی، علامہ، فیض کاشانی جیسے فقہاء نے فرمایا ہے اور علی بن طاووس نے قبلہ کی تعیین کے لئے قرعہ کا انتخاب کیا ہے۔

[2] ۔ سورہ بقرہ، آیہ ۱۴۴.

اوربعض غیررکن ہیں اس کےرکن عبارت میں نیت ، تکبیرۃ الاحرام ، قیام متصل بہ رکوع، رکوع اور دو سجدے، کہ ان کی کمی یا زیادہ بہر صورت نماز کےباطل ہونے کا سبب ہے مگر یہ کہ عمداً زیادتی نماز جماعت میں ہو کہ امام کی تیعت کی حکمت سےکبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتاہے جیسےیہ کہ رکوع سے سرا اٹھا لیا اوربعد میں متوجہ ہو کہ امام ابھی رکوع ہی میں ہیں کہ امام کی تبعیت میں دوبارہ رکوع میں چلاجاسے اوراس میں کوئی اشکال نہیں ہے، بلکہ واجب ہے ، اس کےبعد واجبات غیر رکنی جیسےقرائت قیام کی حالت میں حمد وسورہ ذکرو رکوع ، تشہد وسلام ہے اور بس۔
مسئلہ ۲۵۳: نیت صرف نماز کاقصد نہیں ہے بلکہ (اس کے ساتھ ساتھ) قصد قربت بھی ہے اور اوریہ دونوں قصد نیت نماز سے واجب ایک ترکیب ہے ۔
مسئلہ ۲۵۴: نیت، تکبیرۃ الاحرام ، حمد و سورہ نیز رکوع وسجود کےتشہد و سلام کےواجب ذکر، اس وقت کئےجائیں جب جسم سکون کی حالت میں ہو لیکن فراموشی، سہو، یا اضطرار کی صورت میں حرکت اشکال نہیں رکھتی۔
مسئلہ ۲۵۵: قیام میں بھی رکنی اورغیررکنی دو حصہ ہیں اس کا رکن قیام متصل بہ رکوع ہے کہ قیام کی حالت میں رکوع میں جانا چاہئے اورغیر رکنی قیام حمد اور سورہ پڑھتے وقت کا قیام ہے کہ اگر حالت قیام کےعلاوہ میں رکوع میں چلےجاؤ توتم نےرکن کوترک کردیاہے۔ لیکن اگرحمد وسورہ کو حالت قیام کے علاوہ میں تم نےپڑھاہے توتم نےصرف ایک واجب کوترک کیاہے۔
مسئلہ ۲۵۶:قیام دونوں ہی صورتوں میں صرف امکان کی حد تک واجب ہے کہ بغیر کسی سہارے کےکھڑے ہو اور ضرورت پڑنے پرسہارا ارو اگرکھڑا نہ ہوسکے توبیٹھ کر اوریہ بھی ممکن نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے بالاخر اپنی توانائی کےمقدر قیام اور نماز کےتمام واجبات بجا لائے۔
مسئلہ۲۵۷: نماز گذار کا لباس اور نماز پڑھنے کی جگہ غصبی نہیں ہونی چاہئے اورلباس میں نجاست اور گندگی کا ہونا بھی مبطل نماز ہے اگر اس کے پاس شرمگاہ چھپانے کولباس بھی نہ ہو تواس کےپاس جولباس ہو اس میں انجام دےنہ برہنہ بالخصوص اگرکوئی دیکھنے والا اسے دیکھ رہاہو۔ اس کے علاوہ اس نماز کی تکرار کرنے ہی میں احتیاط ہےجوا س نےبرہنہ حالت میں پڑھی ہے۔[1]
قرائت:
مسئلہ ۲۵۸:تکبیرۃا لاحرام کےبعد سب سے پہلے سورہ حمد اور آیات سجدہ والےسوروں کےعلاوہ کوئی سورہ پڑھےمگر آیہ سجدہ کوترک کرکے اور پے درپے چار آیت پڑھنا۔

[1] ۔مرحوم آقای حکیم ، مرحوم آقا ی خوئی اورمرحوم، آقای شریعتمدار.

مسئلہ ۲۵۹: چنانچہ مثال کے طورپر سورہ کوثر پڑھنا کہ بسم اللہ کے ساتھ چار آیت ہے، حمد کےبعد کافی ہے اگرکسی دوسرے سورہ سے بھی چار آیت پڑھے تو کافی ہے۔ معتبر روایات نے دو رکعت کے درمیان سوروں کوتقسیم کرنےکوجائز قرار دیاہے اورچونکہ روایات اعتبار کےساتھ ساتھ کوئی معارض بھی نہیں رکھتیں ظاہر یہ ہے کہ حمد کے بعد سورہ کا تقسیم کرنا جائز ہے ۔ بالخصوص اس حکمت کی بنیاد پرکہ فضل بن شاذان نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے نقل کیاہے کہ نماز میں حمد کےبعد قرآن پڑھنے کا مقصد یہی ہے کہ قرآن ضائع اورمتروک نہ ہو بلکہ محفوظ اوررائج ہو اور جہالت اورکمزوری کا نشانہ نہ بنے ۔[1] اور یہ حکم اسی صورت میں درست ہے کہ حمد کےبعد نماز میں قرآنی سوروں کا تقسیم کرنا صحیح ہو، سورہ یہ کہ بعض کا پڑھنا کافی ہوگا، شیخ طوسی نےمبسوط میں ذکرکیاہے کہ اگرکسی سورہ کا بعض حصہ پڑھا گیا ہے تو نماز باطل ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور حس بن عقیل کہتےہیں: حمد کے بعد کسی سورہ کا بعض حصہ پڑھنا کافی ہے اور مستند نراقی میں اس کی فقہاء کےبعض گروہ کی طرف نسبت دی گئی ہےجیسے اسکافی، دیلمی، محقق اورفقہاء کا ایک دوسرا گروہ ایک کامل سورہ پڑھنے کوزیادہ مشہور کہتاہے کہ مشہور کام سورہ کا نہ پڑھنا ہے۔ اورکتاب مراسم، مدارک، ذخیرہ، کفایہ، مفاتیح، معتبر، منتقی اور تنقیح میں ایک مستحب جاناہے اورشہید نے کتاب روض میں سورہ کے وجوب کو اولیٰ جاناہے) کیونکہ بعض سوروں کومکمل طورپر پڑھنا اکثر لوگوں کی توانائی اور حوصلہ سے باہر ہے جیسےسورہ بقرہ و آل عمران اور تمام بڑےسورے ۔

مسئلہ ۲۶۰:سورہ حمد کےبعد ایک سورہ سے زیادہ سورہ پڑھنا علی الظاہر جائزہے۔[2] بالخصوص چھوڑے سورے اور احتیاط مستحب یہ ہے کہ دو یا چند چھوٹے سورے کےبجائے چند چھوٹے چھوٹے سوروں کےبرابرکوئی بڑا سورہ پڑھا جائے۔

مسئلہ ۲۶۱:اگر رکوع میں جانے سے پہلےمعلوم ہوجائےکہ اس نے حمد یا سورہ کی قرائت ترک کردی ہے(حمد اور سورہ نہیں پڑھا ہے) یا شک کرےکہ پڑھا ہے یا نہیں، یہاں پر اگر سورہ پڑھتے وقت حمد کے پڑھنے میں شک کرےتواس شک کی پرواہ نہ کرے لیکن اگر حمد پڑھتے وقت پہلے کی آیت یا آیات کےپڑھنے میں شککرےتویہاں پر اس کی تلافی کرنی چاہئے اورمشکوک مورد کوشروع سےپڑھے اور اگر یقین کرےکہ حمد اور سورہ نہیں پڑھا ہے یا اگر پڑھا ہے تو ناقص پڑھاہے تو

---

[1] ۔وسائل الشیعہ، باب اوّل ، از ابواب قرائت نماز حدیث ۳.

[2] ۔سید مرتضی، اسیصارشیخ طوسی، سرائر، جامع الشرائع، معتبر محقق، ذکریٰ، و دروس وبیان روض شہید اوّل ، مسالک ، مدارک شہید ثانی ، مفاتیح فیض کاشانی ، بحارالانوار ، کاتب، حسن ، دیلمی، علامہ نفلیہ میں ، جامع المقاصد ، جعفریہ اوراس کی شرح ، فوائد شرائع ، فوائد ملیہ، مجمع البرھان ، کشف اللثام اور ابن ادریس کی سرائر میں ہے کہ کوئی بھی فقیہ حمد کےبعد دو سورہ پڑھنے کو ممنوع نہیں جانتا اورمعاصرین میں سے سید ابوالحسن اصفہانی ، مجموعاً تقریباً ۱۹/فقہاء اپنی ۲٦/ عدد کتابوں میں اس فتویٰ کےموافق ہیں۔

ہر صورت ضروری ترتیب سے اس کی تلافی کرنی چاہئے۔اور اگر رکوع کےبعد یقین کرےحمد یا سورہ دونوں ہی نہیں پڑھاہے، اگر پڑھا ہے تو ناقص ہےتونماز کےبعد ہرا یک کے لئے احتیاطاً دو سجدہ سہو کرے۔

مسئلہ ۲۶۲:سورہ توحید اورکافرون کےسوا ہر سورہ سے کسی دوسرے سورہ کی طرف منتقل ہونا جائز ہے۔ بسم اللہ کےعلاوہ کلی طور پر بعد کی آیتوں میں اس کا منتقل کرنا بلا اشکال ہے۔

کچھ روایات کی روشنی میں سورہ '' فیل'' اورسورہ '' ایلاف'' اور ا سی طرح ''والضحیٰ'' اور '' الم نشرح'' ایک سورہ شمار ہوتےہیں کہ حمد کے بعد کامل سورہ کےوجوب کی صورت میں دونوں ہی پڑھنا چاہئے ۔ لیکن حمد کےبعد ہر ایک میں سے چارآیت بھی کافی ہے لیکن ''بسم اللہ ''کا فاصلہ ان سوروں میں سےہر ایک وحدت پرآشکار اورروشن دلیل ہے۔

مسئلہ ۲۶۳: سورہ حمد پڑھنے میں حضرت اقدس الٰہی سے نقل کی نیت سےسورہ پڑھنا جائزنہیں ہے ؛ کیونکہ نقل کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کا ارشاد ہوتاہے:(اِیَّاکَ نَعْبُدُ...)کیا خدا بھی کسی دوسرے خداکےسامنے موحد ہے کہ اس سے نقل کیا جائے ۔ہم صرف تیری عبادت کرتےہیں؟بلکہ لازم ہے اس عنوان سےکہ خداوند عالم نےتعلیم دی ہے کہ اس سے اس طرح گفتگو کریں ، اس کی حمد پڑھیں ؛ کیونکہ حمد ربانی تعلیمی ہے کہ بندے خدا سے کس طرح گفتگوکریں اور صرف اور سورہ میں قرآنی نیت ہونا کافی ہے۔

مسئلہ ۲۶۴:آیہ کریمہ:(...وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً)[1] کی روشنی میں نماز میں چیخنا، چلانا، فریاد کرنا بھی حرام ہے اور اتنا آہستہ کہ خود بھی نہ سن سکو بلکہ ان دوکے درمیان ایک معتدل راستہ اختیار کرو اور کہ جہر و اخفات دونوں ہی نماز میں منفی ہو (کہ ایسی صورت میں کوئی ذکر ہی نہیں ہوگا)صحیح نہیں ہے۔اورصرف ایک راہ کےیہاں پر '' سبیلا'' ذکرہوا ہے نہ '' سبلین'' دو راہ کی جہر و اخفات ہوگا اور یہ راہ زیادہ بلند آواز سے پڑھنا نہیں ہے کہ '' ولا تَجْهَرَ'' اور اتنا آہستہ بھی نہیں کہ خود ہی نہ سن سکو یہ بھی نہیں ہے کہ '' ولاَ تَخَافِتْ بها'' بلکہ تنہا وہ آہستہ طریقہ ہے کہ خود سن سکو '' اگر لاَ تَجْهَر'' اس کا مورد خدا کوسنانے کے لئے بلند پڑھنا ہے تو حرام ہے اور اگر دیگر علتوں کیوجہ سے ہو تو ساری نمازوں میں جائز ہے ۔ چنانچہ ان سب میں آہستہ پڑھنا بھی جائزہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ عورتوں کے لئےآہستہ پڑھنا علاً رجحان رکھتاہے لیکن مردوں کےلئےظہرین کےعلاوہ بلند آواز سے پڑھنا رجحان رکھتاہے اورچونکہ ''صلاتک''

[1] سورہ اسراء، آیہ ۱۱۰.

نماز پنجگانہ کےتمام اذکار کوشامل ہے اوریہ ’’لاتجھر‘‘ ولاتخافت ‘‘ بھی کلی ہے (سورہ اسراء آیہ کریمہ کی روشنی میں نماز صحیح ، مغرب وعشاءمیں حمد اورسورہ بلند آواز سے پڑھنا واجب نہیں ہے لیکن سنت قطعیہ کےمطابق اس کے رجحان میں شک وتردید نہیں ہے۔اور ششگانہ روایات بھی اس کلمہ میں متضاد ہیں، چنانچہ سید مرتضی نے بھی فرمایا ہے۔(1)

مسئلہ ۲۶۵:ظاہراً جمعہ کے دن نماز ظہر میں حمد اور سورہ پڑھنا (خود نماز جمعہ کی طرح) واجب ہے کہ اصولی طور پر جمعہ کے دن نماز جمعہ کے دن کےعلاوہ کوئی دوسری نماز واجب نہیں ہے خواہ در رکعتی ہو کہ رسمی جمعہ ہے خواہ چار رکعتی کہ دو رکعتی نماز جمعہ کے شرائط نہ ہونے کی صورت میں اس کا بدل محسوب ہوتی ہے وہ بھی کافی روایات کی روشنی میں نماز جمعہ کے نام سے موسوم ہوئی ہے اور نماز جمعہ کے حمد اور سورہ کا بلند آواز سے پڑھنا دونوں معنی میں واجب ہے۔

مسئلہ ۲۶۶: نماز میں قرآن سے حمد اور سورہ پڑھنا ہر گز اشکال نہیں رکھتا اور جو حفظ کرکے نہیں پڑھ سکتا یا پھر اپنے حافظہ پر اطمینان نہیں رکھتا تو اس کے لئے قرآن سے سورہ یا پھر جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ ۲۶۷:گونگا شخص یا جس کی زبان میں لکنت ہوتی ہے یا اس وقت صحیح نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے اپنی صلاحیت کے بعد جیسے پڑھ سکتاہے پڑھے ۔ چنانچہ اصلاً نہ پڑھ سکتا ہو یا پڑھنے میں کمی رکھتا ہو تو اسے امکان کی صورت میں یاجماعت نماز پڑھنا چاہئے اور اگر گونگا ہو یا اس کی زبان لکنت کرتی ہو تو اس کی جتنی صلاحیت ہے پڑھے اور باقی کو ایما اور اشارے سے تمام کرے ’’لایکلف اللہ نفساً الاّ وسعھا‘‘ اور ا گر آخر وقت تک قرأت درست کرسکتا ہو تو ا س پر قرآن صحیح کرنے تک نماز میں تأخیر کرنا واجب ہے۔مگر یہ کہ اس بات کا خوف ہو کہ تأخیر کرنے سے نماز کاوقت نکل جائے گا تو یہاں پر ضرورت کے اقتضاء پرجس طرح پڑھ سکتا ہو پڑھے اور امکان کی صورت میں اسے با جماعت پڑھے جز اس کے جو ہمیشہ معذور ہے اوراس سلسلہ میں کوئی تقصیر بھی نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۲۶۸: حمد اور سورہ پڑھنے میں متداول اور رائج قرأت قرآن کےمطابق پڑھنا واجب ہے اور تمام قرأت کہ اس رائج قرآن سے اختلاف رکھتی ہیں ، کافی نہیں ہیں۔ خواہ معنوی لحاظ سے قرآن کےمخالف ہوں یا صرف ان کا اختلاف لفظی ہو ، کیونکہ قرآن (بالخصوص معنوی لحاظ سے) یکساں نازل ہوا ہے کہ (فاذا قرآناہ فاتبع قرآنہ) بنابرایں اگر (مالک یوم الدین) کے بجائے ’’ مَلِک یوم الدین‘‘ پڑھے یا ’’ کُفواً

---

[1] ینابیع ا لشرائع، مرحوم فیض کاشانی، ج۱، ص۱۳۳.

احدا'' کے بجائے کسی دوسری شکل میں پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے۔اگر معنی کے لحاظ سے کُفوا، کُفُوءً اور کُفُوءًا سب ایک ہی ہے بہر حال الفاظ قرآن کی تفسیر کبھی بھی جائز نہ تھی اور نہ ہے۔
مسئلہ ۲۶۹:قرأت کے کلمات اور حروف کا تلفظ ممکن حد تک صحیح ہونا چاہئے اوراسی طرح اس کے اعراب اور حرکات وسکنات ؛ کیونکہ لہجہ کی تبدیلی بھی خود ایک حرج ہے ؛ بلکہ کم سےکم یہ ہے کہ کلمہ یا آیت کےمعنی مراعات نہ کرنے کیوجہ سے بدل نہ جائیں اور دوسرے مرتبہ میں یہ ہے کہ قرآن میں موجود اعراب کی کمی اورزیادتی کے بغیر مراعات کی جائے اگرچہ اعراب کی تبدیلی معنی کو نہ بدلے ، کیونکہ تکلیف یہ ہے جو کچھ قرآن میں ہے ہم اسے پڑھیں منجملہ اس کا عربی پڑھنا ہے ، کسی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کافی نہیں ہے ، کیونکہ قرآن ایمان کا رکن ہے اورنماز ایمان کا ستون ہے اور دونوں ہی نماز میں وحی کی زبان میں پڑھے جائیں تاکہ اس آخری وحی کی بین الاقوامی حالت اس کی مخصوص زبان میں ثابت اور پائیدار ہے اور زبان وحی سے ادنیٰ درجہ کی آگاہی یہ ہے کہ نماز، دین کا ستون ہے اسی عربی زبان میں بین الاقوامی طریقہ سے عمومیت کے ساتھ اپنی زیبائی اورخوبصورتی پر باقی رہے۔
تیسری اور چوتھی رکعت میں:
مسئلہ ۲۷۰: یہاں پر آپ کو اختیار ہے کہ چاہیں تو ایک مرتبہ سورہ حمد پڑھیں یا ایک مرتبہ اورتین مرتبہ '' سبحان اللہ وا لحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر'' کا پڑھنا اور ہی بہترہے، لیکن حمد اور تسبیحات یا ان میں سےبعض کے درمیان جمع کرنا (یعنی بعض حصہ حمد کا اور بعض تسبیحات کا پڑھنا) جائز اور کافی نہیں ہے۔
رکوع:
مسئلہ ۲۷۱: رکوع سجدہ کی طرح حضرت حق جلا و علا کے حضور اختصاصی حالت اور انتہائی درجہ خضوع ہے اور خداوند عالم کے علاوہ کےلئے جائز نہیں ہے کہ عبودیت کے قصد سے غیر خدا کے سامنے شرک اور اس کے احترام میں خلق اورخالق متعال کو مساوی قرار دینے کی غرض اور مصداق آیت(تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ)[1] ہے اور یہ رکوع کہ حضرت اقدس الہی کے حضور اختصاص ہے (اس حقیقت کے ساتھ جو نماز میں رکھتی ہے) خودایک مقدمہ ہے سجود کےلئے کہ ایک بہتر حالت ہے اور گویا نماز گزار کو آگاہ کرنے کے لئے رکوعی خضوعی کافی نہیں ہے تو پھر پہلی حالت کی طرف پلٹ جانا چاہئے اور یکبارگی سجودمیں چلے جاؤکہ غایت درجہ خضوع ہے ، سورہ پڑھنے کے بعد رکوع کی نوبت ہے اس حد تک

[1] سورہ شعراء، آیت ۹۸.

کہ کم سےکم تمہاری انگلیاں تمہارے زانووں تک پہنچ جائیں۔[1] اور احتیاط مستحب یہ ہے کہ اتنا جھکو کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں تمہارے زانووں تک پہنچ جائیں۔

مسئلہ ۲۷۲: خود رکوع نماز کے واجبات رکنی میں سے ایک رکن ہے اور ذکر رکوع واجب غیر رکن ہے اور جوکچھ یہاں پر مسلم اورکم سے کم واجب ہے '' ذکرا للہ '' ہے اگرچہ''اللہ اکبر'' کہنے سے اور بہتر یہ ہے کہ '' سبحان اللہ '' یا '' سبحان ربی العظیم'' وکیا بہتر کہ یہ اذکار مکرربھی ہوں۔

مسئلہ ۲۷۳: رکوع کے بعد اس طرح کھڑا ہونا واجب ہے کہ اس (رکوع کرنےوالے) کی کمر سیدھی ہوجائے اور اگر کمرخمیدہ انداز میں یا اس طرح کہ سیدھا کمرہونا صادق نہ آئے اور اسی طر ح سجدہ میں چلا جائے تو اشکال ہے مگر اس صورت میں کہ معذور ہواور سیدھا کھڑا نہ ہوسکتا ہو توممکن حد تک سیدھا کھڑا ہویا رکوع کی حالت میں کچھ مقدار میں بلند ہوجائے اور اور اتنی مقدار میں بھی کھڑا نہ ہوسکے توا سی رکوع کی حالت میں اشارہ کے ذریعہ کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ میں چلا جائے۔

مسئلہ ۲۷۴: اگر کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو تو اسے رکوع کے بعد مکمل طورسے بیٹھنا چاہئے اور اگر نہ کرسکےتوجتنا ممکن ہے رکوع کی حالت سے بلند ترہو اور پھر بھی نہ کرسکے تو اشارہ کےساتھ کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ میں چلا جائے۔

مسئلہ ۲۷۵: رکوع بھی تمام واجبات نمازکی طح اپنی مخصوص نیت کے ساتھ ہونا چاہئے کہ اگر رکوع کی نیت نہ کرے، چاہے کسی دوسرے کام کی نیت کرے یا صرف خم ہونے کی نیت رکھتا ہو تو ایسا رکوع کافی نہیں ہے او ر رکوع کی نیت میں کافی ہے ارکان نماز میں سےکسی ایک رکن کے عنوان سے اصل نماز کے ارادہ سے انجام پائے کہ اگر کوئی سوال کرےکہ تم نے کیا کیاہے تووہ جواب میں کہے کہ میں نے رکوع کیا ہے۔

۲۷۶:اگر رکوع بھول گیا ہو اور اسی کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ میں چلا جائے تویہاں پر اگر سجدہ سے پہلے یا د آجائے کہ رکوع نہیں کیا ہے تو کھڑے ہوکر واپس ہو اور رکوع بجالائے نہ یہ کہ اسی خمیدہ حالت میں رکوع میں چلا جائے ، کیونکہ قیام متصل بہ رکوع خود ارکان نماز میں سےایک رکن ہے کہ یہاں پر انجام نہیں پایا ہے لہذا اس کی تلافی ہونی چاہئے اوراگر پہلے سجد ہ میں یادوسرے سجدہ سےپہلے یاد آجائے تویہاں پر بھی یہی فریضہ انجام دے گا۔اور نماز کےبعد ان دو اضافی عمل میں سے ہرا یک کے لئےدوسجدہ سہوکرے اوراگر دوسرےسجدہ کے بعد

---

[1] ۔مرحوم آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی۔

(خواہ سجدہ کی حالت میں خواہ اس کےبعد) اسے یاد آئے تو اس کی نماز باطل ہے پھر اسے دوبارہ صحیح صورت میں اس کے بقدر خم ہوکیونکہ یدل حتی الامکان اصل کی طرح ہونا ہوچاہئے تاکہ بدل ہونے کا معنی مصداق آئے۔

سجود:

مسئلہ ۲۷۸:سجدہ کلی طور پر زمین پر گرنے کی حالت میں اورنماز میں خدا کے حضور زمین پرپیشانی رکھنا ہے ؛ کیونکہ سجدہ خضوع وخشوع کا آشکار ترین جلو ہ ہے کہ حضرت اقدس الہی کے حضور منحصر ہے، اسی لئے پیغمبر اکرم □ اور آئمہ معصومین علیھم السلام کے سامنے بھی ہرگز سجدہ جائز نہیں ہے اگرچہ ان ہستیوں کے احترام میں کیوں نہ ہو چہ جائیکہ دوسروں کی نسبت کیونکہ سجدہ معبود یکتا کےعلاوہ کسی چیز اور کسی شخص کے سامنے عبادت اور شرک ہے اور فرشتوں نے بھی جو امر خداوندی کی بناپر حضرت آدم علیہ السلام کا سجدہ کیا تو اس معنی میں نہیں تھا کہ ان کےمسجود اور مود سجدہ حضرت آدم تھے بلکہ جو کچھ ہم نے تفصیل کے ساتھ تفسیر شریف الفرقان میں ذکرکیاہے ، یہ سجدہ ، سجدہ شکر تھا کہ اس طرح کے معلم و استاد کے شکرانہ کے طور پر کہ پروردگار نے ا ن کے لئے معین فرمایا، ماموریت پائی کہ ’’ اسجد والآدم‘‘ حضرت آدم کی نعمت وجودی کی وجہ سے سجدہ کرو لیکن افسوس کہ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کافی دقت نہیں کی اور ’’ اسجد والآدم‘‘ کا ’’اسجدو علی آدم کہ آدم کا سجدہ معنی کردیا اور بہت بڑی لغزش اور خطا ہے۔ بہر ح ال جوکچھ مسلم ہے رکوع اور سجود کی یہ خاضعانہ حالت صرف اور صرف حضرت اقدس رب الارباب میں منحصر ہے اور حضرت رب کے حضور میں بلند ترین عبارت بنابریں مؤمن کی معراج میں : نماز پہلی تکبیر میں دنیا و مافیھا سےتوجہ کوہٹا کر صرف اورصرف خدا کے حضور حاضری کوواجب جانتےہیں پھر منظم طریقہ سے روبقبلہ کھڑے ہوکر حمد اور سورہ پڑھنے میں مشغول ہوجاتےہیں کہ خدا کی غایت درجہ بندگی اورعبودیت کا اقرار ہے پھر اس لئےکہ یہ اقرار عملی جامہ پہن لے رکوع میں جاتےہیں کہ خضوع و خشوع اور بندگی کا پہلا آشکار نہ ہے اورچونکہ یہ رخ تمام خصوصیت کے باوجود حضرت اقدس الہی کے حضور کے لائق اور کافی نہیں ہےلہذا ہماری یہ ڈیوٹی بنتی ہے کہ ہم اپنی پہلی حالت کی طرف پلٹ کر سجدہ میں چلےجائیں کہ خضوع اور خاکساری کا بلند ترین رخ ہے۔

ہم سجدہ میں انسانیت کےمرکز اپنی پیشانی کو خاک پر رکھتے ہیں تاکہ ہم اس کے ذریعہ اپنے واحد لاشریک اور بے نظیر معبود کےسامنے غایت درجہ ذلت و خواری اور خاکساری کا ثبوت پیش کریں اور عاجزی ، توبہ اور رقابت اور ا لتماس و درخواست اورجسم کے ساتھ اعضا کو زمین پر رکھ کر اولاً اپنی عاجزی اور ضرورت

کی انتہاء کا پتہ دیں اور ثانیاً اس امید میں کہ انشاء اللہ ہم اس راہ میں اپنے اندر استعداد اور لیاقت ایجاد کرسکتے ہیں اور جہنم کے سات دراوزوں کو اپنے اوپر بند کریں اور نماز کے معراج المؤمن ،، ہونے کا راز اس کا ظاہر و باطن ، زبان حال اور بیان، افعال سارےکا سارا عروجی ہے۔

اس حسین اور خوبصورت مثلث میں حضرت اقدس الٰہی کی سمت جیسا کہ خبر میں ہے حضر ت امیر المؤمنین علیہ السلام سےکہ یہ دو سجدے اور دوبار ان سے سرا ٹھانا آیہ شریفہ(مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى)[1]کا ایک نقش ہےکہ پروردگار تو نے ہمیں اس خاک سے پیدا کیا ہے (اور یہ سجدہ اوّل کارمز ہے) اور تو نے ہمیں اسی خاک سے باہر نکالا ہے (کہ یہ دوسرے سجدہ سے اٹھنے کا رمز ہے) اور یہ دونوں ہی ومنھا خلقناکم میں پوشیدہ ہے اور دوسرا سجدہ کہ ہمیں دوبارہ اسی خاک کی طرف پلٹاتاہے اور دوسرے سجدہ سے اٹھنا کہ ہمیں اسی خاک سے باہر لائے گا۔[2]

فی العلل باسنادہ الی احمد بن علی الرّاھب قال: قال رجلٌ لامیر المؤمنین علیہ السلام یا بن عم رسول اللہ ما یعنی السجدہ الاولیٰ،، سجدہ رکوع کے برخلاف نماز سے مخصوص نہیں ہے کہ سجدہ شکر ، سجدہ تلاوت اور ہرسجدہ عبودیت اور مقام ربوبیت کی تعظیم کےعنوان سےعبارت ہے۔

لیکن نماز کےعلاوہ میں رکوع عبارت کے عنوان سے منصوص نہیں ہے اگرچہ قربت مطلقہ کی نیت سے صحیح ہے ، کیونکہ (واذا قیل لھم ارکعوا لایرکعون) جیسی آیات میں رکوع میں بھی ایک عمومی حکم پایا جاتاہے کہ سجود کو بھی شامل ہےچنانچہ سجودبھی ایسا ہی ہے کہ (وادخلوالباب مسجداً) بالآخر ان میں سے ہر ایک اپنےمراتب کے لحاظ سے حضرت اقدس ربانی سے مخصوص ہے۔

سجدہ کے احکام:

مسئلہ ۲۷۹: رکوع سے اٹھنے کے بعد دو سجدہ کرنا نماز کےواجبات رکنی میں سےہے اور ان میں سے ہرا یک جداگانہ طور پر غیر رکنی واجب ہے اور نتیجتاً دونوں کا ترک کردینا یا دونوں کی تکرار اور کم زیادہ کرنا رکن ہے اور نماز کوبہر صورت باطل کردیتاہے۔

مسئلہ ۲۸۰: سجدہ کے رکنی اصل زمین پرپیشانی رکھنا ہے اور اس کےعلاوہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور پیروں کے دونوں انگوٹھے یا ان کےاطراف اور زانو بھی زمین پر رکھےجائیں اور کیا بہتر (کہ منصوص بھی ہے) خاک بھی خاک پر رگڑو کہ یہ خود عبودیت میں غایت درجہ کی اور خضوع کی علامت ہے کہ اس عظیم معراج میں

---

[1] سورہ طہ، آیہ ۵۵.
[2] نور الثقلین، ۳: ۳۸۲.

بھی اپنی پیشانی خاک پر رکھو اور خاک پر ناک بھی رگڑو کہ تم خاکی ہو اور اسی خاک کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اور تم اپنی زندگی کے تمام شعبوں اور پہلووں میں اپنے خالق کے سامنے عاجزی اورخاکساری کرتے رہو۔

مسئلہ ۲۸۱: الہی رکوع میں گذشتہ تفصیل کےمطابق ذکر رکوع کی طرح ذکر مسجود بھی واجب ہے سواسے اس کے '' سبحان ربی العظیم و بحمدہ'' کے بجائےکہ شائستہ ہے '' سبحان ربی الاعلی وبحمدہ'' کہو کہ یہاں پر سب اعلی کی تعظیم اور تسبیح کی تعظیم اور تسبیح کا مقام ہے۔ اور کم سے کم '' سبحان اللہ '' کہنا ہے یا کوئی دوسرا ذکر ہے کہ ذکر کی تکرار سےمثلاً ۳/یا ۷مرتبہ یا اس سے زیادہ سبحان اللہ کہنے سے تمہاری رکوع یا سجود کی اہمیت دوبالا ہوجاتی ہے۔

مسئلہ ۲۸۲: تمام ذکر رکوع (سوائے اس کے اختصاص کے) سجود کی حالت میں بھی ہے اور یہاں پر دو سجدہ کے درمیان صحیح طریقہ سے بااطمینان بیٹھنا واجب ہے کہ (مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ...وَمِنها نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى) پر درست عملی ہو کہ '' ہم تم کو خاک سے اٹھائیں گے '' اور یہ دونوں سجدے (جیسا کہ گذر چکا ہے) اس قرآن خبر سے ادبیانہ اور واقعی کردار ادا کرتاہے کہ یہی مٹی جو تمہاری تخلیق کا اصلی مادہ ہے اپنے خالق کے احترام میں سجدہ کرو اور اس کےبعد دوسرا سجدہ پہلے بار سجدہ سے سرا ٹھانے کےبعد کہ تمہاری بازگشت کا ایک جلوہ ہے تم نے ان دونوں سجدےمیں اس طرح سے سہ پہلو هندسہ شکل اپنی موت اور زندگی کے سراپا کی ظاہر کی ہے نہ صرف واجب، حرام، مستحب اور مکروہ زندگی کی گذارشی نماز کا سراپا بلکہ صرف دو سجدہ کو اصلی محور نماز ہے، ان حقیقتوں کا بیان کرنے والا ہے۔

مسئلہ ۲۸۳: سجدہ کے واجب ذکرکرتےہوئےاعضائے سجدہ (دونوں ہتھیلیاں، دونوں انگوٹھے ، دونوں زانو اور پیشانی کا) سکون کی حالت میں زمین پر قرار پانا واجب ہے۔

مسئلہ ۲۸۴: سجدہ کی اصل رکنی وہی زمین پر پیشانی رکھنا ہے چنانچہ سہواً ذکرواجب ہے ، پہلے سجدہ سے سراٹھالے تووہی ایک سجدہ شمار ہوگا لہذا صحیح طور سے بیٹھے اوردوبارہ سجدہ کرے لیکن اگر دیگر اعضاء کو ذکر واجب سے پہلےزمین سے اٹھالے تو اسے دوبارہ زمین پر رکھنا چاہئے اور سجدہ کےفرائض انجام دینا چاہئے۔

مسئلہ ۲۸۵: سجدہ گاہ سے پیر کی انگلیوں اور زانو کی جگہ (ایک اینٹ سے زیادہ) کہ اس زمانہ م یں چار بندھی انگلیوں کے برابر تھی)اونچی یا نیچی نہیں ہونی چاہئے مگر یہ کہ پستی اور بلندی نشیب و ڈھال یا بلندی تدریجی ہوکہ یہاں پر کوئی حرج نہیں ہے اور یہ شرط تمام اعضاء کی نسبت نہیں ہےکہ اگر ہاتھ سجدہ گاہ سے بلند

تر یا نیچے ہوں تو جب تک حالت سجدہ سے خارج نہیں ہوا ہے ، کافی ہے۔
مسئلہ ۲۸۶: پیروں کی دو بڑی انگلیوں میں ان کےسرے کا زمین پر ٹکنا واجب نہیں ہے اور اگرسامنے سے یا پیچھے سے بھی زمین پرواقع ہو توکافی ہے ۔[1]اگرچہ انگلیوں کی نوک (کاٹکنا) بہترہے، کیونکہ دلیل حکم صرف پیر کی دو بڑی انگلیوں کا زمین پررکھنا ہے نہ ان کی نوک کا۔
مسئلہ ۲۸۷: اگر زمین پریشانی رکھنے کے بعد بے اختیار دوبارہ پریشانی زمین سے بلند ہوجائے اورخود بخود دوبارہ زمین پر ٹک جائے تو دونوں ہی ایک سجدہ شمار ہوگا اور اگر دوبارہ پلٹنے سے اجتناب کرسکتاہے توپہلے کوا یک سجدہ حساب کرے اور دوسرے سجدہ کی نیت سے بیٹھنے کے بعد صحیح طریقہ سےپیشانی زمین پر رکھے اور اگر پہلےسجدہ کے لئےواجب ذکرنہیں کیاہےتو اسے نمازکےبعد دوسجدہ سہو انجام دے۔
جن چیزوں پر سجدہ کرنا صحیح ہے
مسئلہ ۲۸۸: زمین اور جوکچھ اس کے اوپر یا اندر معادن اور نباتات میں سےہے، پاک و پاکیزہ ہونےکی شرط کے ساتھ کلی طور پر سجدہ کی جگہ ہے کہ سب سے پہلے آیت سجدہ مطلق ہے اور رسول خدا کی مسلم روایت (جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً) زمین کو ہر صورت سجدہ کی جگہ اور طہارت کا وسیلہ قرار دیاہے اورصرف کچھ روایات کی بنیاد پر پہننے کھانے کی چیزیں جدا ہوئی ہیں کہ ان پرسجدہ صحیح نہیں ہے۔
مسئلہ ۲۸۹: زمین سے اگنے والی چیزیں صرف درختوں اور گھاس پھوس میں منحصر نہیں ہیں بلکہ معادن(کانیں) بھی زمین کی پیداوار اورا س سے اگنے والی چیزوں میں ہیں اور '' نبات الارض'' پر مشتمل ہے یا کم از کم '' زمین''پر مشتمل ہے خواہ یہ خواہ وہ بنابرین اصل معدن کو زمین کا جزء ہے اور تمام اجزائے زمین کی طرح مسجد گاہ ہے اور ان پر سجدہ کرنے میں ہر گز کوئی اشکال نہیں ہے ، بجز سونا، چاندی، عقیق، الماس، فیروزہ اور ان کےمانند کے کہ صرف ان کے پہننے کی چیزہونے کی وجہ سے ان پرسجدہ نہیں کرنا چاہئے نہ کہ یہ '' زمین'' سے خارج ہیں بالاخرہ صرف کھانے اور پہننے کی چیزیں استثناء ہوئی ہیں۔
اور بس (علامہ حلی کتاب منتہیٰ میں تحریر اور تذکرہ میں اور شہید قواعد علامہ حواشی میں اور دوسرے گیہوں اور جو ہر سجدہ کو کہ ابھی بھوسانہ نکلا ہو جائز جانتےہیں اور محقق حلی الشرائع اور نافع میں اور اسی طرح سید مرتضیٰ موصلیات میں ذکر کیا ہے اس لباس پر سجدہ کرنا جائز ہےجو روئی اورکتان کا ہو اور

[1] ۔محقق ثانی، صاحب مدارک، شہید ثانی ، کشف اللثام، تذکرہ علامہ، کشف الخطاء، سراسر، جمل، منتهی، حدائق اور منظومہ بحرالعلوم موافق ہیں۔

علمائے شیعہ کا ایک گروہ جو کھائی یا پہنی نہیں جاتی اس پر سجدہ جائز جانتے ہیں جیسا کہ صدوق ہدایہ میں کہتے ہیں: جو کھائی یا پہنی نہ جاتی ہو، اس پر سجدہ جائز ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ جو اصل میں کھانے اور پہننے کی ہیں لیکن فی الحال نہیں ہیں اور آئندہ میں بھی ایسی عرفی قابلیت نہیں رکھتیں جیسے فرش۔

مسئلہ ۲۹۰: کیا اس صورت میں گچ، او ر پختہ مٹی اور اس جیسی چیز وں پر سجدہ جائز نہیں ہے اس گمان یا احتمال کی بنا پر کہ اس تبدیلی سے '' ارض''(زمین) ہونے سے خارج ہوگئے ہیں؟ جو اب یہ ہے کہ '' ارض'' وہی '' ارض'' ہے خواہ پختہ ہو یا نا پختہ خواہ ساختہ ہو یا نا ساختہ صرف کھانے اور پینے کی چیزیں مستثنٰی ہیں اور بس ، توکیا گچ ، چونا اور پختہ مٹی اس ذریعہ سے کھانے اور پینے کی چیزیں ہوگئی ہیں یا زمین کا جز تھیں اور اب زمین سے خارج ہوگئی ہیں ہزگز!(1)

مسئلہ ۲۹۱: کیا کھانے اور پہننے کی چیزوں میں یہ شرط ہے کہ فی الحال بھی کھانے اور پہننے کی ہوں؟کہ بنابرایں کچا گیہوں ، کچی روٹی ، کتان، بغیر بنا ہوا ریشم استثناء سے خارج ہے ؟ کھانے اور پہنے کی چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جنہیں ایشائے خورد و نوش کہا جاتاہے اگرچہ فی الحال ایسی نہ ہوں اس لحاظ سےچند روایات میں روئی و کتان پہننے کی چیزوں سے استثناء ہوئی ہیں جبکہ موجودہ دور میں ہرگز پہننے کے قابل نہیں ہیں ۔ بالآخر کھانے اور پہننے کی وہ چیزیں جو عام تبدیلی سے کھانے اور پینے میں تبدیل ہوجائیں تو ا ن پر سجدہ نہیں کیاجاسکتا جیسے گوشت، گیہوں اور اس کے مانند بنابرایں اس میں کوئی فرق نہیں کہ کھانے یا پہننے کی چیزیں فی الحال ہوں یا قریب قوت کی پائی جاتی ہو بہرحال ان پرسجدہ جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۹۲: اس بنا پر اگر آپ سوال کریں کہ فرش اوردری پرسجدہ کیا جاسکتاہے ؛ کیونکہ نہ موجودہ صورتحال میں اور نہ ہی کسی حالت میں پہننے کے قابل نہیں ہے ؟ تو کہنا چاہئے ہاں کہ ہرگز اور کبھی بھی پہننے کے قابل نہیں ہے صرف جوچیزیں روایات میں استثناء ہوئی ہیں صرف کھانے اور پہننے کی چیزیں ہیں ، اورجو چیز قدر مسلم ہے وہ پہننے کی چیزیں ہیں جو تمام جواہرات پر بھی مشتمل ہیں ، مورد استثناء ہوں گی اور بس۔

کیا پہننے کی چیز مکان کو ڈھانپنے کی چیز کو کہ فرش ، دری اور اس کے مانند کو بھی شامل ہے ؟ طبیعی طور پر نہیں ، صرف لباس ، ٹوپی ، جوتا، بالآخر جسم کا آرائشی لباس '' پہننے کی چیزوں کے مصادیق میں سےہے اور بس۔

مسئلہ ۲۹۳: بہرصورت جوکچھ مسلم ہےیہ ہے کہ زمین یا زمین کہے

---

[1] ۔معاصرین میں سے جو لوگ چونے کے پتھر ، گچ اور پختہ چونے، اینٹ اور مٹی کےکوزہ پرسجدہ کرنا جائز جانتے ہیں ، آقائے خمینی اور آقائے خوئی ہیں۔

جانےپرہر چیز پرسجدہ کرسکتےہیں اور جو چیز مسلم طور پر استثناء ہوئی ہے،
کھانے اور پہننے کی چیز ہے کہ کھانے کی چیز وہ ہے جو کھانے کے لئے آمادہ ہو یا
معمول کےمطابق اسے آمادہ کیا جاسکتاہے اور پہننے کی چیز ہے جو اس وقت یا آئندہ
میں پہننے کے کام آسکتی ہے اور فرش اور دری ان تمام پہننے کی چیزوں سے خارج
ہے اور بالآخر پہننے کی چیز '' وہ چیزہے جو ابھی یا آئندہ میں معمولاً پہننے کے کام
آسکتی ہے اور فرش اور دری ان تمام پہننے کی چیزوں سے خارج ہے اور بالآخر
''پہننے کی چیز'' وہ چیز ہے جو ابھی یا آئندہ میں معمولاً پہننے کے قابل ہوگی ۔ لیکن
گاڑھے رنگ کا نائیلون کا لباس کہ اس کی اصلیت تیل سے ہے چونکہ اس وقت
پہننے کے کام آتا ہے، اس پر سجدہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن روئی، کتان اور اون کہ
تینوں ہی معمولی پہننے کی چیزوں میں سے ہیں یا فی الحال لباس ہوگئی ہیں یا آئندہ
معمولی حالت میں آخرکار لباس اور پہننے کی ہے لیکن یہی پہننے کی تینوں چیزیں
حال یا آئندہ میں خاکستر ہونے یا فرش اور دری میں تبدیل ہوجانے کی وجہ سے کلی
طور پر حال اور آئندہ میں پہننے کے کام نہ آئیں تو قطعاً '' الارض و ما انبتہ'' میں
داخل ہے کہ زمین یاجو زمین سے اگتاہے ، اس میں سےہوں گے ، اور قطعاً ''
ملبوس'' پہننے کی چیزوں میں سے نہیں ہیں۔
اور اگر تارکول اور اس کے مانند آئند میں دور کے اسباب سے نائیلون اور
لباس میں تبدیل ہوجائے اور چونکہ لباس ہونے کا راستہ طولانی ہے۔ اور زیادہ
واسطوں کی ضرورت ہےتویہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ پہننے کی چیزوں میں ہے اور
اس پر سجدہ کیا جاسکتا ہے۔
مسئلہ ۲۹۴: جو چیزعام طورپر کھائی یا پہنی جاتی ہے اس کےبارے میں
معلوم ہے کہ لیکن جو چیز عام طورپر کھائی ارو پہنی نہیں جاتی بیماری جیسی
مخصوص حالت میں مختص ہے جیسے وہ جڑی بوٹی جو معالجہ کے لئے ہوتی ہے نہ
رائج کھانے کے لئے ظاہراً اس طرح کی غیر معمولی کھانے اور پہننے کی اشیاء اس
استثنا سے خارج ہیں لیکن یہاں پر احتیاط مستحب کا مقام ہے کہ ضرورت کےعلاوہ ان
پر سجدہ نہ کیا جائے۔
مسئلہ ۲۹۵: تازہ برگ مو کے مانند کہ کبھی کبھی کھانے میں استعمال ہوتی ہے
ظاہراً اس کے کھانے والوں کے لئے جائز نہیں ہے، اگرچہ دوسروں کے لئےجائز ہے
لیکن تربوز اور خربوز کے چھلکےاور اس جیسی چیزوں پرکلی طور پر جائز ہے
کیونکہ یہ سب معمولاً کھانے کی چیزیں نہیں ہیں اور ان کا مربا کی صورت میں
کھانے کے قابل ہونا، کھانے میں حساب نہیں ہوتا اور اس مسئلہ میں بھی سابق مسئلہ
کی طرح ضرورت کےعلاوہ ان پر سجدہ کرنا مناسب نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۹۶:ہر کاغذ پرسجدہ جائز ہے خواہ روئی سے بنایا گیاہو یا کسی دوسری چیزوں سے ، کیونکہ نص'' کاغذ '' مطلق ہے اور ہر کاغذ کو شامل ہوتاہے اور اس کی اصل پہننے کی چیز ہولیکن اس وقت ملبوسات سے خارج ہوچکاہے اور معمولاً اسے آسانی کے ساتھ پہننے کے قابل نہیں بنایا جاسکتا تو پھر یہ ملبوسات میں سے نہیں ہے کہ بنابراین فرش اور دری پرسجدہ کیا جاسکتاہے۔
مسئلہ ۲۹۷: اگر جس چیز پرسجدہ کرنا جائز ہے وہ دسترس میں نہ ہو تو پھر دور اور نزدیک کی رعایت کرتے ہوئے دوسری چیزوں پرسجدہ کیا جاسکتاہے اور اگر ان میں سے کوئی بھی ممکن نہ ہو تو اپنی ہتھیلی کی پشت پرسجدہ کرلے اور آخر کار عقیق اورفیروزہ پرسجدہ کرے اورسجدہ فرش اور دری جیسی چیزوں کہ عام حالت میں بھی کوئی اشکال نہیں رکھتا یہاں پر تمام چیزوں پر ترجیح رکھتی ہے۔
مسئلہ ۲۹۸:اگر پہلے سجدہ میں اس کی پیشانی سے سجدہ گاہ چپک جائے تو دوسرے سجدہ میں اسے پیشانی سےچھڑا کر دوبارہ زمین پر رکھنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ فریضہ صرف اتنا ہی ہے کہ سجدہ اس چیز پر ہونا چاہئے جس پر جائز ہے نہ یہ کہ حتماً اس وقت اس پرواقع ہو بالآخر دلیل کا اطلاق یہاں پر دوسرے سجدہ کوصحیح کرتاہے اورسجدہ اپنی صحیح جگہ پر واقع ہوتاہے۔
مسئلہ ۲۹۹: اگر نماز کے دوران جس پر سجدہ کیا جاتا تھا وہ چیز ناخواستہ طورپر دسترسی سے نکل جائے اور اس تک رسائی حاصل نہ کرسکے تو اس کی نماز صحیح ہے اور ان چیزوں پرسجدہ کرے جوگذشتہ مسئلہ میں گذرچکی ہے۔
مسئلہ ۳۰۰: جس چیز پر سجدہ کررہاہے اسے پاک وپاکیزہ اورمباح ہونا چاہئے جزضرورت کےوقت کہ اس کا خود باعث نہ بنا ہو، چنانچہ ناپاک اورغصبی چیز در اصل سجدہ گاہ نماز میں سے نہیں ہونی چاہئے لیکن اس وقت وقت تنگ ہے اورکوئی ایسی پاک اور مباح چیز نہ ہو جس پرسجدہ کرسکےتو ایسی صورت میں انہی ناپاک اورغیر مباح چیزوں پر سجدہ کرے اور اس کی نماز صحیح ہے لیکن اگر یہ ضرورت اختیاری رہی ہو تو پھر نماز کا اس کے شرائط کے ساتھ اعادہ کرے او ر اگر وقت گذرچکا ہو تو اس کی قضا کرے۔
مسئلہ ۳۰۱: اگراچانک ، غیر اختیاری طورپر یا سہواً یا غلطی سے اس کی پیشانی ایسی چیز پرواقع ہوجائے جوسجدہ گاہ کے حدود سے خارج ہو تویہ سجدہ اپنی جگہ پر صحیح ہےاور امکانی صورت میں بعد کے سجدوں کے لئے اسے ایک صحیح سجدہ گاہ فراہم کرنا چاہئے کہ او ر اگر نہ کرسکے تواس کی نماز صحیح ہے ؛ سجدہ گاہ کیونکہ کھانے اور پہننے کی چیزوں سے نہ ہو نا نمازکی دیگرشرطوں کی امکانی صورت میں مشروط ہے۔ ہاں، اگر اضطراری سجدہ کسی ایسی چیز پر ہوجس پر سجدہ

نہ کیا جاسکتا ہو چنانچہ یہ سجدہ خود اس کے اختیار سے رہا ہو کہ اصطلاحاً یہ اضطرار خود اس کے اختیار کا نتیجہ تھا ایسے موارد میں اپنی نماز اسی طرح تمام کرے اور اس کے بعد صحیح سجدہ گاہ فراہم کرکے صحیح نماز کا اعاد ہ کرے۔
تشہد اور سلام
جوکچھ تشہد میں واجب ہے صرف شہادتین ہے گرچہ بطور معمول : اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ اللھم صل علی محمد و آل محمد'' کہے توکافی ہے اورحضرت پر صلوات پڑھنا دوجہات سے واجب ہے سب سے پہلے یہ کہ نماز دو تشہد کے بعد واجب ہے اور دوسرے بطورکلی محمد کا نام سنتے یا ذکر کرنے سے حضرت پرصلوۃ واجب ہے کے بعد آل محمد کا ذکر بھی واجب ہے یہاں تک نماز کےعلاوہ بھی اس طر ح کی صلوات پڑھی جائے (اللھم صلی علی محمد) اور فوراً بعد (وآل محمد) بھی واجب ہے۔
مسئلہ ۳۰۳: واجب سلام آخری دو سلام میں سےکوئی ایک ہےکہ ''السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین'' یا السلام علیکم'' اور اس کے بعد '' ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' مستحب ہے درحقیقت پہلا سلام کہنے سے نماز تمام ہوگئی اور اس کے بعد اسلام مستحب اور بس ۔نتیجتاً اگرپہلے اسلام کےبعد مبطلات نماز میں سے کوئی چیز پیش آجائے تو اس کا نماز باطل نہیں ہوگی، کیونکہ اس وقت تمام واجبات نماز سے خارج ہوچکاہے اور نمازکےمستحاب کاترک کرنا (مجموعی طور پر) نمازکو باطل نہیں کرتا مگریہ کہ پہلا سلام اور استحباب کی نیت سے کہا ہو کہ دوسرا طبعاً واجب ہے اوراس کا ترک یا ابطال نماز کو باطل کردیتاہےاور اگر پہلے سلام میں نہ وجوب کی نیت رکھتاہو اور نہ استحباب کی تووہی کافی ہےکہ دوسرے (سلام) میں وجوب کی نیت کرے '' السلام علینا و علیکم''نماز میں دونوں ہی حاضرین اورغائبین پرسلام ہےکہ خود اللہ کی حمد وثنا کے بعد نماز میں ایک پیغام ہےکہ بندگان خدا کی نسبت محبت اور سلامتی ہے۔
سلام کے احکام
مسئلہ ۳۰۴: ہم یہاں پر سلام نماز کی مناسب سے مختصر طور پر اس کےعمومی احکام کے بارے میں وضاحت کریں گے۔
سلام کے دو معنی ہیں:اخبار اور دعا کہ اس کی دعا اس معنی میں ہےکہ خدا تمہیں سلامت رکھےاور اس کی اخبار (خبر دینا) اس معنی میں ہے کہ میری طرف سے اس شخص کی نسبت جسے میں سلام کررہا ہوں صلح و سلامتی کے سوا کچھ نہیں ہے اس اصل کی بنیاد پر ہرمسلمانوں پرسلام دونوں ہی معنی میں درست ہے ، لیکن غیر مسلمانوں پر سلام کہ آ پ جانتےہیں وہ اہل دوزخ ہیں ، ان کےلسے صحیح اخبار

اور خدا سے اس کے لئے طلب مغفرت کی جہت سے دعا کےمعنی میں حرام ہے۔
کافر پر سلام (جو بیان کیا گیا اس کے خلاف) حرام ہی نہیں بلکہ ا س کے اسلام او ر ایمان کا گرویدہ ہونےکےلئے ایک ایمانی فریضہ بھی ہےچنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر جو ان کےباپ کے حکم میں تھا اور بت بنانےوالوں اور بت پرستوں کا سردار بھی تھا سے فرمایا: ''سلام علیک'' تم پر سلام ہو کہ سلام کے دونوں ہی معنی کا حامل ہے ، کیونکہ ابھی نہیں جانتے تھے کہ وہ جہنمی ہے یا نہ اور اسی طر ح امیدوار تھےکہ وہ ایمان میں کامیاب ہوں گے جب آپ نےجان لیا کہ وہ جہنمی ہے پھر آپ نے اس(آذر) کے لئے طلب مغفرت نہیں کی۔
سلام کا جواب کلاً واجب ہے اگر چہ سلام کرنے والا بچہ یا غیر مسلم ہو یہاں تک کہ نماز میں لیکن اس حال میں جواب سلام کے الفاظ سلام کرنے والےکے الفاظ سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے اورایک آیت میں سلام اس طرح ذکر ہوا ہے (وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا)[1]جب تمہیں سلام کیا جائے تواس کے جواب میں ا س سے بہتر یا اسی طرح کا سلام کرو'' کہ سلام کے جواب میں واجب وہی سلام ہے اگرچہ سلام کے جواب میں بھی واجب کہ جواب، سلام سے بہتر ہو لیکن نماز میں جائز نہیں ہےکہ نماز کےمناسب بات کےعلاوہ کوئی بات کہی جائے اورا سلام کےجواب میں بھی واجب پراکتفاء کی جائے گی ؛ کیونکہ سلام کا جواب کلی طور پر واجب اور اس کا ترک کرنا اہانت ہے اور اگر نماز میں ''بحکم اللہ ومساکم اللہ'' جیسے دیگر الفاظ کے ذریعہ سلام اور تحیت ہو تو اس کا جواب بس سلام ہے کیونکہ یہ خو د'' احسن منہا'' (اس سے بہترہے) کہ ہر سلام اور تحیت سے بہتر ہے ۔[2]اور یہ ''تحیت'' کہ جس کا آغاز سلام ہے، اسے لفظ میں منحصر نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کے تحریری خوش رہو، زندہ رہو سب کوشامل ہے اورمجموعی طورپرتمام جائز تکلفات کوشامل ہوتاہے۔

نماز سے متعلق جدید مسائل

مسئلہ ۳۰۵:اگرکسی نے کسی ایک افق میں نماز صبح پڑھ لی اور اس کےبعد ہوائی جہاز سےسرعت کے ساتھ کسی سمت پرواز کر گیا کہ راستہ یا مقصد میں ایک بار پھر فجر طلوع ہوگئی تو اسے دوبارہ پڑھنا چاہئےکیونکہ '' قرآن الفجر''نے نماز صبح پرمکلف ہر حال میں طلوع فجر کےوقت واجب کیا ہے کہ اگر ان میں سےکسی ایک کو ترک کردے تو اس کی قضا کرنی چاہئے جیسا کہ تمام پنجگانہ نمازوں میں ایسا ہی ہے۔

مسئلہ ۳۰۶: حرکت خورشید کی راہ میں کئی تیز رفتار گاڑی سے حرکت کرے

---

[1] سورہ نساء، آیہ ۸۶.
[2] چنانچہ شہید اول نےکتاب بیان میں احتمال دیا ہے اورشہید ثانی کی مسالک کا ظاہر ہے۔

کہ ۲۴/ گھنٹے تک بین الطلوعین کی حالت میں باقی رہے تو ایسے مورد میں ۲۴/گھنٹوں کو اس طرح تقسیم کرےکہ پنجگانہ نمازوں کو پڑھ سکے۔

مسئلہ ۳۰۷: اگر کسی ایسے افق میں زندگی گزار رہاہے کہ مجموعاً شب و روز ۲۴/ گھنٹے سے بہت زیادہ ہیں کہ مثلاً ۶/ ماہ رات ہے اور ۶/ماہ دن تو ایسے افق میں وقت کو شب وروز کے مانند ۲۴/گھنٹوں میں تقسیم کرنا چاہئے اور پنجگانہ نماز اور اسی طرح روزہ میں سے ہر ایک کو اپنے طے کردہ حصہ میں قراردے اور کیا بہتر کہ معمولی افق میں سے نزدیک ترین افق کو ان حصوں کا معیار قرار دے اور اس قریب ترین افق کے اعتبار سے اپنےفریضہ پر عمل کرے ، لیکن ان سب سے بہتر اس طرح کے موار میں ان سب سے مکہ کا افق ہےکہ ''ادام القری'' ہے کیونکہ '' ام القری'' مکہ مکرمہ کے مکانی اور مکان اور زمان اور معنی کے لحاظ سے محور ہونے کو شامل ہوتاہے۔

مسئلہ ۳۰۸: نماز گزار کا لباس ظاہری اعتبار سے جسم کا لباس ہے ، باطنی لباس تقوی ہے جسم کے ظاہری لباس کوباطنی لباس کے مطابق ہونا چاہئے، پاک وپاکیزہ ہونا چاہئے، کیونکہ معراج مؤمن میں جسمانی عروج کو بھی روحانی عروج کی طرح نظر میں رکھنا چاہئے۔اس اصل کی بنیاد پر اس مقدس '' نماز'' کی وادی میں '' ا خلع نعلیک'' (سورہ طہ، آیت ۱۲) کا دستور ہے کہ جوتے کے ساتھ نماز نہیں پڑھی جاسکتی کیونکہ نماز کی وادی مقدس کوہ طور کی وادی مقدس کی طرح ہے اور بالآخر وادی کا مقدس ہونا خواہ کوہ طور کی مقدس وادی کےبرابر ہو یا اس سے کم چہ جائیکہ زیاد ہ ہو، صرف '' وادی مقدس'' ہونے کے بموجب جوتا پہننا نماز کی وادی مقدس کے احترام کے خلاف ہے اورجو روایت نے پیغمبر کی جوتیوں کے ساتھ کبھی نماز کا ذکرکیاہے وہ ہرگز درست نہیں ہیں۔

مسئلہ ۳۰۹: مرد اور عورت دونوں ہی پرنماز میں شرمگاہ کا چھپانا واجب ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ درمیان میں کوئی محرم ناظر ہے بلکہ تنہائی اورخلوت میں بھی ایسا ہی ہے ، اس کےعلاوہ عورت نماز میں ایسا پردہ بھی رکھتی ہو جو نامحرموں کے سامنے کرتی ہے ، کیونکہ عورت کا پردہ اس کے لئے ضروری اور مناسب ہے اور (خذوا زینتکم عند کل مسجدٍ)[1] زینت حجاب کو عورتوں پر نماز کے وقت بھی واجب کہا ہے ، جیسا کہ سنت قطیعہ میں بھی ذکر ہواہےکہ مرد بھی کہ سر سے سے پاؤں تک مکمل پردہ نہیں رکھتا انہیں بھی معراج مؤمن کےساتھ مناسب پردہ کرنا چاہئے کہ بہترین پردہ خود کوڈھاپنا ہے اور کم از کم توہین آمیز پردہ اختیار نہ کریں۔

مسئلہ ۳۱۰: اگر نماز کا لباس اس طر ح وسیع اورکھلا کھلا ہوکہ خود اپنی

---

[1] ۔سورہ اعراف، آیہ ۳۱.

شرمگاہ کو دیکھ سکتا ہو نہ اس کےعلاوہ کوئی تو ایسی صورت میں اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ شرمگاہ ڈھاپننے کی دلیل صرف اس پردہ کو مدنظر رکھتی ہے جو دوسروں کی نسبت ہو نہ اپنی۔

مسئلہ ۳۱۱: نماز مردہ حیوان کی جلد اور اس کے تمام اجزاء اورحرام گوشت کے اجزا میں کلی طورپر صحیح نہیں ہے اور نہ جان پائے کہ یہ کھال اور اس کےمانند حرام گوشت حیوان یا مردہ حیوان کی ہے یا اس حیوان کی ہےجس کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیاہے یا نہیں تو اس کی نمازصحیح ہے کیونکہ جوکچھ یہاں پر مربوط آیت اور اخبار سے ملتاہے یہ ہے کہ اس کی حرمت ثابت نہ ہو یعنی اتنا ہی کہ اسے معلوم نہ ہو کہ یہ مردار کا جزہے، یا نجس یا غصبی ہے ، کافی ہے۔

مسئلہ ۳۱۲: '' میتۃ'' ہر حیوان کا مردار یا اس کا جز ہے کہ یا حرام گوشت ہے خواہ مردہ ہو یا زندہ یا حلال گوشت ہے اور لیکن زندہ ہونے کی حالت میں اس سے جدا ہوگیاہے یا غیر شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیاہے؛ خود بخود مرگیاہے بہرحال یہ سب نجس اورمردار کا حکم رکھتےہیں اور ان کا نماز میں اپنے ساتھ رکھنا حرام اور نماز کے باطل ہونے کا موجب ہے۔

مسئلہ ۳۱۳: نماز گزار کے لباس کے شرائط میں سےپاک وپاکیزہ ہونا اور ان کا غصبی نہ ہونا ہے اورجبکہ ناپاک ہونا پاکیزہ نہ ہونا یا سا کا غصبی ہونا معلوم ہو اس کی نماز باطل ہے جز اس صورت کےکہ خود نماز گزار کی وجہ سے پیش نہ آئی ہو، کیونکہ قرآن صرف اور صرف اس وقت عذر کوقبول کرتاہےجب '' مااضطر تم '' عذر ہو یعنی جب شدت کےساتھ مفطر ہوجائے نہ وہ شخص جس نے خود ہی سے خود مضطر اور مجبور بنا دیا ہو کہ یہاں پر اس کا عذر قابل قبول نہیں ہے اور آیہ کریمہ (...إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ)[1] نماز انسان کو ہر فحشا اورمنکر سے روکتی ہے''جب ایسا اظہار کرتی ہے نماز میں ہرقسم کےفحشا اور منکر کا ہونا اسے نماز ہونے سے دورکرتی ہے نتیجتاً نماز میں ہرحرام عمل انجام دینا حرام اورا س کے باطل ہونےکا سبب ہے اور انہی میں سے غصبی لباس اورمکان میں نماز پڑھنا ہے ، اور اصولی طورپر ایسی نماز ہی نہیں ہے اورکم سےکم نماز کا فحشا اور منکر سے روکنا نماز کی حالت میں روکنا ہے اور یہ عمومی اورکلی فریضہ ہے اور یہ سلسلہ نماز کے بعدیا اس سے قبل کی نسبت ظاہری وہ تقوی ہے کہ اس کا ترک کردینا نماز کی ظاہری شکل کو باطل نہیں کرتا اگرچہ نماز کی باطنی شکل کو نماز کی نسبت خلل سے دوچارکرتاہےکیونکہ بے تقوائی روح نماز کے ساتھ ساز گار نہیں ہوتی۔

---

[1] سورہ عنکبوت ، آیہ ۴۵.

مسئلہ ۱۱۴: نماز گزار کے ہمراہ کسی ناپاک چیزکا ہونا اوروہ صرف اگلی اورپچھلی شرمگاہ کوڈھانپنے کےلئے کافی نہیں ہے وہ نماز کے باطل ہونے کا سبب بھی نہیں ہے صرف کسی ایسی چیز کی ناپاکی اور گندگی جو تنہا شرمگاہوں کوچھپانے کے لئے کافی ہے اور نماز میں ممنوع ہے۔

مسئلہ ۱۱۵:نماز میں مرد کے لئے اصلی اور خالص ریشم (جیساکہ غیر نماز میں) حرام ہے مگرمجبوری کی حالت میں کہ غیر اختیاری طور پر پیش آگیاہے یا جنگ کی حالت میں کہ صرف جنگ کی حالت میں حریر پہننا حلال ہے اور ناخواستہ ضرورت کی حالت میں بھی اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

نماز گزار کی جگہ

مسئلہ ۳۱۷: اگر نمازکی حالت میں کوئی ایسی چیز سرزد ہوجائے جووضو یا غسل کو باطل کردیتی ہے تو اس کی نماز باطل ہے جز ان لوگوں کےجو (مسلسل البول ،بار بار پیشاب آنے کے مرض میں مبتلا ہوں)اور اس کے مانند میں گرفتار ہیں اور طہارت کی حفاظت کے ساتھ نماز پڑھنےکے لئے وقت بھی نہیں رکھتےکہ اضطراری حالت کے دستور پرعمل کرنا چاہئے۔

مسئلہ ۳۱۸: اگر نماز میں ہاتھ ،پاؤں یا دیگر اعضاء کوا س طرح حرکت دے کہ نماز گزار کی حالت سے خارج ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہے اور اس کی تکرار کرنی چاہئے اور بالآخر کوئی ایسا کام کرےکہ نماز کی صورت مٹ جائے یا واجبات نماز میں سے کسی واجب کو اختیاری طور پر باطل کردے یا محرقات نمازمیں سے کسی حرام کام کو انجام دے تو بہرحال اس کی نماز باطل ہے جز مقبول عذرکے۔

مسئلہ ۳۱۹: ایسا کھانا اور پینا کہ نماز کی صورت بدل دے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ وہ نماز پڑھ رہا ہےتووہ عمل بھی نمازکو باطل کردیتاہے نہ کھانے اور پینے کے لحاظ سےبلکہ نمازکا چہرہ محوکرنےکے لحاظ سےورنہ ا س سے متعلق کوئی نص نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۲۰: اگر ذکر نماز کےعلاوہ کوئی اوربات کرےتو اس کی نماز باطل ہے خواہ یہ بات ایک، دو یاچند حرف ہو اہم یہ ہےکہ با معنی کوئی بات کہے۔

مسئلہ۳۲۱: مبطلات نماز میں سے ایک بلند آواز سے ہنسنا اور رونا ، فراس گریہکہ جو خوف خدا سے ہو یا مسرت آمیز ہنسی جو اطاعت کی توفیق کے لئے ہو کہ یہ فروض بھی بہت سی نادر اور کمییا ہے۔

مسئلہ ۳۲۲:کچھ ایسی غلطیاں ہیں جن سے نماز باطل نہیں ہوتی لیکن ان موارد میں دوسجدہ سہو واجب ہوجاتاہے منجملہ سہواً گفتگو کر نا اور نماز تمام ہونے سے پہلے سلام کرنا اور ظاہراً غیررکنی اور سہواً ہر کمی اور زیادتی کے لئے دو سجدہ

سہو کرنا چاہئے ۔ بنابرایں اگر حمد پڑھنے کے بجائے تسبیحات اربعہ پڑھے یا کھڑے ہونےکے بجائے بیٹھ جاسے یا اس کے برعکس اور ہرعمل اورکلام کے بجائے کوئی دوسرا عمل یا کلام کرے تو اسے دو سجدہ سہوا بجا لانا چاہئے چنانچہ غیر رکنی واجبات کے بھی سہوا ترک کردینے سے بھی سجدہ سہو بجالانا چاہئے۔ لیکن زیادتی یا کمی میں یا ارکان نماز کے جابجا کرنےمیں سجدہ سہو اس کی تلافی نہیں کرتا اور ان موارد میں نماز باطل ہے۔

مسئلہ ۳۲۳: در رکعتی اور تین رکعتی نماز میں شک اورچار رکعتی نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں شک سے بھی نماز باطل ہوجاتی ہے۔ ایسی صورتوں میں صحیح فکر کرنا واجب ہے تاکہ اس کا شک برطرف ہوجائے یا نماز گزار کی صورت سے خارج ہوجائے نہ یہ کہ اس طرح کےشک سے فوراً نماز کوتوڑ دے۔

مسئلہ ۳۲۴: اضطراری صورت کےعلاوہ نماز کا توڑنا حرام ہے ؛ کیونکہ (لاتبطلو اعمالکم) کم سےکم یہ تمام عبادی اعمال کوشامل ہے چہ جائیکہ نماز کہ ایمان کا رکن ہے اور اہم ترین عبادت ہے اور اگر آپ کسی محترم شخص کے سامنے کسی کام یا بات کرنےمیں مشغول ہیں اس صورت میں کہ اپنےکام یا اپنی گفتگو کو نا تمام رہنے دیں یا اس کے پاس سے دور ہوجائیں توکیا ایسا عمل اس بزرگ سے بےتوجہی نہیں ہے؟ اورکون بزرگ خدا جیسا بزرگ ہےکہ جس کے سامنے حاضری اورجس کا حکم اس طرح کی اہمیت رکھتاہے، پھر اس کے سامنے اس طرح بے حرمتی کیسےکی جاسکتی ہے اور ہم اگ اپنی عبادتوں کے باطل کرنے پرنص بھی رکھتے تو اس کے حرام ہونے کے اثبات کے لئے کافی ہوتا گرچہ مستحبی نماز میں ہو۔

شکیات نماز

رکعتوں میں شک

مسئلہ ۳۲۵:اصولی طور پر نماز کہ مؤمن کی معراج اورحضرت حق جل منانہ کے حضور حاضری ہے لہذا پوری توجہ کے ساتھ انجام پانا چاہئے خواہ معنوی ارکان کے لحاظ سے ہو خواہ معرفتی اعتبار سے خواہ اس کی ظاہری واجبات کے ارکان سے ہو چنانچہ نماز کے اجزاء اور اعمال کو کنٹرول اور اس کا محاسبہ کرو اگرچہ انگوٹھی گھمانے یا سجدہ گاہ یا مصلیٰ یا کسی وسیلہ سےجیسے شمار کرنے والی سجدہ گاہ ہو اگر امکانی صورت میں نمازکی رکعتوں کی ظاہری اور باطنی کوکنٹرول نہیں کیا اورشک میں مبتلا ہوگئے کہ نمازکی حالت میں ناقابل تلافی ہے تو ایسی نماز باطل ہے اورشک کے فرائض کی انجام دہی بھی اس کی صحت کے لئے فائدہ نہیں رکھتی اور اصولی طور پر جب تک نماز گزار کے امکان میں بلاشبہ نماز ہے اس وقت مشکوک نماز قابل قبول نہیں ہے اور شک کے فرائُض بھی اس کی تلافی نہیں کریں گے ہاں وہ

کثیر الشک کہ اپنی شک کی حالت کوبرطرف نہیں کرسکتا، معذور ہے کہ جس کےبارےمیں شک کررہاہے جس طرف کو چاہئے اختیار کرلے لیکن آخر کار اگر خارجی وسائل سے جیسےرکعتوں کی تعداد شمار کرنےوالے قلم سے اپنے شک کوبرطرف کرسکےتو امکانی صورت میں ان وسائل یا کسی دوسرے وسیلہ سے اپنی نماز کو رکعتوں کا محاسبہ کرےہم کیا عرض کریں کہ جب تم نوٹ شمار کرتے ہو توپورے طور سے حواس جمع رہتے ہو اور اس عظیم ہستی کے سامنے جس کی بارگاہ میں تمہیں دعوت دی گئی ہے حاضر ہونے سے پہلے حاضری کے تمام آداب کو آمادہ کرو گے کہ کہیں معمولی سے معمولی حرکت اس کے احترام کے خلاف نہ ہوجائے۔ لیکن نماز کی حالت میں نمازکےعلاوہ ہرچیز کے بارےمیں سوچتے ہو اور صاحب نماز (معبود) کےسوا تمام اہم امورپر توجہ رکھتے ہو؟

اگر آپ سوال کریں کہ اس اصل کی بنیاد پر جوروایات رکعتوں کے درمیان شک کےفرائض معین کرتی ہیں ، کی کوئی گنجائش نہیں رہ جائے گی اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی روایات کا ذریعہ اس طرح کےلوگ ہیں جن کےلئےظاہری اورباطنی کنٹرول یا ممکن نہیں ہے یا پھر کافی دشوار ہے اور قاعدہ (یرید بکم اللہ العسر ولایریدبکم الیسر) [1]اسلام میں کوئی دشوار فریضہ نہیں پایاجاتا لیکن توجہ رکھنی چاہئے کہ کبھی رکعتوں کےکنٹرول کرنے سے زیادہ سخت شک کے فرائض انجام دینا اور اس کی معلومات ہے اس اصل کی روشنی میں ہم رکعتوں کے درمیان شک کوعنوان نہیں بناتے اور ا گر مورد حاجت ہو تو اس قسم کے مسائل چنداں اختلاف نہیں اور مصنف کی نظر میں ان فروعات میں جو یہاں ہر مورد بحث واقع نہیں ہوئی ہیں مرحوم مغفور آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردی کےفتوے میرے آشنا فقہاء کے فتووں سے بہتر اور بالا ہے اور مختصر طور پر اگر تمہیں شک لاحق ہوگیا ہے تو نماز کے بطلان کے قریب تک فکر کرو اور آخر کار اگر شک باقی رہ گیا ہو تو شک کے احکام پر عمل کرو اور ہم نے جیساکہ کہا ہے شک دورکرنے والے مسائل سے احکام شک کی ضرورت نہیں رہ جائے۔

تمام واجبات نماز میں شک

مسئلہ ۳۲۶:قاعدہ تجاوز کی بنیاد پر اگر نماز کی حالت میں شک کرو کہ اس سے پہلے والا عمل انجام دیاہے یا نہیں جبکہ بعد کے عمل میں مشغول ہوچکے ہو اپنے شک پر توجہ نہیں دینی چاہئے مثلاً اگر رکوع میں شک کرو کہ حمد یا سورہ پڑھا ہے یا نہیں تو یہ شک قابل اعتناء نہیں ہے ، لیکن اگر ابھی کسی دوسرے عمل میں مشغول نہیں ہوئے ہو مثلاً رکوع سے پہلے شک کرو کہ حمد اور سورہ پڑھاہے یا نہیں تو اس

---

[1] سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۵.

پر توجہ دینی چاہئے اور اپنے حواس جمع رکھو لیکن سورہ پڑھتے وقت حمد کےبارےمیں شک کردیا حمد یا سورہ کی کوئی بھی آیت پڑھتے وقت پہلے کی آیت یا آیات کے بارے میں شک کرو تو اس قسم کے شک کا کوئی اثر نہیں ہے (پرواہ نہیں کرنی چاہئے)۔

مسئلہ ۳۲۷:سلام کےبعد کسی قسم کا شک بے اعتناء ہے (سلام کے بعد کسی شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے) کہ اگر تم تعقیبات نمازکی حالت میں شک کرو کہ سلام پڑھا ہے یا نہیں تویہاں پر بھی اس شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے یہ سارے موارد ایک دوسرےکے مانند قاعدہ تجاوز کے ذیل میں آتےہیں کہ اگر کسی عمل یا کسی عمل کےوقت سے آگے بڑھ گئے ہو یا کسی دوسرےکام میں مشغول ہوگئےہوتوگذشتہ عمل کے بارے میں شک کاکوئی اعتبار نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۲۸: کوئی ایسا شخص جو واجبات نماز میں سے ہر قسم کےشک میں مبتلا ہےتوہر حال میں اپنے شک پر اعتناء نہ کرے گویا کہ اس نے شک ہی نہیں کیا اور جس طرف چاہئے بنا رکھے تو صحیح ہے البتہ شک کودورکرنے والے اسباب کی رعایت کرنے کےبعد

جن موارد میں نماز توڑ ی جاسکتی ہے

مسئلہ ۳۲۹:بغیر اضطرار کے اختیار کی حالت میں نماز توڑنا حرام ہے؛ کیونکہ '' لاتبطلوا اعمالکم'' ایک عمومی قانون ہےجس نےاعمال بالخصوص عبادتوں کےباطل کرنےکو حرام قرار دیاہے ، لیکن معذور ہومثال کےطورپر ایک اہم اورواجب کام ہو جس کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو یا نماز کےمقابل پیش آجائے جیسے کوئی بچہ ہلاکت کےدہانے پر ہو یا کوئی انسان یا حیوان غرق ہونے یا چلنے کے قریب ہے یا خود نماز گذار اپنے مال یا اپنی جان کی نسب یا نوامیں خمسہ میں سے کسی ایک کو خطرہ لاحق ہو تو ایسے موارد میں نماز کا توڑنا یا جائز ہوتاہے یا واجب۔

مسئلہ ۳۳۰: اگر طلبگار تمہاری نماز کے دوران تم سے اپنے قرضہ کا مطالبہ کرتاہے تو اگر قرض کی ادائیگی واجب فوری ہو کہ اس کا وقت آپہنچا ہے اور تأخیر کا تحمل نہیں رکھتا کیونکہ ایسی صورت میں اس کے لئے خطرہ ہوسکتاہے اور آپ بھی اپنی نماز توڑ کے ادا کرسکتے ہیں تو ایسی صورتحال میں نماز توڑنا واجب ہے، لیکن اس کےعلاوہ صورت میں اصولی طور پر ایسی حالت میں مطالبہ حرام ہے او ر حرام کا جواب دینا بھی قہری طورپر حرام ہوجائے گا اور ہرگز نماز نہیں توڑنا چاہئے کہ '' لاتبطلوا اعمالکم'' کا قانون اپنی جگہ پرپوری آن بان کےساتھ باقی ہے ، جیساکہ یہ آیت کسی واجب کام کو باطل کرنے والےپر حرام کرتی ہے دوسروں پربھی کسی غیر کےعمل کو باطل کرنا حرام قراردیاہے۔

نمازِ مسافر؟
مسئلہ ۳۳۱: کیفیت نماز یا اس کے دیگر واجبات کی کیفیت میں کمی لانا اس صورت میں صحیح ہے کہ کوئی اہم ضرورت پیش آجائے کہ اس ضرورت کا برطرف کرنا اہم ہو یا تو نماز کی کیفیت میں کمی لائےجائے گی اس کےبعض دیگر واجبات ترک ہوجائیں گے جیسے نماز جماعت کی رسول خدا نےجنگی علاقوں میں انجام دی ہے کہ جان کی حفاظت کی خاطر جماعت میں کہ کیفیت نمازکی تکمیل سے زیادہ واجب ہے ، کی کیفیت میں کمی لائی جائے کیونکہ خوف کےوقت نماز میں قصر صرف کی کیفیتوں کو شامل ہے نہ رکعتوں کی تعداد کو جز بعض مواردکے کہ بعد کے صفحات پر اس کی وضاحت کی جائےگی کیونکہ اس وقت نماز گزار حرکت کرتےوقت واجب نماز کو تمام رکعتوں سمیت پڑھتا رہے اور سورہ بقرہ کی آیت(۱۲: ۱۳۹) (وان خفتم فرجالاً اورکباناً) نے کلی طور پر خوف کے وقت نماز کی کیفیت میں کمی کا ذکر کیا ہے۔
لیکن ہمارے زمانےمیں ایسے حوادث کم پیش آتےہیں: کیونکہ اس وقت سنگیں فرداً فرداً نہیں ہوتیں تاکہ ایسی ضرورت پیش آئے بنابرایں مسافرت چاہے جتنی طولانی ہو نہ یہ کہ صرف نماز کی رکعتوں میں کمی آتی ہے بلکہ کیفیت میں بھی کم نہیں لائی جاسکتی اوراس حکم کی بنیاد آیہ کریمہ(وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُواْ مِنَ الصَّلاَةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُواْ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُواْ لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا)[1]اورجب تم زمین میں سفر کرو تو تمہارے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ اپنی نمازیں قصر کرو اور اگر تمہیں کفار کے حملہ کردینےکا خوف ہےکہ کفار تمہارے لئے کھلے دشمن ہیں۔''جنگ کےوقوع پر اس کے بعد رسول خدا کی نماز کا ذکر کرتےہوئے فرماتاہے، پھرجب وہ لوگ مطمئن ہوجائیں تو نماز کو (کسی کمی کےبغیر) قائم کرو۔ بنابرایں سکون کی حالت میں جب کوئی خطرہ نہ ہو تو نماز میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں آئے گی اگرچہ ہزاروں کیلو میٹر ہو۔
مسئلہ ۳۳۲: جبکہ خود کسی ضرورت کا باعث نہ ہوا ہو تو کبھی واجب اور کبھی جائز بھی ہے کہ نماز کےواجبات میں سےکسی واجب کو ترک کردو یا بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھو کہ یہاں پر بھی نماز کی کیفیت میں کمی لانا ضرورت کے وقت ہے۔
مسئلہ ۳۳۳: تمام واجبات نماز میں سے کسی واجب کوکم کرنا صرف اور صرف ضرورت کے وقت جائز ہے کہ اہم اور مہم کے درمیان تقدم میں ہو اس طرح سے کہ اگر نماز میں کمی نہ لائی جائے تو خطرہ میں پڑ جائیں گے تو خطرہ برطرف کرنے کے بقدریہ کمی انجام پائے ورنہ نماز (کہ اہم ترین واجبات الٰہی ہے) میں کمی

[1] سورہ نساء، آیہ ۱۰۱.

لانے کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ۔
مسئلہ ۳۳۴: لیکن نماز میں روایات ’’ قصر‘‘ جہاں پر تمام واجبات نماز میں میں کمی پرحمل کرنےکے قابل ہے کہ ماضی میں بہت زیادہ تھا، قابل قبول ہے اور اگررکعتوں کی کمی کےمورد میں ہے ، بالخصوص وہ نمازیں جیسے غریق(ڈوبنے والے انسان) کی نماز اور اس کے مانند یہ ہے کہ واجبات نماز میں سےکم کرکے اپنا فریضہ نماز کی نیت سے انجام دے گا اور کبھی ایک تکبیرکہہ کر مثلاً کوئی آگ میں جل رہا ہے یا پانی میں ڈوب رہا ہے اور واجبات نماز میں سےکسی واجب کے انجام دینے کی فرصت بھی نہ رکھتا ہو تو امکانی صورت میں ہاتھوں کو کانوں کے برابر لاکر صرف نماز کی نیت سے تکبیرۃ الاحرام کہے گا اور اس کے بعد جان خالق جان کے حوالہ کرد ے گا وہی تکبیرایک نماز ہے اور اس قسم کی نماز کو نماز غرقیٰ یاغریق کہتےہیں اورجنگ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جماعت صرف ماومین کی نماز کی رکعتوں کی کیفیت میں تبدیلی تھی نہ نماز کی رکعتوں کے کم کرنے میں اس کےعلاوہ صورت میں ہرگز قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہوگا اور اجماع اور شہرت بھی کہ نص قرآنی کے خلاف ہے اور ہرگز قابل قبول نہیں ہے اور تمام روایات بھی خطرناک سفر سے مربوط ہیں کیفیت نماز میں کمی لانے کے معنی میں اوربس بنا بریں رکعتوں میں قصر وہ بھی اس معنی میں کہ صرف چار رکعتی نماز کو دو رکعت پڑھیں تو اس کے لئے نہ قرآن میں اور نہ ہی سنت میں کوئی دلیل اورمدرک نہیں ہے جوکچھ ہےوہ فتو ے ، اجماعات اور شہرتیں ہیں کہ یہ سب بھی قرآن کے مقابل کوئی شرعی اعتبار نہیں رکھتے۔ اور اصولی طور پر کسی سفر کے لئے نماز کی رکعتوں یا کیفیت میں کمی لانے کےسلسلہ میں کوئی نقش نہیں ہے۔ اور صرف (جیسا کہ اشارہ ہوا ہے) خوف ہے جو اس کے برطرف ہونے بقدر صرف کیفیت میں قصر کا موجب تھا تو خوف سے زیادہ شائستہ تھا کہ قرآن تقدم کو اس میں جو زیادہ واجب ہے ، ہمیشہ مقدم اور معین ہے۔ ایک بہت اہم واجب کے تقدم کے بارے میں اور ایک غیر واجب اور یہ غیر واجب بھی اس واجب معین پر مقدم اور حاکم ہو۔ فرض مسئلہ میں کہ نماز ایک معین واجب ہے اور سفر نہ و اجب ہے اور نہ معین لیکن حضرات اسی غیر معین غیرواجب کہ ذریعہ کسی دلیل اور تقدم کےبغیر بدون ضرر اورخطر صرف سفر کی بناء پر نماز روزہ کےقصر کا حکم دیتے ہیں۔
باوجودیکہ اگر بالفرض کوئی تقدم بھی ہوتا تو مناسب یہی تھا کہ کم از کم زیادتی اور سیاحتی سفر میں اس کے اہم کہ کامل نماز اور روزہ کے بارے میں نظر یہ دیتے لیکن افسوس اس مسئلہ میں بھی دیگر بہت سارے شرعی مسائل کےمانند حضرات کے مانند حضرات نے برعکس عمل کیا اور راہ خطا اختیار کی ہے۔ بالآخر ہم شیعہ اور سنی

فتووں کے خلاف عرض کررہے ہیں کہ خوف وہراس یاکسی دوسری ضرورت کےبغیر ہرگز نماز کی رکعتوں اورکیفیتوں میں کمی نہیں لائی جاسکتی اور اصولی طور پر نماز میں کسی واجب کوکم کرنا خوف ، خطرہ اورضرر جیسی ضرورتوں میں ہے اور بس پھر صرف ایک معین واجب سفر میں نماز کی رکعتوں میں بھی صرف چار رکعتی نمازوں میں کم کرنا کس طرح ہے اور روزہ بھی قصر ہے حا شا و کلاّ؟
مسئلہ ۳۳۵:جان کے لئے خطرہ (کہ نماز کی کیفیت کےترک کرنے کا باعث ہے) موجودہ مسافرتوں کے ساتھ ان میں کسی قسم کا خوف اور ہراس متصور نہیں ہے ، برابر ہے؟ اس معنی میں کہ صرف ۴۴/ کیلومیٹر یا ہزار کیلو میٹریا اس کے زیادہ مسافرت کی وجہ سے کسی خوف و ہراس کے چار رکعتوں نمازیں دور کعت ہوجائیں ؟ جس طرح نماز میں قصر کرنا جانی اور مالی یا اس کے مانند نقصان کی وجہ واجب ہے معمولی مسافرتوں میں بھی کسی خوف و ہراس کے بغیر نماز میں قصر کرنا واجب ہوگا ؟ اس صورت میں چنانچہ یہ کمی دونوں صورتوں میں واجب ہوگا۔ پس '' ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا'' آیہ شریفہ میں کیا نقش رکھتاہے؟
یہ خود ایک عجیب وغریب فتوی ہے کہ اسلامی احکام اور علمائے فریقین کے درمیان راسخ ہوگیا اور کافی شہرت کے حامل ہوگیاہے اس طر ح سے کہ معمولی سفر میں بھی چار رکعتی نماز قصر کرنا ضروریات دین کا جز شمار ہوگیاہے اور نماز کہ دین کا رکن اور یقین کا ستون ہے کسی عسر وحرج اور ضرورت اور خوف کےبغیر کسی صرف سفر کرنے کی وجہ سے (کہ ممکن ہے اس میں سفر سے کہیں زیادہ سکون اور اطمینان ہو) لوگوں نے قصر کا کمرشکن فتویٰ دیا ہے اور ہم نےجزوہ مسافران میں سورہ نساء کی آیت ۱۰۱ کے ذیل میں تفسیر شریف الفرقان میں اس سلسلہ میں بحث کی ہے اور ا پنے قرآنی نظریات پیش کئے ہیں حقیقت کےطالب حضرات ان مآخذ کی طرف رجوع کریں (مختصر طور پر نماز مسافر کے حکم میں علمائے شیعہ اور سنی کےدرمیان پنجگانہ اختلافات پائے جاتے ہیں کہ کتاب مسافران میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے)
نماز جماعت
مسئلہ ۳۳۶:'' ارکعوا مع الراکعین'' [1]جیسی آیات یہودیوں کے بارے میں اور '' وارکعی مع الراکعین'' [2] حضرت مریم کی نسبت ہے کہ شریعت توریت کی پابند تھیں اور قرآن نے نہ صرف اسے نسخ کیاہے بلکہ اس کے ذریعہ جماعت کےوجوب کو ثابت فرمایاہے اور ان دونوں آیتوں میں رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا واجب جانا ہے نہ سجود کوسجدہ کرنے والوں کے ساتھ ؛ کیونکہ رکوع نماز کی

---

[1] ۔سورہ بقرہ، آیت ۴۳.
[2] سورہ آل عمران، آیہ۴۳.

خصوصیت ہے لہذا یہ '' مع الراکعین ضرورت نماز کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے اور اسی طرح (جیسا کہ گذر چکا) جنگ کی حالت میں نماز جماعت اصل جماعت کے ثابت ہونے کی غرض سے باوجودیکہ جماعت یا اس کی اصل میں کمی آئے اس کے باوجود ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں بھی جماعت ترک نہیں ہوگی نیز بہت ساری روایات صراحت کے ساتھ بیان کررہی ہیں کہ با جماعت نماز پڑھنا واجب ہے اور اس کے بغیرعذر کےترک کردینا گناہ ہے اور اصولی طور پر اسلام کا سیاسی اوراجتماعی مزاج اقتضا کرتاہے جو خدا سے بندہ کا ذاتی رابطہ ہے ، خدا کے بندوں کےمجمع میں انجام پائے کہ کم سے کم ماموم کا ہونا ہے اگرچہ تم اپنے گھر میں رہو، لیکن جماعت میں نماز گراروں کی تعداد اور تیسرا گروہ نے باقی رکعتوں میں شرکت کی اور ان دو گروہوں نے باقی ماندہ جماعت کو تنہا کھڑے ہوکر یا پھر حرکت کی حالت میں پڑھی۔

جماعت تشکیل دینے میں سہولت اور آسانی فراہم کرنےکی غرض سے امام جماعت میں عدالت کی شرط دیگر عدالتوں کی نسبت بہت سخت نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۳۸: جماعت سے ملحق ہونے میں کم سےکم یہ ہے کہ امام کےرکوع سے سراٹھانے سے پہلے ماموم رکوع میں چلا جائے یعنی ماموم امام کو رکوع میں پائے کہ یہاں پر ایک رکعت شمار ہوگی۔

مسئلہ ۳۳۹: ماموم اس طرح کھڑا ہو کہ لوگ کہیں کہ یہ ماموم ہے ۔ لہذا اگر امام کے برابر میں کھڑا ہو تومشکل ہے اور احتیاط واجب کی بناء پر وہ نماز جماعت میں شمار نہیں ہونا چاہئے(معاصرین میں سے آقا خمینیؒ اور آقائے منتظری موافق ہیں)

مسئلہ ۳۴۰:امام کاماموم کی سطح سے نیچے کھڑا ہونےمیں مساوی سطح ہونے کی طرح اشکال نہیں رکھتا لیکن اگر امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ماموم کےکھڑے ہونےکی جگہ سے بلند تر ہو تو ظاہرا ان کی نماز جماعت کے حساب سے صحیح نہیں ہے مگراس صورت میں کہ اونچائی اس حد تک ہو کہ عرف میں لوگ یہ نہ کہیں کہ امام ماموم سے بلند جگہ پرکھڑا ہے۔

مسئلہ۳۴۱: اگر سارے مؤمنین ایک جگہ پر ایک ساتھ تکبیرۃ الاحرام کہیں توبہت ہی مناسب اور بجا ہے اور ا گر ایک ساتھ نہ بھی کہیں تو اگلی صف والوں کی آمادگی بعد والی صف کےلئے کافی ہے کہ وہ لوگ (اگلی صف والے) ان (پچھلی صف والوں) سے پہلے تکبیر کہیں۔

مسئلہ ۳۴۲: ماموم، امام سے آگے کھڑا نہ ہو مگر ایسی جگہ جہاں پر صورتحال اس طرح کا اقتضا کر ے جیسےمسجد الحرام کہ نماز کی صفیں خانہ کعبہ

کے چاروں طرف لگتی ہیں اور یہاں پر دائرہ نماصفیں جماعت میں کوئی مشکل پیدا نہیں کرتیں مگر ا س شرط کے ساتھ کہ مامومین کعبہ کی نسبت امام سے آگے یا اس کے برابر میں کھڑے نہ ہوں(جیسا کہ اسکا فی کہتےہیں) اور شہید اوّل نے ذکریٰ میں اجماع کا دعویٰ کیاہے)

مسئلہ ۳۴۳: جس جگہ نماز جماعت قائم ہوئی ہے اگر اپنی نماز فردیٰ اس طرح پڑھے کہ جماعت سے نہ پڑھنا معلوم ہو، جماعت کی توہین یا امام جماعت کے فاسق کہنےکا موجب ہو تو یہ نماز باطل ہے ؛کیونکہ یہ عمل خود ایک منکر اور برائیہے جبکہ صحیح نماز گزار کو (قرآن کریم) کی نص کےمطابق فحشاء اور منکر سے (کم ازکم خود نماز میں) روکے پھرکس طرح وہ منکر انجام دے جو جماعت کی توہین یا امام جماعت کے فاسق قرار دینے کا موجب ہے؟

مسئلہ۳۴۴:جب امام حمد اورسورہ بلند آواز سے پڑھ رہاہے توجو مامومین امام کی آواز سن رہے ہیں ان پر مکمل خاموشی کے ساتھ امام کے قرأت کو سننا واجب ہے اور ان پر ہر قسم کا ذکر خواہ حمد اور سورہ ہو یا کوئی اور حرا م ہے۔

مسئلہ ۳۴۵: اصولی طور پر جب قرآن پڑھا جاتاہے اور اسے سنا جاسکتاہے تو خاموشی کےساتھ اس کا سننا واجب ہے اور یہ حکم نماز جماعت سےمخصوص نہیں ہے چنانچہ آیہ کریمہ(وَإِذَا قُرِىءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُواْ لَهُ وَأَنصِتُواْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ)[1]میں ذکر ہواہے اور یہ حکم عمومی ہے کہ ’’ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی کےساتھ توجہ سے سنو اور (خود اور دوسروں کو) خاموش کرو شاید تم پر رحمت ناز ل ہو) اور یہاں پر دو وجوبی امر نے ’’ فاستمعوا وانصتوا‘‘ قرآن پڑھتے وقت دوسروں کو خاموش نا حتمی طور پر واجب جاناہے چہ جائیکہ خاموش ہونا اور اس کے ترک کرنے والوں کوعذاب کی دھمکی دےرہاہے؛ کیونکہ اگر ’’ لعلکم ترحمون‘‘ کہ رحمت کی امید ہے اس کے بعد نہیں ہے۔

مسئلہ۳۴۶: اگر ماموم امام کی آواز نہیں سن رہا ہے یا امام نماز ظہر وعصر میں حمد اور سورہ اس طرح پڑھ رہاہے کہ اس کی صدا سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو حمد اور سور ہ پڑھے اور اگر امام کے بعض کلمات کو سن رہاہے اور بعض کو نہیں سن رہاہے تو یہاں پر حرج کی وجہ سے بالکل خاموش رہے۔

مسئلہ ۳۴۷: امام جماعت میں عدالت کم ترین شرط کی حامل ہے کہ صرف اگر امام کے بارے میں توبہ کے بغیر کوئی فسق معلوم نہ ہوتو یہ خود ہی امام میں عدالت ہےمگر وہ امام جماعت کہ کسی فاسق حکومت کی طرف سے معین ہوا ہو کہ اس کی امامت ان کی ایک تائید ہے۔

---

[1] سورہ اعراف، آیہ ۲۰۴۔

مسئلہ ۳۴۸: امام اور ماموم کے درمیان اگر کوئی فاصلہ نہیں ہے تو اشکال نہیں رکھتا مگریہ کہ عرف میں اسے جماعت نہ کہیں (چنانچہ '' وارکعو مع الراکعین'' کے اطلاق سے اور بعض روایات سے اندازہ ہوتاہے اور علامہ حلی نے خود فتوای دیاہے اور شیخ طوسی سے بھی نقل کیا ہے کہ جماعت کا صادق آنا کافی ہے اور معاصرین میں سے مرحوم سید ابوالحسن اصفہانی موافق ہیں) البتہ رائج عرف میں نہ مجتہدین یا مقلدین کی عرف میں جو ایک میڑ سے زیادہ فاصلہ کو جماعت کے لئےمبطل
جانتےہیں اور نہ ہی (اہلسنت کی طرح) کہ نماز گزاروں اور امام کے درمیان ہر طرح کے فاصلہ کو جماعت کہتے ہیں بلکہ صرف ''وارکعو مع الراکعین'' ہو اور نماز جماعت میں ہمراہ ہونا اور معیت صادق آئے۔

مسئلہ ۳۴۹: امام کے امام ہونے کے اقتضاء پر مامومین اس (امام) سےپہلے اپنی نماز کے کاموں کوعملی نہ کریں کہ رکوع ، سجود اس کے بعد کم سےکم ہے اس کےساتھ انجام دیں، اگرچہ امام سےپہلے ازکار نماز کا پڑھنا جائزہے لیکن ان کا بھی اس کےبعد یا اس کے ساتھ ساتھ کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ ۳۵۰: اگر ماموم نماز کے آغاز سے ہی اقتداء کرسکتا ہوتو پھر اس میں تأخیر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جماعت کی اقتداء کرنےمیں تأخیر عذر کےوقت صحیح ہے نہ عام حالت میں۔

مسئلہ ۳۵۱: اگر کوئی جماعت خود اپنی امامت میں پڑھائی ہو تو جن لوگوں نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی ہے ان کے لئے دوسری جماعت قائم کرنا مستحب ہے لیکن اس شرط کےساتھ کہ ماموم یا مامومین نے اپنی نماز نہ پڑھی ہویا اپنی نماز پڑھ چکے ہوں لیکن ان کے ذمہ مسلم طور پر قضا نماز ہو تو وہ لوگ اپنی قضا نماز کی نیت سے اس امام جماعت کی اقتداء کریں اور اگر اپنی نمازکسی عذر کی بناء پر فردیٰ پڑھ ہو جبکہ اس کے بعد جماعت قائم ہو تو اس میں شرکت کرنا مستحب ہے اور معذور نہ رہا ہو تو پھر واجب ہے۔

نماز قضا

مسئلہ ۳۵۲:ہر واجب نماز کوعمداً یا سہواً یا فراموشی یا کسی دوسری وجہ سے اس کے معین وقت میں ترک ہوجائےتو پہلی فرصت میں اسی طرح اوراسی صورت سےجیسےوقت میں واجب تھی ، انجام پائے جز ان عذر کی وجہ سے جوپہلےتھے اور اب بر طرف ہوچکے ہیں کہ موجودہ شرائط کےسا تھ انجام دینا واجب ہے اور وجوب قضا پر قرآنی دلیل (اقم الصلاۃ لذکری) اس کے ایک معنیٰ نماز قائم کرو جب تمہیں میری یاد آجائے ، کیونکہ نماز کا ترک کرنا ذہن سے یاد خدا کو بھلانے کانتیجہ ہے خواہ عمداً ہو یا سہواً پس جب خدا کی یاد آئے خواہ نماز کے مقررہ وقت میں یا اس کے

بعد تو قضا نماز وں کا ادا کرنا واجب ہے۔ اور مشہور خبر میں پیغمبراکرم سے منقول ہے: '' من فاتتہ فریضۃ فلیقفھا کما فاتتہ) جس کا فریضہ چھوٹ گیا ہو تو اس کی قضا اسی طرح کرے جس طرح چھوٹا ہے''۔

مسئلہ ۳۵۳: مقررہ وقت میں اگر واجب نماز کا ترک کرنا ایسی حالت کی وجہ سے تھا میں نماز واجب نہ تھی اور اس کےترک کرنےمیں کوئی تقصیر بھی نہ کی ہوتویہاں پرجس طر ح اصل نماز واجب نہیں تھی اسی طرح اس کی قضا بھی واجب نہیں ہے جیسے یہ کہ تمام مقررہ وقت میں (ناخواستہ) بیہوش رہا ہو مثال کے طور پر کچھ دنوں کے لئے اکیڈینٹ یا سکتہ مغزی کی وجہ سے کو ما اور بیہوشی میں گزارا ہو لیکن مستی جو نماز مانع ہے معین وقت میں تھی اور عدم تکلیف کی مقتضی نہ تھی لہذا بعد میں واجب اس کی قضا واجب ہے اگرچہ مستی کی حالت میں نماز حرام تھا لیکن چونکہ اس مستی کاسبب خود ہی رہاہے اور اس پر ایسی حالت نہ پیش آنے سے پہلے معینہ وقت میں نماز پڑھنا واجب تھا اس بنا پر یہاں پر (فاتتہ) صادق آئے گی جس نماز کو اس نے مستی کی بنا پر عمداً ترک کردیا ہے اس کی وہ قضا کرےکہ صرف '' کلما غَلَبَ اللہ علی العبد فھوا عذر لہ'' ایسی حالت کوکہ اس کے اختیار سے خارج تھی ، شامل ہے اور بس بنابراین اگر پورے وقت (نماز) میں سوتا رہاہے جبکہ کسی بھی ذریعہ سے بیدا ر ہونے کا امکان رکھتا تھا تو یہاں پر بھی قضا کرےگا۔

لیکن اگر نیند کلی طور پر اس کے اختیار سے باہر تھی کہ ''غَلَبَ اللہ '' صادق آئے تو یہاں پر ظاہراً اس نماز کی قضا واجب نہیں ہے بالآخر صرف اس پر اس وقت نماز کی قضا واجب ہے جب وہ مقصر ہو یا قصور بھی خود اس کی طرف سے ہوکہ ان دونوں میں نماز کی قضا کرنا یقینی ہے، بنابراین خواہ اس فرض میں یا دیگر فرائض میں تین حالت تصور کی جاسکتی ہے : ۱ ۔قصور مطلق، ۲، تقصیر مطلق۳۔ تقصیر کی بنیاد پر قصور کہ پہلے فرض کی بنیاد پر مکلف معذور ہے اور بعد کے دو فرض کی بنیاد پر معذور نہیں ہے، بنابراین پہلی صورت ظاہراً ایسی نماز کی قضا واجب نہیں ہے اگرچہ مستحب موکد ہے کہ اس کی قضا کرےکہ (الصلاۃ خیر موضوع) نماز وہ بہترین موضوع اورچیز ہےجیسے خداند عالم نے اپنی عبادت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

مسئلہ ۳۵۴: چھوٹی ہوئی نمازوں کی امکانی صورت میں ایسی گذشتہ (جس پر خدا اپنے بندہ کومجبور کرے تو یہ بندہ ایسے کام کے لئے زیادہ مقدور ہے) ترکیب کےساتھ قضا کرنی چاہئے اورجب تک موجودہ دور میں موجودہ نماز کے لئے یقینی گنجائش ہو تو سب سے پہلے اپنے امکان اورتوانائی کے بقدر اپنی قضا نمازوں کو ادا کرے ، کیونکہ وہ نماز واجب ہونے کے لحاظ سے مقدم ہیں اور یہ موجودہ ، نماز مؤخر ، مگر اس صورت میں کہ عقلائی احتمال دے کہ قضا نمازوں کی ادائیگی سے

موجودہ نماز کی وقت نکل جائے گا تو ایسی صورت میں موجودہ نماز قضا نماز پر مقدم ہے اور رسول خدا سے خبر میں ہےکہ اس حکم میں (اقم الصلاۃ لذکری) سے تمسک کیاہے۔
مسئلہ ۳۵۴: میت کی چھوٹی ہوئی نماز اس کے بڑے بیٹے یا کسی دوسرے پر واجب نہیں ہے (سید نےجمل العلم میں اور شیخ طوسی نے مبسوط میں اس کو بڑے بیٹے پر واجب کی ہے بیماری کی وجہ سے تارک نماز جانا ہے اورشہید اوّل نے ذکریٰ نامی کتاب اس کوکاتب کے حوالہ سے نقل کیاہے اور عجلی نےاس مرض الموت سے مخصوص کیاہے اور شہید نے ذکریٰ میں اور ان کےپوتے نجیب الدین یحیی بن سعید نےکہا ہے کہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے اور لمعہ میں بھی اس کی تائید کی ہے اور شارح لمعہ بھی اسی نظریہ کی جانب جھکاؤ رکھتےہیں)کیونکہ یہ خودایک ذاتی فریضہ ہے اورکسی دوسرے کے لئے کسی صورت تکلیف ساز نہیں ہوگا (کسی کا اپنا فریضہ کسی دوسرے کی گردن پر نہیں عائد ہوگا)
مسئلہ ۳۵۶:اگرایک رکعت نماز کے بقدر وقت باقی ہو اوراس کا عذر ا برطرف ہوجا ئے جیسے حیض اور نفاس لیکن اپنی نماز نہ پڑھے تواس پر وقت کےبعد قضا کرنا واجب ہے کیونکہ اس نےموجودہ نماز بغیر کسی عذر کے ترک کردی ہے اور قاعدہ ’’ من ادرک رکعہ من الوقت فقد ادرک الوقت کلہ ‘‘ اگر کوئی شخص وقت کے اندر ایک رکعت نماز پڑھ لے تو اس نے پورا وقت پا لیاہے کےتحت ایک رکعت نماز پا لے تو اس نےتمام وقت پا لیا ہے ،اگرچہ طہارت کے لئے بھی وقت نہ ہو کہ یہاں پر بغیر طہارت نماز پڑھے اور اس کی بعدمیں قضا بھی نہیں ہے۔
مسئلہ ۳۵۷:اجرت پر نماز پڑھےاور وروزہ رکھنے کا کوئی صحیح مستند نہیں ہے بلکہ (وان لیس للانسان الا ما سعی) ’’ صاحب مفاتیح الکرامۃ کہتےہیں میت کے لئے کسی کو اجیر بنانا بطورمطلق مشکل ہے اوروصیت پرعمل کرنا صرف مشروع اورجائز امور میں ہے اور یہ اجارہ ممنوع ہے) جیسی آیات کی روشنی میں کلی طور پر مردود ہے اوراساسی طورپر تکلیف خود مکلفین سےمتعلق ہوتی ہے نہ دوسروں سے جز حج، وغیرہ دین اور اس جیسے معدو د لے چند موارد کے کہ ان کی قضا کےوجوب پر قطعی دلیل پائی جاتی ہے ۔
نماز آیات
مسئلہ ۳۵۸: کسی صورت میں بھی سورج اورچان گہن نیز زلزلہ اور تمام آسمانی اور زمینی حوادثکے رونما ہونے کےموقع پر جیسےطوفان، بادل کی کڑک، بجلی، سیلاب وغیرہ کہ اکثر لوگ خوفزدہ ہوجائیں توکلی طور پر مذکورہ موارد میں نماز آیات واجب ہوجاتی ہے سورج اورچاند گہن کی نسبت جب تک پورے طور سے

ظاہر نہ ہوجائے فوراً پڑھنا واجب ہے ورنہ بعد میں اس کی قضا کرنی چاہئے اورتمام موارد میں اس کا فوری انجام دینا یقینی اورکلی طور پرا دا ہوگا ۔

مسئلہ ۳۵۹: مذکورہ ان تمام حوادث میں سے ہرایک کے لئے ایک نماز آیات واجب ہوتی ہے ، چنانچہ اگر ان حوادث کی تکرار ہوجائے اس معنی میں کہ سورج یاچاند میں چند بار گہن لگ جائے اورجتنی بار گہن لگےگا اس کی تعداد کے اعتبار سے نماز آیات واجب ہوگی۔

مسئلہ ۳۶۰: نماز آیات صرف ان لوگوں پرواجب ہے کہ یہ آیات ان کے افق میں رونما ہوں مثال کے طورپر اگر تہران میں زلزلہ آئے تو قم والوں پر نماز آیات واجب نہیں ہے اوربرعکس ، بلکہ اگر تہران کے بعض علاقہ میں زلزلہ آئے نہ دوسرےبعض میں تو صرف اسی علاقہ (والوں پر)نماز آیات واجب ہوگی جس میں زلزلہ آیاہے۔

مسئلہ ۳۶۱: اگر سورج یا چان گہن کےبعد سمجھے کہ پورے میں لگا تھا تو اسے نماز کی قضا پڑھنی چاہئے لیکن اگر یہ سمجھے کہ اس کے کچھ حصہ میں لگا تھا یا نہ جان سکے کہ پورے میں لگا تھا یا نہیں تو اس کی قضا نہیں ہے لیکن اگر گہن لگتے وقت سمجھ لے کہ سورج یا چاندگہن لگاہے لیکن ان دونوں کے بعض حصہ میں لگا ہے تو نماز آیات پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ ۳۶۲: لیکن اس صورت میں کہ صرف نماز آیات پنجگانہ پڑھنے کے بقدر وقت ہے تو پنجگانہ نماز پہلے پڑھے گا اور اس کے علاوہ صورت میں ان کے درمیان کوئی ترتیب نہیں ہے ،کیونکہ دونوں ہی واجب حاضر ہیں اور ان کے درمیان کوئی تقدم بھی نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۶۳: نماز صبح کی طرح نماز آیات دو رکعت ہے اس فرق کے ساتھ کہ یہاں پر ہررکعت میں پانچ رکوع ہےکہ یا حمد کے اورکوئی مکمل سورہ پڑھنےکے بعد رکوع کرے یا اس طرح سے اسے مختصر کے پڑھے کہ سور ہ حمد پڑھنے کےبعدکسی سورہ کو پانچ حصہ میں تقسیم کرےیا ہر حصہ کو پڑھ کر (کم سے کم ایک آیت) رکوعمیں جائے اورجب بھی حمد کےبعد کوئی سورہ تمام ہوجائے اور ابھی پانچواں رکوعتمام نہ ہوا ہوتو اس پردوبارہ حمد پڑھنا واجب ہے اس کے بعد کوئی آیت یا سورہ پڑھے اور رکوع کر لے تو کافی ہے ۔

مسئلہ ۳۶۴: پنجگانہ نمازوں میں جو شرائط میں وہی نماز آیات میں بھی شرط ہے۔

نماز جمعہ

مسئلہ ۳۶۵:نماز جمعہ سے متعلق رسالہ میں نمازجمعہ کے احکامی اورسیاسی دو نقطہ نظر سےہم نے ادلہ و براھین سے بسط و تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے

اورمختصر یہ کہ نماز جمعہ کاوجوب یقینی ہے (نماز جمعہ تقریباً ۴۰/فیصد اورتمام علمائے اہلسنت شیعہ علماء کےفتوی کے مطابق واجب تعینی ہے اور علمائے شیعہ میں سےعلامہ حلی نے تذکرہ میں اجماع کادعویٰ کیا ہے اور مرحوم شیخ انصاری ، میرزا محمد تقی شیرازی ، سید محمد حسن شیرازی ، سید محمد کاظم یزدی، سید اسماعیل صدر اور سید محمد نقی خوانساری جیسےمایہ ناز علما اسے واجب جانتے ہیں
اورمرحوم آقائے خوئی قائم ہونے کی صورت میں واجب تعیینی جانتے ہیں
امام جمعہ کی عدالت اور صلاحیت کےعلاوہ کسی اور شرط کے قائل نہیں ہیں
کہ عدالت کی ایک علامت ظالموں کی انفرادی یااجتماعی وگروہی غیر جانبداری ہے خواہ عملی طور پر ہو یا ان کے لئے دعا کرنے کے ذریعہ ہوکہ اس کےعلاوہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی متواتر حدیث '' الظالم والمعین لہ والراضی بہ شرکاء'' کےمصداق کےمطابق ایسا امام جمعہ ظالموں میں شمار ہوتاہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا باطل ہے لیکن کسی عادل امام جمعہ کی امامت کے کم سےکم ۶/افراد ہوں اور امام مرد اور دوسری نماز جمعہ ایک فرسخ پر واقع ہوکہ مجموعی طور پر ۵/یا ۶/ افراد کے لئے جائز ہے اور اس سے زیادہ کے لئے واجب ہے۔
مسئلہ ۳۶۶:نماز جمعہ کے مطلق وجوب کے ساتھ کہ امام اور ماموم دونوں ہی کو شامل ہے عصر حاضر میں موجوداسباب کےساتھ کبھی نماز جمعہ ترک نہیں ہونی چاہئے۔
اگرچہ آپ کے شہر یا دیہات میں قائم نہ ہو توامکانی صورت میں نزدیک ترین نماز جمعہ میں شریک ہوں۔
مسئلہ ۳۶۷: اگر نماز جمعہ کے آغاز میں حاضر نہیں تھے اور اس کے بعد ایک گھنٹہ کے اندر نماز جمعہ میں شریک ہوسکے تو عذر کی صورت میں بھی نماز جمعہ میں شرکت کرنی چاہئے اور صحیح ہے۔
مسئلہ ۳۶۸: صرف ماموم پر ہی نماز جمعہ میں شرکت کرنا واجب نہیں ہے بلکہ امامت کے لائق عادل افراد پر امکان اوراستطاعت کی صورت میں بھیاس کا قائم کرنا واجب ہے اور دونوں ہی گروہ اس کی ادائیگی کے لئے ایک دوسرے کو مجبور کریں اور ۵/یا ۶/افراد کے درمیان اس کا جواز اور سات اور اس سے زیادہ افراد کے درمیان اس کا وجوب دیوانوں اور نا سمجھ بچوں ، عورتوں ، مسافروں اور مریضوں کا شریک ہونا کےعلاوہ جائز ہے۔(سید ذخیرہ میں کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ظاہراً علماء اتفاق رکھتےہیں چنانچہ شیخ طوسی نےکتاب خلاف میں اختلاف کی نفی کی ہے۔ اور شہید اول نے بھی کتاب ذکری میں اتفاق کا ادعی کیاہے ، شہید ثانی ، تہذیب ، نہایۃ ، غنیہ ، اسرائر ، امجامع اور محقق اور دوسروں کی کتابوں میں بھی ذکر ہوا ہے کہ معذور

افراد کا نماز جمعہ میں شریک ہونا کافی ہے البتہ دیوانوں اور اس جیسےافراد کےعلاوہ) جس طرح مردوں کی امامت کلی طور پر درست ہے اسی طرح عورتوں کی عورتوں کے لئے امامت بھی جمعہ کے علاوہ جماعت کے مانند جائز ہے۔ اس شرط کے ساتھ کے نماز کے حدود میں کوئی لائق مرد موجود نہ ہو ورنہ واجب ہےکہ مرد کے ذریعہ نمازقائم ہو تاکہ عورتوں کےعلاوہ اس میں مرد بھی شریک ہوسکیں۔

مسئلہ ۳۶۹: آیت جمعہ کی نص اورتقریباً ۲۰۰/روایات ا مام کے ہونے اور نہ ہونے دونوں صورتوں میں نماز جمعہ کوواجب کرتی ہیں ؛ کیونکہ ’’ الذین آمنوا‘‘ نےایمان کی سند کےساتھ تمام مؤمنین کو نماز جمعہ پڑھنے پر مامورکیاہے اور آیہ شریفہ (...إِذَا نُودِي لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ)[1]نے نماز جمعہ کےوجوب کووقت کے اعلان میں کہ وہی ظہر شرعی ہےمعین فرمایا ہے، جیسا کہ (وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلاَةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَعْقِلُونَ)[2] اس معنی پر گواہ ہے اور ہمارے پاس نماز کے لئے آذان کےسوا اسی کےوقت میں کوئی ندا نہیں ہے جز نماز میت میں کہ اس کے آواز ’’ الصلاہ الصلوۃ‘‘ ہے اور در حقیقت نماز بھی نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۷۰: گذشتہ مسئلہ کی روشنی میں دو خطبہ واجب ہےظہر کی آذان کے بعدایک گھنٹہ بعد تک دیا جائے؛کیونکہ اس سے متعلق آیات اور روایات کی روشنی میں پہلی د ورکعت نماز کی جگہ پر ہے اور ’’ ذکر اللہ ‘‘ دونوں خطبے اور دو رکعت نماز سب کو شامل ہے؛کیونکہ"ذکراللہ" "نمازسے عام ہےاور سعی خطبہ اور نماز دونوں کے لئے ہے توکیا ’’ ذکر اللہ ‘‘ میں شریک ہونےکےلئے سعی و کوشش صر ف نماز کے لئے ہے کہ دونوں خطبے میں سا معین کی ضرورت نہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ’’ فاسعوا الی ذکر اللہ ‘‘ جس کا آغاز دو خطبہ اور اختتام دو رکعت نمازجمعہ ہے کہ یہاں پر آیہ شریفہ(اذا نودی للصلوۃ)اور آیہ شریفہ (فاذا قضیت الصلوۃ)کی روشنی میں ثابت ہوتاہے کہ اولاً دونوں خطبے نماز کاجز ہیں اور ثانیاً معلوم ہوتاہے کہ اس کا اوّل وقت وہی ظہر شرعی ہے بنابرایں دو مطلب رہ جاتاہے ایک یہ کہ جس طرح نماز میں نماز کےعلاوہ گفتگو کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح خطبوں کے درمیان بھی گفتگو کرنا جائز نہیں ہے دوسرے یہ کہ خطبے چونکہ نمازکا جز ہیں اس بناپر خطبوں کومقدم رکھنا خواہ ظہر شرعی سے کچھ پہلے ہی کیوں نہ ہو حرام اوربدعت ہےاور نماز کو باطل کردےگا اور ایسی نماز جمعہ میں شرکت بدعت اور حرام ہے۔

مسئلہ ۳۷۱ :دوخطبوں کےبعد بلا فاصلہ نماز صبح کی طرح دو رکعت نمازجمعہ

---

[1] سورہ جمعہ ، آیہ۹.
[2] سورہ مائدہ، آیہ ۵۸.

پڑھنی چاہئے کہ اس فرق کے ساتھ کہ پہلی رکعت میں حمد اورسورہ کے بعد قنوت پڑھنا مستحب ہے اور اس کےبعد رکوع میں جائے اور دوسری رکعت میں پہلےرکوع میں جائے اس کے بعد قنوت پڑھے۔

مسئلہ ۳۷۲:چونکہ دوخطبے اور دو رکعت نماز ایک ھی عمل ہے اور نماز ظہر کےبدلے میں ہے اس لئے خطیب اور امام جمعہ کا ایک ہونا واجب ہے کہ دو شخص کےہونےکی صورت میں خطبہ اور نماز دونوں ہی باطل ہے۔

مسئلہ ۳۷۳: ان پنجگانہ احادیث کا نتیجہ جو جمعہ کے خطبوں کی کیفیت بتارہی ہے ، یہ ھےکہ دونوں ہی خطبے حمد اور اللہ کی ثنا ، شہادتین اور پیغمبر اور آئمہ معصومین علیھم السلام پرصلوات پر مشتمل ہو۔

اس کے بعد تقوی کی تاکید کی جائے اور کوئی مکمل سورہ اور آیہ(إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاء ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ)[1]پڑھی جائے لیکن اس فرق کے ساتھ کے دوسرے خطبےمیں سورہ پڑھنا واجب نہیں ہے لیکن ایک ایک کرکےآئمہ معصومین علیھم السلام کا نام لینا واجب ہے ۔

مسئلہ ۳۷۴: پہلا خطبہ اسلامی سیاست کا حامل ہو کہ خطیب دنیا کے داخلی اورخارجی سیاسی حالات اور ان حالات کا مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرے اور دوسرا خطبہ بھی پہلے خطبہ کا تتمہ ہے کہ اس مےں م وعظہ کا اضافہ کرے ، تقوی کا حکم دے اور دعا پرتمام کردے۔

مسئلہ ۳۷۵: ظاہراً جن الفاظ کو ی عربی میں پڑھنا چاہئے وہ صرف سورہ اور آیت ہے جس کا ذکر ہوچکا ہے۔

مسئلہ ۳۷۶: دونوں ہی خطبے میں زبان کے لحاظ سے جمعہ میں شریک حاضرین کی اکثریت کی رعایت کی جائے اور اگر حاضرین کی زبان کی تعداد کے لحاظ سے دونوں زبان مےں خطبے دئیے جائیں توکیا بہتر اوراگرکسی ایسی زبان میں خطبہ دے کہ جمعہ میں حاضر ماموین کہ نماز جمعہ کے قائم کرنے کے جواز میں کم سےکم چارافراد کا ہونا شرط ہے اور نماز جمعہ کے قیام کےوجوب میں ۶/ افراد ہوں تو نماز جمعہ باطل ہے بلکہ ظاہراً اکثریت کی زبان میں خطبہ دینا چاہئے کہ (فاسعوا الی ذکر اللہ) سورہ جمعہ آیت ۹) میں نماز جمعہ میں موجود تمام سامعین سے خطاب ہے اوراگر ''ذکراللہ'' کہ پہلے دو خطبہ ہے کو نہ سمجھیں تو جمعہ کے خطبوں میں ان کا موجود ہونا درست نہیں ہوگا بلکہ بے معنیٰ ہوگا۔

مسئلہ ۳۷۷: دونوں خطبوں کا سننا واجب اورجمعہ میں موجود حاضرین کا خطبہ کے دوران آپس میں گفتگو کر نا حرام ہے اورایسا عمداً کرنے پر خطبوں اور

---

[1] سورہ نحل ، آیہ ۹۰.

نماز جمعہ کے بعد نماز ظہربھی پڑھی جائے(جو سننے کی صلاحیت رکھتا ہے اس پر نمازجمعہ کے خطبوں کا سننا واجب ہے یہ مشہور علماء کا نظریہ ہےجیسا کہ کتاب '' ذکری اورکشف الالقا ب میں ذکر ہوا ہے'' اوراکثر علماء کا نظریہ ہےجیسا کہ جامع المقاصد، غریہ، مدارک، کفایہ اورذخیرہ میں ذکر ہواہے اس نظریہ کے حاملین میں سے صاحب نہایۃ، اشارۃ السبق ، تہذیب الاحکام ، مختلف ،بیان، دروس، المہذیب البارع، التنقیح، تعلیق النافع، المسمۃ، مصابیح الغلام، منتھی اور ظاہر ذکریٰ ہے۔''فا سعوا الی ذکر اللہ '' دوخطبوں پر مشتمل ہے کہ جس کے آغاز میں دوخطبہ ہے اور اس کے علاوہ کی طرف سعی و کوشش کا وجوب دونوں خطبوں کے توجہ کےساتھ سننے کے وجوب پر دلیل ہے)۔

مسئلہ ۳۷۸: عذرنہ ہونے کی صورت میں اگر نماز جمعہ کے وقت میں ظہر کہیں بھی پڑھ لے تو باطل ہے مگرا مام اور وقت کے شرائط نہ ہونے کی صورت میں یا نماز جمعہ کی کوئی بھی شرط کے نہ ہونے کی صورت میں ھو۔

مسئلہ ۳۷۹: نماز جمعہ کے دونوں خطبوں میں اس کی د ورکعت نمازکی طرح وضو، غسل یا تیمم اور لباس و بدن کی طہارت شرط ہے(جیسا کہ شیخ طوسی نے خلاف اور مبسوط میں اور علامہ نے منتہیٰ اور تذکر ہ میں اورشہید اوّل نے دروس اور ذکریٰ میں ذکرکیاہے)

مسئلہ ۳۸۰: جن لوگوں پر نماز جمعہ واجب یا مستحب ہے انہیں حتی الامکان پہلے خطبہ کےآغازسے ہی موجود ہونا چاہئے کیونکہ بغیرعذر کےتأخیر کرنا گنا ہ ہے اور ایسے موقوع پر بھی نماز جمعہ کے بعد نماز ظہ ر پڑھنی چاہئے۔

مسئلہ ۳۸۱: جمعہ کے خطباء پہلے مرتبہ میں آگاہ مجتہد ، شجاع، اسلامی سیاست کے حامل اور مجموعی طورپر ا سطرح شریعت کےپابند ہوں کہ مکمل طور پر قرآن کریم اور سنت پیغمبر سے باخبر اور زمانہ کےسیاسی مسائل سے آگا ہ ہوں اور زیور تقویٰ اور زھد و ورع سے آراستہ ہوں اوردنیا طلبی اور باطل پرستی سے بالکل دور ہوں کہ یہ لوگ ولی امر عج اللہ فرجہ الشریف کےعصر غیبت میں امام معصوم ؑ کے عام نائب ہیں یا پھر اسلامی حکومت کے روحانی روؤسا ہیں یا پھر مرجع اعلیٰ اور حکومت اسلامی کے رہبر کی طرف سے معین ہوں اس صورت میں بھی کہ ایسے لوگ ایسی جگہ پرجہاں نماز جمعہ قائم کرنا واجب ہے، موجود نہ ہوں تو پھر ہرصالح اورعادل شخص کہ اجتہاد کےعلاوہ شرائط کےساتھ نماز جمعہ قائم کرنا واجب ہے اوریہ منصب ہونا امکان اوراسلامی معاشرہ کی مصلحت کی صورت میں اورنمازجمعہ کی اصلی شرط ہرگز نہیں ہے ۔

مسئلہ ۳۸۲: چونکہ نماز جمعہ عمومی اجتماعی اور دینی و سیاسی رہنمائی کی

حامل ہے اس لئے لائق شریعتمداروں کے مشوروں سے انجام پائے کہ امام جمعہ اس کی کمیٹی شائستہ رای میں قابل قبول ہو۔
مسئلہ ۳۸۴: اس صورت میں کہ نماز جمعہ میں ایک سے زیادہ افراد نماز جمعہ قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو ان کے لئے نوبت معین کرنا ضروری ہے اور آخر کار بلندمرتبہ اور شائستہ ترین افراد کا انتخاب کیا جائے۔
مسئلہ ۳۸۵: نماز جمعہ کے درمیان فاصلہ کم سےکم دو ۵/۵ ساڑھے پانچ کیلو میٹر ہے اور اس فاصلہ میں معیار اگلی صف میں موجود مجمع سے لےکر آخر صف تک ہے اور مکلف و نماز جمعہ کی نسبت فاصلہ ۱۱/کیلو میٹر معین ہوا ہے احتیاط واجب کے ساتھ آج کی مسافت اور دوری ہے جو گذشتہ مسافت کے کئی گنا ہے ہاں اگر پید ل سفر کررہاہو تو وہی سابق الذکر مسافت ہے۔
مسئلہ ۳۸۶: پستی اور بلندی وغیرہ جیسی شرائط جو دیگر نماز جماعت میں معین کی گئی ہے وہی شرائط نماز جمعہ میں بھی ہیں مگر امکان کی صورت میں کیونکہ بڑی نماز جمعہ کی سماجی طبیعت جیسے مسجد الحرام میں اجتماع ایسے فرق کا اقتضاء کرتاہے نماز جمعہ جیسےعبادی اور سیاسی فریضہ کے بارے میں مزید معلومات کے لئے کتاب علی شاطی الجمعہ (عربی) اور نماز جمعہ (فارسی) ملاحظہ ہو۔
نماز عید فطر اور قربان
مسئلہ ۳۸۷: یہ دونوں نمازیں نماز جمعہ سے کوئی فرق نہیں رکھتیں سوائے اس کے کہ یہاں پرخطبے نماز کے بعد ہیں اور نماز جمعہ میں پہلےہیں اور یہ نماز میں بھی نماز جمعہ کی طرح واجب ہے (کچھ فقہاء نے ان لوگوں کے بارے میں تصریح کی ہے جن پر نماز جمعہ واجب ہے یعنی وہ سن رسیدہ،بوڑھے وغیرہ نہیں ہیں جیسا کہ خلاف، انتصار ، معتبر، منتہیٰ ، تذکرہ، جامع المقاصد، روض اور کشف اللثام جیسی کتابوں میں ذکر ہواہے اور ناصریہ، کشف الحقائق ، ریاض قواعد علامہ اور فیض کاشانی کا ظاہر بھی یہ ہے اور علامہ حلی نے تذکرہ میں اجماع کا دعویٰ کیاہے اور اہلسنت میں سے ابو حنیفہ نے ا سے واجب جاناہے) اس فرق کے ساتھ کہ جماعت نہ پانے کی صورت میں تنہا ہی بغیر خطبے کے پڑھے اور اس کا وقت اذان صبح سے ظہر تک ہے اور پہلی رکعت میں بھی حمد اور سورہ کے بعد پانچ تکبیر اور دوسری رکعت میں چارتکبیریں ہیں کو ہر تکبیر کے بعد ایک قنوت ہے مشہور و معروف دعا کےساتھ پہلی رکعت میں امکان کی صورت میں سورہ '' اعلی‘‘ اور دوسری رکعت میں سورہ '' الشمس‘‘ مستحب ہے اور پانچ یا ۷/افراد کے ہونے کی شرط نماز عیدین میں نہیں ہے کہ یہ دیگر تمام جماعتوں کی طرح ایک ماموم سے بھی منعقد ہوجائے

گی۔

مردوں پر نماز

مسئلہ ۳۸۸:منافقین کے علاوہ مسلمان مردوں پر نماز پڑھنا واجب ہے کہ''لاتُصَلِ علی احدٍ منهم فات ابداً''

(98) ان پر ہرگز نماز نہ پڑھو ارو ان کے لئے طلب مغفرت نہ کرو۔(99)
جس مردہ پر نماز پڑھنا واجب ہے کم سے کم اس کی عمر ۶/سال ہو یا یہ کہ اس کی عمر ۶/ سال سے کم ہے لیکن نماز فہم تھا (قرآن کریم) بہت سارے حفاظ کے مانند حفظھم اللہ وکثر امثالھم کہ ہمارے دور میں ان کے جیسے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ۴/ یا ۵ سال کی عمر میں بحمد اللہ حافظ (قرآن کریم) ہوگئےہیں لہذا اگر ان عزیزوں کی طرح ہو تویقیناً ان کےمردوں پر بھی نماز پڑھا واجب ہے۔

مسئلہ ۳۸۹: مردہ پر نماز پڑھنے کا وقت غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد ہے کہ ا گر غسل سے پہلے یا غسل اور کفن دینے کے دوران پڑھی جائے تو باطل ہے اور پھر سے پڑھنی چاہئے اگرچہ دفن کرنے کے بعد ہو تو ایسی صورت میں قبر کے سامنے تجدید ہوگی پھر سے پڑھی جائے گی۔

مسئلہ ۳۹۰: جو مردہ پر نماز پڑھ رہاہے اسے قبلہ رو ہونا چاہئے جبکہ مردہ بھی اس کے سامنے ہواس طرح سےکہ اس کا سر (امام کے) داہنی طرف ہو اورپیر اس کے بائیں طرف ہو اور اگر اس نماز میں جماعت قائم ہو تو پھر مامومین کامردہ کےمقابل میں کھڑا ہونا لازم نہیں ہے صرف قبلہ رو ہونا کافی ہے ، کیونکہ مردہ نماز پڑھنے والوں کا قبلہ نہیں ہے بلکہ صرف امام مردہ کے سامنے رو بقبلہ کھڑا ہو اور مامومین قبلہ کے سامنے ھو ن ت اورتمام نمازوں کے سارے شرائط یہاں پر ضروری نہیں ہیں کیونکہ نماز میت در حقیقت نماز نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۹۱: کفن اور تابوت کے علاوہ مردہ اور نماز پڑھنے والوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو مگر اس صورت میں کہ دفن کے بعد نماز کا اعادہ کیاجائے کہ قبرکا فاصلہ جائز ہے۔

مسئلہ ۳۹۲: میت پر نماز کھڑے ہونے کی حالت میں قصد قربت اور مد نظر میت کے یقین کےساتھ پڑھی جا ئے خواہ ایک میت ہو یا چند ایک نماز ان تمام مردوں کے لئے کافی ہے اس فرق کے ساتھ کہ جملوں کی ادائیگی مردوں کی تعداد کے اعتبار سے ہو کہ اگر ایک مردہ ہو تو مفرد کی ضمیر (چوتھی تکبیرمیں) اوراگر دو میت ہو تو تثنیہ کی ضمیر اور اگر دوسے زیادہ خواہ کتنی زیادہ تعداد کیوں نہ ہوجائے جمع کی ضمیر ذکرکی جائے اور میت عورت کی ہے تو ضمیر مؤنث کی لائی جائے گی اور مخلوط ہونے کی صورت میں ضمیریں مذکرکی لائی جائیں گی کہ دونوں کو شامل ہوگی (لیکن اگر مؤنث کی ضمیر لائی جائے یامذکر کی دونوں ہی صحیح ہے کیونکہ اگرمرجع ضمیر جنازہ ہوگا تو مؤنث کی ضمیر صحیح ہےاوراگر میت مرجع ضمیر

---

۹۸ سورہ توبہ، آیت ۸۴.
۹۹ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور کچھ فقہاء جیسے شیخ صدوق کتاب مقنعہ میں ، سید کتاب وسیلہ میں ، ابن زھرہ سرائر میں ، کلینی کافی میں اور سالار اس فتوی سے موافق ہیں اور جو روایات صرف شہادتین کو شرط جانتی ہیں وہ مذکورہ بالا آیت کے مخالف ہیں۔

ہوگی تو مذکر (مترجم)
مسئلہ ۳۹۳: سب سے پہلے میت پر نماز پڑھنے کا حق دار اس کا ولی ہے خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا، یا شوہران لوگوں پرواجب ہے اوراگر میت نےوصیت کی ہو کہ ان ورثہ کےعلاوہ کوئی دوسرا اس کے جنازہ پڑ نماز پڑھائے گا تو یہاں پر ولی کی اجازت شرط نہیں ہے اور اس (ولی) کووصیت کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور وصیت کی نافرمانی نہ کرے۔
مسئلہ ۳۹۴: نماز میت میں پانچ تکبیر کہنا کافی ہے پہلی تکبیر کے بعد شہادتیں '' اشہد ان لا الہ وان اشہد ان محمداً رسول اللہ .... اور دوسری تکبیر کے بعد محمد اور آل محمد پر صلوات تیسری تکبیرکےبعد تمام مؤمنین کے لئے طلب مغفرت کر ےاور چوتھی تکبیرکےبعد اس مردہ یا مردوں کے لئے دعائے خیرکرے جس پر نماز پڑھ رہاہے اور پانچویں تکبیر کےبعد کہ سلام کے حکم میناسکےعلاوہ کچھ اور واجب نہیں ہے۔
مسئلہ ۳۹۵: جملہ '' اللھم انا لاَنَعْلَمُ منہُ خَیْراً'' میں جوچوتھی تکبیر کے بعد کہا جاتا ہے ''خیر'' سے مراد صرف اور صرف اسلام ہے نہ تمام خیرات کہ اگر ایسا ہوگا تو اکثر موارد میں محض کذب ہوگا ؛ کیونکہ فاسق یاغیر شیعہ میت پر جو منافق نہ ہو شرعاً واجب ہے اوریہ اعتراف اس کو بھی شامل ہوگا کہ خدایا ہم اس کے بارے میں خیر کےسوا کچھ نہیں جانتے ، بنابرایں یہ جملہ اس کے اصل اسلام پر گواہی کےمعنی میں ہے نہ اس کی عدالت ، شیعیت اور تمام دیگر خوبیوں پر۔
طواف کی نماز
مسئلہ ۳۹۶: ہرواجب طواف کے بعد د و رکعت نماز پڑھنا چاہئے مقام ابراہیم کی پشت پر یا اس کے کنارے مسجد الحرام کےآخر تک اس مساحت کے مثلث میں اس کے زاویہ کے کنار ے، مقام ابراہیم ہے اور اس کے دو دیگر اضلاع مسجد الحرام کےآخر تک ایک مثلث تشکیل دیتاہے بلکہ مقام ابراہیم سے جتنا نزدیک سے نزدیک ہو اس کی فضیلت اتنی ہی زیادہ ہے اس کے باوجود سب ہی جگہ نماز طواف کی جگہ ہے (جیسا کہ حج کی بحث میں آئے گا) اورشخص مکلف کےحاضر ہونے کی صورت میں نیابت کرنےکی کوئی دلیل نہیں ہے، بدعت ہے مگر ضرورت کے وقت کہ محصور ہوجائے، یا مرض لاحق ہوجائے یا اس کےمانند اور وقت پراور اس جگہ نماز طواف نہ پڑھ سکے تو یہاں پر نیابت میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن جب بھی مقام ابراہیم پرخود پڑھ سکے تو خود پڑھے۔
مسئلہ ۳۹۷: واجب طواف بھی اس کے حج یا عمرہ میں اصلی وجوب سے عام ہے یا اس کی فرع مستحبی حج اور عمرہ میں کہ احرام سےواجب ہو تی ہے۔

یا ان کے بغیرطواف کہ اس کا مورد صرف نذر، عہد اور قسم ہے اوراگر کوئی حمد یا اس کےسورہ میں (یا اس کے تمام واجب اذکا رمیں) غلطی کرتاہے توا مکان کی صورت میں اسے جماعت کے ساتھ انجام دے نہ صرف نماز طواف میں بلکہ تمام واجب نماز مین یھی حکم ہے بالآخر اگرجماعت کے ساتھ پڑھنے کا امکان یا صلاحیت نہ رکھتا ہو تو جب تک وقت باقی ہے تو اسے حمد و سورہ کے نواقص (نیزتمام نواقص) کوبرطرف کرنا چاہئے اور ا گر وقت بھی باقی نہ بچا ہوتوامکان کی صورت میں جماعت سے پڑھے ورنہ جس طرح پڑھ سکتاہے اسی طرح اپنی واجب نماز خواہ نمازطواف ہو یاغیر طواف کی نماز پڑھے اور اگر یاد کرنے میں معذور نہ رہا ہو تو اس کی وقت کے بعد اس کے شرائط کے ساتھ قضا بھی کرے۔

روزہ

اسلام کے فرعی فرائض میں سے نماز کےبعد ایک اہم فریضہ روزہ ہے کہ تمام مکلفین پر بعض حالات کےعلاوہ وا جب ہے۔

قرآن کریم میں روزہ کو لفظ ''صیام'' سےتعبیر کیا گیاہے نہ صوم سے صوم، زبان کی حرام سے حفاظت اور نگہبانی کے معنی میں ہے اورشکم اور شرمگاہ دونوں کی حلال و حرام سے حفاظت کےمعنی میں ہے روزہ کی جانب سے اس نگہبانی اور حفاظت کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو ان کی حفاظت برائیوں سے نگہبانی کے بقدر روکتی ہے جیسا کہ آیہ صیام میں ہے (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ)[100] اے صاحبان ایمان تم پر روزہ فرض کیا گیاہے ''صیام'' جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کیا گیا تھا شاید پرہیزگار ہوجاؤ''

روز کا آخری اوراصلی مقصد کہ بالخصوص خود روزہ کی حالت میں شہوتوں سے پرہیز ہے اس کے باوجود تمام حالات میں دیگر تمام حرام شہوتوں کی نسبت اس سے زیادہ عمیق اور وسیع پرہیز ہے۔

روزہ کے ظاہری اور باطنی دو حالات اور پہلو ہیں کہ اس کاظاہری پہلو باطنی روزہ کے لئے ایک راہ (مقدمہ) ہے اور اس کا باطن ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے زیادہ سے زیادہ تقوی کا حامل ہے۔

فقہ اکبر میں روزہ تمام اعضا و جوارح کا روزہ ہے کہ جان، دل و دماغ ، عقل وفکر، آنکھ، زبان ، ہاتھ پاؤں (شکم اورشرمگاہ کے علاوہ) غیر خدا اور خدائیوں سے روزہ سے عبارت ہے کہ روزہ کےوقت فرمان حق کی ہر نافرمانی کرنے سے بچو اور ہر ناحق سے فرار کرو اور اگرفقہ اصغر میں صرف اپنے شکم اورشرمگاہ کو حلال اور حرام سےاور زبان کو خدا، رسولؐ اور تمام آئمہ معصومین علیھم السلام کی طرف

---

[۱۰۰] سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۳.

جھوٹی نسبت دینے سے محفوظ رکھو توکافی ہے۔ لیکن فقہ اکبر میں صحیح روزہ وہ ہے کہ تم کو غیر خدا اورخدائیوں سے نجات دےاور خدا کے سوا کسی چیز اور کسی شخص اور خدا کےپسندیدہ امور کے سوا کسی اور کے بارے میں فکر نہ کرو '' لعلکم تتقون'' کہ بطور مطلق اور کسی قید و شرط کے بغیر '' صیام'' کا نتیجہ بتایا گیاہے اوراسی غیر خدا اور غیر خدائی سے اجتناب پر ناظر ہے۔

مسئلہ ۳۹۸: ماہ مبارک رمضان کا روزہ تمام مکلفین خواہ لڑکا ھو یا لڑکی درمیانی عمر میں (قاعدہ کلی کی رو سے) تقریباً ۱۳/ سال کی عمر میں واجب ہے اور اگر ۱۳/ سال کی عمرسے کم میں مکلف ہوگیا اور روزہ کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس پر واجب نہیں ہے '' لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا'' چنانچہ اگر ۱۳ سال بھی گزر جائے پھر بھی روزہ رکھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو نہ عسر کی حالت میں اور نہ حرج کی تواس پر واجب نہیں ہے بالآخر روزہ اور ہر جسمانی واجب عبا دت میں کلی قاعدہ عقلی تمکن (دیوانہ اورفقیر نہ ہو) کےعلاوہ جسمانی اور دیگر مکلف کی صلاحیتیں بھی اس کی اساسی شرط ہیں۔

اول ماہ ثابت ہونے کی راہ

مسئلہ ۳۹۹: چاند دیکھنا یاپھر ا یسے افرادکے قول پر اطمینان کرنا جس نے دیکھنے کا دعویٰ کیا ہو یا عادل حاکم شرع کا حکم ہو یا شعبان کے ۳۰/ دن گزر گئے ہوں یا سب اوّل ماہ پرگواہی دین اورچاند کا دیکھنا عادی آنکھ سے دیکھنےمیں منحصر نہیں ہے کہ چشم مسلح اور نجومی محاسبات بھی یہی حکم رکھتے ہیں۔

کیونکہ '' شھر رمضان'' ماہ رمضان قرآن میں اس کے آغاز اور انجام کے بارے میں مکمل آگاہی کی صورت میں ہے کہ جس راہ سے بھی ہوصحیح ہے اور حدیث '' صم للرویۃ وافطرالرویہ'' نے رویت کو کسی خاص و سیلہ میں منحصر نہیں کیاہے، بلکہ اگر تم نے دیکھا یا چاند دیکھا گیا جس طرح اورجس وسیلہ سے جس کے ذریعہ چاند دیکھا جاسکتاہے یا جانا جاسکتاہے تو کافی ہے اور مجموعی طور پر صرف یہ جالینا جیسےیہ کہ آج مہینہ کی پہلی تاریخ ہے ، روزہ واجب ہوجاتاہے خواہ عادی اور غیرمسلح آنکھ سے ہو یا مسلح یا تلسکوپ کہ چاند دیکھنے سے ہو یا نجومی قمر کی تولید کے ذریعہ زلوفیزیک کے ذریعہ جبکہ سطحی موانع کے نہ ہونے سے رویت کا امکان ہو بنابراین تسلکوپ کہ چاند دیکھنے کا بہترین ذریعہ ہے اور چاند کی پہلی تاریخ ثابت کرنے کی سب کے لئے راہ کھول دیتاہے اور آسان بنا دیتاہے اورافق دیدار پرہونےوالے تمام اختلافات کوروک دیتاہے کہ اگر یہ مسئلہ مورد توجہ اورعمل واقع ہوتو پھر ہم ہر سال ایک افق میں چند عید فطر اور چند نماز عید نہیں منائیں گے۔

مسئلہ ۴۰۰: چاند دیکھنےمیں معیار وہی افق ہے جس میں آپ زندگی گزار رہے ہیں اور دیگر افق کی نفی یا اثبات آپ کے لئے کافی نہیں ہے اورچونکہ مکہ کا افق ایران کے افق سے ایک دن پہلے ہے اور مکہ معظمہ میں رویت ہلال کے سلسلہ میں غور وفکر اور دقت نظر پر جگہ سے زیادہ مسلم ہے بنابرایں ایران میں چاند کی پہلی اور آخری عام طورپر مکہ معظمہ کےایک روز بعد ہی ہے (شاہ کے شر سے یعنی ۱۷ سالہ ہجرت کے دو برسوں میں کہ میں مکہ معظمہ میں تھا مجھ پر یہ حقیقت ثابت ہوگئی بالخصوص ذی الحجہ میں چھٹی کی رات کو اول ماہ کی رویت کا اعلان ہوتاہے میں نےاس تأخیر کی علت حجاز کے اعلم العلماء شیخ عبد اللہ بن حمید (کہ بہت ہی سنجیدہ اور معتدل انسان تھے) سے دریافت کی تو انہوں نے کہا: اس تأخیر کی علت یہ ہے کہ جب تک پورے حجاز سے اس رویت ہلال کی ۴۰ عادل افراد گواہی نہ دیں قابل قبول نہیں ہے وہ بھی ایسی عدالت کہ اسی سال یقینی ہوئی ہو نہ گذشتہ سال کی عدالت جس کا استمرار معلوم نہیں ہے۔

نیت قربت

مسئلہ ۴۰۱: روزہ بھی دیگر عبارت کی طرح واجب ہےکہ قربت کی نیت سے ہو نہ کسی اور نیت سے یا خدا اورغیر خدا دونوں کی قربت سے ملی ہوئی نیت سے نہ عادت کی بنا پر کہ تمام عبارتیں منجملہ ماہ مبارک رمضان کا روزہ خلوص اورعقیدت کی بنا پر ہونا چاہئے کہ عادت کی بنا پر اوراسی حد تک کہ جب تم سے سوال کیا جائے کہ تم کس حال میں ہو تو جواب دو کےمیں خدا کے لئے روزہ رکھے ہوا ہوں اور یہی قربت کی نیت سے اور اس خواہ اکھٹا پورے ماہ رمضان کی نیت کرلو خواہ ہر دن کی نیت کرو اور بس اور احتیاط میں جسے فقہاء نے اپنےرسالہ عملیہ میں لکھاہے جزو ہم وخیال کئے ہرگز کوئی دلیل نہیں ہیں۔

ہاں اگر تمہارے ذمہ چند قسم کے روزے ہوں جیسےرمضان کے علاوہ کےروزے کہ رمضان کی قضا، ندر، قسم، عہد ، کفارہ اور اس کے مانند کے روزے ہیں ہر ایک کو خود ان کے اختصاصی قصد سے انجام دوکہ اس کےعلاوہ صورت میں کوئی درست دلیل نہیں ہوگی اگر ماہ رمضان میں رمضان کےعلاوہ روزے کی نیت کروتو سہو ارو جہل کی صورت میں رمضان کے حساب میں صحیح ہے لیکن عمداً ایساکرنے سےرمضان کے روزے کے تداوم کےعلاوہ رمضان کےبعد اس کی قضا بھی کرو۔

مسئلہ ۴۰۲: قضائے رمضان کے روزہ کی نیت کا وقت ظہرتک ہے اور خود رمضان کے لئے صبح کی اذان اور مستحبی روزوں کے لئے مغرب کےقریب تک ہے اور پہلی صورت میں اگر نیت اس کےمقررہ وقت سے گزرجائے تو تمہارا روزہ ظاہراً

باطل ہے اس فرق کے ساتھ کہ رمضان کےروزہ کو اسی طرح مغرب تک جاری رکھو اور اس کے بعد اس کی قضاکرو لیکن رمضان کی قضا میں اس کی وقت امساک (پرہیز) واجب ہے کہ اس کے لئےکوئی دوسرا وقت نہ رکھتا ہو لیکن وقت میں گنجائش ہونےکی صورت میں آج روزہ توڑ دو اورکوئی دوسرا دن روزہ کی قضا کے لئے انتخاب کرو۔

مسئلہ ۴۰۳: جس دن یہ معلوم نہ ہوکہ شعبان کی آخری تاریخ ہے یا رمضان کی پہلی تو استحباب کی یا رمضان کی قضا کی نیت لے آخر شعبان کو روزہ رکھے تو صحیح ہے کہ اگر رمضان کی پہلی تاریخ تھی تو رمضان میں شمارہوگا اور شعبان ہی تھا کہ شعبان کے حساب میں ہوگا خواہ استحبابی یاواجب کی قضا بہرحال صحیح ہے اوراگر اس طرح نیت کرےکہ اگر رمضان ہےتورمضان کے لئے اور اگر شعبان کی آخری تاریخ ہے یا قضا یا مستحب روزہ کے لئے ہو تویہاں پر بھی ہرصورت صحیح ہے کہ اگر مہینہ کی پہلی تاریخ تو خود بخود ماہ رمضان میں شمار ہوجائے گا ۔[101]

روزہ کےآغاز اور اس کے انجام کا وقت

مسئلہ ۴۰۴: روزہ کے آغاز کاوقت فجرصادق کا طلوع اور اس کا انجام رات ہے کہ (ثم اتموالصیام الی اللیل) سورہ بقرہ آیت ۱۸۷) شب میں صراحت رکھتی ہے اس اصل کی بنیاد پر سورج کاڈوب جانا کہ ہمارے اہلسنت بھائیوں کےآخری وقت تک مبنیٰ ہے نہ رات اور کچھ منٹوں کےبعد شب کا آغاز ہوجاتاہے یہاں پر روزہ کےآخری وقت کے بارے میں صراحت کے ساتھ قرآن '' الی اللیل'' فرمایا ہے نہ الی الغروب اور ''قبل الغروب'' (سورہ ق، آیت ۳۹) اور '' قبل غروبھا'')سورہ طہ، آیت ۱۳۰) کی دو آیتوں نےعصر کے آخری وقت کومعین فرمایا ہے نہ روزہ کے اختتام کا وقت کہ سورج کی ٹیکیا کے پوشیدہ ہوجانے سے ابھی دن ہی رہتاہے اورشب کا اس وقت آغاز ہوتاہے کہ جب سیاسی شب کا پردہ ہلکی تاریکی سےسورج کے ڈوبنے کی جگہ پر پہنچ جائے۔

رمضان کےروزہ کے مقابلہ میں مکلفین کے سہ جانبہ احکام

مکلفین ماہ رمضان کےروزہ کے مقابلہ میں تین گروہ میں تقسیم ہوتےہیں:

مسئلہ ۴۰۵: اول وہ لوگ جوروزہ ترک کرنے کے لئے کوئی عذر نہیں رکھتے کہ یہ لوگ کسی صورت میں روز ترک نہیں کرسکتے خواہ وطن میں ہوں خواہ سفر میں۔

مسئلہ ۴۰۶: دوسرے وہ لوگ جو بیماری یا کسی طاقت فرسا ضروری سفر کی

[101] (شیخ مفید کتاب مقنعہ میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سےیوم الشک کےروزہ کے بارے میں یہی حکم نقل کیاہے کہ رمضان کی احتمالی نیت سے بھی صحیح ہے اور اسی کے مطابق فتوی دیا ہےجیسے شیخ طوسیؒ مبسوط میں (۱: ۲۴۶) اور ابن حمزہ نے بھی اورعلامہ مختلف میں اور شہید اول اپنی کتابوں میں اورمعاصرین میں سے مرحوم آقاحکیم اورگلپائیگانی نے بھی (یہی) فتوی دیا ہے)

وجہ سے روزہ رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے انہیں روزہ نہیں رکھنا چاہئے اگرچہ ابھی عمر رسیدہ ہیں لیکن روزہ رکھنے سےیقینی طورپر یا عقلائی احتمال کی بناء پر بیمار ہوجائیں گے۔

مسئلہ ۴۰۷: تیسرے وہ لوگ جو کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے اگرچہ روزہ ان لوگوں کو بیمار نہیں کرےگا، لیکن ان کی طاقت کو کم کردے گا اور روزہ ان کے لئے ایک حرج ہے کہ نص قرآنی کے مطابق (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ)[102]
اور ان لوگوں پرجوروزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ، کافی ہے کہ روزانہ ایک فقیر کوسیرکریں اور اگر اسی طاقت فرسا مشقت کے ساتھ روزہ رکھیں (کہ اس وقت ان پرمستحب ہے واجب نہیں) روزہ رکھیں توکیا بہتر اورتمہارے (ناتواں) روزہ رکھنا بہتر ہے اگر جان لو''۔

واجب روزہ

مسئلہ ۴۰۸: واجب روزہ کسی صورت ترک نہیں کیا جاسکتا کہ اگر کسی نےعمداً ترک کردیا تو روزہ کے آخر تک کھانے پینے کی چیزوں سے پرہیز کرنے کے علاوہ رمضان کےبعد اس کی قضا کے لئے دو ماہ پے درپے روزہ رکھو ، ۶۰/فقیر کوشکم سیر کرو اور اگر حرام چیزوں سےروزہ توڑد یا ہے توسارے کفارےواجب ہوں گے کہ ان دونوں کو انجام دینا چاہئے اور تیسرا کفارہ کہ ایک غلام آزاد کرنا ہے ، اس وقت زرخرید غلام کاوجود نہیں ہے توپھر ایک مؤمن کواس گرفتاری سے نجات دلانا جو مال وغیرہ جیسی گرفتار ی رکھتا ہے واجب ہے اوریہ خود تعمد نہیں ہےکہ ادلہ تعمد کو شامل ہو۔

حرام روزہ

مسئلہ ۴۰۹: اگر بیمار ہو یا روزہ رکھنےسے بیمار ہونے کا خوف محسوس کروبہر صورت روزہ (کہ صحت وسلامتی اور حفظان صحت کا راز ہے) بیماری، یا اس میں شدت یا اس کے دوام کا سبب ہوجائے کہ تو نہ صرف واجب نہیں ہے بلکہ حرام بھی ہے چنانچہ اگر اس حالت میں تم روزہ رکھو تو رمضان کےبعد توانائی کی صورت میں اس کی قضا بھی کرنی چاہئے۔

مسئلہ ۴۱۰: اگر خودکوروزہ کے سلسلہ میں '' حرج '' یا '' عسر'' میں مبتلا کرو توپہلی صورت میں تمہارا روزہ واجب ہے اوراسی رمضان میں انجام دو اور دوسری صورت میں عسر اور مرض کے برطرف ہونےکے بعد انجام دینا واجب ہے اگر یہ اختیاری مرض بھی دوسرے رمضان (یا اس سے زیادہ) تک باقی رہے تو تم

---

[102] ۔سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۴

سے روزہ کبھی ساقط نہیں ہے؛ کیونکہ عسرو حرج کے تخفیفی احکام کےسلسلہ میں ان موارد میں ہوتےہیں جہاں آپ کے اختیار کےبغیر عسرو حرج پیش آجائے '' مااضطررتم'' ہے کہ ایک اضطرار پیش آئے نہ '' مااضطررتم'' کہ خود اپنے آپ کو اضطرار میں مبتلا کریں دوسری آیت میں ارشاد ہوتاہے: (...فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ)[103] کہ دونوں ہی آیہ کریمہ غیر اختیاری عسر و حرج پر دلالت کررہی ہیں نہ اختیایر عسر پر کہ اپنے اختیار سے خود کو اضطرار اورعسر ومبتلا کرو اگر چہ تم اپنا روزہ نہ توڑو لیکن اس عمل کی وجہ سے تم نےمعصیت کی ہے اور تمہارا روزہ بھی باطل ہوگا ایسی صورت میں ماہ رمضان کے بعد قضا کےعلاوہ تم پرکفارہ بھی واجب ہوگا۔

مسئلہ ۴۱۱: دوسروں کی طرح مسافروں پر عسر یا حرج بغیر امکان کی صورت میں واجب ہے اور مرض جیسا سفر روزہ ترک کرنےکے لئے استثنائی مورد ہے ، صرف عسر اور نقصان کے عنوان سے روزہ ترک کیاجائےگا اور بس سفر کا مرض سے رابطہ اسی وجہ سے ہے کہ روزہ کی حالت میں گذشتہ سفر مرض کا موجب ہوئےہیں ورنہ ہرسفر مرض سے ملحق نہیں ہوگا اورموجودہ سفرمیں کہ گھر میں اپنے سے بھی زیادہ راحت رساں ہے اوراس حکم کی بنیاد آیہ کریمہ(...یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ۫ وَ لِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ہَدٰىکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ)[104]ہوگی کہ خدا تمہارے لئے آسانی چاہتاہے نہ سختی کہ وطن میں سختی روزہ سے مانع اور سفر میں آسائش روزہ کا سبب ہے (اس آیت سے پہلی آیتوں میں روزہ تمام مکلفین پرواجب کیا گیاہے: '' کتب علیکم الصیام...'' اس کے بعد روزہ سفر اور مرض کی صورت میں حرام ہوگیا کہ جس کی علت اوروجہ بعد کی آیت میں ذکر کی گئی ہے اور ارشاد ہوتاہے : عسر کی صورت میں روزہ رکھنا بہتر ہے۔ اور بالآخر '' یرید بکم الیسر'' خدا تم سے آسانی چاہتا ہے اورکسی سختی کا مطالبہ نہیں کرتا کہ نتیجتاً اگر روزہ حرج یا طاقت فرسا ہو توواجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اوراگر نقصان دہ ہے تو حرام ہے اوراس کے علاوہ واجب ہے بنابراین سفر اور مرض کا اس درمیان کوئی نقش نہیں ہے جز حرج یا عسر کی حالت میں کہ اگر حرج یا عسر نہ ہوبلکہ آسانی اورسہولت کے ساتھ روزہ رکھ سکتا ہوتوواجب ہے اورحرج اورغیر اختیاری طاقت فرسا ہونے کی وجہ سے مستحب ہے کیا صحیح ہے کہ وطن میں حرج طاقت فرسا ہونےکی بناء پر مستحب ہو لیکن ایسے سفر میں کہ ہرگز سختی اور حرج نہیں رکھتا ، حرام ہوجائے؟ یہ خود مہم کو اہم پرترجیح دینا ہےکہ حرج اور طاقت فرسا ہونے کی صورت میں روزہ مستحب لیکن

---

[103] ۔سورہ بقرہ، آیہ ۱۷۳.
[104] ۔سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۵.

آسانی کی صورت میں صرف سفر کی وجہ سے حرام ہوجائےاورتیمم کے مورد میں بھی کہ '' لم تجد ماءً'' کہ مرض کے بعد ذکرکیاہے ، مسلم ہے کہ اس سے مراد صرف وہ سفر ہے جس میں تمہیں پانی میسر نہ ہو اور روزہ کے سلسلہ میں بھی سفر کےعلاوہ مرض کے بارے میں سفر میں روزہ کےعسر کی علت یہی ہے خود سفرکوئی موضوعیت نہیں رکھتا بعض وہ لوگ جو سفر کووجوب روزہ سے مانع جانتے ہیں اسے سفر میں صحیح جانتے ہیں جیساکہ جواہر میں ایسےمشہور کے خلاف کیاہے اورشیخ مفیدؒ ، سید مرتضیٰؒ اور سلاّر نے مورد نذر کوسفر میں جائز جاناہےتو بطریق اولی رمضان کا واجب اصلی روزہ یا اس کی قضا کوجائز جانیں گے۔
یہاں تک کہ فقہاء کا ایک گروہ سفر میں مستحبی روزہ کو مستحب جانتاہے جیسے ابن حمزہ یا اسے اکثر فقہاء کی طرح مرجوح جانتے ہیں جیسا کہ شرح اصفہانی میں ذکر ہوا ہے)۔
اصولی طور پر مرض اور سفر کے روزہ کے لئے عذر معین ہوئے ہیں صرف اور صرف عسراور حرج کی صورت میں ہے کہ ان دونوں حالتوں میں پیش آتاہے اس اصل کی بنیاد پر ان دونوں حالتوں میں روزہ واجب نہیں ہے، البتہ اس صورت میں کہ عسر و حرج اختیاری نہ ہو یا اس کی اضطراری صورت میں اس کے برطرف کرنے کی توانائی یا امکان نہ ہو۔
مستحب روزہ:
مسئلہ ۴۱۲: اگر نہ بیماری ہو اور نہ ہی بیمار ہونے کا کوئی خوف ہو لیکن اس طرح ناتواں ہو کہ روزہ آپ کے لئے طاقت فرسا ہو تو یہاں پر روزہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔
مسئلہ ۴۱۳: ایسی مسافرت جس میں روزہ رکھنا حرام ہے اس مسافر کے مانند کہ جانتا ہو کہ اس میں عسر و اضطرار میں مبتلا ہوجائے گا اور قہری طورپر اس سے روزہ رکھنے کی توانائی سلب ہوجائے گی تو مکلف کے لئے ماہ مبارک رمضان میں اس طرح کا سفر جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ کوئی اس کے برابر یا بالاتر ضرورت پیش آجائے، بنابریں ایسی مسافرت کہ اس کا روزہ عسر آور ہے، روزہ سے فرار کرنے یا کوئی بھی غیر ضروری دوسرے مقصد کے لئے اس سے کم تر ضرورت رکھتا ہو تو ماہ مبارک رمضان میں ایسی مسافرت کلی طورسے حرام ہے اور غیر ضروری سفر میں اگر روزہ طاقت فرسا ہو تو یہ یہ رو زہ واجب ہے؛ کیونکہ خود ہی بغیر ضرورت کے طاقت فرسا بن گیا اور اگر اس حالت میں روزہ نقصان دہ ہو تو حرام ہے لیکن اس صورت میں معذور ہونے کے باوجود روزہ توڑ دے لیکن گنہگار بھی ہے ایسی صورت میں قضا کے علاوہ تعمد کی صورت میں کفارہ (جیسا کہ

گذراچکا ہے) واجب ہے۔
مسئلہ ۴۱۴: چنانچہ ماہ رمضان میں اسی طرح کا سفر (برابر یا اس سے بالاتر) کا سفر ضرورت کے علاوہ حرام ہے اگر اپنے آپ کو مریض کرڈالو یا اپنی حفاظت نہ کرو اور بیمار ہوجاؤ یا امکانی صورت میں اپنی بیماری کا علاج نہ کرو تو تم نے یہاں پر گناہ کیاہے اور واجب روزہ ترک کرنے کا سبب بن گئے ہو ۔ لہٰذارمضان کے بعد ان روزوں کی قضا کرو اور رمضان میں بھی اس بات کی کوشش کرو کہ تمہاری بیماری دیگر روزوں کے لئے ختم ہوجائے تاکہ تم اپنے واجب فریضہ کو انجام دے سکو۔
مسئلہ ۴۱۵: طاقت فرسا روزہ بہرصورت واجب نہیں ہے مگر یہ کہ تم خود ہی طاقت فرسا ہونے کا سبب بنے ہو غیر اختیاری جرم کی صورت میں خواہ بوڑھاپے کی وجہ سے ہو یا مزاجی کمزوری یا رمضان روزوں کی طولانی ہونے کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کوئی بھی اضطراری علت کی وجہ سے ہو، روزہ بھی مستحب ہے روزہ اگر دودھ لانے والی عورت کے لئے طاقت فرسا ہو خواہ اس بچہ کی ماں ہو یا دایہ خواہ دودھ پلانے کی اجرت لے یا مفت انجام دے(اس صورت میں بھی ضرورت کی صورت میں) اس پر روزہ واجب نہیں ہے ۔ صرف اس پر ایک مد کھانا کھلانا واجب ہے ۔ یہاں سے بخوبی واضح ہے کہ اگر روزہ اس کے لئے یا اس کے شیر خوار بچہ کے لئے نقصان ہو تو حرام ہے کیا ماہ رمضان کے بعد اس روزہ کی اس پر قضا کرنا واجب ہے یا نہیں ؟ یہاں پر (عدة من ایام اخر) مسافر اور بیمار کے سلسلہ میں ذکر ہوا ہے ۔ اس شخص کی نسبت جو نہ مسافر ہے اور نہ ہی بیمار بلکہ صرف اس کے لئے روزہ طاقت فرسا ہے حکم زیادہ واضح اور مناسب ہے۔
مسئلہ ۴۱۶: اگر کسی خاص بیماری زبردست گرمی یا بیمار ی کی وجہ سے صرف پانی پینے کی ضرورت محسوس کرے اور اپنی کا نہ پینا اس بیماری کے لئے نقصان دہ ہو یا طاقت فرسا ہو تو صرف بقدر ضرورت پانی پی سکتاہے اور اس کا روزہ بھی صحیح ہے اور قضا بھی نہیں ہے۔ اسی طرح سیگریٹ یا تریاق یا دوسری چیزوں کے عادی لوگوں کے سلسلہ میں اگرچہ اس طرح کی عادتیں کلی طور پر حرام ہیں۔
اورمنشیات کا استعمال شرعی لحاظ سے ممنو ع ہے ، اس کےباوجود اگر اس کے روزہ کا تمام کرنا ان چیزوں کے استعمال سے وابستہ ہو تو وہ بقدرضرورت (ضرورت برطرف کرنے کے بقدر) استعمال کرسکتاہے اور روزہ رکھے اصولی طور پر دھواں مبطل روزہ ہو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس بنا پر کلی طور پر خواہ ضرورت کے وقت ہو یا غیر ضرورت کے وقت دھوئیں کی تمام قسمیں خواہ سیگریٹ ، تریاق، حقہ اور اس جیسی چیزیں ہوں اگرچہ حرام اور تباہی کا سبب ہیں لیکن مبطل

روزہ نہیں ہیں۔
روزہ کی حالت میں حرام امور:
مسئلہ ۴۱۷: یہ امور دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں: ایک وہ امور جو روزہ کو باطل کرتے ہیں جیسے جنسی عمل یا منی نکالنا، کھانا، پینا خدا اور رسول پر جان بوجھ کر بہتان باندھنا اور دوسرا حصہ ان مور پر مشتمل ہے جو صرف حرام میں لیکن روزہ کو باطل نہیں کرتے جیسے پانی کے نیچے سرلے جانا، امالہ کرنا اور روزہ کی حالت میں دھوئیں کی چیزوں کا استعمال کہ حرام ہونے کے ساتھ ساتھ روزہ کو باطل کرنے والی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔
مسئلہ ۴۱۸: جنسی عمل یا جس حال میں یا جس طرح بھی منی نکالنا اور مگر یہ کہ غیر اختیاری طور پر خواب میں ہو (حلال اور حرام) دونوں ہی روزہ کو باطل کردیتاہے لیکن حرام طریقہ سے ایسا کرنے پر قضا کے علاوہ تینوں کفارے بھی ادا کرنا ہوگا۔
مسئلہ ۴۱۹: اگر کوئی شخص ایسا کام کرےکہ وہ ہمبستری کرنے یا منی نکالنے پر مجبور ہوجائے تو اس کا ر وزہ باطل ہے اور قضا و کفارہ دونوں واجب ہوگا اور حرام ہونے کی صورت میں قضا کے علاوہ تینوں کفارے بھی واجب ہیں ، ہر صورت میں مغرب تک روزہ کو باطل کرنے والی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔
مسئلہ ۴۲۰: آیا جنسی عمل آذان صبح میں یا طلوع فجر میں کچھ منٹ باقی ہوں یا عمداً اذان صبح تک جنابت پر باقی رہنے پر روزہ کو باطل کرتاہے یا نہیں ؟ قرآن کریم نے طلوع فجر تک کچھ دیر باقی رہنے کی صورت میں جنابت اور جنسی عمل کو کھانے اور پینے کی طرح بتایاہے اور اسے حلال جانا ہے اور اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم اور آئمہ طاہرین علیھم السلام سے رایات بھی آیت کے موافق ہیں کہ اس حکم کی تائید کرتی ہیں اور جو روایات اس حکم کے خلاف ہیں چونکہ آیت اور روایات کے پہلے گروہ کی مخالف ہیں اور اندرونی تناقض بھی رکھتی ہیں ، قابل قبول نہیں ہیں۔بنابراین طلوع فجر کے نزدیک ناپاک ہونا یا عمداً طلوع فجر تک جنابت پر باقی رہنا نہ روزہ کو باطل کرتاہے اور نہ ہی حرام ہے [105] اور ظاہر غسل حیض و نفاس (بالخصوص) استحاضہ بھی یہی حکم رکھتے ہیں۔
جنابت ، کھانا اور پینا:
مسئلہ ۴۲۱: اس بات پر دلیل کہ صرف جنسی عمل اور کھانا پینا روزہ کو با طل کرتاہے،آیہ کریمہ (أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللّهُ

[105] ۱۰۵ ۔مرحوم آقای خمینی رمضان کے علاوہ روزوں میں جنابت پر باقی رہنے کو مبطل روزہ نہیں جانتے تھے اور مر حوم آقای گلپائیگانی اور مرحوم آقای خوئی رمضان کی قضا کو بھی رمضان کی مانند جانتے ہیں۔

لَكُمْ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ)[106] (روزہ کی رات میں تمہارے لئے اپنی عورتوں سے جنسی عمل حلال کیا گیاہے پس اب اپنی بیویوں کے ساتھ ہمبستری کرو...کھاؤ اور پیئو تاکہ خورشید کے آغاز کرنے کی سفید روشنی رات کی سیاہ دھاگہ سے آشکار ہوجائے اور ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ جس طرح کھانے اور پینے کا وقت پوری رات اور طلوع صبح سے پہلے تک ہے ، جنسی عمل بھی اس طرح ہے ، بلکہ اس عمل کی دوبارہ تکرار ہوئی ہے کہ سب سے پہلے ’’ لیلۃ الصیام‘‘ روزہ کی پوری رات اور اس کے بعد ’ باشروھنّ‘‘ ان کے ساتھ طلوع فجر تک ہمبستری کرو‘‘ ان سب کو شامل ہے اور اگر غسل جنابت وقت میں داخل ہونے کے لئے واجب ہوتا تو پھر ایسی صورت میں جنسی عمل کھانے اور پینے کی ردیف او ر ایک دوسرے کے مقابلہ میں طلوع فجر تک مہلت دی گئی ہے ؟(پس ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ یہ تینوں مفطر طلوع فجر تک جائز ہیں اور جو جنابت طلوع فجر سے پہلے رونما ہوئی ہے ہرگز روزہ کی صحت سے مانع نہیں ہے۔اور شیعہ اور سنی دونوں ہی روایات آیت کے موافق ہیں اور بعض شیعی روایات کہ آیت کے مخالف ہے قابل قبول نہیں ہے ؛ کیونکہ ایک دوسرے کی نسبت سہ طرفہ اندرونی تناقض اور قرآن و سنت کی نسبت بیرونی تناقض میں گرفتار ہیں اور شیخ صدوق فقیہ میں اور فیض کاشانی (۱: ۵۲) نے اس کا حکم کا فتوی دیا ہے اور نراقی نے مستند میں اس قول کو غیر مشہور پڑھا ہے اور نعمانی و سید مرتضی اور بعض متأخرین ، تحریر علامہ، مقزع صدوق، محقق اردبیلی اور سید داماد سے نقل کیاہے کہ جنابت پر عمداً باقی رہنا رمضان کی صبح تک جائز ہے ، چنانچہ اہلسنت فقہاء اور ان کی روایات اس کے موافق ہیں اگرچہ ان میں سے بعض، بیشتر علمائے شیعہ کی طرح جیسے ابو ھزیرہ ، سالم بن عبداللہ، حسن بصری ، طاووس، عروہ، حسن بن صالح اور نخعی اسے مبطل روزہ جانتے ہیں، لیکن اس مسئلہ میں بھی دگر مسائل کی طرح علماء خطا کا شکار ہوئے ہیں چنانچہ آیت کے ظاہر اور نص پر توجہ دیتے تو یقیناً فقہ اسلامی میں اس طرح کی غلطیوں کے مرتکب نہیں ہوتے۔

اور یہ بات ’’ حتی یتبیّن...‘‘ طلوع صبح تک صرف کھانے اور پینے سے مخصوص ہے، ایک بے جا بات ہے ؛ کیونکہ جنسی عمل کے مبطلات روزہ میں سے اہم ترین ہے ، اس کے آغاز اور انجام کو بیان کرنا زیادہ مناسب ہے ، کیونکہ کھانے اور پینے سے زیادہ اہم ہے، اور اگر جنسی عمل ان دونوں کی ردیف میں طلوع صبح تک محدود نہ ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف کھانا اور پینا اس وقت سے محدود

[106] سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۷.

ہے اور جنسی عمل کا وقت لامحدود ہوگااس وقت استثناء کوئی دوسری قید بھی آئے گی فصاحت اور بلاغت کے عام قاعدہ کے مطابق (چہ جائیکہ اس کے قرآنی قاعدہ کے تحت) کہ تمام گذشتہ کو رنگ اور قید کرے گی اور اگر گذشتہ میں سے ایک یا چند استثنا سے خارج ہوجائے تو صحیح اور سایبان کا مقتضی یہ ہے کہ صریحاً اپنے مخصوص مورد سے مختص ہو اس بنا پر '' باشروھنّ'' ''حتی یتبینّ'' سے مقید نہ ہوگا پس '' کلو واشربو'' کا ذکر لازم ہے یا اگر اس سے پہلے ہو تو اس طرح بیان ہونا چاہئے کہ معلوم ہوا کہ اس کا حساب و کتاب اکل وشرب سے جدا ہے ، اس وقت اگر قید صرف آخری پر لگائی جائے اس بناپر یہ آیہ شریفہ میں '' حتی'' پینے سے مخصوص ہوگا اور ؟؟؟اور اس کا باطل ہونا بھی واضح ہے۔

کھانے اور پینے سے متعلق مسائل:

جوکچھ کھانے اور پینے کی ہے اس قرآنی نص کے مطابق اس کا تعمد روزہ کو باطل کردیتاہے ، بنابرین اگر اس نے ریت نگل لی ہو اور کچھ نہ کھایا ہو کہ اس کا روزہ باطل ہو اور اگر دھاگہ منہ میں رکھے تاکہ اس کی رطوبت لے سوئی کے اندر دھاگہ ڈالے اور اسے اسی رطوبت کے ساتھ دوبارہ منہ میں لے جائے تو اس کا ر وزہ باطل نہیں ہے ، کیونکہ اس نے کوئی چیز (بالخصوص خارجی) نہیں پی ہے - یہاں پر اگرچہ دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ صرف کھانا اور پینا ممنوع ہے ، اس صفت کےساتھ مذکورہ بالا آیت اور کچھ روایات بھی اس پر دلالت کررہی ہیں جیسے محمد بن مسلم کی صحیحہ کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے میں نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں: روزہ دار کوئی بھی کام کرے اس کو نقصان نہیں پہنچے گا جبکہ چار چیزوں سے دوری کرے کھانے ، پینے عورتوں اور پانی میں غوطہ لگانے سے[107] اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس بات میں نقصان د معنی میں ہے ایک پہلو کا حامل نقصان اور دو پہلو کا حامل نقصان ایک صرف حرام ہے اور مبطل روزہ نہیں ہے جیسے ارتماس کہ اس کا نقصان ایک پہلو کا حامل ہے اور اس سے بالاتر نقصان کہ حرام بھی ہے اور روزہ کو باطل بھی کرتاہے جیسے صدر حدیث کے تین مورد، کھانا، پینا اور عورتوں سے ہمبستری کرنا کہ ان تینوں کا نقصان ماہ رمضان کے روزوں میں دو بعدی ہے۔ حرمت اور روزہ کا باطل کرنا اس بنا پر اس توجیہ کے ساتھ یہ حدیث مورد استدلال واقع ہوتی ہے -''

اور اس اصل کی بنیاد پر (اور بطریق اولیٰ) کسی قسم کا دھواں یا گردوغبار حلق کے اندر لے جانا روزہ کے باطل ہونے کا موجب نہیں ہے؛ کیونکہ نہ کھانے کی قسم سے ہے اور نہ ہی پینے کی بالخصوص دھواں اور غبار کے سلسلہ میں اس کے

---

[۱۰۷] -تہذیب، ۱، ۳۰۹، ۳۲۲ اور ۳۰۶.

علاوہ روزہ کے لئے اس کی ممنوعیت کوئی دلیل بھی نہیں ہے کہ قرآن کے علاوہ معتبر روایات میں بھی یہ حکم تجویز ہواہے۔[108]میں ذکر ہواہے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے عمرو بن سعید کی موثقہ اس پر دلالت کررہی ہے کہ : (میں نے سوال کیا: اس روزہ دار کے بارے میں جو عود اور اس جیسی اکثر یوں کا دھواں حلق کے اندر لے جاتاہے تو آپ نے فرمایا: ہرگز کوئی مانع نہیں رکھتا اور گرد و غبار کے بارے میں بھی میں نے سوال کیا کہ روزہ دار کے حلق میں جاتاہے (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا:ہرگز کوئی مانع نہیں ہے۔ اور نراقی کی مسند میں ذکر ہواہے کہ اکثر علماء غلیظ قسم کے گردوغبار اور دھواں میں مبطل روزہ نہیں جانتے جیسا کہ صدوق، دیلمی، شیخ طوسی نے مصباح میں ذکر کیا ہے اور محقق نے معتبر میں اور غلیظ بھاپ دھوئیں کے مبطل ہونے کے بارے میں تردید کی ہے۔ اور متأخرین کے گروہ میں سے بھی جیسے فیض کاشانی نے مفاتیح میں اور صاحب حدائق نے حدائق میں[109] اور ظاہر لمعہ اور مدارک میں بھی مذکور ہے اگرچہ ان دونوں نے اس کے بارے میں تردید کی ہے اور معاصرین میں سے مرحوم آقا سید مرعشی نجفی بھی دھوئیں کو مبطل روزہ نہیں جانتے تھے اور سید مرتضی پانی میں سرکو ڈبونے کومرجوح جانتے ہیں جیسا کہ مالک اور احمد کہتے ہیں اور شیخ طوسی استبصار میں اسے حرام جانتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ روزہ کے باطل ہو نے کا موجب نہیں ہے اور علامہ نے تذکرہ میں اسی کو قبول کیاہے اور ابن عقیل اسے حلال جانتے ہیں اور سید مرتضی غیر عادی چیزوں کے کھانے اور پینے کو مبطل نہیں جانتے۔

مسئلہ ۴۲۳: کھانے اور پینے کی چیزیں انسان کے بدن میں جس راہ سے بھی داخل ہوں کھانے اور پینے کی چیزوں کے اعتبار سے روزہ کو باطل کردیتی ہے۔ جیسے تقویت کے لئے انجکشن لگوانا اور غذائیت کے لئے ڈریپس لگوانا اور تقویت کے صفائی کروانا وغیرہ وغیرہ کہ ان کے ذریعہ کھانا، پانی اور مورد احتیاج اور بدن میں داخل ہوتی ہے لیکن اس کے علاوہ دیگر انجکشن جو درد کم کرنے یا عضو (درد) کو بے حس کرنے اور اس طرح کی چیزیں لگائی جائیں، اشکال نہیں رکھتیں اسی طرح وہ صفائی جو ضرورت کے وقت اور حیض وغیرہ کو دور کرنے کے لئے ہو بھی روزہ کو باطل نہیں کرتی اور بالآخر جس کے بارے میں بھی کھانے اور پینے کی چیزیں صادق آئیں وہ روزہ کو باطل کردیتی ہیں۔[110] پانی کے علاوہ کی ضرورت کے وقت بقدر ضرورت روزہ کو باطل نہیں کرتا لیکن دیگر مبطلات میں گرچہ ضرورت کے وقت ہو روزہ کو باطل کردیتاہے اور ایسی صورت میں صرف روزہ کی قضا

---

١٠٨ ۔چنانچہ تہذیب شیخ طوسی (۱: ۳۴۴).
١٠٩ ۔ ۱۳: ۷۲.
١١٠ ۔سید مرتضی مفطرات روزہ کو کھانے ، پینے ، ہمبستری کرنےا ور منی نکالنے میں منحصر جانتے ہیں (۳: ۵۴) اور ابن ادریس بھی ارتماس کو مرجوح جانتے ہیں (۱: ۲۴۷)ار قئے کو مبطل روزہ نہیں جانتے (٦: ۲۸۹)

واجب ہوتی ہے۔
مسئلہ ۴۲۴: اگر تم یہ جانتے ہوکہ دانتوں میں پھنسی غذا تدریجاً معدہ کے اندر چلی جائے گی اگر داخل ہوجائے تو روزہ کو باطل کردیتی ہے ، کیونکہ یہ خود اختیاری کھانے کی چیز ہے۔
مسئلہ ۴۲۵: بلغم کہ کبھی کبھی حلق میں یا منہ کے اندر چلا جاتاہے اگر دوبارہ سینہ کی طرف پلٹ آئے یا معدہ کے اندر چلا جائے تو روزہ کو باطل نہیں کرتا، کیونکہ کھانا صرف خارجی چیزوں کے کھانے پر صادق آتاہے (اور یہ نہ بیرونی ہے اور نہ ہی کھانے کی) اور روزہ کو باطل کرنے والی صرف اور صرف خارجی کھانے اور پینے کی چیزیں ہیں۔ کہ اگر عمداً ہو تو روزہ کو باطل کردیتی ہیں اور بس۔
مسئلہ ۴۲۶: خدا، پیغمبروں اور آئمہ معصومین علیھم السلام کی جانب جھوٹی نسبت دینا روزہ کو باطل کرنے سے پہلے ایمان کو باطل کردیتی ہے خواہ خدا اور رسول کی تکذیب کرو یا ان کی طرف جھوٹی نسبت دو دونوں ہی خداوند سبحان پر افتراء اور بہتان ہے اور چند آیتوں کی روشنی میں ایسا کرنا کفر ہے،لیکن اگر یہ افتراء پردازی دشمنی اور جان بوجھ کرنہ ہو، بلکہ نادانی ، جہالت یا غضب کی بنیاد پر ہو تو روزہ کو باطل نہیں (جیسا کہ محقق نے اس کو شرائع میں اشبہ پڑھا ہے اور تمام اہلسنت فقہاء بھی اس پر متفق ہیں)
مسئلہ ۴۲۷: پانی میں سرڈبونے سے متعلق ایک دوسرے کے مقابل دو قسم کی روایات ہیں کہ ان میں سے ایک روزہ کو باطل کرنے والا جانتی ہیں اور اس کے مقابلے میں کچھ روایات یا صرف اسے حرام جانتی ہیں یا اس بات کی تصریح کررہی ہیں کہ روزہ کو باطل کرنے والا نہیں ہے ۔ نتیجتاً اگر یہ دونوں نص ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوں تو دونوں ہی ساقط ہوجائیں گی۔
نتیجتاً پانی میں سر ڈبونا روزہ کو باطل کرتاہے یا نہیں اپنی جگہ پر ثابت نہیں رہے گا(ابن بابویہ نے الھدایہ میں صرف ارتماس کا ان مفطرات پر اضافہ کیاہے نتیجتاً دھواں اور غلیظ قسم کی بھاپ اور جنابت پر باقی رہنا اور تمام وہ سب جو مفطر ات میں شمار ہواہے کہ مفطر نہیں جانتے، شہید ثانی ، مدارک اور کتاب ذخیرہ میں اور کشف اللثام میں سید مرتضی کی طرف سے کہ ان میں سے کوئی بھی مفطر نہیں جانتے اور جو فقہاء اور تماس کو مبطل روزہ نہیں جانتے ، شیخ طوسی استبصار میں سید مرتضی فاضل، ان کے بیٹے، محقق ثانی اورشہید ثانی ہوں گے۔ شیخ طوسی فرماتے ہیں : میں نےکوئی ایسی حدیث نہیں دیکھی ہے جو ارتماس کے لئے قضا یا کفارہ پر دلالت کررہی ہو اور تمام سنی فقہاء بھی پانی میں سرڈبونے کو مبطل روزہ نہیں جانتے) اور یہاں ہر مذکورہ بالاآیت کے مبطلات روزہ کے تین چیز میں اختصاص کے بارے

میں اطلاق اپنی جگہ پر ثابت ہے۔
مسئلہ ۴۲۸: اسی طرح سیال چیزوں سے امالہ کرنا حرام ہے لیکن یہ (امالہ) روزہ کو باطل نہیں کرتا اور قے کرنا، کھانے اور پینے کے مقابلہ میں ہے یقیناً روزہ کو باطل کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ ممکن نہیں ہے کہ کھانا، پینا اور قے کرنا کہ ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں ، دونوں ہی روزہ کو باطل کردیں چنانچہ کھانا اور نہ کھانا، پینا اور نہ پینا، جنسی عمل اور اس کا ترک کرنا، خدا اور رسول پر بہتان باندھنا اور ان کی طرف جھوٹی نسبت دینا اور اس کا ترک کرنا یہ سب ایک دوسرے کے مد مقابل ہیں ممکن نہیں کہ دونوں ہی روزہ کو باطل کرنے والے ہوں اور قے کرنا کہ کھانے کی ضد ہے اس کے علاوہ کہ اس کے مفطر ہونے پر کوئی نہیں ہے خود یہ تضاد اس بات پر واضح دلیل ہے کہ قے کرنا کبھی بھی کھانے اور پینے کی طرح روزہ کو باطل نہیں کرسکتے۔
مسئلہ ۴۲۹:جو کچھ گزر چکا اس بنیا د پر صرف تین یا چار چیزیں روزہ کو باطل کرتی ہیں اور چوتھی (کہ خداوند سبحان اور آئمہ معصومین پر بہتان باندھنا ہے) سب سے پہلے ایمان کو باطل کرتی ہے کہ روزہ کے صحیح ہونے کی اصلی شرط ہے اور اس کے بعد دیگر چیزیں کہ روزہ کو باطل کرنے والی چیزوں کے زمرہ میں شمار ہوتی ہے نہ صرف ہم ان کے بارے میں صحیح دلیل نہیں رکھتے بلکہ مبطلات روزہ کا ان تین چیزوں سے اختصاص آیہ روزہ اور چند روایات میں ان میں منحصر ہونے کی دلیل ہے ، آیا روزہ ترک کرنے کافیصلہ کرنا مبطلات روزہ میں سے کسی چیز کا استعمال کئے بغیر بھی مبطلات روزہ کے زمر ہ میں ہے ؟ ظاہراً جب تک روزہ کو باطل کرنے والی چیزوں کا استعمال نہ کرے اس کا ر وزہ اپنی جگہ باقی ہے، کیونکہ اس طرح کے فیصلے ہرگز روزہ کو باطل کرنے والی چیزوں میں شمار نہیں ہوئے ہیں نہ قرآن میں اور نہ ہی روایات میں ان کے بارے میں ایسا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔
مگر اس صورت میں کہ اول طلوع فجر سے روزہ نہ رکھنے کی نیت رکھتا ہو یہاں پر اس کا روزہ باطل ہونے کے باوجود اس دن مفطرات سے اجتناب کرے اور رمضان کے بعد (کم سے کم) اس کی قضا کرے اسی طرح مصدر وحی سے مشکوک خبر کا نقل کرنا ہرگز خدا اور رسول کی طرف جھوٹی نسبت دینے کی طرح نہیں ہے اور اس اصل کی بنیاد پر روزہ کو باطل کرنے پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔
جن موارد میں روزہ کی قضا واجب ہے
مسئلہ ۴۳۰: عذر کے تمام موارد میں(اس صورت کے علاوہ کہ روزہ ہمیشہ طاقت فرسا رہاہے اور اسے انہیں رکھا اور اس کا طاقت فرسا ہونا اس طرح باقی رہا ہو) روزہ کی قضا کرنی چاہئے اور یہاں پر طاقت فرسا پر نظر اصلی ہے نہ کبھی

کبھی کہ بچہ کو دودھ پلانے یا گذشتہ بیماری کی نقاہت کمزوری اور اس جیسی چیزوں سے وجود میں آئے کہ اس طرح کی غیر اصلی طاقت فرسائی (نہ مستمر) اس عذر کے برطرف ہونے کےبعد روزوں کی قضا کرنی چاہئے (جیسا کہ ابن عقیل نے فرمایا کہ صرف ۱۰/سیر طعام امکان کی صورت میں) صدقہ ہر روز کے بدلے واجب ہے اور اس روزہ کی قضا کے وجوب کی نسبت غیر مشہور کی طر ف دی ہے اس معنی میں کہ فقہاء کے درمیان مکمل شہرت عدم وجوب ہے اور علامہ نے مختلف میں بھی کہ آیہ کریمہ (وَاَنْ لیسَ الانسان الا ما سعیٰ) سے استدلال کیاہے اور ابوالمکارم بن زھر ہ نے ان کی پیروی کی ہے چنانچہ ابی مریم انصاری کی صحیحہ بھی اس حقیقت پر نص ہے اور اس کے خلاف دلالت کرنے والی کوئی حدیث ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے ابن ادریس اور علامہ تھی منتھی میں اس کو باطل جانت ہیں اور صاحب مفتاح الکرامۃ نے بھی مورد اعتراض قرارد یاہے اور شہید کتاب ذکری میں فرماتے ہیں ہم نے اس سلسلہ میں کوئی نص نہیں دیکھی ہے)

چنانچہ کسی کے مرنے کے بعد اس کی نماز کسی دوسرے پر واجب نہیں ہے
اسی طرح روزہ کی قضا بھی ہے چنانچہ (ان لیس للانسان الا ما سعی) جیسی آیات (سورہ نجم آیت ۳۹) اس حقیقت پر گواہی ، بنابراین جو حضرات اس بات میں باپ کی نماز اور روزہ کی قضا اس کے بڑے بیٹے پر واجب جانتے ہیں ، ان کے پاس کوئی اصل اور دلیل نہیں ہے۔

کفارہ

مسئلہ ۴۳۱: روزہ کا کفارہ اس صورت میں کہ بغیر کسی عذر کے عمداً اس نے واجب کو ترک کیا ہو یا عمداً روزہ کے حرام ہونے کا سبب ہوا ہو کہ اس وقت تین کفاروں میں سے ایک : ۶۰/بھوکے فقیر کو کھانا کھلانا، یا پے درپے ۶۰/دن روزہ رکھنا یا کسی مؤمن غلام کو آزاد کرنا ہے۔اور اگر جان بوجھ کر حرام سے افطار کرے (یعنی حرام چیزوں کے ذریعہ روزہ کوباطل کردے) تو قضا کے علاوہ اس پر تینوں کفارے بھی واجب ہیں کہ وہ شخص ان تینوں (کفاروں) کو انجام دے اور یہاں پر ایک غلام آزاد کرنے کا بدلہ زمانہ کی قیمت کے مطابق ایک زرخیز انسان کی قیمت کہ اس کی اس زمانہ کے حساب سے قیمت لگا کر فقیروں کو دی جائے یا کسی دوسرے وسیلہ سے کہ یہ بھی مؤمن غلام کو قید سے نجات دلانا ہے۔

اگر بیماری کا سلسلہ دیگر رمضان تک جاری رہے تو روزہ کی قضا اس سے ساقط نہیں ہوگی بالخصوص اس صورت میں کہ صحت یاب نہ ہونے سے خود قصور وار نہ ہو، کیونکہ(فعِدَّۃ من ایام اُخر) اپنے اطلاق کے ساتھ اس کی صحت یابی کے زمانہ کو آخری عمر تک شامل ہے نفی و اثبات میں اور روایات بھی متضاد ہیں اور

احتیاط کے طور پر قضا کے علاوہ کھانا کھلانا بھی واجب ہے (جیسا کہ کہ ابن ابی عقیل اور ابن بابویہ نے فرمایا ہے اور شیخ طوسی نے کتاب خلاف میں اجماع کادعویٰ کیا ہے اور ابن زھرہ اور ابن ادریس کتاب سرائر میں اور ابو صلاح تقی حلبی اور علامہ نے تحریر میں کفارہ کے بغیر اس کی قضا کو واجب جانا ہے اور ابن جنید نے قضا اور کفارہ کے درمیان جمع کرنے کو احتیاط واجب ذکر کیاہے)۔

مسئلہ ۴۳۲: اگر معذور شخص رمضان تمام ہونے سے پہلے مرجائے تو اس کے ورثہ پر اس کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا واجب نہیں ہے، کیونکہ اس کے ذمہ سے بھی ساقط تھا اور اس صورت میں بھی کہ نماز و روزہ کی قضا اس کے ذمہ تھی اور اس نے کسی عذر کے بغیر ترک کردیا تو اس کے مرنے کے بعدکسی اور کے ذمہ نہیں ہے ؛ کیونکہ یہ خود مالی دَین نہیں ہے تاکہ اس کے مال سے ادا کیا جائے۔ صرف اور صرف خود اس کے ذمہ تھا ، حج کے علاوہ کہ اپنی حیات میں مالی اور جسمانی استطاعت نہیں رکھتا تو اسے نائب بنانا چاہئے کیونکہ یہ خودایک سیاسی اور اجتماعی عبادت ہے کہ اگر مسطیع معذور ہو تو اسے کسی دوسرے کو نائب بنانا چاہئے جیسے اسلامی جنگ اور جہاد کہ ایسی صورت میں کسی ایسے کو جس میں جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اپنے مال سے جنگ کے لئے آمادہ کرے لیکن نماز و روزہ ایک ذاتی تکلیف اور فریضہ اور کسی صورت نیابت پذیر نہیں ہے کیونکہ کتاب اور سنت میں نماز و روزوں کے مخاطب صرف مکلفین میں اور نیابت بہرحال دلیل کی طالب ہے اور یہاں پر وجوب نیابت پر ہرگز کوئی دلیل نہیں ہے۔
(بالخصوص روزہ کے سلسلہ میں ابن ادریس اور علامہ منتہی میں اس نیات کو ممنوع قرار دیاہے)

جدید مسائل

مسئلہ ۴۳۳: اگر اس افق میں جس میں روزہ دار زندگی گزار رہاہے، مغرب کا وقت ہوجائے اور اس نے افطار کرلیا اس کے بعد ہوائی جہاز سے اس نے سفر کر لیا اور مغرب سے پہلے ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں بھی مغرب نہ ہوئی تو کیا اس وقت بھی اس طرح روزہ کی حالت میں باقی رہے گا؟ ظاہراً یہاں پر بھی اس افق کی مغرب تک کھانے اور پینے سے پرہیز کرے گا کہ خود روزہ سے ملحق ہے اور یہ بھی اس شخص کے مانند ہے جس نے سہواً یا عمداً روزہ توڑ دیا ہو کہ روزہ دار نہ ہونے کے علاوہ بھی اس پر آخر وقت تک اجتناب واجب ہے، لیکن محل بحث مسئلہ میں اجتناب نہ کرنا روزہ کا ترک کرنا محسوب نہیں ہوگا اور صرف حرام ہے۔

مسئلہ ۴۳۴: اگر سابقہ افق ہیں اس کی مغرب کو پالیا ہو لیکن افطار نہ کیا ہو اور اسی طرح اپنا سفر جاری رکھا اور ایسے افق میں پہنچ گیا جہاں ابھی مغرب کا وقت

نہیں ہوا ہے تو اس پر اس جگہ کے افق کے مطابق مغرب تک روزہ کی حالت میں باقی رہنا واجب ہے کیونکہ آیہ کریمہ (ثم اتیمو الصیام الی اللیل) کا اطلاق اس افق کو بھی شامل ہو گا اور اس مورد میں اس کے روزہ کا افق پہلے مصداق کے گزرنے کے بعد دوسرا مصداق پیدا کرے گا اور اس آیہ کریمہ کا اطلاق اورا س کا شمول اس طرح کے مرود کو دیگر تمام موارد کی طرح اپنے زیر سایہ قرار دے گا۔

مسئلہ ۴۳۵: جن علاقونمیں روز و شب پے در پے معمول کے مطابق نہیں ہیں کہ وہاں چند ماہ شب ہے تو چند ماہ دن ہے تو ان علاقے والوں کے روزہ کا حکم یہ ہے کہ شب و روز میں سے ہر ایک میں ہمیشہ زمان اور وقت کو بطور مساوی یا اس نزدیک ترین افق کے مانند کہ روز و شب معمول کے مطابق ہیں، تقسیم کرے اور اسی تقسیم کے مطابق روزہ رکھے چنانچہ نماز بھی ایسی حساب سے تقسیم ہوگی اور بہترین افق جو تمام افق کا معیار ہے مکہ مکرمہ کا افق ہے کہ ام القری ہے۔

مسئلہ ۴۳۶: ان مقامات پر جہاں روز و شب پے در پے تو ہے لیکن رات یا دن اس درجہ بڑاہے کہ اس کا مد مقابل نا چیز لگتاہے مثال کے طور پر ان چند گھنٹوں کا اور رات کافی طولانی اور بڑی یا شب چند گھنٹوں کی اور دن کافی بڑا ہوتاہے۔

ایسے استثنائی افق میں ظاہراً روزہ کا فریضہ چھوٹے اور بڑے دن اور رات سے ہم آہنگ ہوتاہے اور اگر دن اتنا چھوٹا ہے کہ اس کا حساب نہیں کیا جاتا تو پھر شب کا کچھ حصہ کچھ مناسب اورمعمولی اور نزدیک ترین افق کے ہمراہ ہے (افق مکہ کے ہمراہ ہے) روزہ میں اسے شمار کریں کہ نتیجتاً افطار کا وقت اس افق کے رسمی وقت سے دیر تر ہوگا اور شاید '' الی اللیل'' نہ '' الی لیل '' بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ شناختہ شدہ معمولی راتیں روزہ کے اختتام کا آخر ی وقت ہے نہ ہر رات کہ مثال کے طور پر اگر دن ایک ماہ کا ہے تو روزہ طلوع فجر سے اس دن کا آغاز ہو اور آخری مہینہ تک کہ شب کار آغاز ہے اسی طرح روزہ کی حالت میں گزرے۔

بالآخر '' حتی یتبیّن ...''بھی معمول کے مطابق ہی طلوع فجر شناخت شدہ ہے اور ' الی اللیل'' بھی معمولی شب شناختہ شدہ ہوگی نہ استثنائی روز و شب کہ بعض افق میں کرہ زمین میں ہوتاہے اسی طرح وقت ظہر کا آغاز رہی عام ظہر ہے چنانچہ غروب بھی کہ نماز عصر کا آخری وقت ہے وہی معمولی کے مطابق غروب ہے نہ وہ دن کہ مثال کے طور پر ۶/ماہ ہے کہ ہم گمان کرتے ہیں کہ اس کا آغاز روشنی اور اجالے کا آغاز اور اختتام روشنی کے اختتام اور درمیانی وقت کہ سورج کے ڈھلنے کے وقت ہے تیسرے ماہ کا آخری وقت اور چوتھے ماہ کا سب سے پہلی ساعت کا آغاز ہے اس اصل کی بنیاد پر قرآن کریم نے پنجگانہ نمازوں کے اوقات اور معمولی کے مطابق روزوں کے شناختہ شدہ اوقات کو بیان کیا ہے۔ پنجگانہ تقسیم کی روشنی میں استثنائی افق کا

حکم ۲۴/ گھنٹے دو حصے میں تقسیم ہوں گے اور پانچ نمازوں کے لئے پانچ معین وقت غیر معمولی روزوشب میں ذکر شدہ محاسبہ کے مطابق انجام دیا جائے اور اسے طولانی روزوشب کے آغاز سے روزو شب کے فریضہ کو انجام دیا جائے اور مناسب ہے جیسا کہ ہم نے بارہا عرض کیا ہے کہ '' ام القری'' کا افق کہ مکہ معظمہ کا افق ہے کہ دنیا کے تمام استثنائی افق کے لئے معیار اور میزار قرار دیا جائے اور تمام استثنائی افق کا اس معیار اور میزان پر اندازہ لگایا جائے اورجس طرح آیات محمکمات ، آیات متشابھات کا مرجع ہیں کہ وہ '' ام الکتاب'' اور یہ (متشابھات) ان کے بچوں کے حکم میں اسی طر ح نماز اور روزہ کے متشابہہ موارد کی بھی ام القری کی طرف بازگشت ہو کہ وہاں کا زمانہ اور وقت بھی ام الزمان اور باقی اس کے بچے شمار ہوتے ہیں اور اس اصل کی روشنی میں اُن آفاق میں جہاں روز و شب عادی اور معمول کے مطابق نہیں ہیں (کم از کم بہترین افق جو معیار اور میزان ہے) وہ مکہ مکرمہ کا افق ہے کہ نوعاً وہاں شب و رو ز یکساں اوربرابر ہیں اس کے علاوہ کلی نقطہ نظر سے بھی مکہ کا افق کرہ زمین کے عادی روز و شب کے لئے معتدل ترین میزان ہے ان راتوں کے مانند کہ حد معمول سے زیادہ ۶/ماہ یا اس سے کم یا زیادہ ہے اور اس کے روز بھی اسی طرح ہیں۔

اعتکاف:

مسئلہ۴۳۷: اعتکاف زمان، مکان اور انسانی لحاظ سے شرائط کا حامل ہے کہ اس کا فقہی کتابوں اور رسالہ عملیہ میں ذکر ہواہے اور ان میں سے بعض جیسے یہ شرط کہ اعتکاف حتماً اور یقیناً مسجد جامع میں ہونا چاہئے، مورد اختلاف واقع ہوئی ہے لیکن آیہ کریمہ (وانتم ، کفون فی المساجد) سورہ بقرہ، آیہ ۸۷، کی روشنی میں تمام مساجد میں اعتکاف جائز ہے ۔(111) کیونکہ '' المساجد'' کہ لغوی اصطلاح میں لام استفراق کے ساتھ جمع ہے، تمام مساجد کو شامل ہے، اگرچہ مسجد جامع اور زیادہ جامع اورمسجد النبی ، مسجد الحرام، میں (ترتیب وار) دیگر مساجد سے اس کا استحباب کہیں زیادہ ہے لیکن مساجد جامع اور مساجد اربعہ مسجد النبی ؐ ،مسجد کوفہ اور مسجد بصرہ سے اختصاص نہیں رکھتا۔ بنابرایں تمام مساجد میں اعتکاف جائز ہے اور مراتب کے لحاظ سے فضیلت کا حامل ہے ۔(112)اعتکاف کے خواہشمند ورنہ اکثر مکلفین اس عبارت سے محروم رہ جائیں گے کہ خود ان کی تشویش کا باعث ہے اور اصولی طور پر ایک مستحب کام ہے (توانائی کے بقدر) تمام مؤمنین کے لئے مستحب ہے مگر یہ کہ وہ مستحب معین زمان اور مکان رکھتا ہو کہ اعتکاف میں بھی اس کی فضیلت کا زمانہ

[۱۱۱] ۔جیسا کہ ابن عقیل، فرمایا ہے: لغوی اعتبار سے تمام مساجد کو شامل ہے) اور لفظ '' جامع '' شرائع میں ۔

[۱۱۲] ۔اکثر فقہاء کے فتووں کے خلاف جیسا کہ شہید اوّل نے کتاب دروس میں نقل کیاہے اور کتاب منتہیٰ میں مشہور اور سید مرتضی و شیخ طوسی اور ابن زھرہ سے نقل اجماع ہواہے اورعلی بن بابویہ نےاعتکاف کو شہروں کی مسجدوں سے مخصوص جانا ہے کہ ان منی سے کسی نے بھی آیہ شریفہ کی جانب توجہ نہیں کی ۔

سنت قطیعہ میں معین ہوا ہے اور مکان اعتکاف کے بارےمیں بھی قرآن کریم نے ’’ المساجد‘‘ فرمایا ہے کہ تمام مساجد کو شامل ہے۔

خمس

مسئلہ۴۳۸:’’خمس‘‘ اور ’’ زکوۃ‘‘ اور براہ راست اور بالواسطہ اسلامی تمام مالیات (ٹیکس) مسلمانوں اور اسلامی حکومت کی فردی، اجتماعی ، جسمانی اور روحانی تمام ضرورتوں کو برطرف کرنےکےلئے معین کئے گئےہیں کہ در حقیقت یہ مالیات(ٹیکس) وہ رقومات ہیں کہ اس اسلامی نوامیس کی جان، مال، عزت و آبرو، عقل ، عقیدہ اور فروع کی حفاظت کے لئے ادا کرنا چاہئے۔

اگرفرض بھی کرلیں کہ یہ مالیات ادا کرنےوالوں کی نسبت کوئی نتیجہ بخش نہیں ہیں لیکن اس بات کےپیش نظر کہ یہ سارے اموال اور صاحبان ، خدا کی ملکیت ہیں کہ جسم، فکری اور علمی جسمانی قوتیں اور تمام زمینی، ہوئی اور دریائی نعمتیں ساری کی ساری رحمت الہی سےتعلق رکھتی ہیں مثال کے طور پر کسان جو بیج ڈالتا ہے اور اس سے پودے نکلتے ہیں اس نےجو کام کیاہے(اس کےباوجود کہ سب کچھ خداوند عالم کی مدد اور اس کی دی ہوئی قوت سے ہے) آب و ہوا ، زمین اور زمینی ذخیروں کےمقابلے میں کہ کسان اورکاشت کار سرگرمی اورکار کردگی کا نتیجہ نہیں ہے توبہت ہی معمولی شمارہوتی ہے اس کےعلاوہ یہ بات کہ ان کی کارکردگی بھی خدا کی قوت اور دورادسے ہے تو کسان کی کوشش کا فیصد ربانی عطیوں کےمقابلہ میں بہت ہی ناچیز اور معمولی ہےکہ کم سےکم ان کی نصف در آمد سے زیادہ ان کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہی آب وہوا زمین اور اگانا ہے کہ سارے کا سارا حضرت اقدس الہی سے مخصوص ہے ، ان مسائل کےپیش نظر خمس وزکوۃ کہ خداوند عالم کا دستور اورحکم ہے اورزمین وزمان کا اصلی مالک ہے کو کیسے نظر انداز کیاجاسکتاہے؟ اس وقت خداوند عالم آپ سے دو اور نصف ۵ یا ۱۰ /فیصدیا ۲۰/فیصد زکوۃ کا مطالبہ کرتاہے ، خمس کو اپنی در آمد سے شریعت کے معین کردہ مصارف میں خرچ کرو کہ درحقیقت اس کی بھی بازگشت خود تمہارے نفع میں ہے توکیا ایسی صورت میں یہ صحیح ہے کہ یہ خیال کرتےہوئے کہ یہ سب تمہارے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہے، لہذا حقوق الہی کی ادائیگی سے اجتنا کرو؟ بالفرض اس صورت میں کہ اگر خداوند عالم نے تمہارے اموال میں کوئی فیصد معین نہ کیا ہوتا پھر بھی انصاف اور وجدان اور ضمیر کے فیصلہ سے یہ ضروری تھا کہ آپ لوگ اس مقصد کے لئے اپنے اموال کا کچھ فیصد معین کریں کیونکہ تم لوگ خدا کے بندہ اور اس کے پروردہ ہو اور تمہاری ساری طاقت امور توانائی اس کی طرف سے ہے کہ ’’العبد وما فی یدہ کان لمولاہ‘‘ بندہ اور جوکچھ اس کے اختیار میں ہے ، سب اس کے مولا کا ہوگا ‘‘ بنابراین اس عقیدہ اور

یقین کے ساتھ مسلم طور پر خمس و زکوۃ کی ادائیگی تمہارے لیے بہت آسان اورسہل ہوگی۔''

مسئلہ ۴۳۹: خمس ہرگز جنگی غنائم سےمخصوص نہیں ہے اگرچہ آیات جنگ کےضمن میں ذکر ہواہے لیکن (فعند امور مغانم کثیرہ) جیسی آیتوں کہ خداکے لئے بے شمار غنیمتیں ہیں '' لغت غنیمت کو جنگی خیالی اختصاص سے خارج کردیتی ے کیونکہ خداوند سبحان کے لئے کسی جنگ کاتصور نہیں ہے تاکہ وہ جنگی غنائم رکھتا ہو ، بلکہ تمام اموالی (اور خو دصاحبان اموال) کلی طور پر غنیمت اور خدا کی ملکیت ہیں اوریہ '' ما غنمتم'' خود اہم ترین اسلامی در آمد ہے ، کیونکہ زکوۃ کے۲/۵ فیصد ۵ اور ۱۰ فیصد تک ہے اس کی درمیانی مد ۶ فیصد لیکن خمس ۲۰/۱۰۰ فیصد ہے۔

آیہ خمس میں کلمہ '' من شیئٍ '' سے بخوبی استفادہ ہوتاہے کہ تمام فوائد اور منافع مور د خمس واقع ہوئے ہیں اور اس میں سے کوئی چیز استثناء نہیں ہوئی ہے اور علی بن مهزیار(اس صحیحہ میں ذکر ہوا کہ : فامّا الغنائم فهیَ واجبۃٌ علیهم فی کل عام قال الله تعالی اعلموا انما غنمتم من شیئ فان لله خمسه و للرسول ولذی القربی ...والغنائم والفوائد (یرحمک الله) فهی الغنیمۃ یغنمها المرء والفائدۃ یفیدها والجائزۃ من الانسان للانسان التی له خطرو المیراث الذی لا یحتسب من غیر اب وام ولا ابن ومثل عدو یستسلم فیوخذماله و مثل مال یوجدلایعرف له صاحب ومن ...(التهذیب ۱: ۳۹۰)علی بن مهز یار کی صحیحہ اوراس کے مانند سے بھی غنائم اورفوائدمیں آیہ خمس کی روشنی میں اسی عمومیت کا استفادہ ہوتاہے (اہلسنت فقہاء میں سے ابو الغالیہ ای ریاحی کل اموال میں وجوب خمس کے نظریہ کے موافق ہیں)اور جوموارد کم وبیش اختلافات کے ساتھ استثنا ہوئے ہیں وہ قطعی دلیل کےمحتاج ہیں کہہ ہم نے اب تک ایسی دلیل نہیں دیکھی ہے اور جو دلیلیں علمائے حضرات نےخیال کرلی ہے اور ان کی مدد سے آیہ شریفہ کی قطعی دلالت سے ساقط کرنےکی کوشش کی ہے میرے نزدیک دلیل نہیں ہے اوراصولی طور پر ہر دلیل کہ (قرآن کریم) کے مخالف ہو نہ صرف وہ دلیل نہیں ہے بلکہ ، علیل اور ذلیل ہے اور اس لحاظ سے کہ '' غنیمت'' عام طور پر وہ مال ہےجوبغیر زحمت کے یا تھوڑی بہت زحمت کے حاصل ہوتاہے تقریباً وہ تمام موارد کہ علماء حضرات نے استثناء کیاہے جیسےمال میراث ، مہر، (ابو صلاح تقی حلبی، شہد اوّل روضہ اور لمعہ میں '' حبہ'' ہدیہ اورمیراث کوموارد خمس سےجانتے ہیں اور معاصرین میں مرحوم آقا حکیم مہر کوکلاً اور باپ اور بیٹے کےعلاوہ میراث کو خمس کےمواردسے جانتے ہیں اور اگر کسی مورث کی خواہ قریب کا ہویا دور کا کوئی میراث مل جائے تو مرحوم آقاحکیم، خوئی، میلانی، خوانساری اورشریعتمداری کےفتوی کےمطابق کلاّ مورد خمس ہے)

ہبہ ’’ بخشش‘‘ ہدیہ ’’تعارفی‘‘اور ا ن کے مانند نہ صرف مثتنیٰ نہیں ہوگی بلکہ یہ تمام موارد خمس کےمسلم موارد میں شمار ہوتےہیں اور جس کو لوگوں نے استثناء کیا ہے ان کے پاس کسی قسم کی صحیح دلیل نہیں ہے اورآیہ مبارکہ خمس کے خلاف ہے اور احتمال ہےکہ آیہ خمس زکاۃ کےتیسرے اور اختتامی مرحلہ کو بیان کرنے والی ہوکہ سب سے پہلے مکی دور میں مالی کمی کی وجہ سے کوئی نصاب بھی نہیں رکھتی تھی اوریہ مدنی نصا ب کے درمیان ٦/١٠٠ و ٢٠/١٠٠ تک پہنچ جائےاور لفظ زکوۃ، صدقہ، اور اس کے مانند مکی اور مدنی دو عہد میں تمام نصابوں اور آخر کا خمس کوبھی شامل ہے کہ سابق الذکرزکوۃ کا درمیانی ٦/١٠٠ ہے اور اس کے بعد خداوند عالم نےاسی زکوۃ کو لفظ ’’خمس‘‘ کےساتھ ٢٠/١٠٠ تک پہنچا دیا ہے اگرچہ ان اوصاف کے ساتھ بہت ساری روایات کی روشنی میں خمس کےعلاوہ زکوۃ کی ادائیگی واجب ہے کیونکہ نصاب کی ساری روایات کا عید مدنی سے آغاز اور آئمہ معصومین علیہم السلام میں سے عصمت کے آخری عید تک رسول اکرم سےخمس کے سیراہ کو واجب جاناہے ، کہ مخصوص نہ گانہ موارد میں نصاب اس کے مشابہہ موارد میں معیار اورکسوٹی ہے ، جیسے چاول اور مکئی و ...کہ گھیوں اورجو سے ملحق ہے اورمیو ہ جات میں سےسیب، سنترہ، زرد آلو، کھیرا اور ان کے مانند عیناً یا قیمتاً خرما اور کشمش سےملحق ہوں گے اور حلال گوشت حیوانات میں سےجیسےہرن، مچھلی، مرغ، مرغی، یہاں تک کہ ان حیوانات کے مانند کہ جن کا گوشت کھانا مرجوح ہے جیسے گھوڑا ، گدھا، خچر وغیرہ یہ سب گائے ، بھیڑ اور اونٹ سے ملحق ہیں کہ زکوۃکا وجوب تمام اموال میں ثابت اور واجب ہوگا وہ تمام اموال جو نہ گانہ موارد کےمانند مورد نہیں رکھتےان کاحساب پیسوں کے نصاب کے ساتھ کہ ٢٠/٥ فیصد سے ہوگا۔

خمس ادا کرنےکے موارد

مسئلہ ۴۴۰: ’’خمس‘‘ آیہ کریمہ کی نص کےمطابق ۶/ مواردمیں اختصاص رکھتاہے اس کا تین حصہ مال امام علیہ السلام اور اس کا دوسرا ۳/حصہ تمام یتیموں ، بے سہارا لوگوں اور مسلمان ابن سبیل سےمخصوص ہے اوراس اختصاص میں بھی ماں یاباپ یادونوں کی طرف سے پیغمبر سے منسوب ہونےوالے سادات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (خواہ ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طر ف سے یا دونوں کی طرف سے اگر پیغمبر اکرم سے منسوب ہے تو وہ سید ہے اوراس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے)
یا کلی طور پر اگرسید بھی نہیں ہے تو بھی فرق نہیں ہے (وہ بھی خمس کے اول سہ گانہ موارد کی رقومات کا مستحق ہے) اور سادات کےمخصوص ہونےکی

صورت میں بھی سادات پدری اور مادری کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے(جیساکہ سید مرتضی علم الھدی پدر کی طرف سے سیادت کے اختصاص کے منکر ہیں اورعلامہ حلی نے بھی قواعد میں پدرکی طرف انتساب کی شرط کوعلی رای کہاہے اورعلامہ نراقی کی مستند میں ہے کہ مادری نسبت کو ابن حمزہ کےوسیلہ سے نقل کیاہے جیساکہ بعض بزرگوں اوراکابرعلماء نےکہا ہے اورصاحب حدائق بھی اسی نظریہ پرا صرار کرتے ہیں ، نیز حلی، معین الدین مصری، شیخ مفید ، قاضی ، قطب راوندی، فضل بن شاذان، ابن ابی عقیل، ابی الصلاح، شیخ طوسی نےکتاب خلاف میں اورابن زھرہ و ابن جنید، شیخ احمد متوج بحرانی ، مقدس اردبیلی، میر محمد باقر (داماد) ملا صالح مازندرانی ، سید نعمت اللہ جزائری اور شیخ عبداللہ بحرانی اسی نظریہ پر اتفاق رائےرکھتے ہیں بالآخر ضمن کا دوسرا نصف حصہ لینےمیں سیادت شرط نہیں ہے اس کے علاوہ کےسیادت بھی بنی ہاشم میں منحصر نہیں ہے کیونکہ اس سلسلہ میں ہمارےپاس کوئی صحیح خبر نہیں ہے جز'' وامّا المنسوبون بامھاتھم الی ھاشم فقد قال اللہ فیھم (وادعوھم لآبائھم) لیکن یہ آیت منہ بولے بیٹوں کے بارے میں ہے نہ لڑکی کی اولاد کے بارے میں ورنہ حسنین علیھم السلام بھی پیغمبر کے منہ بولے بیٹے ہیں نہ ان کے فرزندوں میں سےبہر صورت باپ کی طرف سےمنسوب ہونا سیادت کی شرط نہیں ہے اوراس کا دوسرا نصف حصہ بھی اس کے نصف اوّل کی طرح ہے اورمجموعی طورپران (سادات) کی پہلی مادر گرامی حضرت زہرا سلام اللہ علیھا میں اوراگرسیادت اور پیغمبر کی ذریت ہونا اس بات سےمخصوص ہو کہ باپ کی طرف سے یہ انتساب ہوتو دنیا میں حضرت زہرا سلام اللہ علیھا میں اور اگر سیادت اور پیغمبر کی ذریت ہونا اس بات سے مخصوص ہوکہ باپ کی طرف سے یہ انتساب ثابت ہو تو دنیا میں حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کے سوا کوئی سید باقی نہیں رہےگا۔
اوراس وقت '' ذریت رسول '' کا ان لوگوں سے اختصاص کہ باپ کی طرف سے اس انتساب سےمشرف ہیں تو حضرت امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کےبعد سارےآئمہ کو'' رسول کی ذریت'' سے خارج کردیتاہے اورخود یہ کہ ماں کی طرف سے پیغمبر کی طرف انتساب سے رسول کافرزند اور آپ کی ذریت ہونےکو ثابت کرتاہے یا نہیں ، آئمہ معصومین علیھم السلام اور آپ کے دودشمن بنی امیہ اور بنی عباس کے درمیان اختلاف اور نزاع کامورد رہا ہے کہ آنحضرت نے سیادت اور رسول کی ذریت ہونے کے اثبات کے لئے قرآن کریم کی چند آیات سےتمسک کیاہے (مانند '' ابنائنا و ابنائکم (۳: ۶۱) کہ اس سے مراد حسنین علیھم السلام ہیں نیز آیہ کریمہ (۴: ۸۳) کے بعد کہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کانام آیا ہے ۸۴/ویں آیت میں '' من ذریتہ'' ہے او ۸۵/ ویں آیت میں حضرت عیسی علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں

محسوب ہوئےہیں جبکہ حضرت عیسی علیہ السلام حضرت ابراہیم کی لڑکی کی اولاد میں سےہیں) اوردوسری طرف ان اولاد پیغمبر کوجدا کرنا کہ باپ کی طرف سے پیغمبر تک سلسلہ نسب نہیں پہنچتا جاہلیت کے ایک شعر اور جاہلیت کی ایک روایت کے سوا کوئی اور دلیل نہیں رکھتے کہ یہ شعر ہے:

بنوھن ابنا الرجال الاغارب ؛ ہمارے بیٹے بنونا بنوا ابنائنا و بناتنا

ہمارے بیٹوں کے بیٹےہیں اور بیماری لڑکیاں ان کی اولاد اجنبی مردوں کی اولاد ہیں اور ہم سے (نسبت کے لحاظ سے) دور ہیں اوراسلام نےجاہلیت کے اس بیہودہ اور خرافات خیالوں کو جاہلیت کی دیگرتمام باتوں کی طرح بطورکلی نابود ور محو کردیاہے اور ماں اورباپ دونوں کی طر ف سے انتساب کو بطوریکساں جاناہے چنانچہ قرآن کریم تمام پیدائش کے بارےمیں فرماتاہے (یخرج من بین الصلب والترائب)[113] باپ کی صلب اور ماں کی سینوں کے درمیان سے متولد ہوتاہے اور یہ خیال کہ لڑکا باپ کے نطفہ سے اور لڑکی ماں کے نطفہ سے بنتی ہے ، نقش پر آب ہوجاتاہے (اورجاہلیت کی روایت بھی جاہلیت کے ایسی شعر سے ہم آہنگ ہے اور بس اورایسی اکلوتی اوریتیم اور مفصل روایت ہے کہ اس سلسلہ میں کہتی ہے (ومن کانت امہ من بنی ہاشم وابوہ من سائر قریش فان الصدقات تحل لہ ولیس لہ من الخمس شیئ لانّ اللہ یقول ’’وادعوالابائھم‘‘ [114]وہ شخص جس کی ماں بنی ہاشم سےہو اور اس کا باپ قریش کے باقی لوگوں میں سےہوتو اس کے لئے صدقات حلال ہیں اور خمس سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم نےفرمایا ہے ان کو ان کےباپ کی طرف سے نسبت دو‘‘ لیکن اس بات کے پیش نظر کہ ’’ ادعوھم لآبائھم ‘‘ صرف اورصرف منہ بولے بیٹوں کے بارے میں ہے، نتیجہ اس طرح ہوگا کہ آئمہ معصومین علیھم السلام میں سےکوئی بھی پیغمبر کی طرف نسبت نہیں رکھتا کیونکہ یہ بات یہاں صرف اپنی ماں حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کی جانب سے پیغمبر تک پہنچتے ہیں۔

حیرت اورتعجب کا مقام ہے کہ ہمارے جمہو ر فقہاء اس بات پر اصرار کررہےہیں کہ جاہلیت کا یہ شعر اورجاہلیت کی یہ حدیث اس طرح مقام لےکر پیغمبر کے فرزند، سید اورذریت ہونے کے اصلی شرائط میں سےایک ہو کہ باپ کی طرف سے اس طرح کا انتساب رکھتےہوں۔

اگرپیغمبر کی طرف انتساب صرف اورصرف باپ کی طرف سے ذریت پیغمبر ہونےکا معیارہو تو صرف اورصرف حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کی ذریت میں ہوں گی اور بس، کیونکہ حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کی ساری اولاد کہ حضرت علی علیہ السلام سے ہوں گے باپ کی طرف سے ہر گز پیغمبر سے ولادت کے لحاظ سے کوئی

۱۱۳۔ سورہ طلاق، آیت ۸٦.
۱۱۴۔ کافی ۱: ۵۳ ، تہذیب ۱: ۳۸٦ اوراستبصار ۲: ۵٦

نسبت نہیں رکھتے۔
بالآخر ہماری فقہ کا سیاہ ترین چہرہ یہی ہے کہ پیغمبر کی ذریت اورسید ہونے کو اس بات میں منحصر جانیں کہ صرف باپ کی طرف سے ہو نہ ماں کی طرف سے کیا اگر باپ کی طرف سے انتساب سیادت آور ہوگا) توجہ صرف ہاشم میں کہاں کی طرف انتساب سیادت آور ہے نہ پیغمبر مگر اس اعتبارسے کہ وہ بھی ہاشم کی نسل سے ہیں ؟ جبکہ اصولی طورپر سید آقا اور سردار کے معنی میں ہےجیسا کہ قرآنی اورغیر قرآنی لغت اس حقیقت پر گواہ ہے خواہ'' سید'' شائستہ بزرگ جیسے حضرت یحیی علیہ السلام کہ '' سیداً وحصوراً'' سورہ آل عمران آیت ۳۹، خواہ سید نا شائستہ کہ(أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا)(115)کہ وہ سید بزرگ فضیلت ہے اوریہ سید بزرگ رذیلت اورسیادت محمدیؐ سیادت فضیلت کا خلاصہ ہے جیسا کہ شیطانی سیادت سیادت رذیلت کا خلاصہ اورنچوڑ ہے ان دونوں سیادتوں کے درمیان ایک دوسری سیاد ت بھی ہے بالآخر '' سید '' کلی طور پر آقا اور سردار کے معنی میں ہے جیساکہ زلیخا کےشوہر کے بارے میں ذکر ہواہے (وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ)(116) کیا حضرت رسول اکرم کی سیادت اور بزرگوار اس وجہ سے ہے کہ وہ بنی ہاشم سےہیں ؟ ہرگز : بلکہ صحیح اس کےبرعکس ہے یعنی چونکہ ہاشم پیغبر اکرم کےجد ہیں وہ ان پیغمبر سے سیادت اور بزرگواری کسب کرتےہیں جیسا کہ پیغمبر کےبعد حضرت علی علیہ السلام ان کی اولاد نے سیات کسب کیاہے اور '' نور علی نور'' حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ ان کی اولاد نے اس کے درمیان دہری سیادت حاصل کی ہے ان کی محمدیؐ سیادت علوی سیادت سے بالا تر ہے بلکہ حضرت علیؑ کی سیادت بھی حضرت محمدؐ سے نسبی جسمانی اور روحانی رابطہ کی بنیاد پرہے۔
اور یہاں پر خمس کی آیت '' اولی القربیٰ'' دوگروہ میں سےتیسرا حصہ معین فرمایا ہے کہ طبیعی طورپر رسول خدا کے نزدیکی رشتہ دار ہی ۱۳/ معصوم ہیں اوربس اوراس کے بعد (والیتامی والمساکین وابن السبیل) (117) بھی کہ اگر سادات سے مخصوص ہو کہ نہیں ہے توصرف اور صرف اس کےمحور بطور مطلق آنحضرت کے قریبی رشتہ دار ہیں کہ (اولی القربی) کے ساتھ اس رشتہ داری میں ہم آہنگی رکھتےہیں بالآخر سید اور پیغمبر کی ذریت ہونا نہ قرآن کی روشنی میں نہ حدیث کی روشنی میں باپ کی طرف سے انتساب میں منحصر نہیں ہے اور اس سلسلہ میں جیسا کہ گزرچکاہے اس انحصار کی دلیل صرف اور صرف دلیل جاہلیت کا ایک شعر اور ایک روایت ہے کہ اس بنیاد پرفتوی دیتا خود جاہلیت کا فتوی ہے اوراس کے علاوہ

۱۱۵۔سورہ احزاب ، آیہ٦٧.
۱۱٦۔سورہ یوسف، آیہ۲۵.
۱۱۷۔سورہ انفال، آیہ ۲۱

اورکیا کہا جاسکتاہے؟
مسئلہ ۴۴۱: خمس کے ۶ مواردکہ سہم امام اوردیگر دو حصونمیں تقسیم ہوتاہے یہ سارےکے سارے استحقاق کی بنیاد پرخمس کا بعض حصہ پائیں گے نہ مساوی طورپر کہ مثلاً دوسرے حصہ کے حضر ت زہرا سلام اللہ علیہا سے اختصاص کی صورت میں کہ پیغمبر اکرم کی اکلوتی بیٹی ہیں سہم سادات کےتینوں حصوں کو اپنے سے مخصوص کریں گے؟ ہرگز بلکہ آنحضرت اپنی ضرورت کے بقدر بھی نہیں لیتی تھیں۔
مسئلہ ۴۴۲: خمس کا پہلا حصہ تینوں حصہ کہ خدا، رسول خدا اور آئمہ معصومین سے مخصوص ہوگا اور اس کا مصرف مکلفین کے درمیان دین کےاصول وفروع کی تقویت ہے کہ '' اللہ'' اولویت کے امورمیں اس کا مصرف ہے'' للرسول '' رسالتی امور میں '' الذی القربی'' اقامت کے امور میں مصرف کیا جائے گا رسول خدا کےبعداور مجموعی طورپر دین کے اساسی امور میں کہ ان تینوں حصوں کے استعمال سے دین کی تقویت اور تبلیغ کرنی چاہئے اور اس طرح کی تبلیغوں میں عاملین کا فقیر ہونا بھی شر ط نہیں ہے بلکہ اس دینی اساس کی نسبت مکلفین کی شائستہ اور ضروری معلومات اور آگاہی کی ضرورت شرط ہے۔
مسئلہ ۴۴۳: اس کا دوسرا حصہ یتیموں اورضرور تمندوں اور ابن سبیل سے مخصوص ہے یعنی جو لوگ راہ خدا میں اپنی معمولی زندگی سے محروم ہیں او ر اپنے مال اور کام سے روک دیئے گئے ہیں کہ مجموعی طور پروہ ضرورت مند افراد کہ یا یتیم ہونے یا زندگی کا کاروبار کے خراب ہوجانے یاسرگرمیوں کی نارسائی اورکوتاہی کی وجہ سے جو انسان کو بے نیاز کرتے ہیں ، نہ سستی جیسی کوتاہی کی وجہ سے کہ معاشی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہے نہ سستی دکھانے کی وجہ سے اورخمس کبھی بھی سادات سے مخصوص نہیں ہے ، کیونکہ الف و الام استغراق کا ہے جو ذکر شدہ تمام افراد کو شامل ہوتاہے اور غیر سادات کا استثناء اکثر افراد کا استثناء ہے اور یہ قبیح ہے اوردوسرے یہ کسی جاہلانہ اور ظالمانہ تقسیم ہےکہ خمس کا نصف حصہ کہ ۱۰/۱۰۰ پورے اموال سےہے سادات سے مربوط ہو(وہ بھی سادات ہدوی سے(کہ کلی طور پر فقرا اسلام کی نسبت فیصدی کےلحاظ سے بہت کم ہے لیکن زکوۃ کے درمیانی ٦/۱۰۰ اکثر علماء کے فتوےکے مطابق اموال کی ۹/قسم سے ہے،تمام فقراء اسلام سے مربوط ہوکہ سیکڑوں برابر فقراء نے سادات سے زیادہ ہیں،چنانچہ زکوۃ بھی ہم جوکچھ آیات اورروایات سے سمجھتے ہیں پورے اموال سے ہوگی پھر بھی ٦/۱۰۰اس زیادہ فیصد کے لئے بہت کم ہے اوراس کم فیصد کےلئے بہت زیادہ ہے۔

مسئلہ ۴۴۴:اس صورت میں کہ اسلامی حکومت اس رہبر کےساتھ کہ مسلمانوں کا ولی امر ہے کہ ا سلامی معیاروں کے مطابق اسلامی حکومت کا ذمہ دار ہے متحقق ہو تومناسب یہی ہے کہ زکوۃ کی طرح مال خمس بھی اس کے اختیار میں قراردئیے جائیں بیت المال مسلمین کےعنوان سے اس کےعلاوہ شریعتمیں معین شدہ مصارف میں خرچ کیا جاسکتاہے اوریہ آپ کےمرجع تقلید یا غیر مرجع تقلید سے بھی مخصوص نہیں ہے مگر یہ کہ مسلمانوں کی حفاظت ، اور نگہبانی کے عمومی مصالح اور حدود اسلام کے نظام کی عام مصلحتیں اس کا اقتضاء کریں یہ بھی اس صورت میں ہے کہ حوزہ کی ریاست کسی خاص شخص کے اختیار میں ہو ورنہ اس کےعلاوہ صورت میں حوزہ کے سرپرست حضرات میں سےہر ایک اپنی اپنی صلاحیتوں کے بقدر ان کے درمیان تقسیم ہونہ یہ کہ بعض کو اتنا دے دیں کہ دولت میں غوطہ لگائیں اور دوسروں کی نسبت کہ شاید ان کا خدا کے نزدیک مقام ومرتبہ ، قربت کہیں زیادہ ہو یا برابر اور ان کےسلسلہ میں اس درجہ لاپرواہی

بالآخر سہم امامؑ کےمرجع تقلید کے حوالے کرنے میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی چہ جائیکہ کہ خمس دینے الے مرجع تقلید سےمخصوص ہو آپ سہم امام اور سہم فقراء ہرعادل مجتہد کے حوالے کرسکتےہیں بشرطیکہ اس کے کام کی اساس اور بنیاد صرف اور صرف کتاب اور سنت قطعیہ ہو اور بس ہر اس عادل شخص کو دے سکتے ہیں جس کے بارے میں آپ کو اطمینان ہوکہ وہ شریعت کے معین کردہ موارد میں خرچ کرے یا خود آپ بھی براہ راست اس ذمہ داری کوادا کرسکتےہیں (کسی کو دینے کی ضرورت نہیں ہے)

مسئلہ ۴۴۶: قاعدہ '' الخمس بعد المؤنۃ'' ظاہراً تجارتی اور اس کے مانند اخراجات کو شامل ہوتاہے نہ خمس دینے والےکے تمام سالانہ مخارج کو اوراگر خمس دینے والے کےتمام سالانہ مخارج مراد ہوں گے تو اس معنی میں نہیں ہے کہ باقی ماندہ خمس صرف ور صرف آپ کے ذمہ ہے بلکہ خمس میں ساری آمدنی سال کے مخارج کے اعتبار سے محاسبہ کی جائے گی اور اس لحاظ سے کہ '' غنمتم'' خالص منفعت ہے نہ وہ جواس منفعت کو حاصل کرنے کے لئے اس نے خرچ کیاہے اس بنیاد پر باقی ماندہ تمام منافع میں خمس تعلق رکھتا ہے۔

بجز اس صورت میں کہ اس لحاظ سے تمہارے سالانہ مخارج کےلئے کافی نہ ہو کہ اس سلسلہ کےمحاسبہ کی صورت میں اپنے مال کا خمس سالانہ ضرورت کو الگ کرنے کےبعد ادا کرو ، بنابراین تمام نہفتگانہ موارد کی طرح ساری منفعت سے خمس کرو نہ سال کے اخراجات کوا لگ کرکے اور اصولی طورپر ہر سال کے اخراجات کے ہرگ کسی نص میں ذکر نہیں ہوا ہے اس اصل کی بنیاد پر '' ما غنمتم''

ان منافع سے اختصاص نہیں دیا جاسکتا جو سال کے اخراجات کے بعد باقی بچے ہیں یہاں تک کہ اگرہمارے پاس اس سلسلہ میں کوئی نص بھی ہوتی تو اتنی آسانی کے ساتھ '' ماغنمتم'' آیہ خمس کوسال کے باقی بچے منافع سےتخیص نہیں دے سکتے اور اس لحاظ سے کہ '' ما غنمتم'' خالص منفعت ہے عبادت'' الخمس بعد المؤنۃ'' '' ما غنمتم'' کے لئے ایک تفسیر کے عنوان سے ہوگی اور چنانچہ '' بعد المؤنۃ'' باقی ماندہ خمس کے معنی میں ہوگا یہ ما غنمتم کا خمس اصلی خمس سے بہت کم اوردسیوں گنا زیادہ ہوگا کہ خمس کا باقی ماندہ ہے نہ تمہاری تمام در آمد کا خمس ۔

مسئلہ ۴۴۷:اگر قناعت کرنے کی وجہ سے کوئی چیز سال کے اخراجات سےزیادہ ہوجائے تو اس چیز کا مکمل خمس ادا کیا جائے اگر خرچ میں زیادہ روی کرنے کی بنا پر خواہ اسراف اورفضول خرچی بھی نہ ہو کوئی چیز زیادہ نہ آئے یا معمول سے بہت کم باقی بچے تو اضافی مصرف کا بھی خمس ادا کرنا چاہئے مثال کے طورپر اگر کوئی مال اپنی بیوی یا بچوں کوبخش دے کہ اس کی شان کے مطابق اس کا فریضہ نہیں ہے یا کوئی ایسا سفر کرے جواس کی پیشہ اور معمولی ضورت سے باہر ہے اس طر ح کے مواردمیں بھی جوکچھ معمولی مصرف سے زیادہ اور روز مرہ کے اخراجات سے زیادہ خر چ کیا ہے تو اسے اس کا بھی خمس ادا کرنا چاہئے۔

مسئلہ ۴۴۸: جس کے اخراجات کسی غیر کے ذمہ ہیں اور اسے اپنا مال خرچ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رکھتا تو اسے اپنی تمام آمدنی کا خمس ادا کرنا چاہئے، کیونکہ اس کا اپنا کوئی مصرف نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۴۹:اگر کوئی مال کسی وسیلہ اور کسی بھی عنوان سے حاصل ہوا ہو اور یہ معلوم ہوکہ اس کا خمس نہیں دیا گیا ہے تو اسے اس کا خمس ادا کرنا چاہئے اور اس کے بعد جوکچھ اس نے ادا کیا ہے ، دینے والے سے رقم لے لے مگراس صورت میں کہ رقم لینا اس کا لازمی شرعی حق نہ رہا ہو جیسےہبہ اور ہدیہ لیکن اگر خمس ادا نہ کی ہوئی رقم تجارت یا اجارہ کے عنوان سے رہی ہے تو جوخمس دے رہاہے اس سے اس شخص سےمطالبہ کرے۔

مسئلہ ۴۵۰: جس مال کا خمس ادا نہیں کیا گیاہے اس مال سے کسی قسم کا معاملہ نہیں کرسکتا ، مگراس صورت میں کہ معاملہ اس عین مال سے نہ ہوا ہو اورمعمول کے مطابق خود اپنے ذمہ لے لے اور اس کے بعد اس خمس کا مال سے اپنا قرض ادا کر دے تو اس صورت میں معاملہ صحیح ہے لیکن خمس کی مقدار میں طرف معاملہ کے مدیون رہوگے ؟ لیکن طرف معاملہ اس دریافت کردہ مال کے خمس کی نسبت خیار تبعض صفقہ (چونکہ اس مال کا بعض حصہ دینے والے سے متعلق نہیں ہے اورخریدار کوکلی طور پر معاملہ فسخ کرنےکا اختیار ہے) رکھتاہے کہ یا اس

حصہ کو بھی خالص مال سے حاصل کرے یا معاملہ کو ختم کردے۔
مسئلہ ۴۵۱: خمس ادا کرنے سےمتعلق سال کا گذر نا شارع مقد س کی جانب سے صرف مہلت اورتوسیع ہے نہ یہ کہ سال گزرنے سےپہلے صاحب مال پر خمس نہیں ہوگا؟ کیونکہ سالانہ آمدنی اور اخراجات اکٹھا معلوم نہیں ہیں بالخصوص کسانوں، تاجروں اور ان کے جیسےلوگوں کے لئے ورنہ ہر منفعت کا خمس اس منفعت کے حاصل ہونے کے وقت ادا کیا جائے، البتہ اس صورت میں کہ آپ جانتے ہوں کہ سال کے آخر میں آپ کے اخراجات کےعلاوہ کوئی چیز باقی بچے گی جواس ادائیگی سے زیاد ہوگی۔
مسئلہ ۴۵۲: چونکہ '' غنمتم'' موجودہ منفعت اورغنیمت ہے بنابراین اگر اس جنس کی قیمت جسے تجارت کے لئے خریدا ہے بڑھ جائے اور قیمت بڑھنے کی امید میں کسی بھی عقلائی وجہ سے اس کی فروخت میں تأخیر کرے اورقیمت گھٹ جائے تو بڑھی ہوئی قیمت کے مقدار میں اس پر خمس واجب نہیں ہے لیکن اگر بیچنے میں تأخیر عاقلانہ نہ ہوا اوریہ ضرر عمداً ضرر کے حساب میں آئے توظاہراً بڑھی ہوئی قیمت کے مقدار میں خمس کی ادائیگی واجب ہے(جیسا کہ مرحوم آقا حکیم نے بھی فرمایا ہے) ۔
مسئلہ ۴۵۳: سب سے پہلا سرمایہ جوتجارت کے لئے یا زراعت کے لئے زمین یا وہ آلات اوروسائل جواس کی تجارت کے لئےضروری ہوں ، وہ اس کے اخراجات میں شمار ہوتےہیں لیکن جوکچھ بعد میں مزید وسعت کے لئے عام ضرورت سے زیادہ اپنے سرمایہ میں اضافہ کرتاہے اخراجات میں شمار نہیں ہوتا اور اس کا خمس ادا کرنا چاہئے۔
مسئلہ ۴۵۴: معمول کے مطابق لڑکی کا جہیز اخراجات میں شمار ہوتاہے خواہ اکٹھا خریداری کرے یا تدریجاً اوراگر تھوڑی تھوڑی رقم جہیز کے لئے الگ کرتارہے اوراسی طرح سےسال یا برسوں گزرجائیں اس رقم جو اخراجات میں شمار ہوئی ہے پر خمس نہیں ہے چنانچہ جس مال نے آپ کو مستطیع بنایا ہے یا دیگر اخراجات جیسےوہ رقم جو گھر خریدنے یا ضرورت زندگی خریدنےپر مجبور ہے کہ آہستہ آہستہ انہیں فراہم کرے اگرچہ سال خمس کےبعد ہو چونکہ یہ سب اخراجات کے حساب میں ہیں اس لئے ان پر خمس نہیں ہے۔
اگر کوئی شخص اپنی شان کےمطابق اپنی رہائشی مکان اس سے بہتر ایک مناسب مکان خریدنے کی غرض سے فروخت کردےا ور سال گزرنے تک اپنے مدنظر ایک گھر تلاش کرلےتو اس گھر کی رقم پر خمس نہیں ہے ، کیونکہ یہ رقم آمدنی میں شمارنہیں ہوتی اوراگر آمدنی بھی شمارہوتو اسکےہائشی گھر کے اخراجات میں اور

بہرصورت اس میں خمس نہیں ہے۔
مسئلہ ۴۵۶: اگر کوئی چیز خرچ کے عنوان سےخرید لے اورکچھ مدت کےبعد پھر اس کی اسے کوئی ضرورت نہ رہ جاسے تو اسے اس کا خمس دینا چاہئے جیسے طلاب اور محصلین کی ضرورت کی کتابیں تعلیم مکمل ہونے کے بعد یا اپنا شغل عوض کرنے یا اس سے استفادہ کرنے سے عاجز اور ناتواں ہوجانے کی بنا پر اس کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔
مسئلہ ۴۵۷: تجارتی یا زراعتی منافع یا کوئی بھی دوسرے کام کےعلاوہ میں خرچ ایساخرچ ہےجس کے حصول کے لئے خرچ کیا گیا ہے نہ سالانہ اخراجات اس بنا پر وہ معدن جس کی مقدار ۱۵ مثقال سونا ہے مثال کے طورپر اس میں سے تین مثقال اسے نکالنے میں خرچ ہوجائے تو اسے باقی ماندہ تمام۱۲ مثقال کا خرچ دینا چاہئے خواہ سالانہ مصرف سے زیاد ہو یا نہ اور اگر ۱۵ مثقال سونے سے کم ہو تو اس میں اس صورت میں خمس ہے جب تمام آمدنی کے ضمیمہ کرنے پر اضافہ ہوجائے اورخزانہ کا حکم بھی معدن کی طرح ہے۔
مسئلہ ۴۵۸: ایسی دریائی جنس جو غواص اور غوطہ لگانے سے حاصل ہوتی ہے اس کا نصاب ۱۸ چنے کے برابر سونا ہے کہ اگر اس سےکم ہوتو اس صورت میں اس میں خمس ہے کہ اس کےرکھنے کی بنا پرایک سال گزر جائیں اورمجموعی آمدنی میں ایک اضافہ ہوجائے۔
مسئلہ ۴۵۹: جنگی غنیمت میں کوئی معین نصاب نہیں ہے اوراسے ساری غنیمت کا خمس ادا کرنا چاہئے۔
مسئلہ ۴۶۰: اگرمال حلال کسی مال حرام سےمخلوط ہوجائے اوراگرحرام کی مقدار معلوم ہو اوراس کا ایک مالک کوپہنچانے ایسےموارد میں خمس کا مورد نہیں ہے اورمعلوم مقدار کواس کےمالک کو دے دے صرف اس مورد میں خمس ہے جہاں حرام کی مقدارمعلوم نہ ہو کہ خمس سے زیاد ہ ہے یاکم یاخمس کے برابر اور اس کا مالک بھی معلوم نہ ہو۔ اس مخلوط مال کایہاں پر خمس ادا کر کےبری الذمہ ہوجائے گا۔
مسئلہ ۴۶۱: خمس ” ماغنمتم “ میں تمام ہفتگانہ موارد میں جز حلال کے حرام سےمخلوط ہونے کیاس کاحکم اسی آیت سے بطورکلی استفادہ ہوتاہے اور ساتویں قسم صرف روایات سےسمجھ میں آتی ہے بنابرایں خمس کےتمام مباحث کا اصلی محور عبادت ” ماغنمتم “ ہےکہ تمام آمدنی کو اپنے دائرہ میں لے لیتی ہے کہ کسی بھی حلال طریقہ سے کوئی مال حاصل کرو اس کا ایک حصہ خمس ہے اور اس کا چار حصہ خود اپنے مصرف کے لئے ہے۔
مسئلہ ۴۶۲: اس بات کے پیش نظر کہ ” ماغنمتم “ حاصل کرنےکےتمام

اخراجات خرچ کے حساب سے استثنائات ہیں '' ماغنمتم'' نہ سالانہ اخراجات سے اپنے اطلاق کے ساتھ تمام آمدینوں کو شامل ہے نہ سال کے مخارج کے بعد باقی بچی چیز کو '' الخمس بعد المؤنۃ'' جیسا کہ گزر چکاہے ۶/ دیگر موارد میں خمس سال کے اخراجات میں شامل نہیں ہے یہاں پر بھی ویسا ہی ہے اورہم خالص و اسلامی فقہ میں سالانہ اخراجات کے الگ کرنےکے بارے میں ہرگز کوئی نص نہیں ہے اس کےعلاوہ یہ اخراجات مالی خرچ کسی چیز کا حاصل کرنا نہیں ہے صرف مخارج مال کاحصول خرچ کے حساب میں ہے اور بس بنابرایں واجب یاکم از کم احتیاط واجب ہے کہ خمس تمام منافع سے اداکرے البتہ سال کےتمام احتمال اخراجات کو نظر میں رکھتےہوئے کہ خمس ادا کرنے سے کسی قسم کی کوئی کمی نہ ہونے پائے اورخود خمس نکالنے والا خمس کھانے والا نہ ہوجائے۔

مسئلہ ۴۶۳: اس وجہ سے اپنی تمام آمدنی کا خمس ادا کرنے سے تنگدستی کا شکار نہ ہوجائے، اس لئے یہ کرنا مناسب ہے کہ اپنے کاموں کواس طر ح ترتیب دے کہ معلوم ہوکہ خمس ادا کرنے سے ثروتمند خمس کا محتاج نہیں ہوگا اگر ماہانہ ، سالانہ یا ان دونوں کےدرمیان اس کی آمدنی ہےتو ان زمانوں کے آنے پر ہرایک کی تحقیق کرےکہ کوئی چیز اس کےپاس باقی بچی ہے یا نہیں اور اگر بچ گئی ہے تو اس وقت اس مدت کی ساری آمدنی کاخمس حساب کرے اور ادا کرے۔

مسئلہ ۴۶۴: ہم '' ما غنمتم'' کی دوبارہ تحقیق کرکے مشہور کے مبنی پر کہ جنگی غنائم میں منحصر نہیں ہے بخوبی سمجھتےہیں کہ خمس ادا کرنے کا مورد تمام'' غنمتم''ہے نہ سال کے اخراجات سے باقی بچی چیز اور الخمس بعد المؤنۃ'' یکسال طور پر تمام ہفتگانہ موارد کو شامل ہوگی ہرگز اس بات کی متحمل نہیں ہوگی کہ بالخصوص مال تجارت یہ جزئی خرچ کو سال کے کلی اخراجات میں سرایت کرجائے کہ یہ خود تخصیص اورتقید اکثر بہت ہی قبیح اور نامسب ہے اوراگرہم غنیمت حاصل کرنے کے مخارج کوروایت'' الخمس بعد المؤنۃ'' کی مطابق الگ کردیں تواس وجہ سے ہےکہ طبیعی طورپر یہ اخراجات غنیمت سے جدا ہوجائیں گے کیونکہ غنیمت خالص منفعت ہے اور اگر ہم آیت سے اس طرح کا نتیجہ نہیں نکالتے تو اس مسلم روایت کا قبول کرنا اتنا دشوار نہ ہوتا جتنا سال کے خرچ کی نسبت دشوار ہے مثال کے طور پر مندرجہ ذیل حساب کی روشنی میں آپ خود حکم کریں کہ اگر آپ کی سالانہ خالص آمدنی ایک میلیون دو سو ہزار (بارلاکھ) تومان ہو تو اس کا خمس دو سو چالیس ہزار توما ن ہوگا اگر اس مبلغ کا سالانہ باقی ماندہ صرف دو سو چالیس ہزار تومان ہوگا تومشہور کےمبنی پراس کاخمس ۴۸ ہزار تومان ہوگا کہ گذشتہ حساب سے خمس کے۱/۵سےکم ہے پھر کسے قبول کیا جاسکتاہے کہ خمس '' ماغنمتم'' کہ

درحقیقت اس مبلغ کےپانچ گنا ہے ، نظر انداز کیا جائےاورصرف ۱/۵ ’’ ماغنمتم‘‘ کے حساب میں آئےاور بس مثال کے طور پر اگر آپ سے اپنی اس دس ہزار میٹر ملکی زمین کا خمس ادا کیجئے توکیاآپ کرسکتےہیں اس حساب سے کہ آپ نے طے کرلیا ہے کہاس کی ۸ ہزار میٹر رشتہ داروں یا فقراء کے درمیان تقسیم کردو اس مقدار کو نظر انداز کرتےہوئے استثنا کردو اور باقی ماندہ کا خمس کہ دو ہزار میٹر ہے مثال کے طور پر ۴سومیٹر کوبعنوان خمس ادا کردیجئے۔

جواب یہ ہے کہ اس طرح کےافکار اورفیصلے مال اللہ اورحق الناس میں دخل وتصرف ہیں اورکسی صورت جائز نہیں ہوں گے کہ ہبہ، بخشش اورمیراث اور اس کے مانند میراث میں بھی اس کا خمس واجب ہے اوریہ خمس کبھی سالانہ درمیانی اخراجات سے باقی ماندہ تمام مبلغ ہے مثال کے طورپر گذشتہ سال آپ نے ایک میلیون ۱۰ لاکھ حاصل کیا اور سال کے آخر تک اپنی زندگی کےکےضروری اخراجات میں ۸ لاکھ تومان خرچ کیا اورباقی بچی رقم دو سو نظر تومان ہے کہ ایک میلیون کا خمس ہوگا ایسی صورت میں پورے دو لاکھ تومان کوایک میلیون (دس لاکھ) تومان کے خمس کے عنوان سے ادا کریں نہ چالیس ہزار تومان کہ دو سو ۱۰۰ تومان کا خمس ہوگا اور کبھی اس سے زیادہ یا اس سے کم کہ کم میں جوکچھ باقی بچاہے وہ خمس کےحساب میں ہے جیسے سابق الذکر فرق کہ آپ ایک ملیون تومان میں سے تقریباً ۹۰۰/ لاکھ تومان خرچکردیاہے اور باقی ۱/ لاکھ تومان ہےتو ایسی صورت میں اس پوری رقم کو آپ خمس کے عنوا ن سے ادا کریں ؛ کیونکہ (یسألونک فاذا ینفقون ’’ میں اس کاجواب ’’ قل العفو‘‘ ذکرہواہے کہ پس اپنےاموال میں سےباقی بچی رقم کوخمس کے حساب میں اداکریں اگرچہ یہ باقی بچی اور اضافی رقم سال کےآغاز میں اموال کا دسواں حصہ ہے جوآ پ نے حاصل کیا ہے مگر یہ کہ آپ مستقبل قریب میں ایس اخراجات کےکفیل ہوں گے کہ اس رقم کی آپ کوشدید ضرورت پڑے گی ، مثال کے طورپر آپ اپنےلڑکے کی شادی کرنا چاہتے ہیں یا اپنی لڑکی کی شاد کرنی چاہئتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ پر کوئی خمس نہیں ہے چنانچہ اگر آپ سال سے کوئی رقم باقی نہ بھی رکھتے ہوں تو آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں ہے۔

خمس لینے والوں کےشرائط

مسئلہ ۴۶۵: سہم امام علیہ السلام میں اس کے لینے کی اصل شرط تبلیغی ضرورت ہے شخص مبلغ کی ضرورت کہ اسلامی مناسب تبلیغ جس قدر ضرورت رکھتی ہو چنانچہ ’’ فی سبیل اللہ ‘‘ کے سہم سے زکوۃ کا مصرف کرنا چاہئے کہ اور سہم خدا، سہم رسول خدا اور سہم ’’ ذی القربیٰ‘‘ اور آئمہ معصومین علیھم السلام میں بھی ایسا ہی ہے اوراس کے ادا کرنے میں ہرگز شر ط نہیں ہے کہ اپنے مرجع تقلیدیا کسی

اقدا کرنا ضروری ہے بنابراین صرف اس وجہ سے کہ فلاں طالب علم دین ہے، سہم ا مام علیہ السلام لینے کی شائستگی نہیں رکھتا بلکہ ا س وقت یا آئندہ میں شائستہ اسلامی تبلیغ میں مؤثر کردار رکھتا ہو نہ فلاں شخص کی تبلیغ کےلئےمگر اس صورت میں کہ وہ اسلا م کی تبلیغ ہو؛ کیونکہ یہ فلاں اور وہ ہر گز تبلیغ اسلام میں شائستہ کردار ادا کرتےہیں۔

مسئلہ ۴۶۶: خمس کے دوسرے تین حصوں میں بھی آیہ شریفہ کی روشنی میں '' یتیم'' ، محتاج اور فی سبیل اللہ '' اس تقسیم کے موارد سہ گانہ ہوں گے اور ظاہراً یتیموں میں محتاج ہونا شرط نہیں ہے، اگرچہ مالدار یتیم کو بھی یہ سہم نہیں دیاجاسکتا بلکہ یہاں پر یتیم سے مراد درمیانی صورت کا یتیم ہےکہ اس سہم کے بعض حصہ کو لینے سے اس کی روحانی حالت بہتر ہوجائے گی اوراس کی زندگی بھی بہتر سے بہترہوجائے گی۔ اس کےبعد '' ابن السبیل'' کےسفر میں محتاج اوربے چارہ ہوگیا یہاں پر راہ سے مراد خدا کی راہ ہے خواہ سفر میں ہو یا وطن میں کہ اس نے خدا پسند راستہ کو ختیارکیاہےاور اسی وجہ سے اپنی کلی زندگی کی معاشی حالت کو بہتر بنانے سے محروم رہ گیاہے کہ اگر روزی اور معاش حاصل کرنے کے لئے نکلتا تو خود کفیل ہونے کے علاوہ دوسروں کی بھی مدد کرسکتاتھا اس اصل کی بنیاد پر اسلامی علوم کے طلبہ کے حقکے ساتھ اسلام ، سمجھنے کے لئے کوشش اورمجاہدت کرتےہیں اور یہ لوگ '' ابن سبیل'' کا بہترین نمونہ ہیں نیز وہ اور لائق فرد جس نے راہ خدا میں قدم اٹھایا ہو اوراس وجہ سے معاش کی راہ میں قدم اٹھانے سے پیچھے رہ گیا ہو یہ سب '' ابن سبیل'' کے تحت خمس کے دوسرے حصہ میں آتےہیں بنابراین اگر کوئی شخص یتیم، مسکین یا ابن سبیل ہے تو صرف اپنا حصہ حاصل کرے گا اور اگر دوگانہ یا سہ گانہ ہے تو اس کا حصہ، دو یاتین پہلو کا حامل ہوگا مثال کے طورپر وہ محتاج یتیم کہ ابن سبیل بھی ہے ان لوگوں کی نسبت جوا یسے نہیں ہیں ، زیادہ ترجیح اوراولویت کا حامل ہوگا، اور یہ کہ غلط طریقہ سے عوامی شہرت کاحامل ہوگیا ہو کہ بے نیاز بھی محتاج کی طرح خمس کا محتاج ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ محتاج سید بھی اگر سید ہونے کو اپنا شغل بنالے کہ اپنی روزی فراہم کرنے کے امکان کے باوجود سید ہونے کے بہانہ سے کام کرنے کی کوشش نہ کرے ایسا سید خمس کےبعض حصہ کا ہرگز حقدار نہیں ہے ۔اوراصولی طورپر کوئی بھی محتاج بیت المال کا مورد نہیں ہےمگر یہ کہ شائستہ اورممکن سرگرمی کےباوجوداپنےمعمولی مخارج کوبھی حاصل نہ کرسکے ہاں، اسلام سستی اور سست بنانے کا دین نہیں ہے اورخمس بھی لوگوں کی انفرادی ، اجتماعی ، روحی اورمادی درمیانی ضرورت ہے۔

زکوٰۃ

مسئلہ ۴۶۷: زکوۃ، اسلام کے تمام اقتصادی اور انسانی پہلوؤں کےپاک کرنے کےمعنی میں ہے کہاس کی ادائیگی سے زکوۃ دینے والے کا مال بھی پاک ہوجاتاہے اوراس کی روح بھی او مال زکوۃ لینےوالا بھی تہی رستی اور محتاج ہونے سے آزاد ہوجاتاہے اور معاشر ہ کو بھی عمیق اور زبردست طبقاتی اختلافات سے پاک کرتاہے اور محتاج اور ضرورتمندوں کو بھی مالداروں پرحملہ کرنے سے محفوظ رکھتاہے، اور اسلام کی اجتماعی ضرورتوں کو بھی سے سروسامانی سے نجات دیتاہے کہ ''زکوۃ کےپہلو خمس کی طرح کافی وسیع اورعام ہے۔

مسئلہ ۴۶۸: اس زکوۃ کے سورہ توبہ کی۶۰ ویں آیت کی روشنی میں ۸ حصے ہوتےہیں کہ صرف اس کے دو حصےمیں فقراء اورمساکین ہیں اور طبقا اس حد تک زیاد ہو کہ تمام ۸ موارد کے لئے کافی ہو اورنہ صرف ۹چیزوں میں اسکا حاصل جمع۱۰۰/۱ محتاجوں اور مسلمانوں کی ضرورت کے لئے کافی نہیں ہے چہ جائیکہ اسلامی ممالک کے اقتصادی امور کا ادارہ کرے۔

تقریباً ۳۰ مکی اور مدنی آیتوں کی روشنی میں کہ مطلق اموال پر زکوۃ واجب کی ہے اوراسی طرح پیغمبراکرم اورآئمہ اطہار علیھم السلام سے ۱۰۰ سے زیادہ روایات سے کے مطابق زکوۃ صرف ۹ چیزونمیں منحصر نہیں ہے بلکہ تمام اموال سےبہت گہرا ربط ہے (اس سلسلہ میں کہ تجارتی اموال میں زکوۃ کامورد ہیں یا نہیں اختلاف ہے اوراس مورد میں شہید ابوالعباس صمدی مقداد اور ایک دوسرے نےگروہ نےاس کی ابن بابویہ کی طرف نسبت دی ہے اورشیخ طوسی نے مبسوط اورخلاف میں اورسید مرتضی صاحب وسیلہ اور سرائر اور حسن بن عیسیٰ نےا سے اصحاب کے ایک گروہ کی جانب نسبت دی ہے اورصدوق کی فقیہ اورمفید کی مقنعہ اوربعض دیگر فقہائے نے تجارت کی زکوۃ کوواجب جاناہے اور ابو علی نے زکوۃ کو خواہ کوئی بھی پیمانہ ہو واجب جاناہے اور کلینی ، شیخ طوسی اور سید مرتضی نےیونس بن عبدالرحمن سے اس نظریہ کی روایت کی ہے اور بوعلی نےزیتون، تیل اور شہد میں زکوۃواجب جاناہے اور اہلسنت میں سے ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب ، شافعی ، نوری، اوزاعی، نخعی، طاووس ، ابوعبید ، احمد، اسحاق، اور اصحاب رأی اور اہل سنت کے لئے دیگر مشہور فقہاء بھی تجارتی منافع میں زکوۃ کوواجب جانتے ہیں اورزیتون کے بارے میں بھی زہری، اوزاعی، مالک ، لیث، ثوری، ابو ثوراور احمد زکوۃ کوواجب جانتےہیں چنانچہ سب نےہی قرآن کریم کی طرف رجوعکیا تھا یا ہم رجوع کریں توملاحظہ کریں گے کہ تقریباً قرآن ۳۰ آیات زکوۃ کی عمومیت پر دلیل ہیں اور تقریباً مال التجارۃ وغیرہ زکوۃ کی۱۰۰ حدیث وارد ہوئی ہیں کہ دونوں ہی زکوۃ کی عمومیت کےوجوب پردلیل ہیں اور رسول خدا سےجوروایت ہے کہ '' آنحضرت

نے ۹ چیزوں کےعلاوہ میں زکوۃ کومعاف کردیاہے، کتا ب اور سنت کے خلاف ہے ایسا لگتاہے کہ ا س حدیث کومالداروں اور ان کے طرفداروں نےجعل کیاہے ، کیونکہ رسول خدا ہرگز جسے خدا نےواجب کیاہوا اسے معاف نہیں کرسکتے اوریہ کیسے ممکن ہے کہ زکوۃ اپنے ۸ مصارف کےساتھ صرف بہت کم فیصد کے ساتھ ۹ چیزوں سے متعلق ہو جبکہ غیرسادات فقراء سادات فقراء سے زیادہ ہیں لیکن خمس جس کا ۶ مصرف ہے وہ تمام اموال سےمتعلق ہوجبکہ معمول کے مطابق اس کانصف حصہ سادات سے اختصاص دیتے ہیں عما سو ذالک '' کی روایت کےراوی حضرات بھی کذاب میں سے ہیں اس پرہرگز اعتماد نہیں کیاجاسکتا اور ظاہر حدیث کےلحاظ سے بھی کہ رسول خدا نے دیگر اموال زکوۃ کہ ان ۹ چیزوں کےعلاوہ ہیں کہ معاف کیا ہو یقیناً حضرت ؑکی شان سے دور ہے۔اور ہرگز قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ پہلی بات تویہ ہے کہ رسول خدا شارع نہیں ہیں کہ قوانین الہی کو حبل یا عوض کرسکیں اور ثانیاً پیغمبر صرف اورصرف وحی الہی کے امین اور احکام خداوندی کے لانے اور نقل کرنے والے ہیں وہ احکام الہی کے کم یا زیادہ کرنےمیں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے چہ جائیکہ مالداروں کی طرفداری اورحمایت میں ضرورت مندوں اوربےسہارا افراداور اسلامی ضرورتوں کوکھلم کھلا نقصان پہنچائیں (العیاذ باللہ) لہذا اس روایت کا بطلان اظہر من الشمس اور رسالت اور عدالت کی شان سےخارج ہے چنانچہ اگر بیمار سے اکابر علماء بیشتر دقت کرتے اور سند حدیث کےعلاوہ اس کے دیگر جوانب کی بھی تحقیق اورجستجو کرتےتو بخوبی متوجہ ہوجاتےکہ اس طرح کی روایات قبول کرنے سے ساری اسلامیات پر سوالیہ نشان بن جاتاہے اور یہ روایت وحی و رسالت کو مخدوش کرتی ہے اولاً یہ حدیث متن اور معنیٰ دونوں لحاظ سے قرآن کریم اور سنت قطیعہ سے نمایاں تضاد رکھتی ہے ثانیاً اگر مان لیں کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے سو فیصد صحیح ہوگی توکیا ہمارے اکابر اور عاظم علماء کوغوروفکر نہیں کرنی چاہئے کہ اس طرح کےعظیم مطلب کی رسول خدا کی جانب کیسے نسبت دی جاسکتی ہے؟ کیا رسول خدا غریبوں، بےسہارا افراد، ضرورت مندوں اور ان کی ضرورتوں سے اتنا بے خبر اور لاپرواہ تھے؟ یا یہ کہ آپ با خبر تھے لیکن (نعوذ باللہ) وحی خدا اورخلق الہی سے خیانت کا قصد رکھتے اورہر صدی میں کروڑوں بلکہ اس سے زیادہ مسلمان فقراء کو اپنےعصر سے لےکر قیامت تک اس بیان سے ہستی سے ساقط کرنا چاہتےتھے؟حاشا و کلا علمائے اسلام وہ بھی علمائے شیعہ اس درجہ خوش خیال اور عقیدہ ہوں کہ نہ صرف اس بات میں بلکہ خمس کے باپ میں بھی علماء حضرات کے فتوےہیں کہ عصر غیبت میں بعض علماء خمس کوواجب نہیں جانتے یہاں تک کہ ماضی میں جوفقہاءواجب بھی جانتے تھے وہ

اس کے دفن کرنے کاحکم دیتے تھے اس امید میں کہ ایک دن حضرت صاحب الامر عج ظہور کریں اور اسے مٹی کےنیچے سے باہر نکالیں،آیا اس طرح کے فتووں کو اسلام کے خانےمیں رکھا جاسکتاہے؟؟ ہمیں عرض کرنا چاہئےکہ اسی طرح کےفتووں نےاسلام اور اسلامیات کی کمر توڑ دی ہے نہ صرف اس کی عزت وعظمت کا باعث نہیں ہوئے بلکہ اسلامی اقدار کوسرنگوں کردیا اورانہیں نابودکردیاہے واعوذ باللہ من شرور اقوالنا ، قالاتنا ومقالاتنا۔

مسئلہ ۴۶۹:۹ چیزوں پر نکلنے والی زکوۃ کا نصاب مشہور ہےلہذا اس کی وضاحت کی کوئی ضررت نہیں ہے اور دیگرچیزوں کی نسبت معیار ان کی قیمتیں ہیں کہ اگر ۱۵ مثقال سونے کی قیمت کے برابر پہنچ جائےکہ تو سونے کی زکوۃ اسی سونے سے ادا کرنی چاہئے کہ ۲/۵ فیصد ہے کھیتوں کےعلاوہ کہ نصاب اوراس کی زکوۃ کا تخمینا جیسےگہیوں ، جو،انگور، کشمش، کھجور ہے اسی طرح حلال گوشت حیوانات (یاحرام گوشت حیوانات) کہ ان تینوں حیوانوں میں سے ہرایک اپنےمشابہہ کے بقدر مورد مذکور ہے۔

مسئلہ ۴۷۰: زکوۃ کے باب میں (جیسا کہ خمس کے باب میں بھی بالکل ایسا ہی ہے) سال کے اخراجات الگ نہ کئے جائیں، بلکہ سالانہ اخراجات کی رعایت کرتےہوئے اصل ماں کی زکوۃ ادا کی جائے نہ گانہ اجناس کی زکوۃ میں گناہ سے بدتر جو عذر شمار کئے گئے ہیں (مثال کے طورپر معلوفہ ہونے کی شرط سہ گانہ حیوانات میں باطل ہے اسی طرح سونے اور چاندی میں سکہ دار ہونے کی شرط کہ یہ سب مال کے عنوان سے متعارف کرائے گئے ہیں نیز وہ مزدورعات چہار گانہ جس میں شرط کی گئی ہے کہ اس کے نصاب کا اندازہ اکھٹا اور ایک جگہ سے ہونا چاہئے کہ اگر مختلف زمینوں سے محصولات مجموعی طورپر نصاب سے زیادہ اس کے دس گناہ یاسو گناہ ہو لیکن ان محصولات میں سے ہر ایک انفرادی طورپر نصاب سے کم ہو تو مجموعاً اس پر زکوۃ نہیں ہے یہ قید بھی باطل اور خدا اور رسول خدا کے فرمان کے خلاف ہے۔)

ان میں سے کوئی بھی عذر نہیں ہے، صرف ان کا نصاب تک پہنچنا ہی زکوۃ نکالنے کا موجب ہے اوراگرہم زکوۃکوصرف ان ۹ چیزوں میں منحصر وہ بھی ان حیرت انگیز اورتعجب خیز قیود کے ساتھ جانیں اورخمس کےباب میں دوسرے حصہ کو سادات میں وہ بھی باپ کی طرف سے منسوب سادات میں منحصر جانیں تو تقریبی محاسبہ کےمطابق ہرفقیر اورمحتاج کو ماہانہ ممکن ہے چند ریال سےزیادہ میسر نہ آئے اور زکوۃ کے دیگر حصے اور حضرات بے سہارا رہ جائیں گے اوراس توسیع پروائے ہو کہ کذابین، احادیث جعل کرنے والوں ، مفتیوں اور رسالہ لکھنے والوں کی

طرف سےاس آٹھ گروہ پر ستم ڈھایا گیا۔
آیاوہ زکوۃ کہ اصلی عقائد کےبعد نماز کےہم پلہ ایمان کی اصلی شرط ہے اور گونا گون الفاظ میں قرآن کریم کی ۳۰آیتوں میں ذکر ہوئی ہے اوریہ زکوۃ کہ مسلمانوں ذاتی اور اجتماعی ہشت جانبہ فقر کا بخوبی تلافی کرےاس حد تک نا چیز ہوگی کےغریبوں اور محتاجوں کےچند روز سے زیادہ قوت '' یموت بھی نہ ہو؟ اورحضرت اقد س الہی (جل جلالہ) کےعلم وفضل ، کرم اور رحمت سےکتنا دو ر ہے کہ وہ زکوۃ جومسلمانوں کےاقتصادی بہت سارے اموركااراده کرنےکی ذمہ دا رہے ، اتنی خراب ، غیرعادلانہ اور رقت بار صورتحال سے دوچار ہو اس طرح سے کہ سب کے تمسخر اورحیرت کا موجب ہو بالخصوص خمس کے حکم سے پہلےکہ ہجرت کے آخری سال میں معین ہوا ہے لہذا تمام شیعہ اور سنی مفتیوں ، دعویداروں پرواجب ہے کہ اپنے علوم کے اصول وضوابط میں تجدید نظر کریں اور اپنی اور اپنےمقلدین کو خبر لیں اورتجزیہ کریں اس سےپہلے کہ اللہ کے مامورین ان کی خبر لینے آجائیں (کہ مولا حضرت امیرالمؤمنین علی علیہ ا لسلام کی فرمائش کےمطابق '' حاسبو انفسکم قبل ان تحاسبوا '' ان کے بارےمیں محقق امور ثابت ہو اور ان کے نظریا کا بوجھ اور ذمہ داری ان کے دامن گیر ہو (وما علینا الا البلاغ)

زکوۃ کے۸ موارد

مسئلہ ۴۷۱: اول، فقراء: وہ لوگ ہیں کہ فقر اور تہی دستی کی شدت سے گویا ان کی کمر ٹوٹی ہوئی ہو، وہ اپنی اقتصادی زندگی کی راہ میں حرکت کرنے کی کوئی توانائی نہ رکھتے ہوں۔

مسئلہ ۴۷۲: دوسرے؛ مساکین: ان لوگوں کو کہا جاتاہے جن کی صورتحال فقراء سے بہتر ہو کہ وہ لوگ کمر شکستہ اوریہ لوگ زمین گیر ہیں۔

مسئلہ ۴۷۳: والعاملین علیھا یعنی وہ لوگ جو زکوۃ جمع کرنے اور اس کےسلسلہ میں کام کرنے والے اورحقدار تک پہنچانے والے ہوتےہیں کہ اس فرض کی بنیاد ان کی کوشش اور ان کی ضرورتیں برطرف کرنے کےمطابق انہیں دیاجائے یہ کہ اپنےذاتی اخراجات میں خود مالک اورمطلق العنان خیال کریں، بلکہ اس مورد میں بھی '' من کان غنیاً ملتعفف ومن کان فقیراً فلیاکل بالمعروف آیہ شریفہ کے مطابق عمل کرے تو بہت مناسب ہے ورنہ کسی صورت میں بھی اسلامی معاشرہ میں فقراء کا کوئی حق ضائع ہوتو یقیناً اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے قصور یا تقصیر کی ہے اس کےعلاوہ یہ موضوع حق الناس سے تعلق رکھتاہے اور حق الناس بھی قیامت کے دن قابل بخشش اورشفاعت نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۷۴: چوتھے، المؤلفۃ قلوبھم: یعنی وہ لوگ جو شاستہ ہیں اور ان کے

لئے یہ ضروری ہے کہ کچھ زکوۃ کا حصہ دےکر ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے کہ اس سے پہلے وہ لوگ اسلام سے نزدیک ہوچکے ہیں یا پھر عام طریقہ سے حق بیان کرنے کےبعد اسلام کی طرف مائل کرنےکےلئے زکو ۃ دی جائے۔ بالخصوص ان لوگوں کے لئےجواسلام قبول کرنے کےبعد اپنے خاندان اورقبیلہ کی ہر قسم کی مالی وغیرہ حمایت سے محروم اور محتاج ہو جائیں یامالی مشکل میں گرفتار ہوجائیں خلاصہ اقتصادی لحاظ سے کمی کا شکار ہوجائیں۔

مسئلہ ۴۷۵: پانچویں، وفی الرقاب یعنی غلامی کی زنجیر سے آزاد کرنےکے لئے ماضی میں اکثر افراد غلام اور کنیز رہےہیں لیکن اس وقت زرخرید غلام اورکنیز کا تصور نہیں ہے اس کےمصادیق و ہ تمام لوگ ہیں جو مالی لحاظ سے غلامی کی زنجیر میں جکڑےہوئے ہیں لہذا ان کو زکوۃ کا بعض سہم دےکر اس گرفتاری سے نجات دلائی جاسکتی ہے جیسےبے گناہ قیدی یہاں تک کہ گنہگار لیکن شرمندہ اور نادم قیدی اور جولوگ قرض کی لعنت میں گرفتار ہیں اورکوئی چارہ کار بھی نہیں رکھتےہوں۔

مسئلہ ۴۷۶: چھٹے، الغارمین یعنی : جولوگ گناہ، تقصیر اور اسراف اورفضول خرچی کےعلاوہ ناخواستہ اوربےخبری میں قرض کی لعنت میں گرفتار ہوگئےہوں اور ان کے لئے اس طرح کی زندگی کو آگے بڑھانے کاک فی دشوار ہو، نیز مقصر مقروض جنھوں نے توبہ کرلی ہو یا اپنے قرض کوادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے توبہ کرنےکا فیصلہ کرچکےہوں، والغارمین ، مقروض ان لوگوں کو بھی شامل ہے چنانچہ ان سود خوروں کےبارے میں جنھوں نے توبہ کرلی ہے اوراس وقت ان کےاختیار میں کسی قسم کا سودی مال نہیں ہے اور اپنے ماضی میں کئے پرشرمندہ بھی ہیں ، آیہ ربا کی صراحت سے ان کے گناہ بخش دئیے گئےہیں۔

مسئلہ ۴۷۷: ساتویں، وفی سبیل ا للہ یعنی وہ راہ خدا میں کہ ایمانی گونا گون پہلوؤں سے بطورعموم سب کو شامل ہے جیسے مجاہدین (مبلغین) امر بالمعروف کرنےوالے، نہی از منکر کرنےوالے اور ہر وہ عمل اورکام جو خدا کی راہ میں ہو۔

مسئلہ ۴۷۹: آٹھویں، ابن السبیل : جیسا کہ خمس کے حصہ میں گزرچکاہے اور ہم دیکھتےہیں کہ یہ آٹھ گروہ اسلام اورمسلمین کی ضرورت کی تمام انفرادی اوراجتماعی امور کو اپنے دائرہ میں لئے ہوئےہیں اوراسلامی آبرومند حکومت کی اقتصادی صورتحال کو ہمیشہ بہتر سے بہتر بنائے اگرچہ سارے اموال کا خمس بھی (رسالت کےآخری سال میں) زکوۃ پر اضافہ ہواہے ، یہاں پر شایان ذکر ہےکہ فقراء ، مساکین، ایسےلوگوں کو شامل نہیں ہوتاہے جو بے حیائی اورکاہلی کی وجہ سے محروم اور محتاج رہ گئےہیں بلکہ ان لوگوں کو شامل ہے جوبنیادی فکری یا فقر یاکسی اور

نارسائی کی وجہ سے کم سے کم اپنی زندگی کا ادارہ کرنےپرمعذورہیں،صرف یہی لوگ ہیں جنہیں ان کی ضرورت کےمطابق زکوۃ دی جائےگی۔
لیکن ضرورت کے لحاظ سے اوراس وجہ سے کہ زکوۃ کےآٹھ مصارف بطوریکساں مراد نہیں لئے گئےہیں یہاں پر جوکچھ اہم ہے ان آٹھ گروہ کی ضرورت کی اہمیت کوجاننا اوراس کا اندازہ لگانا ہے نہ یہ کہ مساوی طورپر کہ مثال کے طور پر ۸۰ لاکھ تومان برابر سے ۸ حصہ میں تقسیم ہو اور اس گروہ میں سے ہرگروہ کو ۱۰ لاکھ تومان ملے، بلکہ ہر فرد اورہر گروہ کواس کی واجبی ضرورت کے بقدر دینا چاہئے جیسا کہ ضمن میں بھی ایسا ہی ہے۔
مسئلہ ۴۷۹:سہم زکوۃ غیر سادات میں منحصر نہیں ہے یہ صرف پیغمبر اکرم اور آئمہ معصومین علیھم السلام ہیں جن پرزکوۃ حرام ہے جس طرح خمس کے دوسرے تین حصوں کوغیر سادات کو بھی دیا جاسکتاہے اسی طرح سادات کوزکوۃ بھی دی جاسکتی ہے اورروایت '' ھی اوساخ مافی ایدی الناس'' کہ زکوۃ لوگوں کےہاتھوں کی میل کچیل ہے، خود مافی اید ی الناس کی جعل کردہ اورمیل کچیل ہے ؛ کیونکہ زکوۃ بھی انہی اموال سے دی جاتی ہے جن سے خمس دیا جاتاہے بلکہ نہ گانہ خیال مواردکے لحاظ سے زکوۃ، خمس سے بھی زیادہ پاک ہے (اس بات کی وضاحت یہ ہے کہ زکوۃ کے مصرف میں کہ فقراء کاخالص حق ہے۔
اس میں فقراء اورضرورت کےعلاوہ کوئی اور شرط نہیں لگائی گئی ہے جز اس کے عاملین اور ان لوگوں کے جن کے قلوب اسلام کی جانب مائل ہوں ، لیکن خمس کہ حق اللہ، حق الناس اورحق ذی القربیٰ کا مجموعہ ہےاورسارے کا سارا سہم امام معروف ہے اس کے دوسرے نصف حصہ کےعلاوہ فقراء، مساکین اور ابن السبیل کا حق ہے کہ بہرصورت اس کے استعمال میں شرائط پائےجاتےہیں کہ اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو اس (خمس) کا کھام ہر حرام ہے زیادہ احرام ہوجائے گا چونکہ خمس میں خصوصاً اس کےپہلے نصف حصہ میں فقر کی شرط ہرگز نہیں ہے جوکچھ ہےعمل ہے نہ فقر کی شرط بنابرایں یقیناً سہم امام علیہ السلام کےمصرف کچھ احتیاط اور نظر رکھنی چاہئے کہ زکوۃ کےمصرف میں ضرورت و ... کےسوا کسی قسم کی کوئی احتیاط درکار نہیں ہے)
پھرکیا ہواکہ خمس کلی طور سے پاک وپاکیزہ ہے اورزکوۃ ناپاک اور میل کچیل؟
اس وقت یہ کیسی غیرمنصفانہ اورظالمانہ تقسیم ہےکہ میل کچیل کم مقدار جیسےاموال غیر سادات سےمخصوص ہوں لیکن پاک وپاکیزہ اور زیادہ رقم سادات سےمخصوص ہوجبکہ بہت سارے سادات بہت سارےسادات سے کہیں زیادہ پاک

وپاکیزہ ہوں گے اوریہاں پر اگر'' اوساخ مافی ایدی الناس'' کےصحیح معنی بھی ہوں تو نصوص کی روشنی میں صرف اور صرف آئمہ اطہار علیھم السلام اورآپ کے شائستہ قرابتدار (فقر نہ ہونے اور ان کی عظمت وبزرگی کے مدنظر) میں جن کو زکوۃ سے استثناث کرتی ہے نہ سارے سادات کو اس قاعدہ اوراصل کی روشنی میں نہ خمس کا دوسرا نصف سادات سےمخصوص ہے اور نہ زکوۃ غیر سادات سےمخصوص ہے بلکہ خمس اور زکوۃ ان لوگوں سےتعلق رکھتی ہے جن کا زکوۃ اورخمس کی آیت میں ذکر ہواہے اورپیغمبر اکرم اس سےکہیں زیادہ بلند و بالا اور مہربان ہیں کہ روئےزمین کے تمام اموال کے خمس کا نصف حصہ اپنی اولاد سے مخصوص کردیں وہ بھی صرف باپ کی صرف سے منسوب اولاد میں اورزکوۃ اس کیفیت کے ساتھ پوری کی پوری غیر سادات سےمخصوص کردیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ نصف خمس اس طرح سے کہ سارے منافع ۱۰/۱۰۰ فیصد ہے جو ۱۰/۱۰۰ فیصد فقراء سےمخصوص ہے ، لیکن زکوۃ اس طرح سےکہ صرف اصطلاحاً ۹چیزوں میں جو سراسر باطل اور خالی حیرت انگیز فتووں کے ساتھ۹۰ فیصد فقراء کے لئےہے کہ ۱۰/۱۰۰ فیصد (دس فیصد فقراء سےاختصاص رکھتا ہے اورمثلث زکوۃ کا درمیانی ۱۰-۵-۲/۵فیصد کہ ۶/۱۰۰ فیصد ۹۰/فیصد کے لئے باقی رہ گیا ہو دیکھو کہ فرق کہاں کہاں تک ہے آیا خمس کا قانون گزار ابتدائی ترین حساب سے بھی بے بہر ہ تھا؟یا (العیاذ باللہ) اس طرح سے ظالم اور غدار ہےکہ اولاد رسول خدا کی نسبت اتنا بے رحم کہ ہرا یک کو شاید ماہانہ چند تومان بھی نہ ملے ؟ تعجب ہے ؟ لوگ خداوندعالم کی مخلوق سے ایسی تقسیم کوقبول نہیں کرتے اورعدل وعدالت اور وجدان وضمیر کےاورمروت ومردانگی کے خلاف شمارکرتےہیں مثال کے طور پر اگرکوئی شخص ایک رقم حوالہ کرتاہے کہ اس شہر کے فقراء کےدرمیان تقسیم کردو بعد میں کہے کہ جس فقیر کا قد سب سے زیادہ بلند ہو اسےدس گناہ دے دو یاجس فقیر کا دادا عالم تھا اسے دس گناہ دے دو تو کیا یہی انسان جو مخلوق خدا بھی ہے نشانہ قرار نہیں پائے گا؟ کیا لوگ اس پر اعتراض نہیں کریں گے کہ اگر تم فقراء کو دینے کے لئے ایک رقم حوالہ کی اب ا س فقیر کا قد بڑا ہویا چھوٹا اس کاباپ عالم ہو یا جاہل شکم کے اعتبار سے ہمارے لئے کونسی خصوصیت رکھتاہے ، فقیر ، فقیہ ہے اوربھوکا بھوکا ہے خواہ یہ ہو یا وہ؟ یہ سب ایسے سوالات ہیں کہ ان کا کسی قسم کا جواب نہیں ہے مگر یہ کہ کہنا چاہئے کہ اعتراض کہیں اور ہے نہ شارع مقدس پراعتراض ہے اور آئمہ معصومین علیھم السلام پر بلکہ اعتراض ہم علماء کی قرآن کریم اور مظلوم اسلام سے دوری میں اشکال ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز آیہ خمس کے نزول کے وقت پیغمبراکرم

کے پاس حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے علاوہ کوئی اور اولاد نہیں تھی کہ حضرت علی علیہ السلام اور چند دیگر انگشت شمار افراد کے علاوہ تعدا د نہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں کی ساری آمدنی کا ۱۰ فیصد ان چند افراد سے مخصوص ہو اور ۶/۱۰۰، ۹/ قسم کے اموال سے کہ اصطلاحاً ان کے مورد میں اس طرح سے فتوی دیاہے ۹۰/فیصد کے درمیانی معاشرہ کے فقراء کے درمیان تقسیم ہوجائے ؟ سبحان اللہ، سبحان اللہ ، سبحان اللہ، ہم پوری تاریخ میں سرمایہ داری کے ظالمانہ ترین اقتصادی قانون میں اس طرح کا اندھا اور بے حساب سراغ نہیں رکھتے چہ جائیکہ اسلامی عادلانہ اور فاضلانہ اقتصاد کہ عدالت، رحمت اور فضیلت کی بلند ترین چوٹی پر ہے؟

بنابریں یا خمس، زکات کے نصاب کی آخری حد ہے کہ گذشتہ نصابوں کو نسخ کرتاہے اور خود اس کی جگہ پر واقع ہو تاہے کہ تمام زکوۃ کے مصارف کا جواب گو بھی ہوگا یامجموعاً خمس اور زکوۃ کہ مسلمانوں کی کل آمدنی ۲۶ فیصد کا ہے اس بھاری رقم کو بے سہارا اور ضرورتمند افراد کو کم اور زیادہ کئے بغیر عادلانہ طور پر تقسیم ہونا چاہئے اور آخری احتمال کہ وجوب خمس اور زکوۃ کے درمیان جمع کرنا ہے آئمہ معصومین علیہم السلام سے منقول متواتر روایات کے لحاظ سے زیادہ قابل قبول ہے بنابرایں اگر اس ۲۶/فیصد کی وصولیاتی صحیح اور درست طریقہ سے عملی ہوجائے اور اخراجات اور اس کی ادائیگی میں جیسا کہ بیان کیا گیاہے عادلانہ طور پر مستحقین کے درمیان تقسیم ہو تو یقیناً روئے زمین پر مسلمانوں کے لئے فقر وفاقہ کا نام ونشان نہیں رہ جائے گا اور معاشرہ ان ساری بدبختیوں اور مشکلات اور نحوستوں سے نجات پا جائے گا جو شخص خود ہی زکوۃ وصول کرنے والوں اور زکوۃ کھانے والوں میں سے ہے اس پر زکوۃ نہیں ہے جز عاملین زکوۃ کے ان میں استحقاق اور محتاج ہونا شرط نہیں ہے ، بلکہ زکوۃ کا جو بعض حصہ وصول کرتے ہیں وہ ان کی اجرت ہے نہ ضرورت کے لحاظ سے فقراء اور بے سہارا افراد کے زمرہ میں ہوں اور اگر یہ لوگ بھی معمولی مصرف سے زیادہ رکھتے ہوں تو انہیں بھی اس کا خمس اور زکوۃ دینا چاہئے۔

مسئلہ ۴۸۰: اس صورت میں کہ جب خمس وہی زکوۃ کا آخری نصاب ہو تو زکوۃ کے آٹھ مورد اور خمس کے ۶ مورد باہم تداخل کریں گے یا پھر تداخل ممکن نہ ہونے کی صورت میں جیسا کہ ان کا سابق آیہ شریفہ کے ذریعہ نسخ ہوا ہو اس کے بعض موارد بھی فسخ ہوجائیں گے، تداخل اس طرح ہے کہ فقراء اور مساکین ، مساکین خمس میں شامل ہیں اور ’’ فی سبیل اللہ‘‘ خمس کے پہلے حصہ کے تینوں ہی مورد کو شامل ہوجائے گا جس طرح ابن السبیل خمس ’’ العاملین علیہا‘‘ الغارمین والمونفۃ قلوبھم وفی الرقاب‘‘ سب کو شامل ہوگا بالآخر زکوۃ کے تمام ۸ موارد خمس کے ۶ موارد میں

درج ہوجائیں گے (لیکن جیساکہ گذر چکا ہے) خمس اور زکوۃ دونوں ہی اسلامی واجب مالیات ہوں گے کہ زکوۃ پوری اسلامی تاریخ میں تمام اموال میں ثابت رہی ہے لیکن زکوۃ کے علاوہ خمس عہد مدنی کے اواخر میں واجب ہواہے۔

مسئلہ ۴۸۱: تمام اسلامی حقوق خواہ خمس ہو یا زکوۃ یا اس کے علاوہ سارے کے سارے خمس اور زکوۃ دینے والوں سے غایت درجہ احترام اور انتہائی محبت اور مہربانی کے ساتھ لینا چاہئے چنانچہ یہ دو اسلامی واجب مالیات مسلمان ضرورت مندوں کے لئے کافی نہ ہوں تو خمس اور زکوۃ دینے والوں کی زندگی کے اصلی اخراجات کے علاوہ ضروری مقدار میں خمس و زکوۃ پر اضافہ کئے جائیں اور صحیح استعمال ہو کہ (یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو) عقو کے معانی میں سے ایک معنی ضرورت زندگی سے اضافہ ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ضرورت کی صورت میں (خمس وزکوۃ کے علاوہ)

مسئلہ۴۸۲:مالیات سنگین اور بے حساب یا حساب سے ہوں لیکن غیر عادلانہ نہیں ہونا چاہئے کہ مالیات (ٹیکس) دینے والوں کو جھوٹ بولنے ، مکر اور دھوکہ دھڑی پرمجبور کرے یا پھر انہیں اقتصادی کوشش جاری رکھنے سے روک دے کہ ان کے ایمان کو قوی اور مضبوط کرنے کے بجائے انہیں بے ایمان اور لاپرواہ بنا دے اور ساری چیزوں اور سارے لوگوں کی نسبت بدگمان کردے۔

مسئلہ ۴۸۳: مالی حقوق ادا کرنے والوں کے لئے لازمی مہلت دینا ضروری ہے کہ اس کی غایت درجہ محبت کے ساتھ رعایت کی جائے اور تأخیر کرنے کا مالی جرمانہ مالیات اور اصولی پر طور تأخیر کے عنوان سے ہر رقم کی رقم خواہ کسی سلسلہ میں ہو گناہ اور مال کا باطل طریقہ سے کھاناہے اور کلی طور پر (ایسا کرنا) جرم اور خلاف شریعت فعل ہے اور اگر کوئی حکومت اقتصادی فرائض کی انجام دہی کے لائق نہ ہو تو پھر خود مکلفین پر اسلامی احکام ہے واقف اور آگاہ لوگوں کے درمیان خمس و زکوۃ کو اس طرح تقسیم کریں کہ ضرورتوں کا فیصد اور ان کے موارد کی صحیح طریقہ سے رعایت ہو،نہ یہ کہ کسی ایک حکومت یا ایک یا چند مرجع کے حوالہ کردی جائے کہ صحیح مصرف کرنے کا امکان یا نظریہ بھی نہ رکھتے ہوں۔

مسئلہ ۴۸۴: حکومت یا وہ دوسرے افراد جو خمس و زکوۃ وصول کرتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں انہیں خمس و زکوۃ دینے والوں کی مراقبت کے تحت رہنا چاہئے تاکہ امکانی صورت میں ان کے اسلامی مصرف کے لئے سو فیصد اطمینان حاصل ہو ورنہ ایک ایک پیسہ، ریال اور تومان کے ضامن میں اور قیامت میں بھی ان کا شدید مواخذہ ہوگا۔

زکوۃ فطرہ:
مسئلہ ۴۸۵: ''فطرہ'' ہر اس مکلف مسلمان پر واجب ہے جو سالانہ ، ماہانہ یا روزانہ کے اخراجات رکھتا ہے خواہ اس نے رمضان کے روزے رکھے ہوں یانہ خواہ عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا ہو یا بدون عذر بہر صورت اپنا اور جو لوگ اس کی کفالت میں ہیں ان کا اس پر فطرہ دینا واجب ہے۔
مسئلہ ۴۸۶: دوسروں کا فطرہ ادا کرنے کا جو چیز موجب ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے اخراجات کے لحاظ سے معمولاً آپ کے نان خور شمار ہوں اور روایت'' من تقول'' جو شخص تمہارے نان خور میں شمار ہو کی بنیاد پر بے نیاز مہمانوں کوہرگز شامل نہیں ہے ۔[118] یہاں پر اصل زکوۃ فطرہ خود تمہارا اہل وعیال اور تمہارے نان خور افراد کا تم پر واجب ہے اوربس کہ اگر کوئی مالدار کچھ دنوں کے لئے تمہارا مہمان ہو تو اس کا فطرہ تم پر واجب نہیں ہے اور اگر کوئی فقیر اور محتاج شب عید تمہارے پاس مہمان ہو تو اس کا فطرہ تم پر واجب ہے۔ خواہ وہ تمہارا دائمی نان خور ہو یا نہ اس شرط کے ساتھ کہ اس کا فطرہ دینے کچی تم میں صلاحیت پائی جائے، ورنہ نہ تم میں اور نہ ہی تمہارے مہمان کسی میں بھی مالی توانائی نہ ہو تو کسی پر زکوۃ فطرہ واجب نہیں ہے اور اگر تمہارا نان خور شب عید فطر تمہارا مہمان نہ ہو تو وہ جہاں بھی ہوگا اس کا فطرہ تم پر واجب ہوگا۔
فطرہ دینے والوں میں جو شرطیں ہیں ان لوگوں کے بارے میں کہ ان کا فطرہ تمہیں دینا چاہئے ، نہیں ہے کہ نہ عاقل ہونا شرط ہے اور نہ مکلف یہاں تک کہ ان کا مسلمان ہونا بھی بالخصوص اسلام کی جانب توجہ دلانے کی صورت میں کہ وہ لوگ '' المولفہ قلوبهم'' کے تحت آتے ہیں۔
مسئلہ ۴۸۷: فطرہ کی مقدار اپنی اور اپنے عیال کی غالب غذا سے تین کیلو گرام ہے ۔[119] کہ اگر زیادہ تر چاول کھاتا ہے تو چاول اور گوشت کھاتاہے گوشت اور بالآخر جس کا زیادہ اور اکثر استعمال کرتاہے کہ غالبا چاول ، گوشت اور روٹی و... کا مخلوط ہے تو اس مخلوط سے تین کیلو گرام فطرہ دینا چاہئے اور اگر اکثر استعمال کرنے والی غذانہ رکھتا ہو کہ کچھ غذاؤں کو یکساں طور پر مصرف کرے تو اسی مقداد کو نظر میں رکھے اور بالآخر (...مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ)[120] گرچہ اس کا مورد قسم کا کفارہ ہے لیکن (اس آیہ شریفہ کی دلالت کے علاوہ) واحد کلی اصلی کے مناط کی بنیاد پر اس سلسلہ میں اس مطلب پردالّ روایات بھی ہیں۔
مسئلہ ۴۸۸:کم سے کم ایک آدمی کا فطرہ ایک آدمی کو دینا چاہئے، زکوۃ فطرہ

---
۱۱۸ ۔مرحوم آقائے خوانساری غنی اور مالدار مہمانوں کا فطرہ احتیاط واجب کی بنیاد پر خود ان کے ذمہ جانتے ہیں۔
۱۱۹ ۔مرحوم آقائے میلانی نے بھی اس مسئلہ کی نسبت احتیاط واجب کی ہے۔
۱۲۰ ۔سورہ مائدہ، آیہ۸۹۔

کا بھی مصرف وہی عام زکوۃ کا مصرف ہے چنانچہ اعزہ و اقارب کے درمیان غرب اور نادار بالخصوص آبرومند افراد ہوں توان کو ترجیح دی جائے گی۔
مسئلہ ۴۸۹: عمومی زکوۃ اور زکوۃ فطرہ میں دیتے وقت اپنے سے یہ کہنا لازم نہیں ہے کہ یہ زکوۃ فطرہ ہے بلکہ اگر توہین ہو تو جائز بھی نہیں ہے بلکہ ہدیہ اور زکات کی نیت سے ادا کرنا کافی ہے اور آبرومند مستحق رشتہ دار دوسرے افراد پر مرتبہ کے لحاظ سے ترجیح رکھتے ہیں۔
حج
مسئلہ ۴۹۰: حج، اسلام کے پنجگانہ فرعی احکام کی اساسی ترین ایک بنیاد ہے اور اسی اصل کی بنیاد پر خداوند عالم نے قرآن کریم میں حج کے نام سے ایک سورہ نازل فرمایا ہے اور مختلف مناسبتوں سے اس کے بارے میں قرآن کریم ۱۰/بار ذکر فرمایا ہے جس میں ۹/بار حج اور دسویں بار'' حج'' کہ وہ قصد زیارت کے معنی میں ہے اور یہ مقصود زیارت کے معنی میں ہے قرآن کریم کعبہ مکرمہ کو کہ حج کی اصل بنیاد ہے اس کے بارے میں ۱۶/بار ذکر فرمایا ہے کہ اس میں سے تین بار '' بیت اللہ '' کے لفظ سے خانہ خدا کے عنوان سے اور تین مقامات پر لوگوں کے گھر کے عنوان سے اور دیگر دس۱۰ مقامات پر خدا کی زیارت کے عنوان سے ہے اور لوگوں کا گھر ہے کہ یہ زائرین خدا اس گھر کے ارد گرد ہیں، لوگوں کی مصلحت کے لئے خدا کا گھر ہے اور خدا کی عبادت کے لئے لوگوں کا گھر ہے۔
خدا کے گھر کا '' حج'' اگرچہ ایک فریضہ ہے لیکن انفرادی ، اجتماعی ، سیاسی، اخلاقی ، عبادی وغیرہ غرض سارے کے سارے فرائض کو اپنے مناسک کے تحت قرار دیا ہے اور حقیقت میں کہا جاسکتاہے '' حج'' سارا اسلام ہے سہ گانہ، پنجگانہ ، دھگانہ اور سارے کے سارے اصول میں سے ہے کہ در حقیقت حاجی اگر سمجھ لے اور جان جائے کہ وہ کیا کررہا ہے تو تمام بابرکت اور محرک تمام سچے اسلام حج کے مکمل آئینہ میں دیکھ سکتاہے جیسا کہ ہم نے کتاب اسرار مناسک حج اور ادلہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیاہے ہم مناسک حج سے تمام کردار ساز اور کامیاب دروس سیکھتے ہیں کہ اس کا احترام ۳۰ کلاس سے زیادہ پر مشتمل ایک مدرسہ ہے اس کے چار پہلو ایجابی اور سنوارنے والے ہیں اور باقی پہلو سلبی اور پاک کرنے والے ہیں اس کے بعد طواف، سعی ، تقصیر اورحج وغیرہ کے تمام مناسک کہ سارے کے سارے معرفت کے درس ہیں نیز عملی اور بہت ہی مفید اور کار ساز ، تابناک اور کامیاب اسباق ہیں۔
اصولی طور پر حج اور عمرہ میں صرف نیت اور قصد ہے اور عمل یا توقف کہ یہاں پر لفظ نہیں ہے اور لبیک کہنے اور اس کی نماز طواف اور دروس اور تم نے

ہمیشہ لفظ کہاہے اور چنداں عمل درکار نہیں ہے لیکن اس وقت اس میدان میں پورے اسلام کی مشق اپنے خالص عمل اور نیت سے خود کو سنوارو ایسا عمل کے پورا کا پورا رمز اور اشارہ ہے یعنی یہ کہ مسلمان کے لئے کس طرح زندگی گزارنا مناسب اور ضروری ہے اور اس میں سنوارنے کا کونسا پہلو موجود ہے۔

بالآخر حج بھی تمام عبادتوں کی طرح فقہ اکبر اور اصغر کی دو بنیادوں پر ہے کہ اس کی فقہ اکبر معرفتی فقہ ہے اور اس کی فقہ اصغر عمل حج کا ظاہری رخ ہے اورکتنا مناسب ہے کہ حج کی دونوں فقہ سے مکمل آشنائی اور اس کی دلیلوں کے لئے رسالہ '' اسرار مناسک حج اور ادلہ آن'' ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۴۹۱: حج یا عمرہ مفردہ کے واجب ہونے کی واحد شرط[121] یہ ہے کہ عسرو حرج کے بغیر فرائض حج کو انجام دے سکے کہ نہ ا س کی آمادگی کے لئے اور نہ ہی اس کی ادائیگی اور اس کے بعد عسرو حرج کا سامنا کرنا نہ پڑے کہ استطاعت اور توانائی ، طاقت کے حدود میں ہے نہ اس صورت میں کہ عسرو حرج کا موجب ہوجائے۔ بنابرایں اگر اس وقت صرف عمرہ مفردہ کی استطاعت رکھتاہے نہ حج کی تو اس پر صرف عمرہ مفردہ واجب ہے اور جب حج کی توانائی مل جائے تو اگر اس کا فریضہ حج تمتع ہے تو اسے عمرہ اورحج دونوں ہی بجالانا چاہئے اور اگر اس کا فریضہ دو حج میں سے کوئی ایک ہے (کہ عمر سے جدا ہوسکتاہے) کیونکہ اس نے ماضی میں عمرہ انجام دیاہے اور اس وقت اس پر صرف حج واجب ہے۔

مسئلہ ۴۹۲: اگر فریضہ حج کی ادائیگی کسی دوسرے فریضہ کے ترک کرنے یا کسی حرام کام کے کرنے کا باعث ہو، اگر اس فریضہ کی اہمیت یا اس حرام کے ترک کرنے کی اہمیت فریضہ حج کی اہمیت سے زیاد ہو تو صرف حج اور عمرہ واجب نہیں ہوگا بلکہ حرام بھی ہے اور اگر حج یا عمر کی اہمیت زیادہ ہے تو حج وغیرہ واجب ہوجائے گا اور اگر دونوں کی اہمیت برابر ہے تو مکلف حج کی ادائیگی اورفعل واجب یا ترک حرام کہ انجام حج سے مغایرت رکھتاہے کہ درمیان مخیر ہے۔

مسئلہ ۴۹۳: اگر کسی محترم وسیلہ کے ذریعہ جو احترام مؤمن کے خلاف نہ ہو اور وہ حج یا عمرہ انجام دے سکتاہے تو وہ مستطیع ہے اور اس کاترک کرنا حرام مثال کے طور پر اگر کاروان حج ایک عالم دین رہنما یا کوئی کام کرنے والا یا مترجم یا اس کے مانند کے خواہاں ہیں اور ان کاموں میں سے کوئی ایک تمہارے اختیار میں ہے یا

---

[121] ۔اس سلسلہ میں کہ سفر کا سلسلہ اس وقت استطاعت کی شرط ہے یا اگر اس کی ضرورت بھی نہ ہو پھر بھی مستطیع ہوجائے گا اختلاف ہے ، ظاہر ذخیرہ، مدارک، اور اس کی شرح وصاعب حدائق، شہید اوّل اور ثانی اور تذکرہ علامہ نیز وہ تمام افراد جنہوں نے اس کی ضرورت کو استطاعت کی شرط جانی ہے ، اس نظریہ کی تائید کی ہے نراقی نے مستند میں ذکر کیاہے کہ وہ عمرہ کا وجوب علماء کے درمیان مشہور ہے کہ ہرگز حج کے واجب ہونے کا لازمہ نہیں ہے اور اگر بعد میں حج تمتع بھی واجب ہوجائے تو عمرہ کی تکرار کی جائے گی ، لیکن اگر حج قرآن یا افراد واجب ہوجائے تو جو عمرہ اس نے انجام دیا ہے وہی کافی ہے چنانچہ اگر ان دونوں حج میں سے کوئی ایک واجب ہو نہ عمرہ تو صرف وہ دونوں واجب ہے اس کے بعد استطاعت کی صورت میں عمرہ واجب ہوگا معاصرین میں سے جو استطاعت کی صورت میں عمرہ مفردہ کو واجب نہیں جانتے ہیں وہ علامہ میلانی ہیں ۔

پھر عسرو حرج کے بغیر ان میں سے کسی ایک کو ممکن بنا سکتے ہیں اور تمہارے حقیقی احترام (نہ خیالی) کے خلاف بھی نہیں ہے تو آپ پر حج واجب ہوجائے گا۔[(122)]
اور اس کے برعکس اگر خود فریضہ حج یا عمرہ کی ادائیگی کے اندر ہر قسم کے ذاتی امکان پائے جاتے ہیں لیکن سفر کے مقدمات پاسپورٹ اور ویزہ نیز دگر مقدمات فراہم کرنے میں خود کو ذلیل وخوار کرنا پڑے تو ایسی صورت میں حج تو واجب نہیں ہے بلکہ حرام بھی ہے و بالآخر ''من استطاع الیہ سبیلاً'' عقلی، عرفی، شرعی، مالی، حالی غرض ہر قسم کی توانائیوں اور صلاحیتوں کو شامل ہے جیسا کہ ہم نے رسالہ حج میں اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔
مسئل ۴۹۴: جس شخص پر خود حج واجب ہے تووہ استطاعت کے سال میں
کسی اجرت پر غیر کی نیابت نہیں کرسکتا اور اگر ایسا کرے گا تو اس کااجیر ہونا باطل ، اجرت بیکار، اور مدیون ہے لہذا اس کام کے لئے لی ہوئی رقم اس کے مالک کو واپس کردے اور خود اس کا حج بھی اشکال سے خالی نہیں ہے اگرچہ خوداس کے لئے اس کا صحیح ہونا دلیل سے خالی نہیں ہے ؛ کیونکہ اس وقت حج خود اس کا فریضہ ہے اور کسی دوسرے کے لئے نیت کرنے سے فریضہ بدل نہیں جائے گا اور طبعاً خود اس کے حساب میں آئے گا جیسے اس طرح کا ماہ رمضان کا روزہ خود اس پر واجب ہے ، لیکن کسی دوسرے کی نیت سے انجام دے۔
مسئلہ ۴۹۵: اگر ایسے قرض کے ذریعہ جسے تدریجاً کسی عسر و حرج کے
بغیر ادا کرسکتاہے اوراس کی شان اور اس کے احترام کے خلاف نہ ہو تو وہ حج یا عمرہ پر جاسکتاہے اس صورت میں بھی استطاعت کے حساب سے (کہ توانائی کے سوا کچھ نہیں ہے) اس پر حج یا عمرہ واجب ہے۔
مسئلہ ۴۹۶: اگر کوئی شخص آپ کے احسان اور عسرو حرج کے بغیر واجب
حج یا عمرہ کی پیشکش کرے جبکہ آپ کی زندگی میں ناقابل تلافی نقصان نہ ہو تو حج یا عمرہ کے اسباب اور اخراجات قبول کرنا آپ پر واجب ہوجائے گا۔
مسئلہ ۴۹۷: عسرو حرج کے بغیر طاقت فرسا حج(کہ شرعی اصطلاح میں
حرج کہلاتاہے) اگرچہ مستحب ہے لیکن واجب کے بدلے) (بدتر طریقہ سے) شمارہے (من تطوع خیراً فھوا خیرٌ لہ)[(123)] جو شخص زحمت کے ساتھ کوئی نیک کام کرے تو اس کے لئے بہتر ہے (جیسا کہ صاحب ذخیرہ نے بھی فرمایا ہے) مجموعی طور پر (نے صرف حج اور عمرہ کی استطاعت اور تونائی کو حج [124](من استطاع الیہ سبیلاً) کے وجوب کا موضوع جاناہے، بالخصوص(وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى

---

[۱۲۲] ۔مرحوم آقائے خمینیؒ آقا میلانی اور آقا منتظری اس شخص کے لئے اس حج کے قبول کرنے کو واجب جانتے ہیں جو مستطیع نہیں ہے۔
[۱۲۳] ۔ سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۳
[۱۲۴] ۔سورہ آل عمران، آیہ ۹۷

) پیادہ لوگوں کو سوار ی سے آنے والوں پر ترجیح [125]كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ)(
دی ہے اور حج کے عبادی اور سیاسی فریضہ کو تمام صاحبان استطاعت پر یقینی جاناہے ۔ (چنانچہ مرحوم آقائے خمینی نے استطاعت کے اس طرح معنی کیے ہیں کہ ’’ جن چیزوں کا سفر کی حالت میں محتاج ہے ‘‘ یہاں تک کہ اگر مالی توانائی رکھتے ہوئے جسمانی توانائی نہ رکھتے ہوتو حج یا عمرہ کے لئے کسی دوسرے کو اپنی طرف سے روانہ کرو مگر یقین یا عقلائی احتمال کی صورت میں کہ اپنے مستقبل میں آپ کے اندر اس کی صلاحیت پائی جائے گی اور یہاں پر سینکڑوں مسائل کے درمیان جو ہم نے پوری کتاب حج میں ذ کر کئے ہیں جو مسئلہ میں منیٰ کی قربانی اور ایام حج میں تمام قربانیوں کے سلسلہ میں قابل ذکر ہیں کہ صرف غریبوں اور بے سہارا لوگوں میں استفادہ منحصر ہوگا۔ اور بس او بعید کے مسئلہ میں جو ہم ذکر کریں گے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

مسئلہ ۴۹۸: قربانی کے لئے اس کے شرعی استعمال میں پہلی ذی الحجہ سے آخری ذی الحجہ تک آپ کے پاس وقت ہے یا پھر قربانی کسی رقم حج کے مقام پر محتاجوں اور غریبوں کو دے سکتے ہیں یا مکہ کے افق کے مطابق اسی عید قربان کے دن امکان کی صورت میں اپنے وطن میں ذبح کرکے غریبوں میں تقسیم کرسکتے ہیں بالآخر قربانی یااس کی رقم غریبوں اور محتاجوں تک پہنچنی چاہئے اوربس نہ صرف خون بہانے اورغریبوں کا حق ضائع کرنے میں کہ صرف (اطعموالبائس الفقیر) ہے اور محتاج مسلمان ہیں کہ قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں حج کے ربانی وسیع اور عریض دسترخوان پر بیٹھے ہیں--

حج کی بحث کے اختتام پر اجمالی طور پر چند دیگر مسئلوں کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے اول یہ کہ احرام کی حالت میں رات کو سرڈھانپنے میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن بارش ، ہوا، سردی اور آفتاب وغیرہ کے لئے اگرچہ رات ہی ہو ضرورت کے علاوہ سرکا ڈھانپنا جائز نہیں ہے دوسرے یہ کہ جس طرح مسجد حدیبیہ سے عمرہ مفردہ کے لئے جائز ہے اسی طرح حج کے لئے بھی بلا اشکال ہے اور عمر ہ مفردہ کے لئے زمانی فاصلہ بھی شرط نہیں ہے اور میقات کے پہلے یا اس کے بعد احرام (خواہ نذر کے عنوان سے کیوں نہ ہو) باندھنا بدعت اور حرام ہے، ہم نے مسائل حج کے جزئیات اور ان کی تفصیلات کتاب اسرار مناسک حج میں مفصل طورپر بیان کیاہے شائقین حضرات وہاں رجوع کرسکتے ہیں۔

اسلام کے عمومی اور اقتصادی احکام

تجارت

---

[۱۲۵] سورہ حج، آیہ ۲۷.

مسئلہ ۴۹۹: تجارت حلال آمدنی کا ایک بہترین ذریعہ ہے کہ آیہ شریفہ (تجارۃ عن تراض منکم) حلال خوری کا بہترین نمونہ مفت خوری سے الگ ہواہے کہ (...لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا)[126]تم لوگ اپنے اموال کو اپنے درمیان باطل اور مفت طریقہ سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ کوئی معاملہ اور تجارت ہو طرفین کی رضایت کے ساتھ اور ہم ملاحظہ کرتےہیں کہ اجارہ، زراعت، اور تجارت کے علاوہ ہر قسم کا حلال کام حلال ہے لیکن خداوند متعال''تجارۃ عن تراض منکم'' کوحلال خور کا بہترین اعلی، اور ممتاز نمونہ قرار دیاہے اور یہ استثنا منقطع ہے اس معنی میں کہ بدون استثنا مفت خوری کی تمام اقسام کو حرام قرار دیاہے اورمفت خوری کے علاوہ کو کلی طور پر حلال کیاہے اور(تجارۃ عن تراض) کو حلال خوری کا بہترین ذریعہ اور نمونہ قرار دیاہے۔

مسئلہ ۵۰۰: تجارت صرف اور صرف خرید وفروخت میں منحصر نہیں ہے جیساکہ آیہ شریفہ میں بھی '' بیع'' کے مقابلہ میں واقع ہوئی ہے کہ (رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاء الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ)[127] مردان (خدا کو) '' یاد خدا سے نہ تجارت اور نہ ہی بیع سے غافل نہیں کرتی '' اگرچہ بیع اورتجارت کے درمیان یہ ہم آہنگی بتاتی ہے کہ '' بیع'' تجارتوں میں سےایک بہترین تجارت ہے جیسا کہ بیع کے علاوہ تمام تجارتیں بھی بہترین اقتصادی کاموں میں سے ایک کام ہے اس لحاظ سے کہ تجارت ، بیع کے مقابلہ میں واقع ہوئی ہے اور لغوی اعتبار سے منافع کے حصول کے لئے ہے خود تجارت بھی کسی کام میں دولت اور رقم کا لگانا ہے اس بناء پر ''تجارۃ'' بیع مطلق کے علاوہ، بیع شرط ، اجارہ، زراعت ، مضاربہ، مزارعہ، مساقات، اور اس کے مانند سب کو شامل ہے اس لحاظ سے ہر لین دین تجارت ہے چہ جائیکہ مالی اور مالی اجتماع جیسے ازدواج اور اس کے ضمن میں قلمی، علمی، اورفکری امور اور اس کے مانند تمام علمی ، فکری ، جسمانی مالی وغیرہ استعمال بالآخر اسلام ، تمام ابعاد میں تلاش، کوشش اور کام کی شریعت ہے جو انسان کی صلاحیت کے اندر جو کہ فکر، علم، عقل کو ایک طرف سے اور اعضائے بدن کو دوسری طرف سے اور زمین اور وسائل اور راستوں کوا یک طرف سے کام میں لانا چاہئےا ور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے حلال استفادہ کرنا چاہئے، چنانچہ آیہ کریمہ (يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ)[128] میں ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ شریعت الٰہی دائمی کام اور کوشش کے مبنی پر استوار ہے کہ کام کی توانائی رکھنے والے شخص کے لئے بیکاری بہت بری چیزی

۱۲۶۔ سورہ نساء، آیہ۲۹.
۱۲۷۔سورہ نور، آیہ ۳۷.
۱۲۸۔سورہ انشقاق، آیہ ٦.

ہے کہ انسان کو ہر قسم کے عمل اورفکر سے بیکار بنا دیتی ہے مجموعی طور پر مسلمان انسان کو جسمانی اور رو حانی تمام پہلوؤں کے لحاظ سے مجاہد اور مہاجر ہونا چاہئے کیونکہ خدا کی راہ میں جہاد اورہجرت اور تقدیر ساز کردار اس کی انسانی زندگی میں ادا کرتی ہے۔

مسئلہ ۵۰۱:جس طرح اسلام کی نظر میں بیکاری کلی طور سے مذموم اور نا پسندیدہ چیز ہے اس طرح بیکاری بھی کہ مفت دولت اور طاقت اور دھوکہ دھڑی کی بنا پر کسی کے لئے کام کرنا اور اجرت نہ لینا بھی ہے یا پھر اجرة المثل سے کم اجرت لینا بھی مذموم ہے اور نا پسندیدہ ہے کہ پہلی مفت خوری اور دوسری مفت کھلانا ہے صرف اسلامی اقتصادی مثلث تیسرا ضلع قابل تشکر ہے اور '' تجارة عن تراض منکم'' ہے کہ عوض کے ساتھ کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانے کے لئے کام اور کوشش و تلاش کرنا ہے کہ نہ مفت خوری کیجئے اور نہ مفت کھلائے بلکہ '' إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ''اور بس اور جو لوگ کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے یا اس قسم کے کاموں سےزیادہ واجب کاموں میں مشغول ہیں اور شائستہ شریعت مدار بننے کی کوشش کرتے ہیں یا ان کا کام ان کے معاش کے لئے کافی نہیں ہے تو یہ لوگ اسلامی بالواسطہ مورد بلاواسطہ مالیات (ٹیکس) کا کہ مجموعی طور پر بیت المال ہے شائستہ اور عادلانہ طریقہ سے استعمال کریں کہ یہ بھی '' تجارة عن تراض منکم'' ہے، کیونکہ اجر لینے کے مقابلہ میں مال دینا اچھاہےجیسے، ہبہ، ہدیہ اور ان کے مانند نہ صرف سر پر عمامہ رکھتے ہیں یا کشکول اور دلف ہاتھ میں لیتے ہیں یا اپنے نسب کے نان خور ہو گے کیونکہ ہم سید ہیں اور اس قسم کے مفت خوری کے وسائل کہ شریعت کے لحاظ سے کاہلی، سستی وغیرہ سے موسوم ہیں اور یہ مذموم و ناپسند ہے چنانچہ ایک سید سے لوگوں نے سوال کیا کہ تمہارا کام کیا ہے؟ اس نےکہا: میرا کام سیدی ہے اور ایک روحانی سے لوگوں نے یہی سوال کیا کہ اس نے جواب دیا میرا کام روحانیت اور ملائیت ہے ، نہیں اسلام نے کبھی بھی کسی قسم کی مفت خوری کو جائز قرار نہیں دیا ہے اور نہ دے گا ، چونکہ سب مؤمنین ہیں اور ایک جسم کے مانند ہیں اور ایک دوسرے غم واندوہ اور دکھ درد میں شریک ہیں ، انہیں اپنے بعض اموال کو غریبوں کے استمال میں رہنا چاہئے کہ اصولی طور پر کسی کام اور آمدنی پر قادر نہیں ہیں یا پھر ان کی کوشش ان کے معاش کے لئے کافی ہے مگر یہ کہ شرعی فقیر ہوں اور کسی کام کی توانائی اور طاقت نہ رکھتے ہوں مثال کے طور پر اندھے ، لنگڑے فالج زدہ، بوڑھے اور سن رسیدہ ہوں ، اور بعض دوسرا حصہ بھی کہ خمس کا نصف حصہ ہے '' فی سبیل اللہ '' اسے ایمان اور ان کو ایک اور عمومی کرنے میں صرف ہو بنابراین یہ حصہ ان شریعت مداروں کی خدمت میں جائے جو قرآن اورسنت کی روشنی

میں علوم اسلامی کی مناسبت تعلیمات کے ساتھ مؤمنین کے درمیان مصون الاسلام اور سب کے گھر کی دیواریں اسلام ہوں اور بس۔

خرید و فروخت

مسئلہ ۵۰۲: آیہ کریمہ (احل اللہ البیع)[129]خرید و فروخت کے مطابق ایک عمومی قاعدہ کے عنوان سے بیع کی تمام قسموں کو شامل ہے اور یہ عمومیت اور اطلاق قابل استثناء قاعدہ کے عنوان سے مورد استثناء اور استدلال ہے نہ استغراق کے ہر خرید و فروخت کسی شرط کے بغیر دوست ہو اور ہم جانتے ہیں کہ ہر مذہب و ملت اور گروہ کے نزدیک خرید و فروخت کے شرائط رکھتے ہیں چہ جائیکہ اسلام کہ عدم ضرر و نقصان، عدالت اور انصاف کو کلی طور پر معاملات کی تما م قسموں میں حتمی جاناہے اس طرح کے قاعدہ کی بنا پر ہم مکلفین اس شرائط کی امید میں کتاب اور سنت کی روشنی میں شائستہ انداز میں جستجو کریں تنہا یہ قاعدہ (کلی طورپر) اس وقت ہمارے لئے مفید ہوگا کہ خرید وفروخت کی احتمالی کسی شرط کے بارے میں کوئی معارض یا اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس قاعدہ کی بنیاد پر وہ معاملہ صحت کا حامل ہوگا نہ یہ کہ آنکھ بند کرکے شائستہ بررسی اور تحقیق کے بغیر ہر قسم کی خرید وفروخت کو درست جانیں اس کے بعد آیہ (... لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا)[130] نے مفت خوری کے تمام پہلوؤں اور اس کی تمام قسموں کی مذمت کی ہے اور طرفینی رضایت کے مبنیٰ پر تجارت کو مفت خوری سے دور درخشاں ترین ایک نمونہ بتایاہے۔ نہ صرف تجارت مفت خوری سے الگ ہے بلکہ تمام عاقلانہ اور منصفانہ معاملات بھی ''تجارۃ عن تراض منکم'' کے ذیل میں اشارہ اور (اوفو ابالعقود) کے ذیل میں صراحتاً شامل ہوں گے کہ ہر قسم عاقلانہ اور عادلانہ قرار داد، معاہدہ جو ہر معاملہ میں طرفین کی رضایت کا باعث ہو (شریعت کی بنیاد پر) اس قاعدہ کی روشنی میں شارع مقدس کی تائید اور تصدیق کا مورد ہےاور ازدواج کی طرح[131] بطریق اولی تجارت کے ذیل میں آتاہے کہ ''عن تراض'' واقع ہو اورجملہ '' حرّم الربا'' کہ '' احل البیع'' کے بعد ذکر ہواہے ربا یعنی حق سے اضافہ لینا یا دینا، ممنوع ہواہے اس لئیے مفت خوری کا ایک بدترین نمونہ ہے اور آیہ شریفہ (وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى)[132] نے صرف ان آمدنیوں کو جائز اور مفت خوری سے دور جانا ہے کہ شائستہ کوشش کی بنیاد پر ہو بنابرین قرآن اقتصادی بنیادوں نے کلی طور پر مفت خوری کوممنوع قرار دیا ہے۔ صرف سعی و کوشش کے مال حلال و حاصل کرنے کا

---

[129] ۔سورہ بقرہ، آیہ ۲۷۵.
[130] ۔ سورہ نساء، آیہ ۲۹.
[131] ۔کہ دو قسم کی اور دو طرفہ تجارت ہے.
[132] ۔سورہ نجم ، آیہ ۳۹.

کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مگر شرعی بخشیشیں کہ اس کی سعی شرعی استحقاق ہے اور یہ خود مفت خوری ،طاقت اور دولت اور دھوکہ دھڑی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ضرورت کے مطابق بخشیشیں یا شائستہ اور صالح افراد کا احترام اور خدا کی خوشنودی کا مورد ہے۔

اسی بنیاد پر دھوکہ دھڑی اور فریب کی تمام قسمیں (کہ کبھی کبھی شریعت کا لباس پہنے ہوتی ہیں) شریعت اسلام کے خلاف ہے جیسا کہ ہم ربا کے باب میں حیلہ شرعی سے متعلق بیشتر وضاحت کریں گے۔

بیچنے والے اور خریدار کے شرائط

مسئلہ ۵۰۳: سب سے پہلے بیچنے والا یا خریدار میں سے کوئی بھی ''بیوقوف'' یا '' مجنون'' نہ ہو کہ ہلکے دماغ یا نادانی یا دیوانگی کی وجہ سے اپنے اموال کو غلط کاموں میں بے حساب خرچ کرڈالے جیسا کہ آیہ (وَلاَ تُؤْتُواْ السُّفَهَاء أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّهُ لَكُمْ قِيَاماً وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا)[133]میں آیاہے کہ '' اپنے مال کو جو خدا نے تمہارے لئے تمہاری زندگی کے قیام کے لئے قرار دیا ہے بیوقوفوں کے حوالہ نہ کرو''۔

کیا صرف یہ کہ بیچنے والا یا خریدار عاقل اور بالغ ہو، کافی ہے ؟ اس آیت سے اس طرح استفادہ ہوتاہے کہ صرف سفیہ نہ ہونا کافی ہے گرچہ ابھی مکلف بھی نہ ہو لیکن اس آیت سے جس میں یتیموں کے احکام بیان فرماتی ہے (...حَتَّىَ إِذَا بَلَغُواْ النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُواْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُواْ وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُواْ عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللّهِ حَسِيبًا)[134] سے اس طرح سمجھ میں آتاہے کہ یتیموں کے بالغ ہونے کے بعد مالی تصرف میں ان کے رشد کو بھی شرط جانا ہے ، لیکن یہ شرط ان کے یتیم ہونے کے لحاظ سے ہے نہ یہ کہ بلوغ کے بعد سب کے لئے اپنے اموال میں تصرف کرنے کی شرط رشد بھی ہوگی ،بنابراین جو کچھ کلی طورپر معاملات کی اصلی شرط ہے وہ شریعت کی زبان کی روشنی میں عقل معیشت ہے کہ سارے میں نہ رشد شرط ہے اور نہ تکلیف ۔سفا ہت کے بھی شرعی اور عرفی مختلف ابعاد اور پہلو ہیں کہ اس کا شرعی حرام طریقوں میں تقصیر کے عنوان سے مال کا مصرف کرنا یا اسراف اور فضول خرچی کرناہے۔ اور اس کا عرفی پہلو یہ ہے کہ معاملات میں قصور کے عنوان سے دھوکہ کھا جائے یا دھوکہ دے دیں اور لین دین کے عاقلانہ اور مفید معیاروں کو نہ جانے یا نادانی کرے اور اس سے زیادہ اورکیا نقصان دہ ہوسکتاہے کہ دونوں ہی طرح کی سفاہت شخص میں موجود ہیں۔

---

۱۳۳ ۔ سورہ نساء ،آیہ ۵.
۱۳۴ ۔سورہ نساء، آیہ ٦.

مسئلہ ۵۰۴: بیچنے والا اور خریداور دونوں ہی کا کام اختیار سے ہو نہ اکراہ اور اجبار سے جیسا کہ آیہ کریمہ تجارۃ من تراض منکم'' طرفین کی رضایت کو معاملہ کی اصل شرائط میں سے قرار دیاہے اور اکراہ یا اجبار کی صورت میں طبعاً رضایت بھی در کام نہیں ہے ۔

مسئلہ۵۰۵: بیچنے والا مورد معاملہ تمام جنس کا مالک ہو یا اس کے معاملہ کرنے میں مالک کی طرف سے اسے اجازت حاصل ہو یا پھر ولایت کے اعتبارسے صاحب مال کی مصلحت کے مطابق یہ کام کرے۔ اور ''لابیع اِلاَّ فی ملکٍ'' بھی ایسی معنی میں ہے کہ جو تمہارے اختیار میں ہے اس کے علاوہ میں فروخت نہیں ہے خواہ تم اس کے مالک ہو یا شرعی طور پر مالک کے مال میں تصرف کرنےکا حق ر کھتے ہوں گے اور کبھی انسان مالک تو ہوتاہے لیکن اسے فروخت کرنے کا حق نہیں ہوتا جیسے سفیہ اور دیوانہ اور محجور جو اپنے مال میں بھی تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا اور کبھی مال کا مالک تو نہیں ہے لیکن ولایت شرعیہ یا مالک کی اجازت سے اس کے لئے معین شدہ شرائط کے تحت اس کا معاملہ کرنے کا حق رکھتاہے۔

مسئلہ ۵۰۶:بیچنے والا اور خریدار دونوں کی خرید و فروخت کا ارادہ رکھتے ہوں کہ اس کے علاوہ صورت میں تجارت نہیں ہے اور بالآخر خرید وفروخت اور دیگر ہر قسم کے معاملہ جو شرطیں لازم ہیں ، آیہ کریمہ (تجارۃ عن تراض منکم) اور آیہ کریمہ (لاتوتوالسفهاء اموالکم) سے استفادہ ہوتی ہیں کہ عرفی، شرعی عقل معشیت ، رضایت، اختیار، قصد ضروری ہے اور بس یہ سب تمام معاملات کی اصل شرطیں ہیں۔

مسئلہ ۵۰۷: کسی معاملہ کے انجام دینے کے لئے کسی معین لفظ کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف یہ معلوم ہو کہ طرفین کا مقصد کیا ہے تو کافی ہے ، بنابرایں خرید و فروخت میں جیسا کہ مرسوم ہے وہی کافی ہے اورمعاملہ میں کوئی صیغہ اس کی صحت یا حتمیت کی شرط نہیں ہے(جیساکہ شیخ مفید، سید مرتضی اور فیض کاشانی نے بھی فرمایا ہے مفاتیح الشرائع، (۲: ۴۵) (۳: ۴۸) تاکہ بیع معاطات (بیع کے صیغہ کے بغیر) مرحوم شیخ انصاری وغیرہ جیسے فقہاء کے بقول لازم اور حتمی ہوجائے گی جبکہ اصولی طور پربیع کا فیصلہ لفظی صیغہ کے ساتھ فیصد کے لحاظ سے بہت ہی کم اور ناچیز ہے کہ درسی حوزے کے علاوہ دنیا کے کسی کو نے میں اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی نسبت کوئی تقید اور پابندی ہو۔

مسئلہ ۵۰۸: اگر کوئی معاملہ رضایت کے بغیر یا طرف معاملہ کو خبر کئے بغیر انجام پاجائےا ور طرف معاملہ رضایت دے دے اور جس معین کرے اسی وقت رضایت سے معاملہ صحیح ہے، لیکن اگر معاملہ کو رد کر دے یا راضی نہ ہو تو اسی

وقت سے معاملہ باطل ہے۔ اور ’’ تجارۃ عن تراض منکم‘‘ اس وقت اس معاملہ کو صحیح کرسکتی ہے کہ رضایت حاصل ہوجائے ، نہ معاملہ کے آغاز سے ، کیونکہ رضایت کی بنیاد پر نہیں تھا مگر یہ کہ طرف معاملہ کہے کہ رد میں معاملہ کہ اس کے انجام دینے کے وقت سے قبول کرتا ہوں ‘‘ بنابراین اگر کوئی مکان، دوکان یا گاڑی وغیرہ کا مثلاً ایک ماہ پہلے معاملہ ہوا اور اس کا اصلی مالک آج سے معاملہ کو قبول کرتا اور رضایت دیتاہے تو اجارہ کا مال، بڑھتی ہوئی قیمت اور تمام امتیازات کہ اس ایک ماہ میں حاصل ہوئے ہیں، وہ سب اصلی مالک کی ملکیت ہوگی۔

مورد معاملہ اموال کے شرائط

مسئلہ ۵۰۹: مورد معاملہ مال جنس اور اندازہ کے لحاظ سے طرفین کے لئے معلوم ہونا چاہئے کیونکہ اس کے علاوہ چونکہ مجہول اور دھوکہ کھانے کا امکان ہے، معاملہ احمقانہ اور باطل ہے۔

مسئلہ ۵۱۰: بیچنے والا مورد معاملہ، جنس کو خریدار کے حوالہ کرنا چاہئے یا طرف معاملہ اس جنس طرف معاملہ خود ہی (یا کسی دوسرے کی مدد سے) تحویل لے ورنہ اگر یہ دونوں ہی لینے اور دینے سے عاجز ہوں تو معاملہ باطل ہے جو سفایت سے بدتر اورجنون آمیز ہے بنابراین اس پرندہ کو بیچنا جو آسمان میں پرواز کررہاہے یا مچھلی کی ایک قسم کو بیچنا جو دریا میں تیر رہی ہے ہرگز جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی تحویل کا عقلائی امکان ہو ورنہ اس کے علا وہ بیچنے والے کے لئے نہ مالکیت اور نہ ہی اولویت ہے۔

مسئلہ ۵۱۱: موردمعاملہ جنس کا کسی دوسرے کے حق سے تعلق نہ رکھتی ہو جیسے وہ جنس جو کسی دوسرے کے پاس گروی رکھی ہوئی ہے اور اس طرح کی چیزیں اور اس طرح کے موارد میں بھی اگر صاحب (ہر طرح سے اور ہر زمانہ کے لئے) عقلائی اجازت دے دے تو معاملہ صحیح ہوگا۔

خرید وفروخت کی قسمیں

مسئلہ ۵۱۲: خرید و فروخت کی تین قسمیں ہیں: یا مورد معاملہ دونوں ہی نقد ہے یا دونوں ہی ادھار ہے یا ایک نقد اور ایک ادھار ہے ، تینوں صورتوں میں معاملہ صحیح ہے اور تیسری صورت میں اگر رقم نقد ہے اور جنس ادھار تو معاملہ سلف ہے اور اگر جنس نقد ہے اور قم ادھار تو ادھار کے نام سے مشہور ہے۔

اُدھار:

مسئلہ ۵۱۳: ادھار معاملہ میں رقم ادا کرنے کی مدت معین ہونی چاہئے جیسا کہ آیہ دین (...إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلاَ يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّهَ رَبَّهُ وَلاَ يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِن

كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لاَ يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاء أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى وَلاَ يَأْبَ الشُّهَدَاء إِذَا مَا دُعُواْ وَلاَ تَسْأَمُوْاْ أَن تَكْتُبُوْهُ صَغِيرًا أَو كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللّهِ وَأَقْومُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى أَلاَّ تَرْتَابُواْ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلاَّ تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوْاْ إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلاَ يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلاَ شَهِيدٌ وَإِن تَفْعَلُواْ فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّهُ وَاللّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)[135] اصولی طور پر دین (قرض) کو معین وقت سے مشروط کیا ے خواہ قرض ہو خواہ ادھار معاملہ کہ قیمت کا مقروض ہوگا یا سلف یا دونوں طر ف سے ادھار ہو۔

مسئلہ ۵۱۴: اگر معاملہ میں ادھار کی قید نہ ہو تو طبیعتاً معاملہ نقد ہے مگر یہ کہ بیچنے والا کا معاملہ ادھار یاچند روزہ نقد پر رہا ہو یاور خریدار بھی اس بات کو جانتا ہو۔

مسئلہ ۵۱۵: معینہ مدت کے آنے پر قرض دینے والا مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اگر مقروض ادا کرسکتاہے تو اس پر ادا کرنا واجب ہے اور اگر نہ کر سکے تو جتنا ادا کرسکتاہے اتنا ادا کرے اور باقی کے لئے اسے مہلت دی جائے کہ(...وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ ...)[136] اگر مقروض تنگ دست ہے تو جب تک وہ تنگدست ہے اس وقت تک ایسے (امکانی صورت میں) مہلت دینی چاہئے اور یہ بھی کرسکتاہے کہ جب تک جنس موجود ہے اور بیچنے والا بھی ضرورت مند ہے ، معاملہ کو ختم کردے۔

مسئلہ ۵۱۶: اگر معینہ مدت کے آجانے پر ونیے کی صلاحیت کے باوجود رقم ادا نہ کرے اور اگر مورد معاملہ جنس موجود ہے تو وہ معاملہ کو ختم کرسکتا ہے اور جنس واپس لے لے اور اگر موجود نہیں ہے اس کے مشابہہ یا قیمت روز واپس لے۔

مسئلہ ۵۱۷: اگر بیچنے والا خرید لے کہے کہ مورد معاملہ جنس نقد ۱۰ /تومان میں اودھار جتنی مدت زیادہ ہوگی ایسی اعتبار سے قیمت میں اضافہ ہوگا۔ اگر اس طرح سے ادھار معاملہ انجام پائے تو باطل ہے کیونکہ وقت کے مقابلہ قرار دادی مبلغ بہت زیادہ رکھا گیاہے اور یہ سود ہے (علامہ نراقی نے مستند میں اس فتوی کو اظہر اور اشہر جانا ہے چنانچہ متأخرین کی ایک جماعت نے کہا ہے اور قدما ء کے ایک گروہ نے جیسے شیخ طوسی نے مبسوط میں اور دیلمی، حلبی، ابن زھرہ، اورمتأخرین محقق، علامہ، شہید اوّل اور ثانی، فخر المحققین ، ابوا لعباس، مقداد اور آبی موافق ہیں اور بعض نے اس کی شیخ مفید، اسکافی، سید مرتضی اور قاضی کی طرف نسبت دی ہے اور معاصرین میں سے بھی سید ابوالحسن اصفہانی موافق ہیں)۔ اگر معین مبلغ پر

۱۳۵ ۔سورہ بقرہ، آیہ۲۸۲.
۱۳۶ ۔سورہ بقرہ ، آیہ ۲۸۰.

ادھار فروخت کیا جائے اور نقد اور ادھار مبلغ کی تعیین نہ ہو اور ادھار مبلغ نقد سے زیادہ ہو تو بھی ربا (سود) اور حرام ہے مگر ادھار میں قیمت کے بڑھا جانے پر مثلا یہ جنس میں ایک ارش رکھتی ہے اور ادھار مبلغ کی قیمت گھٹ جانے کی وجہ سے ایک دوسری اہمیت رکھتی ہو تو یہاں پر نقد پر اضافی مبلغ چونکہ زمانہ کے اعتبار سے تأخیر کرنے کے مقابلہ میں نہیں ہے، حلال بلکہ الزامی ہے ۔

مسئلہ ۵۱۸: ادھار یا سلف معاملات میں مورد معاملہ جنس کی کمی یا زیادتی کبھی مبلغ یا مال کے زمانہ کے لحاظ سے دیر کرنے کے مقابلہ میں ہے کہ بطور مطلق ربا اور حرام ہے اور کبھی قیمت کی زیادتی یا کمی میں زمانہ کا سرسے کوئی دخل نہیں ہوتا مثلاً گھر کی بطور سلف خریداری جس کا نقدیہ دیا جا چکا ہے۔ گھر کے سلفی مدت کے اعتبار سے کہ مثلاً ایک سال ہے مبلغ اجارہ کم ہوجائے گا اور باقی مبلغ ادا کیا جائے گا اور اس کے برعکس اگر یہ معاملہ نسیہ (ادھار) ہو کہ اس کی رقم ایک سال بعد دی جائے گی اور گھر نقد تحویل دیا جائے گا تو ایسی صورت میں گھر کا مبلغ اجارہ بڑھ جائے گا نیز مبلغ کے بڑھ جانے یا کم ہوجانے، یا مورد معاملہ کی کمی یا زیادتی کی صورت میں اس حساب سے حلال ہے اور اگر مبلغ یا مورد اجارہ لینے میں اخراجات درکار ہوں تو بھی مذکورہ بالا دو مورد کے مانند یہ اضافی مبلغ ربا (سود) نہیں ہے بہرصورت غیر سودی اضافہ جو زمانہ کے مقابلہ میں نہ ہو حرام بھی نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۱۹: اگر بستانکار معینہ مدت سے پہلے بعض مبلغ کو کم کرکے اپنی رقم کا مطالبہ کرے ، چنانچہ خود اس کی رضایت سے ہو نہ مدیون کے معاہدہ اور قرار داد کے مطابق تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن اگر مقروض باقی ماندہ مدت کے مقابلہ میں کسی مبلغ کے مطالبہ کرے تو یہ ربا(سود)اور حرام ہے جز مستقبل میں قیمت کے بڑھ جانے کی صورت میں۔

سلف

مسئلہ ۵۲۰: معاملہ سلف میں بھی نسیہ (ادھار) کی طرح مدت کا معین ہونا لازم ہے اور مجلس معاملہ میں پوری رقم بطور نقد ادا کرد ی جائے کہ اگر اس کے بعض حصہ کو ادا کرے اور بعض دیگر حصہ کو مستقبل میں معلوم یا مجھول چھوڑ دے تو یہ معاملہ صرف اس دی ہوئی رقم کے بقدر درست ہے اور بیچنے والا کلی طورپر معاملہ کو ختم کرسکتاہے اور اس معاملہ میں نقد قیمت کا کم ہونا ربا نہیں ہے بلکہ جنس تک رسائی نہ ہونے کی بنا پر یہ کم عادلانہ ہے جیسے یہ کہ کوئی کسی گھر کو ایک سال کے لئے خریداری کرے کہ قیمت نقد اور تحویل ایک سال بعد ہوگی تو یہاں پر صرف ایک سال اجارہ کی قیمت کو الگ کرسکتا ہے۔

جنس کا جنس سے : طرفینی ادھار معاملہ:

وہ معاملہ بھی جو طرفین کی جانب سے ادھار(اور فقہی اصطلاح میں '' جنس کا جنس سے '' اگرچہ فقہا کے فتوے کے خلاف ہے لیکن یہ معاملہ بھی صحیح اور درست ہے کیونکہ (اوفو ابالعقود) [137] کا کلی قاعدہ اس کو تمام معاملات کی معینہ شرائط کے ساتھ بیع لازم معاملات میں سےایک معاملہ ہے اس معنی میں کہ چند موارد کے علاوہ فسخ اختیار کا رکھتا ہے ، معاملہ کو باطل نہیں کرسکتاہے اور یہ موارد مندرجہ ذیل ہیں:

خیارات: معاملہ فسخ کرنے کے اختیارات:

۱۔ خیار مجلس

مسئلہ ۵۲۱: طرفین معاملہ جب تک نشت معاملہ میں دونوں ہی معاملہ کو فسخ کرسکتے ہیں کیونکہ نشست معاملہ کا تسلسل(اس صورت میں کہ معاملہ کو قبول یا رد کرنے کے سوا تفکر کی کوئی اور وجہ نہ ہو) اس بات پر گواہ ہے کہ ابھی دوست طرفینی رضایت حاصل نہیں ہوئی ہے کہ اگر نشت کا تسلسل معاملہ کے علاوہ کسی دوسرے حساب سے ہو تو یہاں پر پھر خیار مجلس نہیں ہے۔ اور معاملہ اپنی جگہ پر ثابت ہے او ر اگر مجلس معاملہ کے تسلسل میں دونوں ہی عاقلانہ اعتبارسے معاملہ کہیں تومعاملہ محکم اور مسلم ہے اور ہم نے فسخ کرنے کے اختیار کو ساقط کردیا اور یہاں پر بھی معاملہ اپنی جگہ پر باقی اور ثابت ہے لیکن اگر فسخ کرنے کے اختیار کا ساقط کرنا احمقانہ ہو تو اختیار فسخ مجلس عقلانی کے تمام ہونے تک باقی ہے

اورمجلس معاملہ اگر ٹیلیفون یا ٹی وی، ٹیلیگراف یا ٹیلیکس اور اس جیسے وسائل سے دور سے معاملہ انجام پا جائے جب تک یہ تینوں ارتباطی وسیلہ باقی ہیں حضوری مجلس کے حساب میں شمار ہوں گے اور جب طرفین معاملہ کے اختیار کا سلسلہ ختم ہوجائے (نہ کسی مجبوری سے) تو مجلس معاملہ بھی تمام ہو چکی ہے اورو بالآخر جوکچھ آیہ کریمہ(تجارۃ عن تراض منکم) اور چند روایات سے مستعاد ہوتاہے یہ ہے کہ طرفین معاملہ کو مکمل رضایت کے ساتھ مجلس معاملہ کو ترک کرنا چاہئے اور جلسہ معاملہ میں نہ دیکھنے کا حضور شرط ہے اور نہ ہی جسمانی بلکہ صرف کسی معاملہ کو مکمل رضایت کے ساتھ مجلس معاملہ کو ترک کرنا چاہئے اور جلسہ معاملہ میں نہ دیکھنے کا حضور شرط ہے اور نہ ہی جسمانی بلکہ صرف کسی معاملہ کا حضور لازم ہے۔ اور اس اصل کی بنیاد پر اگر مجلس معاملہ رضایت کے بغیر یا طرفین کے اختیار کے بغیر تمام ہوجائے اور معاملاتی نشت درہم برہم ہوجائے تو یہ خرابی کہ طرفین کی رضایت نہیں ہے ، معاملہ کو ثابت نہیں کرے گی اورکلی طورپر

---

[۱۳۷] سورہ مائدہ، آیت ۱.

جب تک رضایت طرفین کے معاملہ کی بنیاد درست حاصل نہ ہو تو معاملہ بھی یاد رہوا اور قابل فسخ ہے۔

۲): خیار غبن

مسئلہ ۵۲۲: اگر طرفین معاملہ میں سے کوئی ایک مغبون تھا تو جب باخبر ہوجائے معاملہ کو فسخ کرسکتاہے یا پھر راضی ہونے پر ارزش کی کمی کا مطالبہ کرسکتاہے اور اگر کسی عذر کے بغیر معاملہ کی طرف رجوع نہ کرے یہ خود اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اسی معاملہ پر راضی ہے اور اور اب معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں ر کھتا ، لیکن اگر معذور ہو تو فسخ کا اختیار بھی اسی طرح باقی ہے جب تک کہ معلوم نہ ہو کہ وہ اسی معاملہ پر راضی ہے یا نہیں او راگر غبن زیادہ بھی ہو تو ایسے معاملہ پر رضایت اس کو ثابت نہیں کرسکتی کیوں یہ خود سفاہت ہے، مگر یہ کہ کوئی عقلائی وجہ در کار ہو۔

۳): خیار شرط:

مسئلہ ۵۲۳: اگر طرفین میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی معاملہ میں کوئی شرط رکھیں اور اس شرط پرعمل نہ ہو تو ایسی صورت میں جس کی شرط پوری نہ ہوئی ہو، وہ معاملہ کو فسخ کرسکتاہے یا پھر اپنی شرط کا مطالبہ کرسکتاہے کہ امکانی صورت میں عملی ہو جز حرام شرط کے کہ ایسی صورت میں صرف اگر معاملہ اس شرط کی بنیاد پر ہوتو یہ معاملہ باطل ہے ؛ کیونکہ اس صورت میں بھی رضایت حاصل نہیں ہیں اور اگر معاملہ بھی دو بعدی ہو کہ اس کی مورد رضایت اور اس کی شرط حرام ہو تو اس شرط کو ترک کرنے سے درست ہے لیکن اگر اس کی شرط حلال ہو تو خلاف ورزی کرنے کی صورت میں فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

۴): خیار تدلیس:

مسئلہ ۵۲۴: اگر طرفین معاملہ میں سے کوئی ایک مورد معاملہ جنس کو حقیقت کے خلاف بتائے تاکہ اس کا مرضی کے خلاف یا اس سے مہنگا معاملہ کرے تو یہ عمل خود ہی شریعت مقدسہ کی نظر میں مکروفریب اور حرام ہے اور معاملہ کو بھی متزلزل بناتاہے۔

۵): خیار عیب:

مسئلہ ۵۲۵: اگر کسی ایسے معاملہ میں کہ جنس کے سالم ہونے پر موقوف ہے ، کوئی عیب رہا ہو اور طرف نہیں جاسکا تو وہ اطلاع ملنے کے وقت سے فسخ کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور بدون عذر تأخیر کی صورت میں کہ صاحب اختیار فسخ کی رضایت پر دلیل ہے اگر کوئی عاقلانہ معاملہ ہو تو معاملہ یقینی ہے اور سفایت وفادانی کی صورت میں یا بیچنے والے تک رسائی نہ ہونے کی وصورت میں فسخ کرنے کا

اختیار اسی طرح باقی ہے، البتہ جب تک طرف اس اختیار کو تحمل کرسکتاہو ورنہ اس کے علاوہ معاملہ باطل ہے کہ صاحب اختیار کی سفاہت اور طرف کے تحمل نہ کرنے کی بنیاد پرہے۔

۶): خیار تبعّض:

مسئلہ ۵۲۶: اگر مورد معاملہ جنس کا بعض حصہ معاملہ کے قابل نہ ہوتو یہاں پر طرف معاملہ کل معاملہ کو بعض دیگر حصہ میں معاملہ کو فسخ کرسکتاہے۔

۷): خیار روایت:

مسئلہ ۵۲۷: اگر جوکچھ طرف معاملہ اس وقت دیکھ رہاہے کہ وہ چیز نہیں ہے جو طرف نے تعریف اورتعیین کی تھی، خواہ اصولی طور پر کوئی دوسری ہی جنس ہو یا دیگر خصوصیات رکھتی ہو کہ معین شدہ اوصاف کے برعکس ہو مگر مورد معاملہ کے برابری یا بہتری یا زیادہ قیمتی ہونے کی صورت میں جز اس صورت کےکہ ان کا مقصد صرف وہی تعریف شدہ جنس ہو تو خریدار بہرحال فسخ یا انجام شدہ معاملہ پرراضی ہونے کا دونوں صورتوں میں اختیار رکھتاہے۔

۸): خیار تأخیر:

مسئلہ ۵۲۸: اگر معاملہ کے نقد ہونے کی بنیاد پر نقدی معاملات کی عرف میں معمول سے زیادہ مورد معاملہ کی تحویل میں تأخیر ہوجائے تو یہاں پر بھی طرف معاملہ اسی تأخیر کی وجہ سے معاملہ کو فسخ کرسکتاہے اور اگر تصریح کی گئی ہو کہ یہ مبلغ مجلس معاملہ میں ادا کیا جائے یا فلاں وقت میں تو یہاں پر بھی فسخ کرنےکا اختیار ہے اور صرف عرفی مہلت ان معاملات میں جاری ہے جو نقد کی بنیاد ہو لیکن نقد کا وقت معین نہ ہوا ہو اورعرف و عادت میں بھی یہ معاملہ نقد کے اعتبار سے ہو کہ چنانچہ بیچنے والا کو طرف جنس تحویل دینے میں تأخیر ہو تو خریدار معاملہ فسخ کرنےکا حق رکھتاہے اور اگر رقم میں تأخیر خریدار کی طرف سے ہو تو بیچنے والا فسخ کرنے کا حق رکھتاہے۔

۹): خیار حیوان:

مسئلہ ۵۲۹: اگر مورد معاملہ حیوان ہو تو حیوان کے سلسلہ میں تین دن تک معاملہ فسخ کرنے کا اختیار باقی ہے کہ حیوان کے بیچنے اور خریدنے والے اس مدت میں معاملہ کو فسخ کرسکتے ہیں اور اگر کسی حیوان بیماری کی حالت میں (طبعاً کم قیمت میں) اس حساب سے کہ ممکن ہے تین دن سے پہلے اسے ذبح کردیں تو ایسے موقعہ میں خیار حیوان درکار نہیں ہے کہ خریدنے کا مقصد تین دن سے زیادہ مدت تک اس کو رکھنا نہیں ہے۔

۱۰: خیار تعذر:

مسئلہ ۵۳۰: اگر طرفین معاملہ میں سے کوئی ایک معینہ مدت پر جنس تحویل نہ دے یا تحویل نہ لے سکے تو یہاں پربھی خیار فسخ ثابت ہے، اور ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ معاملہ فسخ کرنے کے لئے سارے اختیارات آیہ کریمہ (تجارۃ عن تراض منکم) کی بنیاد کہ ان تمام موارد میں یا سر ے سے رضایت حاصل ہی نہیں ہے یا پھر رضایت حاصل کرنے کے مخصوص حلال شرط کی ضرورت ہے اور ان تمام اختیارات میں چند مسائل ہیں۔
مسئلہ ۵۳۱: اول یہ کہ اگر اعاقلانہ حساب اور بررسی کے بغیر تمام اختیارات کو ساقط کردے تو یہ معاملہ سفیہانہ اور باطل ہے یا کم سے کم یہ سارے اختیارات اسی طرح کے ساقط نہیں ہوتے جبکہ طرف معاملہ بھی ان اختیارات کے ساقط کرنے کی صورت اس طرح معاملہ سے راضی ہو ایسی صورت میں یہ رضایت نہ صرف کافی نہیں ہے بلکہ معاملہ دوجہت سے باطل ہوجائے گا۔
مسئلہ ۵۳۲: اگر اس کا مبغون ہونے (دھوکہ کھانے) یا مورد معاملہ میں اسے فسخ کرنےکا اختیار نہیں رہ جائے گالیکین
یہ معاملہ احمقانہ ہونے کے لحاظ سے باطل ہے مگر یہ کہ جب مورد معاملہ جنس کے معیوب ہونے کو جانتاہو اور قہری طورپر جنس میں اس عیب کے ساتھ سستی قیمت میں خریدا ہوا ہو تو ایسی صورت میں معاملہ صحیح ہے۔
مسئلہ ۵۳۳: اگر معاملہ کرنے کے بعد مورد معاملہ جنس میں کوئی عیب نکل آئے چنانچہ معاملہ سے پہلے کوئی ربط نہ رکھتا ہو تو کچھ نہیں اور اگر عادی تگ ودو اور آٹومیٹک ایک واقعہ ہو کہ جنس میں معاملہ سے پہلے رہا ہو تو اس عیب کی بنیاد پر فسخ کا اختیار رکھتا ہے کہ کم سے کم وہی گذشتہ حالت کہ اس کے بعد یہ عیب ظاہر ہوگیا ہو کہ خود اس معاملہ سے پہلے پوشیدہ عیب ہے اگرچہ بیچنے والا بھی اس کو جانتا ہو۔
مسئلہ ۵۳۴: حق فسخ پر اطلاع سے پہلے (خواہ کسی علت سے ہو) مورد معاملہ جنس میں تصرف کیا کہ اس قیمت میں فرق کا باعث ہوگیا اس صورت میں جب سمجھ لے کہ وہ حق فسخ رکھتاہے، قیمت کے فرق کا مطالبہ کرے یا معاملہ کو و اپس کرے گا ، بالخصوص یہ کہ مورد معاملہ جنس اس طرح کے نقص کے ساتھ کہ تصرف کے زیر اثر پیدا ہوا ہو اصولی طورپر استعمال نہ ہو کہ اس صورت میں قیمت کے فرق کو ادا کرکے اصطلاح کرسکتاہے اور خریدار کی رضایت حاصل کرے۔
مسئلہ ۵۳۵: اگر مورد معاملہ زمین کے اوپر، ہوا میں یا دریا کی چیز ہے یا اصولی طورپر الکٹریک اجناس یا ہر قسم کے دوسرے آلات ہیں کہ اگر کوئی عیب ہے تو بعد میں معلوم ہوگا یہاں پر بھی اسی چند روز کے بقدر فسخ کا اختیار رکھتاہے یا کم

سے کم اگر کوئی عیب ظاہر ہوجائے تو اس کے بعد وہی سابقہ حالت کا معاملہ ایسے موارد میں بھی فسخ کا اختیار ہے بالآخر جوعیوب معاملہ کے وقت آشکار نہیں ہے اور معاملہ کے بعد سابقہ حالت کے معاملہ سے پہلے ظاہر ہوتاہے، اس قسم کے عیوب، کلی طور پر فسخ محقق ہوجائے گا۔ مثال کے طور پر کو آٹومیٹک گاڑی خریداری کی ہو کہ اپنے معمولی حساب کے مطابق ۱۰ فیصد کا م رکھتا ہو اور اسی طرح آٹومیٹک طور پر کام کرے لیکن کچھ مد ت کے بعد آخری معینہ مدت سے پہلے (کسی کو تاہی کے بغیر خریدار کی جانب سے نا پسندیدہ ہونے کی وجہ یا پوشیدہ عیب رکھنے کی وجہ سے بیکار ہوجاتاہے یہاں پربھی خیار عیب اسی طرح باقی ہے یا کوئی عمارت کہ ابھی کھڑی ہوئی ہے ظاہراً چند سال تک اسی طرح کھڑی رہے کہ اگر مقررہ مدت سے پہلے گرجائے، یہ خود ایسا عیب ہے کہ پوشیدہ تھا اورجبکہ آشکار ہوگیا فسخ کے موارد میں ہے۔

مسئلہ ۵۳۶: اگر بیچنے والا خریدار کو جنس خریدنے کی قیمت حقیقت کے خلاف بتائے اور خریدار بھی اسی بنیاد پر کچھ منفعت پر بیچنے والے کے موافقت کرلے ، لیکن مذکورہ قیمت اصلی قیمت سے کم ہو تو یہ معاملہ حرام ہے اور بیچنے والے نے جو زیادہ لے لیاہے اسے واپس کردینا چاہئے اور اگر خریدار بھی حقیقت سے باخبر ہوجائے یاجنس کو واپس کردے یا اضافی رقم واپس کردے۔

مسئلہ ۵۳۷: اگر کوئی جنس کسی کے اختیار میں رکھ دے کہ فلاں مبلغ میں بیچ دو اور بیچنے کے بعد جو اضافہ رقم ہو وہ اس کا ہوگا یہ خود ایک ایسا معاملہ ہے کہ دو ''وکالت'' سے مرکب ہے کہ طرف بیچنے کی وکالت رکھتا ہے اس معاہدہ اور قرارداد کے ساتھ کہ جتنا اضافی فائدہ ہو وہ اس کا ہوگا اور اس میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے اور خود وہ وکیل بھی حق رکھتاہے۔ یہ جنس معین شدہ مبلغ کو شامل ہوگا۔

موردمعاملہ عوضین کے شرائط:

مسئلہ۵۳۸: مورد معاملہ جنس کو حلال اور مقدور منفعت رکھنا چاہئے کہ اس بنا پر اس صورت میں کہ تمام یا اکثر فوائد حرام ہوں یا اس سے عام استفادہ کرنے کا امکان نہ رکھتا ہو تو یہ معاملہ احمقانہ اور باطل ہے ، مگر اس صورت میں کہ صرف حلال منفعتوں کی قیمت دی جائے اور حرام منافع سے استفادہ نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۵۳۹: اگر بیچنے والا جانتا ہو کہ خریدار اس حلال مال کو حرا م میں استعمال کرے گا۔ (اور اس بدتر کہ اسی قصد سے اس سے فروخت کردے تو بھی باطل ہے جیسے اس شخص سے انگور بیچنا جس کے بارے میں جانتا ہو کہ اسے شراب بنانے کے لئے خرید رہا ہے کہ خود گناہ میں تعاون کرنےکے نمونہ میں اور جن روایتوں نے اس طرح کے معاملہ کو حرام جاناہے آیہ کریمہ (... وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ

وَالْعُدْوَانِ...)[138] اور تمام آیات حرمت کے خلاف اور '' ثم'' (گناہ) ہر اس کام کوکہتے ہیں کہ انسان کہ اس کے واجبات سے دور کرے یا ان میں سے سست کردے یا پھر کسی حرام کام پر مجبور کرتاہے اور آپ پر ایسے شخص کو نہی از منکر کرنا واجب ہے۔ کہ شراب نہ بنائے پھر انگور جیسے شراب بنانے کے اہم وسیلہ کو کس طرح اس کے اختیار میں دے سکتے ہوکہ یہ عمل بھی گناہ میں مدد ہے اور نہی از منکر کا ترک کرنا بھی ہے ، بلکہ منکر انجام دینے کے لئے مرکزی وسیلہ ہے اور (مَّن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا)[139] جو بھی اچھی صلح و آشتی کرے تو اس کا فائدہ ہے اور بری ثالثی کرے تو اس کا بعض حصہ رکھتا ہے اور یہ خیر وشر ثالثی ایک مقدمہ کی طالب ہے کیا وہ انگور جو شراب بنانے میں استعمال ہوتاہے آپ بھی جانتے ہیں چہ جائیکہ اسی غرض سے اسے تم بیچتے ہو یہ خود شراب بنانے کے لئے مدد نہیں ہے ؟

مسئلہ ۵۴۰: ان تمام چیزوں کا بیچنا جس کا استعمال یا حرام کام انجام دینے کا وسیلہ ہے، جائز نہیں ہے اس کے باوجود ایسی نجس چیزوں کا بیچنا کہ ان سے حلال استفادہ ہوتاہے جیسے کود جائز ہے لیکن پاکیز ہ چیزوں کا بیچنا کہ یا حرام کا ایک وسیلہ ہے یا حرام کاموں کے انجام دینے کے لئے خریدا جاتاہے ، جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۴۱:اگر جس چیز کا معمولی مصرف حرام ہے اور اس کاحلال استفادہ نا چیز اور معمولی ہے اس شخص کو بیچو کہ جانتے ہو کہ اسے حلال میں استعمال کیا جائے گا تو ایسا معاملہ صحیح ہے جیسے وہ شراب کہ خریدار سے سرکہ میں تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتاہے جبکہ انگور اس شخص سے بیچنا جس کے بارے میں علم قوی ہو یاعادی گمان یاعقلائی احتمال رکھتے ہو کہ اسے شراب میں تبدیل کردے گا تو حرام ہے۔ بالآخر ہر خرید وفروش جس سے فعل حرام یا کسی واجب کے ترک کرنے میں مدد ہو حرام ہے۔

مجسمہ بنانا اور خرید وفروخت:

مسئلہ۵٤۲: وہ گڑیا جو بچوں کے کھیل کے لئے اور مجسمے جو زینت یا ہر حلال فائدہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کو بنانا اور ان کی خرید وفروخت حلال ہے جیسا کہ جنون نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بنایا تھا کہ (یعملون لہ مایشاءُ من محاریب و تماثیل...) ان کے جو کچھ انہوں نے چاہا محراب اور مجسمے بنا دیئے اس کا روشن نمونہ حیوانات اور انسانوں کے مجسمہ تمثال ہے جو چیز قرآن کریم کی نص سے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ کی خواہش تھی کہ جناتوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خواہش پر مجسمے بنائے اور حضرت علی علیہ السلام نے

---

۱۳۸ ۔سورہ مائدہ، آیہ ۲.
۱۳۹ ۔سورہ نساء، آیہ ۸۵.

مٹی سے پرندہ بنایا اور قرآن میں بھی حلال ہے مگر اس صورت میں کہ عبادت کے لئے بنائی اور سنواری جائے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آذر کی نسبت دعوت میں ہے (...مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ)(٤٠) تمثال کیاہے کہ تم لوگ اس کے لئے رکے رہے اور ان کی عبادت کے دالداہ ہوگئے؟''

ہاں، اسلام انسان اور حیوان کے چہروں کا مخالف نہیں ہے کہ ان چہروں کے تمثال کو بھی حرام کردے ،بلکہ انسان پرستی، حیوان پرستی، اور ہر قسم کی خدا کے علاوہ کی پرستش کا تمام چہروں کے ساتھ مخالف ہے۔ خواہ کسی مجسمہ کی صورت اور نقش رکھتا ہو یا نہ جیسے ہوس پرستی ، مقام پرستی اور اس کے مانند لیکن وہ مجسمے اور تصویریں جو انسان کی انسانی حرمت کو برباد کرنے اسے خاک میں ملانے، اس کی توہین کا موجب یا انسانی شہوت کو تحریک کرنے کا باعث ہوجائے، جیسے عریاں اور برہنہ یا نیم برہنہ اور بے حجاب عورتوں کی تصویریں اور مجسمے یا اسی طرح برہنہ ، نیم برہنہ رد کی تصویریں اور مجسمے جو تحریک کا باعث ہوں تو اس صورت میں فحشا اور منکرات کے باب سے حرام ہوگا۔

اگر اسلامی روایات میں جاندار کے مجسمہ کی خرید و فروخت اور اس کا بنانا حرام ہوگیا تو صرف اس لحاظ سے ہے کہ کہیں مورد پرستش واقع نہ ہوجائیں ؛ کیونکہ یہ روایات اس وقت صادر ہوئی ہیں جب لوگ تازہ شرک و بت پرستی سے نکل کر توحید اور اسلام کے گروید ہوئے تھے اور صرف اس ایمانی دور جدید ماحول میں شرک کی یاد مٹانے کے لئے ممنوعیت صادر ہوئی تھی نہ یہ کہ سرے سے یہ تصویریں ممنوع ہوں اور یہ سب بھی جو روایات میں وارد ہواہے قیامت کے ان مجسمہ ساز کو اس میں روح پھونکنے پر مجبور کرے گا اس کے بعد اس پر عذاب کریں گے۔ یہ خود جعلیات میں سے ہے ؛ قیامت کے دن مجسمہ ساز کو اس میں روح پھونکنے پر مجبور کرے گا اس کے بعد اس پر عذاب کریں گے، یہ خود جعلیات میں سے، کیونکہ یہاں تک کہ مشرک مجسمہ ساز بھی چہ جائیکہ مسلمان خدا کے مثل کے لئے مجسمہ نہیں بناتا اور نہ ہی اس طرح کی چیز بنا سکتا ہے، بلکہ اس سے مراد وہ ؟؟؟ ہے کہ اس کا معقول عکس العمل ہے اور اگر یہ علیل دلیل دورست ہوتو یہی سوال درختوں کا مجسمہ بنانے والوں سے بھی ہے کہ انہیں آمادہ کیا جائے تاکہ ان نباتی روح پھونکی جائے اور ہر قسم کا نیر اس طرح کا مطالبہ رکھتا ہو اور انسان کبھی کسی ایسے کام میں ہاتھ نہ لگائے کہ کہیں خالق کی طرح ہوجائے۔

بالآخر تمثال میں مثلث ہوتاہے کہ اس کی عبادت ضلع لازم ہے اور اس کا حترامی ضلع کے اسلاف کی یاد گار ہے، کہ احترام کے لائق نہیں ہیں بھی حرام ہیں اور اس کا آخری ضلع کہ حضرت سلیمان نبی علیہ السلام او ر حضرت عیسیٰ اور اس

کے مانند کی خواہش تھی، حلال ہے اور یہ سب ظاہراً انسان کی یا حیوانوں تصویریں تھیں کہ ڈرائنگ کی خوبصورتی میں اضافہ کررہی تھیں ، اگرچہ انسان کا مجسمہ بھی اگر دو گذشتہ ضلعوں سے خارج ہو، تمثال کا نمایاں نمونہ ہے، اور حرام نہیں ہے، بالخصوص جب اسلاف اور بزرگوں کی شائستہ ایمانی اور انسانی یادیں تازہ کرنے اور ان کی نمائش کرنے کی خاطر ہو تو بہت ہی مناسب ہے مجموعی طورپر اگر یہ حکمت علماء حضرات کی ذکر کردہ حکمتوں سے الگ ہو جس کے بارے میں انہوں نے فرمایا ہے کہ اس طرح کے کاموں سے خدا کے کام میں مثل بنانا ہے اور یہ حرام ہے ، اگر باتیں ودرست ہوں تو نتیجہ یہ ہوتاہے کہ انسان کے انجام دادہ اکثر امور اور وہ جو ایجادات کرتاہے سب کو حرام ہونا چاہئے مثلاً درخت کا ری بھی کہ جنگل کے مانند ہے اور پرندہ اور مرغیوں کے بچوں کو ڈھونڈنے والی گاڑی کہ حیوان کے پر کے مانند ہے اور ہیلیکوپٹر اور حیوائی جہاز نبلا کہ پروندوں کے مانند ہے اور اس کے مانند خلعی نمر نے سب کے سب حرام ہو خبر مجسمہ سازی اور اس کے مانند کہ خدا کی شبیہ اور اس کے مانند سے خیال سے ہو کہ ایسا مشرک بھی خیال نہیں رکھتا چہ جائیکہ موحد!کیونکہ کسی بھی مجسمہ سازی کا قصد خدا کے کام میں دخالت اور اس کے مانند کا تصور نہیں ہے ، صرف اور صرف اس کی فروخت اور پرستش حرام ہے۔

بیع شرط

مسئلہ ۵۴۳: بیع یا قطعی ہے جس میں بیع شرط کوئی مدت معین نہیں ہوتی یا شرطی ہے کہ مال کی فروخت ایک معین مدت سے محدود ہے مثلاً کوئی اپنا گھر دو سال کے لئے آپ کو قطعی بیع کی قیمت سے بہت کم مبلغ میں بیچتاہے کہ اس گھر آپ صرف اور صرف دو سال تک مالک ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اگر مدت پوری ہونے پر آپ کا مبلغ نہ دے تو آپ اگر اس کے قطعی مالک ہونا چاہئیں تو ہوسکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ گھر کی عادلانہ اور منصفانہ قیمت کا جو تفاوت ہواہے، اسے ادا کردیں ایسے معاملہ میں اصلی شرط یہ ہے کہ مورد معاملہ جنس کی قیمت معینہ مدت میں عادلانہ ہو نہ اصطلاح میں کلاہ شرعی کے عنوان سے کہ کروڑوں کی ملکیت کے گھر ایک سال کے لئے ایک لاکھ تومان میں خرید لے چنانچہ ادا کئے ہوئے مبلغ پر منفعت کو نظر میں رکھئے کہ معینہ مدت کے لئ کرایہ کے بدلہ ہو تو یہاں پر بھی ربا اور حرام ہے۔

مسئلہ ۵۴۴: بیع شرط بھی بیع قطعی کی طرح شرائط کی حامل ہے اور یہ بیع دو قسم کی ہے؛ یا گھر یا اس کے علا وہ کو مناسب مبلغ میں ایک معین مدت کے لئے خریداری کرتاہے کہ مدت پوری ہونے پر بدون چون وچرا اس کے مالک کو و اپس کرد ےگا یا یہ کہ جو مبلغ دیا جارہاہے چنانچہ معین مدت میں گھر کی ملکیت وغیرہ

کے مقابلہ میں چنانچہ مدت پوری ہوتے ہی مالک اپنی صلاحیت اور قدرت کی وجہ سے اس مبلغ کو واپس نہ کرے اور اس کی ادائیگی سے سرپیچی کرے تو خرید ار اس مال کا مالک ہوجائے گا۔ اگر مالک مبلغ ادا کرنے سے عاجز ہوتو خریدار کو مالک کے ادا کرنے کی توانائی پیدا کرنے تک انتظار کرنا چاہئے اور اس اضافی مدت میں ملک خریدار کے اختیار میں رہے گی۔اور ہر صورت میں اس ملک کی ارزش اور قیمت کی رعایت کی جائے۔

منجملہ بیع مشروط میں سے یہ ہے کہ مورد مقابلہ جنس سے استفادہ کو (عاقلانہ اورشرعی ہونے کی شرط کے ساتھ) مقید محدود کرے مثلا فلاں شخص سے نہیں بیچوگے اور فلاں مصرف میں استعمال نہیں کرو گے۔ اس کے مانند ہے اس کا کتاب کا فروخت کرنا جس کے چھانپنے کا حق مقید اور محدود ہے ، اس معنیٰ میں کہ کوئی مؤلف یا ناشر کی اجازت کے بغیر چھاپنے کا حق نہیں رکھتا اس بنیاد پر کتاب کا بیچنے والا اس شرط کے ساتھ بیچتا ہے کہ خریدار اسے نہ چھاپے، اور یہ خود مؤلفین اور ناشر کا ایک حق ہے کہ مؤلف شاید بعد کے ایڈیشن میں کتاب کے مطالب میں کمی اور زیادتی کرے، بالخصوص اعتقادی اور فقہی کتابیں یا مؤلف ، مصنف، اور ناشر کی کتاب کی تألیف اور اس کی نشرو اشاعت میں زحمتوں کے پیش نظر ہو کہ اگر کوئی دوسرا (جو نہ مؤلف ہو اور نہ ناشر) اسے چھاپے گا تو اس نے دونوں کے حق کو ضائع کیاہے اور ان کی زحمتوں اور کارکردگی کا مفت فائدہ اٹھایا ہے اور اگر کتاب کی قیمت اس طرح معین کرے کہ اس کی فروخت سے صاحبان حق کو نقصان پہنچائے او ریہ خود دو بعدی ایک قسم کا تجاوز کہ کبھی اسلامی عادلانہ اصول سے سازگار نہیں ہے۔

لیکن نشر ہونے والی کتاب مسلمانوں کے ضروری استفادہ میں شامل ہو اور مؤلف اور ناشر اپنے سے منحصر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ کتاب کی قیمت بھی گراں کردیتے ہیں اورعوام الناس کی دسترس سے باہر بھی کردیں گے ایسے موارد میں تحقیق و بررسی کرکے جامع الشرائط مجتہد کی اجازت سے اس کتاب کو ذخیرہ اندوزی اور گوشہ نشینی سے باہر نکالیں ایسے موارد میں مؤلف کو صرف اپنی کتاب پر تجدید نظر کرنے کا حق حاصل ہے اورعادلانہ طورپر حق التالیف کے عنوان سے مبلغ دریافت کرنے کا حق رکھتا ہے۔

احکام شرکت

مسئلہ ۵۴۵: اگر دو یا چند افراد کسی مالی مجموعہ میں شریک ہیں اگرچہ ہر ایک کی قیمت معلوم ہے لیکن اس کاخصوصی حصہ معلوم نہیں ہے اور اس مجموعہ(کمپنی) ادارہ وغیرہ میں شائع ہو چنانچہ ایک دوسرے کی مدد سے اس

مشترکہ راس المال سے کوئی معاملہ کریں اور تقریباً دونوں کی کارکردگی اورسرگرمی برابر ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنے مال شرکت کے فیصد کے اعتبار سے نفع اور نقصان لینے یا اٹھانے کا حق رکھتا ہے جس طرح خرید وفروش میں کوئی مخصوص صیغہ نہیں ہے شرکت بھی اس طرح ہے کہ صر ف اور صرف شرکاء کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی مراد شرکت ہے۔

مسئلہ ۵۴۶:سرمایہ کے حصہ میں عدالت کا مقتضیٰ شرعی تقسیم کے لحاظ سے نفع اور نقصان ہے اور جو معاملہ اور قرار داد بھی اس کے خلاف واقع ہوگی و ہ باطل ہے مگر اس صورت میں کہ بعض شرکاء کی اپنی زیادہ سے زیادہ ہو، اپنی سرگرمی اور رہنمائی کے اعتبار سے زیادہ نفع حاصل کرے اور کم سے کم نقصان اٹھائے۔

کام میں شرکت

مسئلہ ۵۴۷: جیسا کہ شرکت تمام سرمایہ یا کام میں ہے صرف سرمایہ میں ہے اور کام کسی اور کاہے یا کام اور نیر کے ساتھ اور سرمایہ کسی اور کام ہے بہرحال اس بنیاد پر کہ ایک شرعی اور عقلی عقد ہے، آیہ کریمہ(اوفو بالعقود) (140)کو شامل ہے اور صرف کام میں شرکت بھی اسی طرح ہے بشرطیکہ مفت خوری یا مفت کھلانے کا شکار نہ ہو کہ اگر چند آدمی کوئی کام ایک دسرے کے مانند یا آمدنی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہم آہنگ رکھتے ہوں اور اس طرح کے کام کی در آمد میں اپنے تقریبی کام کے فیصد کے لحاظ سے ایک دوسرے کے سا تھ شریک ہوں اگر کام کا فیصد ایک دوسرے کے برابر نزدیک ہو تو کوئی اشکال نہیں ہے (قدما میں سے اسکافی اور معاصرین میں سے آقا گلپائیگانی اور آقا منتظری اس فتوی میں موافق ہیں) اورچونکہ یہاں پر درمیان میں کوئی نص نہیں ہے اور ادعا شدہ اجماع بھی کسی کام کو آگے نہیں بڑھاتا تو پھر ایسی شرکت کی حرمت کا فتوی قابل قبول شرعی بنیاد نہیں رکھتا اور آیہ کریمہ(اوفو ا بالعقود) کی سو ۱۰۰ فیصد استغراقی نص کے خلاف ہے کہ اصطلاحاً الف و لام کے ساتھ جمع ہے اور چونکہ '' ا وفوا'' کے مخاطبین مسلمان ہیں اور '' العقود'' سے مراد ایمان کی بنیاد پر معاملاتی معاہدہ اور قرار داد ہے۔

مسئلہ ۵۴۸: شریک پر ہر قسم کی شرکت میں شرکت کے تمام شرعی اور عقلی قرار داد اور معاہدہ میں عمل کرنا واجب ہے اور ان میں سے ہر ایک سے سرپیچی اور کسی ایک کی بھی خلاف و رزی شرکت سے جدائی کا موجب ہوگی مگر یہ کہ سارے کے سارے شرکاء اسے معذور سمجھیں۔

مسئلہ۵۴۹: شرکت ہر قسم میں جیسے ذاتی خرید و فروخت ایک لازم اور اٹوٹ معاملہ ہے مگر یہ کہ شرکت کی مدت پوری ہوگئی ہو اور شرکاء بھی شرکت کی تجدید

---

[۱۴۰] سورہ، مائدہ آیہ۱.

میں موافقت نہ کریں یا معین شرعی فرائض کی انجام دہی شرعی فرائض شرکت کے باقی رکھنے کا امکان نہ ہو ۔
مسئلہ ۵۵۰: بعض شرکاء شرکت کے مشترک سرمایہ سے شخصی اور ذاتی معاملہ کرنے کا حق نہیں رکھتےجس طرح مکان شرکت میں بھی اپنے ذاتی سرمایہ سے اپنے لئے کوئی معاملہ کرنے کا حق نہیں رکھتے مگر باقی شرکاء کی رضایت سے کہ دونوں صورت میں جائز ہے۔
مسئلہ ۵۵۱: اگر بعض شرکاء یہ معین کریں کہ اپنے حق سے زیادہ نفع حاصل کرنے اور کم سے کم نقصان اٹھانے کی شرط کریں تو یہ کمی اور زیادتی زیادہ سے زیادہ سے سعی کوشش اور ان کی فکر اور ان کےکام کی اہمیت کے مقابلہ میں زیادہ نہ ہو تو مفت خوری اور باطل ہے ۔

مضاربہ کے احکام

مسئلہ ۵۵۲: '' مضاربہ'' کسی دوسرے کے مال اور کسی دوسرے کے اس مال سے کام کرنے کے درمیان شرکت ہے کہ تمام عقود اور قراردادوں کی طرح (اوفو بالعقود) کو شامل ہے اور صحت قرار داد کے عمومی شرائط کے ساتھ درست ہے۔
مسئلہ ۵۵۳: چونکہ جو مال دیا جاتاہے اس کی دین اور قرض کی حالت ہوتی ہے بنابراین لینے والا اس مال کا اصلی مالک نہیں ہے صرف اور صرف مالک کی طرف سے ایک وکیل ہے کہ وہ اس امانت کے ساتھ تجارت کرے اس لحاظ سے طرف مقابل کی امانت داری اورکام کے بارے میں معلومات یقینی ہو۔ اور مضاربہ کی مدت بھی معین ہو اور منفعت کا فیصد بھی معین ہو اور اس لحاظ سے کہ یہ مال حلال کاری ہے غیر ضروری ، مردہ اور نمونہ اورجو کام اس مال کی بنیاد پر ہو رہاہے ایک زندہ ضروری اور حاضر کام ہے اس اصل کی بنیاد پر کام کرنےوالوں کا فائدہ حاصل کرنا (عموماً) زیادہ سے زیادہ اور نقصان کا حصہ کلی طور پر منفی ہوگا۔
یہ مضاربہ کا مال کا خود کار گزار کے ہاتھ میں ایک قسم کی امانت ہے اولاً امانت داری کی نیت سے اپنی صلاحیت اور طاقت کے بقدر اس کی حفاظت کرے اور ثانیاً: اس مال سے جو کام کرنا چاہتاہے اس کے بارے میں علم اور تجربہ ہو ورنہ ان دونوں صورتوں کے علاوہ مضاربہ باطل ہے مضاربہ کا اصل مال بھی مضاربہ کے صحیح ہونے کی صورت میں بہر صورت صاحب مال سے مربوط ہے اور ان شرائط کے علاوہ صورت میں یعنی صاحب مال کے کار گزار کے بارے میں جانکاری ہونے کی صورت میں مضاربہ کے باطل ہونے کے باوجود مضاربہ اور تلف سب کار گزار کے ذمہ ہے باوجودیکہ قانون مضاربہ طرفین کا منفعت میں مشترک ہونا ہے۔
اس فیصد کے اعتبار سے جو ان دونوں نے خود اپنے درمیان معین کیاہے اگر

مضاربہ کے ضمن میں کوئی مصالحت ہوجائے کہ صاحب مال یا طرف مقابلہ ایک معین منفعت میں شریک ہوگا تو اس صورت میں کہ یہ مضاربہ کچھ اس طرح انجام پائے کہ طرفین میں سے کسی کے لئے مفت خوری اوردھوکہ دھڑی ثابت نہ ہو تو (اوفوا بالعقود) کے مقتضیٰ سے (خواہ مضاربہ کے ضمن میں ہو یا اس کے بعد) صحیح ہے یا یہ کہ اگر مضاربہ مصالحت کے بغیر ہو اور صاحب مال منفعت کا زیادہ حصہ اپنے سے مخصوص کرےیا کار گزار مضاربہ میں اس طرح کی قرار داد رکھتا ہو تو بہر صورت مفت خوری کے عنوان سے قابل مذمت اور باطل ہے اور مجموعی طور پر لاشعوری اور لاعلمی میں ہونے والے تمام جزئی اور کلی نقصانات امانت داری اورکار دانی کی شرط سے صاحب مال کے ذمہ ہے اوربس بالآخر مضاربہ اور صلح میں تمام معاملات کی طرح تمام دھوکہ دھڑی اور شرعی جواز اور مظالم ، مفت خوری او رمفت کھلانا سب قابل مذمت ہے اور قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ اسلام کام، سعی و کوشش ، جدوجہد اور ایمانی رضایت کا دین ہے۔

نہ مفت خوری، کلاہ گزاری، دھوکہ دھڑی اورفریب کاری کا ایک گروہ اسے اسلام کے نام پر انجام دیتاہے ۔ مضاربہ میں صرف طرفین میں سےہر ایک کافیصدی نفع فائدہ ہونے کی صورت میں ہے کہ لاشعوری نقصان کی صورت میں صرف صاحب مال کے ذمہ ہے، جبکہ نہ کوئی نفع ہے اور نہ نقصان ان میں سے کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

چنانچہ طرفین مضاربہ میں اپنا اپنا فیصد معین کرنا چاہیں تو تمام عاقلانہ کے جوانب مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے جائز ہے۔

جعالہ

مسئلہ ۵۵۴: جعالہ بھی دیگر تمام قراردادوں اور معاہدوں کی طرح ’’ اوفوا بالعقود‘‘ میں شامل ہے اور تمام قرار دادوں کے عمومی شرائط رکھتاہے اور آیہ کریمہ(... لِمَن جَاء بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ...)[141]جو شخص بھی بادشاہ کا زریں پیمانہ لے آئے تو اونٹ پر لدے گیہوں اس کے ہیں ‘‘ یہ خود ایک مستقل عقد ہے نہ بیع ہے، نہ اجارہ اور نہ ہی دیگر تمام عقود لیکن شرعی اعتبار سے ان (عقود) کی طرح لازم الوفاء ہے مگر یہ کہ فسخ کرنے کا ایک عاقلانہ حق درکار ہوا ہے کہ اگر کام شروع ہونے سے پہلے ہو تو طرفین کی طرف سے کسی شرط کے بغیر قابل فسخ ہے ۔ لیکن کام شروع کرنےکے بعد ہرگز قابل فسخ نہیں ہے۔ اگر کار گزار بررسی اور عمل میں مشغول ہوگیا ہو، چنانچہ صاحب مال فسخ کردے تو اسے ایک مناسب اجرت دے اور اگر کار گزار (عامل) فسخ کرے تو کوئی حق نہیں رکھتا جز اس عذر کی صورت میں جس کی

---

[141] ۔سورہ یوسف،آیہ۷۲۔

پیشنگوئی نہیں کرتا تھا۔
اور '' اوفوابالعقود،، کے عموم کے پیش نظر اور بالخصوص '' لالمن جا بہ حمل بصیر،،یہ قرار اس صورت میں کہ درست انجام پائے تو لازم الاجراء ہے کہ قرارداد کرنے والے نے جو قرار داد کی ہے اپنی خواہش پوری ہونے کے بعد اس پر عمل کرے اور طبعاً جو عمل اور کام معین کیاہے اس کے لئے اور طرف کے لئے حلال اور مفید نہ ہونہ حرام اور بے فائدہ۔
مسئلہ ۵۵۵: قرار داد میں جس چیز کو معین کیا گیاہے وہ معلوم ہونا چاہئے ورنہ اس کے علا وہ اس کا معمولی حق الزحمۃ ادا کرے یا اگر معلوم ہو کہ اس کی ادا کی ہوئی رقم کس حد تک ہے اور طرف بھی جانے (خواہ کام سے کم ہویا زیادہ اس کے برابر) تو ایسا معاملہ درست ہے جز اس صورت میں کہ احمقانہ ہو کہ مثال کے طور پر وہ کہے کہ اگر کوئی میرا یہ مال ڈوبنے سے بچا لے گا تو میں اسے ۱۰۰/تومان دوں گا کہ نا چیز ہے یا کوئی بھی دوسری نا چیز شئی معین کرے تو ایسی قرار داد کا قبول کرنا سفیہانہ ہے ہاں اگر قرار داد کرنے والا مالی توانائی نہ ر کھتا ہو اور طرف قرار داد اور معاملہ اس عمل میں قربت اور متبرع کا قصد کرے۔
مسئلہ ۵۵۶: اگر عامل(کام کرنے والا) فسخ کے اختیار کی صورت میں کچھ کام کردے تو طرف معاملہ اس صورت قرارداد کو فسخ کرسکتاہے کہ اس کی موافقت کے مطابق اس کے بقدر اسے اجرت دے اور وہ قبول بھی کرے اور اگر عامل اسے ناتمام چھوڑنا چاہئے تو اس صورت میں اسے ایسا کرنے کا حق ہے جب یہ نقص توافق کے علاوہ طرف مقابل کہ کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ مثلاً آپریشن کو ادھورا چھوڑ دے اس لحاظ سے طرف مقابل کو خطرہ لاحق ہوجائے کہ یہاں پر دو اصل لزوم عقد اور فسخ کے نقصان کی روشنی میں امکان کی صورت میں کام کو آخری حد تک پہنچانا واجب ہے۔اور زیادہ اجرت کا مطالبہ کرنےکا حق نہیں رکھتا مگر یہ کہ معلوم ہو کہ معین شدہ مبلغ اور اس طرح کے عمل کی معمولی اجرت سے بھی کم ہے تو لازمی طور پر اس کام کو تمام کرے گا اور اپنا عادلانہ حق مانگنے کا حقدار ہے۔
مسئلہ ۵۵۷: اگر معین کام کو نا تمام اور ادھورا رکھنا طرف معاملہ کے لئے ضرر رکھتا ہو نہ کسی قسم کا کوئی فائدہ تو نا تمام ہونے کی صورت میں اس کام کو سر نو شروع کرنا چاہئے۔
یہاں پر اگر عامل شرعی عذرکے بغیر اپنا کام ادھورا چھوڑ دے تو وہ مالک پر ہرگز کوئی حق نہیں رکھتا، کیونکہ اصل قرارداد کام تمام کرنے سے متعلق تھی اور اگر قابل تقسیم ہو بھی تو انجام دیا ہوا حصہ مذکورہ فرض کی روشنی میں بہت کم اور معمولی ہے اور معین اجرت میں سے کسی سہم کا حق نہیں رکھتا لیکن اگر یہ ادھورا

کام اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے بعد شروع کرکے اسے تمام کرے جیسے کوئی بلڈینگ کہ اسے محکم بنانے کو مکمل کردیاہے اور نصف کام کو چھوڑ دیا ہو یا پلاسٹر کہ کچھ دیوار کو پلاسٹر کردیا ہواور باقی کو چھوڑ دیا ہو اس طرح کے کاموں میں مزدور اور معمار کا متعارف حق ادا کرنا چاہئے۔

مزارعہ اورمردہ زمینوں کو زندہ کرنا

مسئلہ ۵۵۸: مزارعہ کھیتی باڑی میں شرکت ہے کہ زمین کسی اور کی او ر اس سے استفادہ اور کھیتی کسی اور کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی زمین کی نسبت اولویت رکھتا ہو کہ اس نے اس زراعت کے لئے آمادہ کر رکھا ہو اور اسے آباد کیا ہو اس کے بعد اس سے استفادہ کرنے کے لئے کسان اور زراع کے حوالہ کردے تو ایسی صورت میں عقد مزارعہ معنی رکھتا ہے لیکن اگر زمین سے متعلق اولیت نہ رکھتا ہو اور نہ ہی زراعت کے لئے آمادہ ہو صرف طاقت کے بل بوتے زمین کو اپنے سے مخصوص کرلیا ہو اور اب قبالہ حاصل کرنے کے سوا کوئی کام کئے بغیر اس زمین سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ ایسا حق ہرگز نہیں رکھتا۔ اور اگر حق اولویت رکھتا بھی ہو پھر بھی زیادہ منفعت زارع سے مخصوص ہے نہ صا حب زمین سے اور اگر مضاربہ میں مالک کا سہم عامل سے کم ہو تو یہاں پربھی مزارعہ میں زمین کے مالک کا حصہ مضاربہ میں مالک کے سہم سے کم ہے اور عامل کے سہم بہت زیادہ ہے ، کیونکہ صاحب مال کی کوشش کا جلوہ ہے اور یہاں پر زمین صاحب کا جلو ہ نہیں ہے صرف زمین پرجو سرمایہ گزاری کا ہوئی ہے یا اس میں کا کیا ہے اسی حد تک زراعت کی آمدنی سے استفادہ کرسکتاہے اور بس کی اصولی طور پر زمین کسی اور کی ملکیت نہیں ہوسکتی ، کیونکہ (ان لیس للانسان الا ما سعی) کی بنیاد پر انسان کی اختصاصی در آمد صرف اس کے کام کرنے اور کوشش کے نتیجہ میں ہے کہ وہ اپنے کام کے بقدر اس سے ا ستفادہ کرے گا اور اصل زمین کسی کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے صرف زمین پرجو اس نے سرمایہ گزاری کی ہے یا جو اس نے کام کیاہے ، اس کا حق بنتاہے کہ یہ خود اس میں زراعت کرے یا اگر مزارعہ پردے دے تو اس کا استفادہ زارع اور کھتیی کرنے والے سے بہت کم ہوگا۔ جیسا کہ مضاربہ کے باب میں معین حصہ درکام نہیں تھا بلکہ آمدنی سے عادلانہ فیصد تعیین ہونا چاہئے ، یہاں پر بھی صرف زراعت کے منافع سے فیصد زمین کے مالک کے لئے معین ہوگا نہ کوئی معین مقدار کہ ا س کے عادلانہ حق سے بیشتر ہے۔

یہاں پر بھی تمام معاملات کی طر ح مدت معاملہ معین ہونا چاہئے ورنہ نقصان اور دھوکہ کا معاملہ ہے۔

مسئلہ ۵۵۹: اگر صاحب زمین کھیتی کرنے والے سے شرط کرے کہ فلاں معین

مقدار کا شت کی گئی ہے جنس سے اس سے مخصوص ہے اور با قی فیصد کے اعتبار سے تعیین شدہ کو تقسیم کریں ۔ یہ قرار داد باطل ہے مگر اس صورت میں جب یہ معلوم ہو کہ مفت خوری در کار نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۶۰: قرارد اد تمام ہونے کے بعد اگر زراعت کی جڑیں آئندہ سال کے لئے باقی رہ جائیں اور دوبارہ سبز ہو کر پھل دیں جبکہ قرارداد اس کو بھی شامل ہوتو ا سی کے مطابق عمل کیا جائے اور اگر لفظی اعتبار سے قرارداد اس کو شامل نہ ہو جبکہ عرفاً اس میں شامل ہو تو بھی ایسا ہی ہے اور ان دونوں صورتوں کے علاوہ سال یا سال کے بعد کے محصولات مالک سے مخصوص ہوں گے بجز اس صورت کے کہ یہ اختصاص مفت خوری شمار ہو کہ یہاں پر بھی زارع شریک ہے یہاں تک کہ اگر قرار داد میں بعد کے سالوں میں اس کا حق سلب ہوجائے۔

اگر عادلانہ نہ ہو تو صحیح نہیں ہے بہر صورت مفت خوری یا مفت کھلانا دونوں ہی معاملات کے تمام ابعاد و جوانب میں ممنوع اور قابل مذمت ہے کہ (وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ)[142] ہرگز قابل استثنا نہیں ہے۔

اور بالآخر زمین تمام دریاؤں، پہاڑوں، جنگلوں، معادن(کانوں) اور تمام چیزوں کے ساتھ کہ ہرگز کسی کی سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں ہے، ہر گز کسی شخص یا گروہ کا مال نہیں ہوسکتا۔ صرف تجہیز(گھیرنے) ،احیاء اور تعمیر تینوں صورتوں میں معمولی حد میں اسے حق اولویت حاصل ہے نہ مالکیت (جیسا کہ بعض علمائے شیعہ اور اہلسنت میں امام شافعی بھی اس کے ملک نہیں جانتے) کہ اگر اس زمین کو کہ آپ کے استفادہ کے لئے تھی، ترک کردو یا اس کی تمہیں کبھی ضرورت نہ رہ جائے یا پھر اس سے استفادہ کا امکان نہیں رکھتے ایسے موارد میں بھی اس زمین کو آپ بیچنے یا کرایہ پر دینے کا حق نہیں رکھتے صرف اس زمین پر کئے ہوئے کاموں کی ارزش یا جو اس میں اموال پر خرچ ہوئے ہیں اس کوو اپس لے سکتے ہیں کہ جو بھی تمہارے گذشتہ کے مانند اس زمین کی ضرورت رکھتا ہے اس زمین میں تمہاری تمام کوششوں کی ارزش ادا کرکے عادلانہ طریقے سے تمہاری طرح اپنے استعمال میں لاسکتاہے۔

یہاں پر زمین خوروں کا ہاتھ تمام مفت خوروں کے زمرے میں دوات کی ظالمانہ زیاتی سے کوتاہ اور خالی ہوگیاہے صرف اورصرف شائستہ کوشش ہے جو اس سعی و کوشش کرنے والوں کے لئے ایک حق مقرر اور حلال کرسکتی ہے۔

بالآخر اس قصر کا غلط اور نا مناسب طبقاتی عمارتوں کا فاصلہ (ان لیس

١٤٢۔سورہ بقرہ ، آیہ ١٨٨۔

للانسان اِلاّ ما سعیٰ) کے تحقق پانے سے گر جاتاہے اور ہر شخص اپنی کوشش اور تلاش کی روشنی میں خواہ قیمتی، فکری، زبانی، قلمی، علمی اورجسمانی کوششوں سے حلال اور مناسب آمدنی رکھ سکتاہے اور تمام ظالمانہ مفت خوری یا حق بجانب اور شرعی جواز(کلاہ شرعی) کا راستہ بند ہوجائے گا اور بے حد و حساب طبقاتی فاصلہ کام اور کام کی اہمیت اور لیاقتوں کی بنیاد پر عادلانہ فاصلہ اس کی جگہ لے لے گا چون کاموں کی ا ہمیت اور کار گزاروں کی صلاحیتیں اور زراعت کا نتیجہ یا ان کا ہر دوسرا کام یکساں نہیں ہے تو طبعاً ان کی آمدنی بھی یکساں نہیں ہوگی۔

یہاں پر شریعت مقدسہ الہی نے ان فقراء کے لئے جن کی عادلانہ آمدنی ان کی زندگی کی ابتدائی ضرورتوں کافی نہیں ہے دوسروں کے اموال میں ان کا شائستہ اور عا دلانہ حصہ قرار دیا ہے کہ یا خمس و زکوۃ کے عنوان سے یا صدقات اور کفارہ ان کے عنوان سے ان کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم کیا جائے اور اگر یہ مالیات جو معین فیصد میں ادا کی جاتی ہیں مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی گڑھوں کو پر کرنے کے لئے کافی نہ ہوں تو یہاں پر (...وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبيِّنُ اللّهُ لَكُمُ الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ)[143] بالواسطہ مالیات کی راہ کھول دی ہے کہ '' تم سے سوال کرتے ہیں کہ کس حد تک انفاق کریں تو کہو ''العفو'' کہ اس کے ایک معنی اسلامی معیاروں کی حفاظت کےساتھ معمولی اور عادی اخراجات سے باقی ماندہ مبلغ ہے اور اس بات کی تفصیل اسلامی، عادلانہ اقتصاد سے متعلق کتاب '' مفت خوران'' ، ''فقہ گویا''، ''تفسیر الفرقان''، ''ترجمان القرآن'' اور '' تبصرۃ الفقہاء'' میں لکھ دی ہے۔

ہم یہاں پر اس مفصل بحث کے ایک گوشہ کی جانب اشارہ کررہے ہیں کہ آیہ سعی کی روشنی میں صرف سعی وکوشش ہی ہے جو شرعی لحاظ سے ارزش اور استحقاق بخشتی ہے اور تمام واجبات ادائیگی دیگر استحقاق کی بنیاد پر ہے کہ نتیجتاً مسلمانوں کی زندگی کی توانائی کا بخوبی کار آمد نہ ہو نے میں خلل واقع ہوگیاہے تو ایسی صورت میں بیت المال سے بعض حصہ کا مستحق اور سزاوار ہے۔

مسئلہ ۵۶۱: آیہ کریمہ (هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاء فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)[144] (وہ خدا ہے جس نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کے لئے خلق فرمایا ہے ''ما فی الارض جمیعاً لکم جمیعاً'' ہے زمین اور زمین کی تمام چیزیں اس قرار داد الہی کی روشنی میں سارے کا سارا سب کے لئے ہے اور کسی ایک سے مخصوص نہیں کیونکہ اختصاص اور خصوصیت صرف اور صرف ان اموال میں ہے جو شخصی سعی و کوشش یا ذاتی استحقاق کا نتیجہ ہو اگر اگر رسول اکرم سے منقول صحیح خبر میں ہم ملاحظہ

[۱۴۳] ۔سورہ بقرہ ، آیہ۲۱۹.
[۱۴۴] ۔سورہ بقرہ، آیہ ۲۹.

کرتے ہیں کہ '' من احیی ارضاً فَهِیَ لہ'' (145) جو شخص کسی زمین کو زندہ کرے وہ زمین اس کی ہے ''۔ملکیت کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ کرایہ کا مکان بھی مستاجر کے لئے ہے لیکن اس کی ملکیت نہیں ہے اور اگر '' اس کے لئے'' کے اطلاق سے بھی خصوصیت استفادہ کا امکان ہو تو آیہ کریمہ(ان لیس للانسان الا ما سعی) میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ اصل زمین کسی کی کوشش اور تلاش کا نتیجہ نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتی صرف جو اس نے زمین میں کام کیاہے یا اس پر جو رقم خرچ کی ہے وہ کام کرنے اور صاحب مال کی ہے اور بس اور آیہ کریمہ (هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاء فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (146)) نے زمین کی مالکیت کو تمام لوگوں کے درمیان مشترک طور پر قرار دی ہے اور اشخاص کے لئے زمین کی ملکیت اس الهی جعل اور قرار داد کے خلاف ہے ۔ چونکہ زمین سب سے متعلق ہے اور ہر شخص اپنی ضرورت اور کاروکوشش کے بقدر حق رکھتا ہے کہ اس کے بعض حصہ کا اپنے سے مخصوص استفادہ کرے اور کوئی شخص بھی اپنی ضرورت سے زیادہ اس سے استفادہ کرنے کا حق نہیں رکھتا اور دوسروں کو مورد ضررت کے بقدر زمین نہ رکھتا ہوتو یہ حق اولویت بھی کہ زمین کو زندہ اور احیاء کرنے کی وجہ سے رکھتا تھا اب نہیں رکھتا صرف کام کی ارزش اور اس نے جو مال ضرورت سے زیادہ خرچ کیاہے ، لے سکتاہے اور زمین ضرورت مندوں کے حوالہ کردے اور اگر یہ ضرورت مند اس مبلغ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جانا چاہئے تاکہ ہر صاحب حق کو جیسا کہ ضروری ہے اور ہونا چاہئے وہ حق اسے مل جائے۔ اس کے علاوہ ان زمینوں کے احیاء سے ایک مناسب اور عادلانہ حق زمینداروں کی ضرورت کے علاوہ محرومین کے لئے معین کیا جائے۔

مسئلہ ۵۶۲: اگر قناۃ ، چشمہ، کنواں یا پانی نکالنے یا کسی قسم کا راستہ نکالے، یا دریا اور ندی سے کوئی راستہ نکالے تو صرف اپنے خرچ کے بقدر ان پانیوں میں حق اولویت رکھتا ہے اور اس کے مصرف سے اضافی پانی اس سے مخصوص نہیں ہے کہ اگر کوئی ضرورت مند اس اضافی پانی سے استفادہ کرنے کی درخواست کرے تو اسے اس پانی کو اس سے بیچنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ پانی اس کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے اور سب کا مال ہے صرف پانی نکالنے سے متعلق اخراجات کو لینے کا حق رکھتاہے اور بس نیز اگر اس نے دریا سے اپنی ضرورت سے زیادہ (خواہ خودمچھلی کو یا اس کی قیمت) مچھلی کا شکار کیا تو یہ اضافی چیز بھی اس کی ملکیت نہیں ہے اور حق الزحمۃ کے مقابلہ جو کچھ اس کی ضرورت سے زیادہ ہے

---
۱۴۵ ۔وسائل الشیعہ، باب ۱ ازکتاب احیاء الحوادث ، حدیث ۵.
۱۴۶ ۔سورہ بقرہ، آیہ ۲۹.

عادلانہ اجرت کے مقابلہ میں دوسروں کے حوالہ کردے نہ اس کو بیچ دے مثال کے طور پر اگر ایک کیلو مچھلی ہزار تومان قیمت کی ہو تو صرف ۱۰۰ تومان یا کچھ زیادہ یا کم مچھلی پکڑنے کی اجرت کے عنوان سےلے سکتا ہے۔
مسئلہ ۵۶۳: زمین میں حق اولویت کا تین مرحلہ ہے کہ سب سے پہلا تجہیز (دیوار کھڑی کرنا) زراعت جیسی چیزوں میں دیوار کھینچنے کا مطلب زراعت کے حدود کی تعیین کرنا ہے نہ رسمی کوئی دیوار جس طرح گھروں اور اس کے مانند کے لئے ہے)۔
اس کے بعد تعمیر یعنی استفادہ اور استعمال کے قابل بنانا اور اسے آباد کرنا ہے اور آخر میں احیاء زندہ کرنا ہے کہ استعمال کرنے کی حالت ہے خواہ زراعت ہو یا عمارت یا ان کے مانند اور یہ اولویت ان مرحلوں میں درجات کی حامل ہیں کہ اس سلسلہ میں اختلاف کے باوجود کہ ان میں سے کوئی بھی ملکیت کا باعث نہیں ہوں گی، برابر ہیں۔
مسئلہ ۵۶۴: تمام ترجیحات اور اولویت کسی زمین میں سعی و کوشش کرنے کی وجہ سے کوشش کرنے والوں سے مخصوص ہوجاتی ہے صرف کوشش کرنے والے کی ضرورت کے بقدر ہے اور بس دوسروں کے لئے اور ضرور ت سے زیادہ کام کرنے والے اور عامل کے حکم میں ہے مگر اس صورت میں کہ زمین کی نسبت ضرورت اور تقاضا اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہو اور یہ کوشش اس گروہ کی کوششوں کی طرح ہے جن کے اموال دریا میں غرق ہوگئے ہوں کہ ہر شخص اپنی اپنی کوشش کے بقدر اپنا مال حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے اور اگر کسی غیر نے کسی دوسرے کا مال باہر نکالا ہے تو اس مال کے مالک سے وہ صرف اپنی عادلانہ اجرت لینے کا حق رکھتاہے ہاں اس کے درمیان جو فرق ہے یہ ہے کہ یہاں پر اگر صاحب مال نے آپ کو اس طرح کی اجازت نہ دی ہو تو آپ معین اجرت کا بھی حق نہیں رکھتے اور اس کام کی اجرت لئے بغیر (عادلانہ اور معمولی اجرت پر) اس مال کو اس کے مالک کو واپس کر دیں۔ لیکن زمین اور زمین پر ہونے والی چیزوں سے اپنی کوششوں کی بنا پر اپنی ضرورت سے زیادہ استفادہ کرگئے تو دوسرے لوگ اضافی مقدار کو آپ سے لینےکا حق رکھتے ہیں کہ آپ کا حقیقی اجرت ادا کردیں، کیونکہ (ان لیس للانسان الا ماسعی) نے کوششوں کا نتیجہ قرار دیاہے اس اصل کی بنیاد پر ان لوگوں کے لئے کیا معنی رکھتا ہے جنہوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے کبھی کوئی کوشش ہی نہیں کی ہے اور تمہارے ساتھ شریک ہوں؟۔
سود

مسئلہ ۵۶۵: ربا (سود) لغت میں بے جانفخ اور اندر سے خالی کے معنی میں ہے اور اقتصادیات میں نا مناسب اور بے جا اضافی مال کے معنی میں ہے اور فقہی اصطلاح میں دولت ، طاقت اوردھوکہ دھڑی کے بل بوتے ظالمانہ طریقے کا بعض حصہ ہے کہ دولت اور طاقت کے بجاریوں نے مظلومین سے زبردستی لے لیاہے اور دھوکہ دھڑی سے اس میں اسی طرح اضافہ کرتے رہتے ہیں اور آیہ کریمہ(وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ)(147) کی عام نظر سے کلی طور پر ناقابل استثناء مفت خوری کو مؤمنین کے درمیان حرام اور قابل مذمت جاناہے کہ کوئی شخص کسی کوشش اور استحقاق اور تلاش کے بغیر کسی مال کا مطالبہ کرکے اس میں تصرف کرے۔

ربا(سود) بہت بڑا خانہ برباد خطرہ ہے کہ تمام اقتصادی ابعاد وجوانب ہیں تباہ کن اور ویران کردینے والا ایک اثر رکھتاہے کہ کاہل گروہ ، دولت ، طاقت اوردھوکہ دھڑی کی بدولت اپنی دولت کا سود لیں اور مظلوم و بے سہارا رگروہ کو زیادہ سے زیادہ کام کرنے پر مجبور کرے کہ یہ کاہل عیش پرست افراد کسی شائستہ سرگرمی کے بغیر اپنی دولت کا ناشائستہ فائدہ اٹھائیں کہ ان لوگوں کے دائمی استفادہ سے جو لوگ اس سودی رقم سے کام کرتے ہیں زیادہ سے زیادہ کام اور کافی زحمتوں کے ساتھ انہیں اپنی زند گی کی ضرورت پوری کرنے کےلئے مجبور کرے اور دوسری طرح کام اور وہ جنس جو سودی رقم کی بنیاد پر ہے کہ موجودہ قیمت سے زیادہ گراں اور مہنگی قیمت پر فروخت کریں اور لوگوں کی اکثریت جعلی مہنگائی کو اور گرانی جوان کی سود خوری کا نتیجہ ہے میں گرفتار کریں ، اس کی بنیاد پر لوگوں کا اہم حصہ روز و شب کا م کرتاہے تاکہ مفت خور افراد کم سے کم فیصد میں دائمی اور کمر شکن لوگوں کی تلاش ، کوشش اور ان کے کام کے نتیجہ میں عیش و عشرت اورخوشحالی کی زندگی گزاریں اور دولت کے دریا میں غرق رہیں۔

لیکن لوگوں کی بھاری ا کثریت کم سے کم بھی اپنی ضروریات زندگی سے محروم اس '' ربا'' (سود) کی دو صورت ہے ایک خصوصی اور اصطلاحی کہ قرض اور معاملہ میں ربا ہے اور دوسری عمومی طورپر ہے کہ کسی بدلہ اورعوض کے بغیر یا استحقاق سے کہیں زیادہ کسی دوسرے سے مبلغ وصول کرنا ہے کہ اگر کوئی جنس فروخت کرتاہے یا کرایہ پر دیتاہے یا مضاربہ، شرکت و مزارعہ وغیرہ میں لگاتاہے اگر ان معاملات اور ان کے مانند میں سے ہر ایک میں اپنے استحقاق سے زیادہ لے یا ا س سے کوئی لے تو یہ خود ہی '' ربا'' ہے اور مفت خوری یا مفت کھلانا ہے اور یہ اللہ کی شریعت میں حرام اور ممنوع ہے لہذا جو چیز ظالمانہ اور جھوٹی

۱۴۷۔سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۸.

جعلی مہنگائی اور گرانی کے نام پر (نہ قہری) معاشرہ میں رائج ہے سود لینے اپنے اور کھانے کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے اوریہی سود کا لین دین ہے جس نے تمام مخلوقات عالم کے دین اور اس کی دنیا کو تباہ اور برباد کردیاہے اور دنیا کے اقتصادی اصول اور منابع و ذخیروں میں آگ لگا دی ہے اور اسے نابود کرڈالا ہے کہ آیہ کریمہ (... إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا...)[148]کے مصداق یہی افراد سو فیصد غضب الہی کا شکار ہوں گے۔

مسئلہ ۵۶۶:''ربا'' قرض میں ہو یا کسی بھی دوسرے معاملہ میں خواہ لینا ہو یا دینا دونوں صورتوں میں حرام ہے کہ (وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ)[149]نے دونوں ہی قسم کو حرام قرار دیا ہے اور (الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا)[150] سود لینے اور اس کے کنارے سود دینے کو بھی حرام قرار دیاہے (دینے میں ضروری موارد کے علا وہ) لیکن سود کھانا اسلام میں ہر گز ضرورت نہیں رکھتا اس لحاظ سے سود دینا اور لینا دونوں ہی کلی طور پر حرام اور ناقابل بخشش ہے اور آیہ کریمہ(وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى)[151] نے زیادہ سے زیادہ مناسب کوششوں کے مقابلے میں شائستہ حق کو ان کا حق جانا ہے ان ہدیوں اور بخششوں کے علاوہ جو واجب یا مستحب معین جگہوں پر ہے ، مفت خوری کو ہر معاملہ میں مذموم سمجھا ہے لیکن اموال ، ہبہ، ہدیہ، بخشش اور اس کے مانند شائستہ طریقے سے ادا کئے جاتے ہیں ان کا مفت خوری اور ربا ہونا تو دور کی بات ہے بلکہ شرعی دلیلوں اور معیاروں کی روشنی میں مناسب اور ضروری بھی ہیں۔

مسئلہ ۵۶۷: اہمیت صرف اورصرف کام، لیاقت، یا ناخواستہ ضرورت منحصر ہے اور بس کہ بغیر کام کے نہ زمانہ کی کوئی حیثیت ہے کہ کوئی مبلغ کچھ دنوں کے لئے قرض دے اور اس مدت کے عوض کسی کام کے بغیر ہی ایک نفع اور سو د لے لے کسی معاملہ یا کام میں کام کی اہمیت اور ارزش سے زیادہ استفادہ کرنے کا تمہیں حق نہیں پہنچتا۔

مسئلہ ۵۷۸: قرض دینا خود ہی نمایاں ترین خدا پسند ایک عمل ہے کہ ہبہ اور ہدیہ سے کہیں زیادہ بہتر اور اعلی ہے کیونکہ یہ لوگ کبھی بھی کاہلوں کی پرورش کرتےہیں ، لیکن قرض کام اور سعی و کوشش کنے پر مجبور کرنےکا باعث ہے اور قرض میں خدا کےسوا کسی اور سے مادّی ہویا معنوی کوئی فائدہ کبھی امید رکھنا حرام ہے۔ لیکن سود پر قرض دینا سو فیصد اندھا پن اور مفت خوری ہے کہ سود پر قرض لینے والا خواہ کم فائدہ حاصل کرے یا زیادہ یا اصلاً کوئی فائدہ ہی نہ ہو یا کام کی

---

[148]۔سورہ نساء، آیہ ۱۰.
[149]۔سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۸.
[150]۔ سورہ بقرہ، آیہ۲۷۵.
[151]۔سورہ نجم، آیہ ۳۹.

معلومات ہونے اور امانت داری کے باوجود یا اس کے ہاتھ سے سارے کا سارا مبلغ ضائع ہوجائے پھر بھی مالک یعنی قرض دینے والا سود کا معین مبلغ اپنے اصل مال کے ساتھ مطالبہ کرے گا لیکن مضاربہ میں (جیسا کہ گزرا) ہرگز ایسا نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۶۹: جو مال قرض دے رہاہے اس کی ادائیگی کلی مدت معین ہونا ضروری ہے کہ آیہ دین کے مطابق مدت کی تعیین اور تمام مطالبات قرض کے واجبات میں سے ہے۔

مسئلہ ۵۷۰: قرض دینے والا معینہ مدت کے مقابلہ میں کسی چیز کا پیوند لگانے کا حق نہیں رکھتا یہا ں تک کہ سورہ فاتحہ پڑھنا بھی او ر اس کے مانند کہ ا گر قرض میں شرط ہو تو حرام ہے کیونکہ قرض دینے والی کی طرف سے قرض کی کسی قسم کی امید کے بغیر سے عملی ہونا چاہئے۔

مسئلہ ۵۷۱: قرض لینے والا اس صورت میں قرض لے سکتاہے جب اس کی ادائیگی نیت اور اسے مقررہ مدت میں دینے کی نیت رکھتا ہو کہ اگر ان میں سے کوئی ایک یا اس سے بدتر دونوں ہی شرط نہ ہو تو خود یہ قرض لینا بھی مفت خوری کا ایک نمونہ ہے ۔

مسئلہ ۵۷۲: طلب کار معینہ مدت سے پہلے اپنے قرض کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتا اور مدت پوری ہونے پر مطالبہ کرنےکا حق رکھتاہے اگر مقروض وقت پورا ہونے پر اپنا قرض ادا کرنا چاہے تو قرض دینے والے پر قبول کرنا لازم ہے ، مگر یہ کہ مقروض قبول کرے کہ جس حد تک قرض دینے والا مائل ہے اتنی مدت تک اپنا قرض واپس لینے میں تأخیر ہو۔

مسئلہ ۵۷۳: جو رقم اس نے بطور قرض لی اگر دائیگی کے وقت کی ارزش اور قیمت کم ہو یا زیادہ ہوجائے تو پہلی صورت میں خسارہ کی تلافی کے ساتھ اسی کو ادا کرے اور دوسری صورت میں پہلی قسم کے برعکس ہے کہ وہی مبلغ ادا کرنے کے دن کی ارزش کے حساب سے ادا کرے؛ کیونکہ جو چیز اس نے لی ہے وہ ارزش ہے اگرچہ اس کا جانشین ڈالر یا کوئی دوسری چیز ہو مثال کے طور پر چند ہزار تومان کہ اس وقت پانچ گرام سونے کے برابر اہمیت ہے، ایک سال کے لئے قرض دے اور مدت پوری ہونے پر اس کی اہمیت ۵ گرام سونے سے کم ہے تو اسے اس خسارہ کی تلافی کرنی چاہئے ، یعنی اس ۵ گرام سونا کی قیمت ادا کرے، کیونکہ اس نے جو چیز دی ہے وہ ارزش تھی اور ڈالر اس کا نمائندہ اور ارزش کا حوالہ ہے اور بس اور نیز اس کے برعکس صورت میں بڑھی ہوئی قیمت کی تلافی کی جائے۔

مسئلہ ۵۷۴: ربا اور غیر ربا میں اصطلاحاً تمام شرعی جواز ممنوع ہے وہ شریعت جس نے ہر قسم کے دھوکہ دینے اور فریب دینے کو ممنوع کیاہے کیسے

ممکن ہے کہ ربا کےباب میں خود ہی (کہ بدترین ظالمانہ مفت خوری ہے) کلاہ شرعی کے ذریعہ اس کی اجازت دے دے تو کیا یہ کلاہ شرعی ربا کے خانہ برباد خطرہ کو ٹال دے گی؟ کیا شارع مقدس کلاہ کے بغیر بعض موار د میں سود کو جائز قرار دینے سے عاجز اور مجبور ہے کہ کلاہ شرعی سے چارہ جوئی نہ ہو؟ یہاں پر کلاہ شرعی کے بارے میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں جعلی ہیں نیز غدار اورمکّار سود خوروں کی کلاہ شرعی میں اور آپ کے مثال کے طور پر ۱ لاکھ تومان ایک ڈبہ ماچس کے ساتھ ایک سال کے لئے کسی دوسرے سے ا لاکھ چند ہزار تومان کے عوض فروخت کریں تو کیا آپ نے حقیقت میں فروخت کیاہے؟یا قرض دیا ہے؟ اگر قرض ہے تو جو آپ نے دیاہے وہی واپس کرنا چاہئے کہ مذکورہ مبلغ اور ماچس کی ڈبیہ ہے اور اگر فروخت ہے تو دیکھنا چاہئے کہ کون عقل مند انسان حتی دیوانہ بھی ایک ڈبیہ ماچس چند ہزار تومان میں خرید ے گا اور اگر کوئی ایسا معاملہ کرے بھی تو بدترین سفاھت اور ہلکا دماغ ہونے کی وجہ سے اس کا معاملہ باطل ہے۔
اور رسول خدا ﷺ سے خبر میں ہے کہ '' ان القوم سیفئنون باموالھم....
ویستحلون حرامۃ، بالشبھات الکاذبہ والاھواء الساھیۃ فیستحلون الخمر بالسبز والسحت بالھدیہ والربا بالبیع''[152]لوگ اپنے مال کی وجہ سے مبتلا ہوں گے حرام الٰہی کو جھوٹے شبیہوں سے اور غلط خواہشات کو حلال گمان کریں گے اور ربا (سود) کو بیع کے ذریعہ حلال شمار کریں گے۔
یہاں پر کافی واضح ہے کہ یہ چند ہزار تومان ایک سال کی مدت کے مقابلہ میں گرچہ ایک ڈبیہ ماچس کے مقابلہ میں چند تومان ہو تو یہ بیع سفیہانہ اور حرام ہے اور جیسا کہہ ملاحظہ کرتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس طرح کی کلاہ گزاری کی شدید مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:''لان الانسان اذا اشتری الدرھم بالدرھمین کان ثمن الدرھم درھماً وثمن الاخر باطلاً فبیع الربا وشراءہ و لیس علی کل حال علی المشتری و علی البائع'' کیونکہ جب انسان ایک درہم دو درہم کے عوض خریدے تو ایک درہم کی قیمت ایک ہی درھم ہے اور دوسرے دو درہم کی قیمت باطل اور مفت خوری ہے پس سودی خرید و فروخت بہرحال خریدار اور بیچنے والے دونوں کے لئے نحس اور ناروا ہے۔
آیہ ۱۶۳ سورہ اعراف نے اس کلاہ شرعی کو شنبہ کے دن مچھلی کی حرمت کے واقعہ کو (اذ یعدون فی السبب) کے عنوان سے ذکرکیاہے کیونکہ مچھلیاں جان چکی تھیں کہ سنیچر کے دن ان کا شکار ممنوع ہے، اس لئے گروہ در گروہ یہودیوں کے سامنے اپنی خود نمائی کرتیں اوررقص کرتی تھیں اور دوسرے دنوں میں غائب ہوجاتی

[152] ۔نہج البلاغہ، عن علی ان رسول اللہ ﷺ قال لہ ...۔

تھیں لیکن یہ یہودی شنبہ کے دن ہی ان کے واپسی کے راستہ بند کردیتے تھے اور اتوار اور اس کے بعد ان کا شکار کرلیتے تھے کہ خدا ن ے اس کلاہ شرعی کے مرتکب کو بندر میں تبدیل کردیا اور جن لوگوں نے اس برائی سے نہیں روکا اور اس سے بھی بدتر کے منع کرنے والوں کو بھی روکتے اور منع کرتے تھے تو انہیں دوسرے عذاب میں مبتلا کیا اور اس معرکہ میں صرف منع کرنے والوں نے نجات پائی کیا یہودیوں کی اس طرح کی کلاہ شرعی حرام ہے اور مسلمانوں کی کلاہ شرعی حلال اور نوش جان؟

تجارت میں سود

مسئلہ ۵۷۵: اگر پیمانہ او ر وزن میں شرط ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ نہ ہو کہ اگر ایک جنس اور ایک اصل سے ہوں اور پیمانہ یا وزن ایک دوسرے سے بڑھ جائے نظر یہ ربا اور حرام ہے یہاں پر اضافہ سے مراد ارزش کا اضافہ ہے نہ مال کے پیمانہ اور وزن کا اندازہ اور اس سلسلہ سے پیمانہ یا وزن کا مخصوص ہونا اس بات سے ہے کہ لین دین سے متعلق دو جنس کی برابری یاعدم مساوات کے دو مشخص جلوے ہیں۔

مسئلہ۵۷۶: کبھی مورد تبادلہ جنس ایک دوسرے کے مانند ہیں لیکن ارزش کا اختلاف رکھتے ہیں یا ایک دوسرے کے مانند نہیں ہیں اور دونوں کی ارزش ایک ہی ہے اس کے درمیان جو چیز حرام ہے پیمانہ اور و زن کے حجم کا اندازہ نہیں ہے بلکہ اہم ارزش ہے۔(اہلسنت فقہاء میں سے داؤد اور اہل ظاہر سونے اور چاندی میں ہم جنس کی کم اور زیادہ سود گیہوں، جو ، خرما اور نمک کو صرف حرام جانتے ہیں) مثال کے طور پر اگر ہم مرغی کے ۲۰ بڑے انڈوں کا ۲۰ عدد چھوٹے انڈوں سے معاوضہ کریں جہاں تک عدد ہونے کا مسئلہ ہے پیمانہ اور وزن نہیں ہے کہتے ہیں یہاں پر سود نہیں ہے جبکہ روز روشن کی طرح ربا ہونا واضح ہے۔

لیکن اگر ۱ کیلو گرام خالص تیل کا ایک کیلو اور چند گرام مٹھے کہ تیل ہی کی جنس سے ہے ، سے معاوضہ کریں تو جس نے مٹھا زیادہ لیاہے اس نے سود کھایاہے ، جبکہ ۱ /کیلو تیل کی قیمت ۱/کیلو اور چند گرام مٹھے سے کہ اسی تیل کی جنس سے ہے، سو گنا زیادہ ہے اور و اضح ہے کہ اس کے درمیان مفت خور اور سود خورکون ہے؟

ایسے میں کون عقل مند یا دیوانہ بھی ایسے معاملہ میں تیل لینے والے کو مغبون اور مٹھا لینے والے کو فریب کار اور سود خور جانتاہے ہم شریعت مدار افراد ایسی چیز کی شارع مقدس کی طرف نسبت دیتے ہیں؟

ہم نے سود سے متعلق احادیث میں آیات ربا کی روشنی میں دقت کی اور بخوبی حاصل کیا کہ ربا (سود) صرف اور صرف مفت خوری یا حق سے زیادہ لینا اور دینا ہے اور بس خواہ مورد معاملہ (جنس) وزن اور پیمانہ کرنے کے قابل ہو یا نہ۔

مسئلہ ۵۷۷: سود لینے والا سورہ بقرہ کی ۲۷۵ ویں آیت سے لے کر ۲۷۹ ویں آیت تک اور قرآن کریم کی دیگر آیات روشنی میں کسی صورت اور کبھی بھی اس کا مالک نہیں ہوتا اور اگر اس نے صحیح توبہ کر لی تو اگر اس کے مالک کو و اپس کردے ان استفادہ کے علاوہ جن کو اس نے استعمال کیاہے اور اس کے عوض کا بھی مالک نہیں ہے کہ اسی طرح کے موارد میں احترام کے ساتھ اس کا توبہ صرف ان استعمال شدہ میں ہے جس کا بدل باقی نہیں بچا ہے ، سے صرف نظر کیا گیاہے۔ لہذا اس کے پاس سودی مال میں سے جو کچھ ہے یا مدیون ہے سود کو اختصاص دینے والوں میں صرف اس کی اصل پونجی بشرطیکہ حرام بالخصوص سود سے حاصل نہ کی ہو ، اس کی اور اس سلسلہ میں اس نےجو کچھ حاصل کیا اور استعمال کرڈ الا ہے اور اس کا کوئی بدل بھی نہیں ہے ، معاف ہے اسے استفادہ کرنا چاہئے امکان کی صورت میں او ر ان لوگوں سے جو ان کے مدیون ہیں، سے عفو و بخشش کی درخواست کرے لیکن اگر ابھی توبہ نہ کی ہو تو جو کچھ اس نےمصرف کیاہے اور اس وقت اس کا بدل بھی ن ہیں ہے ان کے مالکوں کا مدیون ہے لہذا فوراً ادا کرے جبکہ موجود تہی دستی اورفقر کی صورت میں '' فنظرۃ الی میسرۃ'' حاکم ہے یعنی صاحب صلاحیت ہونے تک اسے مہلت دی جائے، اورا گر ہوسکے معاف کر دے تو کیا بہتر''وان تصدقوا خیرلکم'' جیسا کہ آیہ ربا میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے اس امید میں کہ شاید انشاء اللہ توبہ کرے ورنہ کسی قسم کی مہلت یا کوئی بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ خود سود خوری پر جرأت دلانا اور ظلم کی مدد کرنا ہے۔

مسئلہ ۵۷۸: تمام منافع کہ سود لینے والے کی کارکردگی کے مقابلہ میں ہے اگر عادلانہ طور پر ہو تو حلال ہے مثال کے طور پر اگر کسی کو برأت دے کہ کسی دوسرے شہر میں دریافت کرلے چونکہ یہ دینا اور لینا کارکردگی کا باعث ہے تو عادلانا زیادہ سے زیادہ مبلغ کا معاملہ کرنا بروات لینے والے کے لئے کوئی مانع نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہے قرض الحسنہ بینک کہ اس کار گزار ہوتے ہیں کہ اگر صرف واقعی کارگزار کے عنوان سے (نہ مبلغ اورمدت کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے) اگر قرض لینے والے سے کوئی چیز دریافت کرے تو ربا اور حرام نہیں ہے چنانچہ زیادہ سے زیادہ وقت کے اعتبارسے کہ طلبکار کے زیادہ سے زیادہ مراجعہ کرنےکا باعث ہے اور بینک کے کارکنوں کے لئے زیادہ زحمت کا باعث ہے نتیجتاً زیادہ سے

زیادہ اجرت کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن یہ معمولی اجرت بھی قرض کے کم اور زیادہ ہونے میں یکساں ہے۔

مسئلہ ۵۷۹: اگر قرض لینے والا درمیان میں کسی شرط کے بغیر جو نفع حاصل کرتا ہے اس سے قرض دینے والے کو ہدیہ عنوان ےس ایک مبلغ دے تو اس کا حرام ہونا تو دور کی بات ہے بلکہ شریعت کی نظر میں پسندیدہ ، شائستہ بلکہ ضروری ہے اور صرف شرط اور الزام ہے اضافی مبلغ لینے اور دینے کوممنوع کرتی ہے مگر اس صورت میں کہ الزام نفع کی بنیاد پر ہو کہ قرض لینے والے نے حاصل کی اور اس کی ضروری حاجت سے اضافی ہے کہ یہ خود ایک قسم کا مضاربہ ہے۔

مسئلہ ۵۸۰: یہ شرعی فریضہ ہے کہ اگر تمہیں کسی نے قرض الحسنہ دیا تم نے اس رقم سے معاملہ کرکے نفع حاصل کیا وہ بھی اپنی ضرورت سے زیادہ تو اس میں سے کچھ صاحب مال کو ادا کرو اور یہ بھی کہ اگر اس نے تم سے مستقبل میں قرض مانگا اتنا ہی یا اس سے زیادہ تو امکان اورتو انائی کی صورت میں اُسے دو، کیونکہ (وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا)(153) سلا م کے مقابلہ میں کہ شاد اور آباد رہو، یا کوئی بھی تکلفاتی کلمہ تو اس سے بہتر یا اسی کے مانند جواب دو۔

مسئلہ ۵۸۱: اگر بینک بطور امانت رکھے جانے والے مبلغ پر ماہانہ ایک مبلغ نظر میں رکھتاہے تو اس صورت میں کہ مبلغ جمع کرنے والے نے ایسی شرط نہ کی ہو یا اس کے مطالبہ نہ کیا ہو تو اس اضافی مبلغ کا اس کے لئے لینا کائی مانع نہیں رکھتا (لینے میں کوئی حرج نہیں ہے) لیکن کیا بہتر ہوتا کہ اسے مضاربہ یا مصالحہ کے عنوان سے رکھتا جیسا کہ مضاربہ کے حصہ میں گزر چکاہے اور پیغمبر اکرم کے ارشاد کے مطابق لاپرواہی اورشرعی کلاہ گزاروں کی وجہ سے بہت سارے گروہ کھانے اور کھلانے میں مبتلا ہوجائیں گے کہ ''الربا ثلاثۃ وسبعون باباً،،(154) سود کے ۷۳ دروازے ہیں کہ ان میں سے بعض رسمی اور قانونی سود ہے اور بعض دیگر غیر رسمی اورکلاہ شرعی ہے اور ''لیاتین علی الناس زمانٌ لایبقی احدٌ اِلاَّ کل الربا فَمَن لم یأکلہ اصابہ من غبارہ،،(155)لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی بھی ربا کھائے بغیر نہیں رہ جائے گا اور اگر نہیں کھائے گا تو اس کا غبار اس تک پہنچے گا۔

سود سے متعلق بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر لین دین ، مبلغ کا جنس سے پیسہ کا پیسہ سے اور جنس کا جنس سے معاملہ کرنے میں زیادہ لینا اور دینا دونوں حرام ہیں اور زیادتی سے مراد حجم ، عدد اور و زن کی زیادتی نہیں ہے بلکہ ارزشی کی زیادتی

۱۵۳۔سورہ نساء، آیہ ۸۶.
۱۵۴۔سنن ابن ماجہ، تجارات، ۵۸.
۱۵۵۔الدر المنثور، ۱: ۳٦٤ قال رسول الله ....

ہے اور صرف تجارتی عادلانہ مبادلہ میں تجارت کا عادلانہ حق الزحمہ حلال ہے اور بس۔

مسئلہ ۵۸۲۔باپ اور اولاد، میاں اور بیوی کے درمیان مشہور سود کے خلاف اور آخر کار کافر اور مسلمان کے درمیان بھی حرام ہے۔ بالخصوص پہلے دونوں میں زیادہ ہی حرام ہے کہ خود مفت خوری مزید انتظار کے خلاف ہے ۔[156] اور روایات بھی اس سلسلہ میں متضاد ہیں کہ ان میں سے جو قرآن کے موافق ہیں ، اس کی حرمت ہے اور اس کے مخالف '' الربا بین الوالد والولد'' کہ باپ اور بیٹے کے درمیان سود کی نفی کررہی ہیں اس کی حلیت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کی حلیت کے خیال کے مقابلہ میں ہے کہ یہاں پر بھی '' لاربا'' ہے اس معنی میں کہ ربا(اس کی ملیت کے برخلاف) یہاں پر بھی حرام ہے اور تحلیلی نظریہ کے مطابق ربا کی حرمت کلی طور '' اکل بالباطل'' اور مفت خوری کی بنیا د پر ہے یہ خود انسان کے سب سے قریبی افراد میں سے مفت خوری کے اکثر پہلو کے لحاظ سے کہ ان لوگوں کی نسبت (بالخصو اولاد) کہ زیادہ سے زیادہ محبت کے سزاوار ہیں ، زیادہ سے زیادہ ناراضگی اور تکلیف کا باعث ہے اورکا فروں کی نسبت بھی ان کے خیال کو اپنی طرف مائل کرنےکے بجائے اسلام سے کافی دوری کا باعث ہے کہ زکوۃ کا ایک حصہ ان کے دلوں کو جذب کرنے کے لئے دیا جائے اور دوسری طرف ان سے سود لے کر ان کے دلوں کو منتفر کرنے کا موجب ہے۔

بالخصوص وہ کفار جو اپنی شریعت میں سود لینا حرام جانتے ہیں جیسے یہودی اور نصرانی۔

رہن

مسئلہ ۵۸۳: رہن یعنی قرض لینےکے مقابلہ میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے بطور ضمانت کسی چیز کو گرو رکھنا آیہ کریمہ کے مطابق (وَإِن كُنتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُواْ كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّهَ رَبَّهُ وَلاَ تَكْتُمُواْ الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ)[157]کہ قرض اور اس کی استحکام کے لئے ارشاد ہوتاہے: اگر تم سفر میں ہو اور اپنے قرض کے لئے کسی لکھنے والے کہ نہ پاؤ تو یہاں پر گروی رکھنے کا مطالبہ ہے پھر اگر تمہیں ایک دوسرے پر اطمینان ہوجائے یعنی ایسا شخص مل جائے جس کے پاس تمہاری امانت رکھی ہوئی ہے وہ تمہاری امانت واپس کر دے اور اپنے خدا سے ڈر ے ...'' امانت

---

[156] ۔ چنانچہ سید مرتضی بھی اسے کتاب موصلیات میں حرام جانتے ہیں اور اسکافی وارث ہونے کی صورت میں یا اولاد کے مقروض ہونے کی صورت میں اولاد سے حرام جانتے ہیں اور حلیت کی صورت میں پوتے اس حکم میں شامل نہیں ہیں جیسا کہ فاضل، محقق ثانی اور شہید ثانی نے فرمایا ہے اور معاصرین میں سے مرحوم آقائے خوئی کافر سے سود لینے کو احتیاط واجب کی بنا پر حرام جانتے ہیں اور اس کا فر سے بھی کہ اسلام کی پناہ میں ہے اور اس کی شریعت میں سود جائز نہیں ہے۔ حرام جانتے ہیں ، چنانچہ مشہور کی بنا پر اس سود کی حلیت بھی صرف اور صرف مسلمانوں اور کافر غیر ذمی کے درمیان ہے ۔

[157] ۔سورہ بقرہ، آیہ ۲۸۳.

واپس کرنے کا بطور و جوب اور الزام یہ حکم اس صورت میں کہ امانت کا مالک اطمینان کے بعد مطالبہ کرے ؛ کیونکہ امانت کی حفاظت دو طرح سے ہوتی ہے اور تیسری صورت خیانت ہے اوروہ دور صورت گروی رکھنا اور وثیقہ ہے کہ قرض کی حفاظت کے اطمینان کے لئے قرض دینے والے کے پاس رکھتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آپ سے اپنی امانت کا آپ کے پاس رکھنے کا مطالبہ اور اس کی حفاظت کی درخواست کرے اور ان دونوں صورتوں کے علاوہ اگر آپ امانت میں تصرف کریں یا نہ کریں اس امانت کا اپنے پاس رکھنا اور روکنا خیانت ہے بنابر این گروی رکھنا اس صورت میں جائزہے کہ اس قرض کی حفاظت کے اطمینان کے لئے کوئی اور چارہ ہی نہ ہو جو آپ نے دیا ہے اور اگر آپ نے گروی رکھ لیا اس کے بعد اطمینان حاصل کیا تو گروی رکھی چیز کو قرض لینے والے کو واپس کرنا واجب ہے مگر یہ کہ خود وہ (مقروض) (آپ کی موافقت سے) آپ کے پاس جب تک چاہئے امانت رکھنے پر راضی ہو۔

مسئلہ ۵۸۴: چونکہ قرض دینے والے کے پاس گروی رکھی ہوئی چیز ایک امانت ہے لہذا وہ اس (امانت) میں کسی قسم کا تصرف کرنے کا حق نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ اس کا مالک اس میں تصرف کرنے کی اجازت دے، کیونکہ گروی رکھی ہوئی چیز میں ہر قسم کا تصرف کرسکتاہے مگر یہ کہ گروی ہونے سے خارج ہوجائے مثال کے طورپر وہ گھر جسے اس نےآپ کے پاس گروی رکھاہے اس میں تعمیر اور آنے جانے وغیرہ وغیرہ کا حق رکھتا ہے ، لیکن تمہاری (مالک) کی اجازت کے بغیر گھر بیچنے یا اس میں سکونت کرنے یا اسے کرایہ پر دینےکا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۵۸۵: اگر گروی لینے والا، گروی رکھنے والے سے شرط کرے کہ قرض ادا کرنے کے بعد گروی رکھی چیز میں تصرف کرسکتا ہے تو یہ خود واضح اور آشکار ایک ربا (سود) اور حرام ہے لہذا اس قانون اور اصل کی روشنی میں بہت سارے رہن باطل اور حرام ہوں گے جز عادلانہ مضاربہ کی صورت میں۔

مسئلہ ۵۸۶: گروی رکھی جانے والی جنس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر مقروض لیے ہوئے قرض کو مدت پوری ہونے پر ادا نہ کرے تو طلبگار کسی بھی مناسب اور بہتر طریقہ سے اپنا قرض لے سکتاہے کہ گروی کوکرایہ پر دے یا گروی رکھے اور اس صورت میں کہ جب دونوں ہی ممکن نہیں ہے تو مجبوری کی صورت میں اسے فروخت کرسکتاہے اور اگر بطور تتمہ کچھ باقی رہ گیا ہو تو مقروض کو ادا کرے اور اس قسم کے سارے تصرفات میں اس امانت کی مکمل طور پر رعایت کرنا مراد ہے اور بہتر یہ ہے کہ ابتدا ہی میں مقروض سے یہ شرط کرے کہ اگر مدت پوری ہونے پر اپنا قرض ادا نہیں کروگے تو وہ (قرض دینے والا) ان وسائل میں سے

کسی ایک کے ذریعہ (اپنا قرض) ادا کرسکتاہے اور اگر مالک (قرض دینے والا) اس طرح کی شرط نہ کرے کہ اصل کا تقاضا یہی ہے کہ لینے والا بھی مدت پوری ہونے والے دن اس سے قرض کی جگہ پر جو اس نے دیا ہے ، استفادہ کرسکتاہے اور اگر گروی رکھی جانےوالی چیز کا مالک شرط کرے کہ گرو ی چیز کبھی قرض کی جگہ شمار نہیں ہوگی تو ایسا گروی رکھنا کوئی اہمیت نہیں نتیجتاً اس کا قرض ہی صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرض دینے کی ایک شرط قرض واپس ہونے پر اطمینان حاصل ہونا ہے کہ گروی رکھی چیز ویسے اطمینان کی بہترین ضمانت ہے۔

لیکن اگر گروی چیز کا مالک قرض کو نظر میں رکھے بغیر طلبکار کو گروی چیز میں تصرف کی اجازت دے دے تو ایسی صورت میں اس کا تصرف کرنا بھی حلال ہے۔

مسئلہ ۵۸۸: مقروض شخص قرض ادا کرنے سے پہلے گروی چیز کو فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا اور نہ ہی کرایہ پر دینے یا کسی اور سے گروی رکھنے کا حق نہیں رکھتا مگراس صورت میں کہ طلبگار کا حق محفوظ رہے اور وہ (طلبکار) بھی مطمئن اور راضی ہو۔

مسئلہ ۵۸۹: چونکہ گروی رکھی جانے والی چیز امانت ہے، بنابرایں گروی رکھنے والے کی کوتاہی اور تقصیر کے بغیر اس میں کوئی نقص پیدا ہوجائے یا نابود ہوجائے تو اس (طلبکار) کے ذمہ کچھ نہیں ہے اور اس کا قرض اسی طرح باقی ہے کیونکہ (... مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ...)[158]امانت کی ساری قسمیں احسان کی بنیاد کو شامل ہے، اگرچہ یہ گروی امانت طلبکار کے نفع میں ہے لیکن اس کے باوجود مقروض کے نفع میں ہے کہ اس طریقہ سے اس نے قرض لیاہے اور اس کا مال اور اصل پونجی بھی محفوظ ہے۔

مسئلہ ۵۹۰: دوکانوں یا اس کے مانند جو رقم گھروں کو کرایہ پر دینے میں بعنوان گروی لی جاتی ہے اورکرایہ کے مبلغ سے کم ہوجاتی ہے وہ گروی نہیں ہے درحقیقت ایک قرض ہے اور کرایہ کی کمی بھی اس مضاربہ میں صرف مضاربہ یا مصالحہ کے عنوان سے حلال ہے ورنہ ربا (سود) ہے ؛ کیونکہ مبلغ کی کمی طلبعاً اس قرض کے مقابلہ میں ہے ، مگر یہ کہ اس قرض کے لئے مضاربہ کے عنوان سے کوئی چیز سے کرایہ سے کم ہو کہ یہ خود ہی قرض الحسنہ ہے اور توضیح کے عنوان سے اگر یہ مبلغ گروی کے عنوان سے ہے تو لینے والا نہ اس میں تصرف کرنے کا حق رکھتاہے اور نہ ہی کرایہ کی قیمت سے کوئی مبلغ کم ہوگا اور اگر قرض الحسنہ ہی ہوگا (اطمینان کی خاطر) تو یہاں پر بھی اجارہ کا کم ہونا معنی نہیں رکھتا اور اگر

---

[۱۵۸] سورہ توبہ، آیہ ۹۱.

مضاربہ ہے تو اس میں مضاربہ کے شرائط مد نظر ہونا چاہئے اورکم ازکم اجارہ کی کمی اور کام اورتجاری مورد استفادہ مبلغ کے درمیان عادلانہ معاوضہ پہلے دیا جائے کہ کام کی اجرت کے علا وہ اجارہ کی کمی کے مقابل ایک مبلغ اس ادائیگی سے پہلے استفادہ سے ہبہ ہوجائے، اس قسم کے مود میں سود سے چھٹکار ا پانے کی بہترین راہ شرعی مضاربہ اور مضاربہ میں مصالحت یا بیع شرط ان شرائط کے ساتھ خود ذکر ہوئی ہیں ، ہوگی۔

امانت

مسئلہ ۵۹۱: اگر کسی شخص نے آپ کے پاس اپنا مال امانت رکھے اور آپ بھی حفاظت کی توانائی کے ساتھ اسے قبول کرلیں تو اس کی حفاظت اور نگرانی میں کوشش کرنا واجب ہے اور اپنے مال کی طرح اس کی حفاظت کرو اور معینہ وقت پر اسے اس کے مالک کو واپس کردو کہ (إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا)[159] اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو '' صاحب مال پر امانت قبول کرنا احسان ہے بنابرایں (... مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ...)[160] امین پر عوض دینے کی راہ بند کردی گئی ہے کہ کوتاہی کے بغیر کاردانی اور شائستگی کے ساتھ یہ امانت تلف یاناقص ہوجائے تو مالک اس سے اس کا عوض لینے کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۵۹۲: جو شخص امانت کی حفاظت کرنے سے عاجز اور ناتواں ہے تو اسے امانت داری نہیں کرنی چاہئے ، مگر یہ کہ اپنی حالت کی اس مال کے مالک کو خبر دے اس کے باوجود اگرمالک بھی اسے امانت دار پر موافقت کرے جز اس صورت کے مالک کی موافقت احمقانہ ہو۔

اور یہ اس صورت میں ہے کہ خود یا کوئی دوسرا اس مال کی بہتر طریقہ سے حفاظت کرسکتاہے، اس کے باوجود ایک ایسے شخص کو نگہبانی پیشکش کرتا ہے جو چندان حفاظت کی توانائی نہیں رکھتا، ایسی صورت میں نہ یہ پیشکش ہے جائز ہے اور نہ ہی اس کا قبول کرنا، مگر اس صورت میں کہ آپ خود اس امانت کی نگہداری کرنے کی توانائی رکھتے لیکن صاحب مال اور دسترس میں ہونے والے دوسرے لوگوں سے بہترحفاظت کرسکتے ہو تو ایسی صورت میں اس امانت کا قبول کرنا جائز ہے بلکہ مسلمان کے مال کی حفاظت کے لئے امکان اور توانائی کی صورت میں واجب ہے۔

مسئلہ ۵۹۳: امانت اپنی توانائی اور امکان کی حد تک امانت کی حفاظت کرنے کی کوشش کرے اور امانت کی حفاظت میں ہر قسم کی کوتاہی خیانت ہے یا کم ازکم امانت داری کے خلاف ہے اور تلف ہوجانے کی صورت میں ضامن ہے اور جو امکان

---

[۱۵۹] سورہ نساء، آیہ ۵۸.
[۱۶۰] سورہ توبہ، آیہ ۹۱.

اور توانائی سے مراد یہ ہے کہ عسرو حرج کے بغیر اس امانت کی نگہبانی میں کوشاں ہو کہ حقیقتاً اس کا فریضہ اپنے مال کی طرح حفاظت کرنا ہے اور اگر اس امانت کی نگہبانی اپنے مال کے نابود ہونے کا باعث ہو تو یہاں پر اس امانت کی حفاظت واجب نہیں ہے۔کیونکہ اصل امانت داری مفت ہونے کی بنیاد پر ہے نہ یہ کہ امانت دار اس امانت کی حفاظت کے لئے خود مفت ایک احسان ہے اپنا مال بھی اخلاص کے مطابق رکھے، مگر یہ کہ صاحب مال اس خسارہ کو قبول کرنے والا ہو۔

مسئلہ ۵۹۴: جب بھی صاحب امانت امین سے اپنی امانت کا مطالبہ کرے تو امین پر جلد سے جلد اس امانت کا وا پس کرنا واجب ہے اور اگر مطالبہ بھی نہ کرے لیکن امین اس امانت کی حفاظت سے عاجز اور ناتواں وہ تو امانت رکھنے والے کہ یہ بات مان لینی چاہئے کہ اگر اس کے علا وہ صورت میں امانت تلف ہوجائے تو اس کا امین ذمہ دار نہیں ہے مگر یہ کہ توانائی رکھنے کے باوجود امانت کی نگہداری اور حفاظت میں سہل انگاری اور کوتاہی کی ہو۔

مسئلہ ۵۹۵: اگر امانت رکھوانے والا مرجائے یا سفیہ اور دیوانہ ہوجائے تو پہلی صورت میں امانت اس کے ورثہ کے حوالہ کی جائے گی اور دوسری و تیسری صورت میں اس کے ولی کے حوالے کیا جائے اور اگرخود ہی اس ولایت اورحفاظت کی اہلیت اور صلاحیت رکھتاہے تو خود ہی اس کی نگہداری کرے۔

مسئلہ ۵۹۶: اگر امانت رکھنے والا اس امانت کی نگہداری اور حفاظت کے لئے ایک اجرت معین کرے تو یہاں پر بھی شائستہ امانت داری کے لحاظ سے اس کا ضامن نہیں ہے مگر سہل انگاری کرنے یا امانت رکھنے والے کی عدم صلاحیت کی صورت میں کہ پہلے صاحب مال کے مجہول رہی ہے۔

اجارہ

مسئلہ ۵۹۷: مال کہ خود جلوہ یا فتہ ایک کام ہے کہ کبھی گھر، زمین، گاڑی ، ٹیکسی وغیرہ یا دیگر وسائل کے خریدنے میں مصرف ہوتا ہے تو کیا اس نمائش یافتہ کام کو کرایہ پر دینا سود اور مفت خواری کے حکم میں ہے(اور بیہودہ خیالی کی بنا پر) اور اس مال کو اجارہ دینے میں کیا فرق ہے جو پیسوں سے فراہم ہوا ہو یا آپ کو بخشش دیا ہو؟ فرق یہ ہے کہ جو آپ کے پاس مبلغ ہے جب تک اسے کام میں نہیں لگائیں گے اس کا کوئی نفع نہیں ہوگا، لیکن موارد اجارہ مال کسی کام اور کوشش کے بغیر ہی نفع رکھتا ہے کہ گھر میں رہائش، گاڑی سے احتجاج کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب ایسے خالص منافع ہیں کہ ضروری کوشش کے بغیر مال کے مالک کو عائد ہوتے ہیں اور کیوں صاحب کے علاوہ کوئی غیر اس مال سے مفت فائدہ اٹھا سکتاہے ۔ بنابریں ان اموال کا اجارہ ہر دینا کسی صورت میں مفت خوری نہیں ہے۔

یہ مسئلہ اجارہ مال سے متعلق تھا لیکن پیسوں کا اجارہ کلی طور پر مفت خوری ہے، کیونکہ پیسہ کام میں لگائے بغیر کسی صورت نفع نہیں رکھتا اور اگر کسی کام میں لگایا جائے تو اس کا نفع صرف اور صرف اس شخص سے مخصوص ہے جس نے اسے کام میں لگایا ہے نہ رقم کے مالک سے مگر یہ کہ مضاربہ اور اس کے مانند میں انجام پائے تو ایسی صورت میں مالک اور عامل دونوں ہی سود میں شریک ہیں اور چنانچہ امانت داری اور کاردانی کی شرط کے ساتھ نہ نفع حاصل کیا ہو اور نہ نقصان اٹھایا ہو یہاں پر مالک اپنی اصل پونجی کے علاوہ کسی قسم کا فائدہ نہیں رکھتا چنانچہ کبھی نقصان ہوجائے تو یہ نقصان مالک کے اوپر ہے نہ عامل کے '' وما علی المحسنین من سبیل'' یہاں پر بھی حاکم ہے۔

مسئلہ ۵۹۸: وہ تمام شرائط جو طرفین پراور دیگر معاملہ کے موارد میں لازم ہیں ، یہاں پر بھی بغیر کسی کمی اور زیادتی کے معین ہیں اس کے سوا جس کی بالخصوص طبع اجارہ مقتضی ہے۔

مسئلہ ۵۹۹: مورد اجارہ کا مصرف حرام کا موں میں نہیں ہونا چاہئے اور اگر اجارہ دینے والا جانتا ہو کہ مستاجر سے حرام کاموں میں استعمال کرنے کے لئے چاہتا ہے تو اجارہ پر دینا اسے حرام ہے ؛ کیونکہ یہ اجارہ گناہ پر تعاون کرنے کے نمونوں میں سے ہے اور آیہ کریمہ کی نص کے مطابق (ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان)[161] حرام ہے۔

مسئلہ ۶۰۰:اگر گھر، دوکان یا کسی چیز کو اس شرط پر اجارہ پر دے کہ اس سے صرف اور صرف مستاجر استفادہ کرے گا تو مستاجر اسے کسی دوسرے یہاں تک کہ اپنی بیوی یا بیوی اپنے شوہر اور بچوں کو اجارہ نہیں دے سکتے اگرچہ خود بھی ان سے استفادہ میں ان کے ساتھ شریک ہو۔

مسئلہ ۶۰۱۔ اگر ایسی شرط نہ ہو اور اجارہ پر دینے والے کی معمولی حالت بھی یہ نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو وہ اجارہ ہرگز نہ دے کہ اجارہ بطور مطلق اورکسی قید و شرط کے بغیر ہے اگر یہاں پرکسی دوسرے کو اجارہ پر دینا چاہئے تو دوسرے کے حوالہ کرنے میں نئے سر سے اجازت کی ضرورت ہے کیونکہ مورد اجارہ امانت ہے اور امانت کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کے حوالہ نہیں کیا جاسکتا اور بالآخر جو کچھ اس اجارہ کا نتیجہ ہوگا یہ ہے کہ مورد اجارہ جنس آپ کے استفادہ کے لئے آپ کے ہاتھ میں امانت ہے اور اس کا کسی دوسرے حوالہ کرنا اصل اجارہ دینے کے مانند صاحب ملک کی اجازت کی ضرورت ہے صرف اور صرف اس صورت میں کسی دوسرے کو اجارہ پر او راس کے حوالہ

---

[161] ۔سورہ مائدہ، آیہ ۲.

کرسکتے ہیں کہ اصل اجارہ اس طرح کا تمہیں اجازت دی گئی ہو یا اس اجارہ کا عادی سلسلہ اس طرح ہو کہ جسے چاہو اجارہ پر دے سکتے ہو اس طرح کہ تمہیں اجازت دی گئی ہو یا اس اجارہ کا عادی سلسلہ اس طر ح ہو کہ جسے چاہو اجارہ پر دے سکتے ہو کہ یہ خود امانت کو دوسرے کے حوالہ کرنے میں ایک اجازت ہے۔

مسئلہ ۶۰۲: مورد اجارہ جنس کو اس صورت میں مالک کی اجازت سے دوسرے کو دے سکتے ہیں جب اجارہ کی قیمت اضافہ کرے مگر اس صورت میں کہ زمان و مکان کے لحاظ سے اجارہ کی قیمت بڑھ جائے یا مستأجر نے مورد اجارہ چند پر کوئی قیمتی کام کرے یا آخر کار اس کے سلسلہ میں قیمت والی کوشش کی ہو کہ عدالت کی میزان پر اس کے لئے پیشتر اجرت کا استحقاق پیدا ہوا۔

جبکہ کسی صورت بیشتر اجارہ کا استحقاق نہیں رکھتا، اس کا زیادہ مبلغ میں اجارہ دینا سودی اجارہ ہے اور حرام ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزرچکاہے کہ ربا (سود) مفت خوری کا ایک جز ہے اور بدون استثناء تمام معاملات میں حرام ہے ۔

مسئلہ ۶۰۳: اس اجارہ میں کہ لازم معاملات میں سے ایک معاملہ ہے ، مورد اجارہ اور اس کی مدت معین ہونی چاہئے اور طرفین معین موارد کے سوا اسے ختم کرنےکا حق نہیں رکھتے۔

مسئلہ ۶۰۴: اجارہ کسی طرح اورکسی حالت میں ختم نہیں ہوتا مگر یہ کہ مورد اجارہ سے مطلوبہ اور قراردادی استفادہ نا ممکن ہوجائے یا طرفین باہم اس کے فسخ کرنے پر توافق کریں، یا اجارہ کے صحیح ہونے کے بعض شرائط نہ رہ جائیں۔

مسئلہ ۶۰۵: اگر موجر(اجارہ دینے والا) یا مستاجر (اجارہ پر لینے والا) مرجائے تو یہاں پر بھی اجارہ فسخ نہیں ہوتا، کیونکہ موجر نے مستاجر کو اپنی ملکیت ایک معین حدود میں اجارہ پر دی ہے ، اگر مالک بھی ملکیت کو فروخت کردے یا مرجائے اور وارث کو پہنچ جائے بہر صورت اس ملک کے اجارہ کی معینہ مدت اسی طر ح باقی ہے اور اجارہ کے باطل ہونے کی ہرگز کوئی وجہ پائی نہیں جاتی (جیسے بیع شرط) جز اس صورت کے کہ اجارہ (موقت ہونے کے باوجود) کہ استفادہ خود مستاجر یا موجر یا مستاجر کے زندہ ہونے سے مقید ہو کہ ان دونوں صورتوں میں موجر یا مستاجر کی موت سے باطل ہوجاتاہے ورنہ ان دونوں صورتوں کے علاوہ اجارہ کے باطل ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۰۶: مورد اجارہ جنس خود مستاجر کے اختیار میں ایک امانت ہے بالخصوص یہ کہ اس کے مقابلہ میں ایک اجرت بھی دی ہو یا دے گا جب تک کہ اس میں خیانت یا اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو اور اجارہ لفظی اور غیر لفظی میں جو شرط یا شرائط تھے ، ان کی کسی صورت خلاف ورزی نہیں کی ہے ایسے موارد

میں اگر کوتاہی کے بغیر ناقص یا تلف ہوجائے تو اس کی ذمہ داری نہیں ہے بالخصوص نقص اس تلف کے مورد میں کہ عام لازمہ مورد اجارہ سے متعلقہ استفادہ ہے۔
بالآخر امانتی مال کی تین قسمیں ہیں ایک وہ کہ جس کی حفاظت کے لئے نہ اس نے کوئی چیز لی ہے اور نہ دی ہے دوسرے اس اجارہ کی امانت کی اس کے بدلہ کچھ مال بھی دے، تیسرے گروی امانت، اگرچہ زیادہ تر خود امانت رکھوانے والے کے نفع میں ہے کہ تینوں مورد میں آیہ کریمہ(ما علی المحسنین من سبیل)[162]کو مشمول ہے ۔نقص پیدا ہوجانے یا تلف ہوجانے کی صورت میں اس کی تلافی کرنا ضروری نہیں ہے اور امانت کی تینوں قسموں میں نقص یا تلف کوتاہی کی وجہ سے یا اس کی حفاظت میں عدم لیاقت ہو تو امانت دار ضامن ہے۔
مسئلہ ۶۰۷: اجارہ کی قیمت بھی مورد خرید و فروخت جنس کی طرح عادلانہ ہونا چاہئے کہ اس کے علا وہ صورت میں ربا اور حرا م ہے۔
اگرچہ اصطلاح میں اسے ربا نہ کہیں لیکن خود ہی مفت خوری ہے اور(وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ)[163] اور آیات ربا کو شامل ہے۔
مسئلہ ۶۰۸۔اگر کسی گھر کا ماہانہ کرایہ ۵ ہزار تومان ہے اور مستاجر مثلاً ۱ لاکھ تومان نقد دیتاہے اس کے بعد ماہانہ قرار داد کے مطابق ۳ ہزار تومان ادا کرتاہے جبکہ ۲ ہزار تومان کم کرنا اور ۱ /لاکھ تومان کے اعتبار سے ہو تو یہ سود خوری اور حرام ہے۔
لیکن اگر مذکورہ مبلغ اور اطمینان کے لئے ہو کہ جب بھی مستأجر اجارہ نہ دے تو اتنا مبلغ اس سے کم ہوجائے اور کبھی بھی اجارہ کی قیمت کا بعض حصہ اس مبلغ کے مقابلہ میں پیسوں کی منفعت کے حساب سے مد نظر نہیں ہوگی تو ایسی صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے اور اگر دونوں جہت مد نظر ہوتو یہ اجارہ سود کی وجہ سے حرام ہوجائے گا مگر یہ کہ اس مال سے متعلق مصالحت کے ساتھ ایک مضاربہ انجام پائے کہ اجارہ کی قیمت کی کمی عاقلانہ مصالحت کے ساتھ مورد مضاربہ کا فیصد انجام پائے یا جیسا کہ گزر چکاہے ھبہ موضہ اور بخشش معاوضہ کے عنوان سے ہو کہ اجارہ کی قیمت کی کمی کہ موجر پیشگی رقم استفادہ کرتاہے عادلانہ ہو۔
مسئلہ ۶۰۹: اجارہ کی قیمت کی ادائیگی سابق عادلانہ قرار داد کے مطابق ہے کہ اگر طے ہوگیا کہ پوری مدت کا کرایہ نقد ادا کیا جائے تو اس میں تأخیر کرنے کا

---
[162] ۔سورہ توبہ، آیہ ۹۱
[163] ۔سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۸.

حق نہیں رکھتا یا اگر طے ہوا کہ ماہانہ پھر جس طرح سے بھی ادا کرے تو جیسا کہ طرفین کے درمیان طے ہوا ہے اسی کے مطابق عمل کرے۔
مسئلہ ۶۱۰: اگرچہ اجارہ کی قیمت میں تأخیر کسی عذرکے بغیر ہو تو مالک اجارہ کرسکتاہے اگر اس میں تأخیر میں معذور ہو تو (فنظرة الی میسرة) (سورہ بقرہ، آیہ ۲۸۰) کا قانون جاری ہے کہ مالک مستاجر کو مہلت دے مگر صاحب ملک کی تنگدستی کی صورت میں کہ یہ مہلت بھی نہیں ہے اور اگر مستأجر نے اپنا اندازہ لگائے بغیر اجارہ کرلیا اور اس اجارہ میں اپنی صلاحیت کو نہیں دیکھا یا اس سے بدتر کو جانتا تھا کہ معینہ مدت پر اجارہ ادا نہیں کرسکتا تو ایسے موارد میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہے اور مالک اجارہ کو فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے۔
مسئلہ ۶۱۱: مستاجر مورد اجارہ مال میں معینہ مدت تک اس استفادہ کرنے کے سوا اور اگر کسی قسم کا حق نہیں رکھتا سرقفلی (اعتبار دینے) کا حق عرفی اور عاقلانہ حق ہے تو یہ حق مالک کی اجازت اور رضایت کے بغیر اس کی ملکیت کو حق سر قفلی دریافت کرنے کےساتھ دوسروں کو حوالہ کرنے کا باعث نہیں ہوتا۔ مگر (جیسا کہ گزر چکا) یہ حق پہلے ہی اجارہ میں معین ہو۔
مسئلہ: ۶۱۲: چنانچہ کبھی مستاجر حق سر قفلی رکھتا ہو تو مالک مستاجر سے حق سر قفلی لے سکتاہے اور اعتبار دینے کا یہ حق مخصوص موقعیت کے اعتبار سے جو ملکیت کے پیش آیا ہے یا پیش آئے گا کہ معمولی اجارہ کے علاوہ ملک کے لئے ایک اضافی حق پر مدنظر ہو کہ کبھی ملک کی قیمت سے (چہ جائیکہ اس کی اجازت) بھی زیادہ گراں ہوجاتاہے۔
مسئلہ ۶۱۳: اگر مستاجر عذر کے بغیر مورد اجارہ چیز سے استفادہ نہ کرے تو اجارہ اسی طرح اپنی جگہ پر باقی ہے اور اگر معذور بھی ہو لیکن ملک استفادہ کے قابل نہ ہو پھر بھی اجارہ ادا کرنا چاہئے اوریہاں پر اس بات کی گنجائش ہے کہ مورد اجارہ ملک کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے کسی دوسرے کو اجارہ پر دے سکتا ہے اگر مالک اجازت نہ دے تو عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ اجارہ کو فسخ کردے، مگر اس صورت میں کہ مالک کے نقصان میں تمام ہو تو اس کے د رمیان عادلانہ مصالحت کے ساتھ درمیانی نقصان تقسیم ہو۔
مسئلہ ۶۱۴: ہر تجارت میں معاملات کو فسخ کرنے میں وہ تمام اختیارات جو گزر چکے ہیں ، مورد اجارہ میں بھی جاری ہیں کہ مستأجر کو اصل اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یااس کی نسبت جو اجارہ کا صحیح موردہے تجدید نظر کرے یا اجارہ کی قیمت تقسیم کرے یا اگر سواری کا جانور ۳ دن سے زیادہ مدت کے لئے کرایہ پر لے اگر ۳ دن تمام ہونے سے پہلے وہ جانور بیمار ہوجائے یا مرجائے تو

قہری طور پر اجارہ فسخ ہوجائے گا اور خود بخود ختم ہو جائے گا اسی طرح گاڑی کے اجارہ کرنے کا سلسلہ میں بھی اجارہ کی مدت آنے سے پہلے اس سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہو تو یہ اجارہ مورد فسخ ہے اور مالک صرف مستاجر سے اس سے استفادہ کرنے کے بقدر عادلانہ اجرت لے سکتاہے مگر اس صورت میں کہ یہ نا مکمل استفادہ اس کے لئے ہرگز کوئی نفع نہ رکھتا ہو۔

وکالت

مسئلہ ۶۱۵: وکیل اورموکل دونوں میں تمام معاملات کے عمومی شرائط ہیں اورچونکہ وکالت کا مزاج جائز اور غیر لازم مزاج ہے لہذا وکیل اورموکل دونوں میں سے ہر ایک جب چاہیں وکالت کو باطل کرسکتے ہیں مگر اس صورت میں کہ مد مقابل کو ضرر ہو اگر اصل وکالت میں دوام کی شرط یا ایک مدت معین کرے (جز ضروری مقامات کے) تو حق فسخ بھی درکار نہیں ہے اور وکالت لازم و نا قابل فسخ ہوگی کہ وکالت کی اصطلاح میں بلا عزل وکالت کہتے ہیں۔

مسئلہ ۶۱۶: وکیل کے حدود اختیارات اور اس کی وکالت کی مدت طرفین کی قرارداد کے مطابق معین ہوی اوروکیل اس کی مخالفت کرنےکا حق نہیں رکھتا اور خلاف ورزی کی صورت میں اگر موکل کو کوئی نقصان ہوجائے تو یہ خود وکیل کو برداشت کرنا چاہئے اور اگر اسے کوئی نقع حاصل ہو تو وکیل اس نفع میں کوئی حصہ نہیں ہے صرف حق وکالت دریافت کرے گا۔

مسئلہ ۶۱۷: جو مبلغ موکل نے حق وکالت کے عنوان سے معین کیا ہے اگر عادلانہ اور دھوکہ دھڑی اور ٹوپی پہنانے وغیرہ سے دور ہو تو اس کے ذمہ صرف وہی مبلغ ہے اور کم اور زیادہ بھی نہیں ہوگا اور اگر کوئی مبلغ معین نہ ہوا ہو تو وکیل عرف کے لحاظ سے اپنے حق وکالت کا مطالبہ کرنےکا حق رکھتاہے۔صرف اس صورت میں وکیل اپنے حق وکالت کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا کہ یا واضح لفظوں میں (سفاہت سے دور) اپنے حق کو ساقط کردے یا ظاہری صورت کچھ اس طرح ہو کہ اس نے اس وکالت کا مفت آغاز کیا ہے۔

مسئلہ ۶۱۸: وکیل اپنے حدود وکالت میں جو امور انجام دیتاہے اپنی معزولی کی اطلاع سے پہلے کلی طور پر درست اور ثابت ہے کہ اگر موکل معزول کرے تو جب تک اپنے معزول ہونے سے با خبر نہیں ہواہے تو اس نے جو کام بھی وکالت کی بنیاد اور اس کے حدود میں انجام دیا ہے شرعاً درست اور ناقابل فسخ ہے۔

مسئلہ ۶۱۹: اگر وکیل اور موکل کے درمیان مورد وکالت کاموں کے بارے میں اختلاف ہوجائے کہ معزولی کی خبر سے پہلے تھا یا بعد میں ظاہراً وکیل کا دعویٰ مقدم ہوگا ؛ کیونکہ اس کی وکالت اس صورت میں بے اثر سمجھی جائے گی کہ ہم

مانیں کہ معزولی کی اطلاع کے بعد تھا مگر اس صورت میں کہ موکل اس معاملہ سے پہلے اس خبر کی اطلاع پر شرعی گواہ رکھتا ہو تو پھر شہادت اور قسم کے قوانین پرعمل ہونا چاہئے۔
وکالت، اجارہ کی طرح نہیں ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس طرح ثابت رہے بلکہ انسان کی زندگی میں کچھ اختیارات کا منتقل ہونا ہے اور اس اصل کی روشنی میں مراجع تقلید ، شرعی ججوں اور ان کے مانند کی وکالتیں ان کے مرنے کے بعد باطل ہو جاتی ہےاور یہ وکلا اس طرح کی صلاحیت رکھنے والے دیگر مؤکلین کے محتاج ہوں گے مگر موکل کی تصریح کی صورت میں کہ اس نے تصریح کی یہ وکالت میرے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی تو۔ یہاں پر وصیت کے حکم میں ہے۔
لیکن یہ سلسلہ خود اس کے اموال اور اختیارات میں منحصر ہے نہ دوسروں کے حقوق یا حقوق اللہ میں کہ یہ سب مرنے کے بعد وکالت کے حامل نہیں ہیں۔
ضمانت
مسئلہ ۶۲۰: اگرکوئی شخص کسی دوسرے شخص کا قرض اپنے ذمہ لے کہ اگر اس نے ادا نہیں کیا یعنی اگر ایسی صورت میں میں مقروض اپنا قرض ادا نہ کرے تو ضامن پر اپنی ضمانت کے اعتبار سے اس قرض کی مدت پوری ہونے پر ادا کرنا ہوگا اس کے بعد اس صورت میں مقروض سے اپنے دئیے ہوئے مبلغ کا مطالبہ کرسکتا ہے اس سے اس طرح کی قرار د اد کی ہو۔ کہ اگر تم اپنا قرض ادا نہیں کرو گے تو میں قرض الحسنہ کے عنوا ن سے تمہار ا قرض ادا کروں گا اورجب تم مستطیع ہوجاؤ گے یا فلاں وقت میں مجھے واپس دے دینا۔ اگر اس نے ایسا کوئی معاہدہ نہ کیا ہوا ور اس کے ظاہری اقدام سے بھی ایسا کچھ ظاہر نہ ہو کہ مفت اس نے ضمانت کی ہے پھر بھی مسئلہ اس طرح ہے، کیونکہ ضامن اس پر کسی قسم کا قرض نہیں رکھتا اور اس کا عملی مشکل حل کرنے اور بطور استحباب تھا، اب اگر نہ مفت ہونا معلوم ہو اور نہ ہی قرض الحسنہ ہونا تو اس صورت میں جو اس نے قرض الحسنہ کے عنوان سے دیا ہے اس کے مطالبہ کرنے کا حق رکھتاہے۔ مگر یہ کہ کسی طریقہ سے یہ معلوم ہو کہ یہ ضمانت مفت اور بلا عوض تھی اور حقیقت میں ضامن (بلا عوض) اس کے قرض کو ادا کرنے کا قصد رکھتا تھا۔ بالآخر یہ ضمانت اس وقت ثابت اور پائیدار ہے کہ طالب اور مقروض دونوں ہی اس کو قبول کریں خواہ ضمانت مفت اور بلا عوض ہو یا نہ۔
ضامن شخص عدم سفاہت کی شرط کے ساتھ معینہ مدت پر ادائیگی کا ارادہ، اس کا امکان اور اس کی توانائی رکھتا ہو کہ اس کے علاوہ اس کی ضمانت بھی باطل ہے مجموعی طور پر ضامن اور ضمانت میں ایک طرح کا مسئلہ حل کرنا اور مقروض کی

مشکل برطرف کرنا ہے کہ خود معنوی ارزش کے علاوہ مادی ارزش کے مقابلہ میں ایک عمل ہے کہ ضامن کی مجانی اورمفت ہونے کی تصریح نہ کرنے کی صورت میں یا اس کے علم کی صورت میں امکانی صورت میں ایسے مورد ضمانت شخص ضامن کو ادا کر ے مگر یہ اس کی موجود ہ صورتحال اس کے دائمی تنگدست اور خالی ہاتھ ہونے پر گواہ ہو اور ضامن بھی اس بات سے با خبر ہو۔

بیمہ

مسئلہ ۶۲۱: قرار داد بیمہ یا کوئی بھی مالی یا غیر مالی مخلوط قرارداد ''اوفوا بالعقود'' کے کلی قانون کی بنیاد پرہے جبکہ عاقلانہ نقصان ، دھوکہ دھڑی ، فریب کھانے سے دور ہو بالآخر شرعی شرائط کی پاسداری کے ساتھ ہو تو کلی طور پر حلال ہے۔ لیکن زبردستی یا اکل مال یا لباطل ، مفت خوری یا سفاہت اور اس کے مانند کی روشنی میں سارے کا سارا یہ عقد کی صحت کے موانع سے ہے بہرحال باطل اور ناقابل نفاذ ہے ان بیموں کے مانند کہ طرف قرارداد بیمہ کی تکمیل کی نسبت زور زبردستی حیران اور سرگرداں کر دیا ہو اور اس کو خود بیمہ کی نسبت پریشان اور لا اُبالی کرتا ہو۔

ازدواج:

مسئلہ ۶۲۲: ازدواج اورشادی بیاہ زندگی کی اصلی اور بنیادی ضرورتوں میں سے ایک اہم ضرورت ہے ممکن ہے لباس، غذا اور مکان کی ضرورت سے بھی بالاتر اور اہم ہو کہ کبھی بھی برہنہ ، بھوکے اور بے گھر رہ کر جب تک کہ موت کے منہ میں نہیں جاتا زندگی گزار سکتاہے ، لیکن جنسی ضرورت کبھی بھی اس درجہ شدید ہے کہ انسان پر عرصہ حیات کو تنگ اور دشوار کردیتی ہے اور انسان کے ناقابل تحمل اور حیرت انگیز گھٹن پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے حصول کے لئے مکانی، غذائی، مقامی ، جانی اور لباس سب ضرورتوں سے صرف نظر کرنے پر آماد ہ ہوتا ہے۔

اسی اصل کی روشنی میں شریعت مقدس الٰہی نے اس کو ایک شرعی سنت کہا ہے کہ جو شخص بھی اس کی ضرورت اور توانائی رکھنے کے باوجود صرف نظر کرے تو گویا وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا: ''النکاح من سنتی فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَسَ مِنِّی'' ہمیں اپنی تمام ضروریات زندگی میں شریعت مقدسہ کی زبان سے ایسی تہدید کا بہت کم سامنا ہوتا ہے اس وجہ سے گونا گوں عنوان سے ازدواجی راستوں میں سخت ترین شرائط اور قیود کو اسلام نے کلی طور پر ازدواجی زندگی کے راستوں سے ہٹا دیا ہے یہاں تک کہ قرآن کریم کے ایک چھوٹے اور مختصر سورہ کی تعلیم سے بھی مہر رکھ دائمی بیوی بنا سکتے ہیں ہوچہ

جائیکہ موقت اور غیر دائمی اور جن عورتوں کا مہر کم سے کم ہے وہ بہترین عورتوں میں شمار ہوتی ہیں اور صرف مردوں اور عورتوں کے باہمی ازدواج کو برقرار کرنے کے لئے معمولی نان و نفقہ اورعقلی و ایمانی ہم آہینگی کو لازم جانا ہے کہ ساری خوشیاں اس میں ہیں اور بس ہم اگر بہت حسین و جمیل خاتون کو بھاری مہر پربیوی بنائیں لیکن بے ایمان یا ضعیف عقیدہ یا بد ا خلاق اور ناساز گار ہو کہ ایسی عورت (اگرچہ بغیر مہر کے ہو) ہرگز زندگی کے امور اور تشکیل خانوادہ میں کار آمد نہیں ہوسکتی۔ یا کوئی خوبصورت جوان رعنا مرد ہو اور ظاہر شخصیت رکھتا ہو لیکن بے پرواہ اور لا ابالی ، بے ایمان یا کمزور عقیدہ کا مالک ہو اور اگر اپنی پسندیدہ خاطر خاتون سے ازدواج کرنے کے لئے کرڑوں روپیہ بھی مہر رکھ دے تو چونکہ ایمان اور پابندی نہیں رکھتا وہ ہرگز ہمسری کی سعادت مند زندگی کی ضمانت نہیں بن سکتا ممکن ہے عورت اس سے جدا ہونے پرمجبور ہوجائے اور اسے اپنے مال سے بھی کچھ دے دے تاکہ اس سے چھٹکارا پاجائے، بالآخر اگر شرعی مناسب اور شائستہ طریقہ سے ازدواجی زندگی عمل میں آئے تو سعادت مند زندگی بھی اس سلسلہ میں تضمین ہوئی ہے اور بہت کم طلاق کی نوبت آئے گی۔ بہر صورت ناموزوں ازدواجی زندگی بالخصوص ایسی کہ انسان گناہ کا مرتکب ہو ابتدا ہی سے حرام اور نا درست ہے۔

ازدواج کے احکام

مسئلہ ۶۲۳: ازدواج کی دو قسم ہے ۱ دائم ۲موقت دائمی قسم میں کبھی وقت کی تعیین نہیں ہوتی اور اصولی طور پر مرد یا عورت یا دونوں کی آخر ی عمر تک اس کا وقت ہوتا ہے اور وہ بھی مجہول ہے۔ لیکن موقت میں آخر عمر سے پہلے وقت معین ہو، یا بالفاظ دیگر اس کا وقت معین ہے لیکن موقت ہونے کا مطلب مدت کی معمولی مدت سے کم کا خواہاں ہوتاہے لہذا اس کی حتماً رعایت کی جائے کہ اگر مدت کے معمولی وقت کے مقارن یا اس سے زیادہ ہو تو یہ عقد موقت نہیں ہے ، کیونکہ موقت کے معنی مرنے تک یا اس سے بیشتر کو ہرگز شامل نہیں ہے اور دائم بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں دوام اور ہمیشگی کا قصد نہیں رکھتا تھا۔ نتیجتاً یہ عقد باطل ہے ، بنابراین جو عقود ۸۸/سالہ یا ۹۹/سالہ اور اس کے مانند سے موسوم ہیں نہ عقد موقت میں اور نہ عقد دائم ، بنابرایں اس قسم کے عقود باطل ہیں اور اگر ہمبستری ہوجائے تو زنا ہے، کیونکہ یہ عقد نہ عقد موقت کے احکام و شرائط رکھتاہے اور نہ عقد دائم کے بنابرایں اس قسم کے عقود سر سے باطل ہیں ، مگر یہ کہ ۹۹/ سالہ یا مدت کے قریب کا قصد عقد دائم کے معنی میں ہو کہ عقلی اعتبار سے بھی اس طرح کا ہے اور اس صورت میں یہ عقد دائم ہے اور عقد دائم کے لئے دوام کا قصد کرنا شرط بھی نہیں ہے

کیونکہ ۹۹/ سالہ قصد کا مزاج دوام ہی ہے خواہ قصد ہو یا بلکہ انقطاع کا ارادہ عقد موقت کے لئے شرط ہے اور بس اور بالآخر اگر دوام کا قصد انقطاعی طور پر اگرچہ انقطاع سے زیادہ مدت کی تعیین کے ساتھ یا وہی مدت کے ساتھ ہو تو عقد دائم میں شمار ہے اور یہاں پر شرعی شرائط کے ساتھ تجدید عقد میں شدید احتیاط ہے۔

مسئلہ ۶۲۴: لفظ نکاخ ، ازدواج عقد اور اس کے مانند الفاظ دائم اور موقت دونوں ہی عقد کو شامل ہیں اور اس اصل کی بنیاد پر آیہ عقد موقت(... فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا)[164] کے علاوہ جو کچھ تم نے ان عورتوں سے شہوانی یا جنسی استفادہ کیاہے ان کی اجرت جو فریضہ اور واجب ہے ، ادا کرو''۔ ان تمام آیات کے علاوہ جو الفاظ نکا ح اور ازدواج پرمشتمل ہیں عقد دائم اور موقت دونوں ہی قسموں کو شامل ہیں جز ان آیات کے کہ آشکار اور واضح قرآئن سے بالخصوص عقد دائم پردلالت کرتی ہیں چونکہ جنسی ضرورت، خانوادہ کی تشکیل اور نسل کی بنیاد پر رکھنا عام زندگی کی ضرورتوں میں سے ہے یہاں تک کہ کبھی بھی غذا، مکان اور لباس کے بعد بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے ،اسی لیے شارع مقدس ازدواج کے لئے ہر قسم کی سہولتیں اور آسانیاں معین فرمائی ہیں۔ کہ اگر مرد یا عورت یا دونوں کے لئے دائمی ازدواج ممکن نہ ہو تو اس دائمی ازدواج کا جانشین عقد موقت ہے کم سے کم محدودیتوں ، فرائض اور ذمہ داریوں کے ساتھ۔

مسئلہ ۶۲۵: ازدواج شریعت میں صرف حلال ہی نہیں بلکہ مستحب کلی قانون کے عنوان سےکبھی کبھی واجب بھی ہو تا ہے اگرچہ بعض مقامات پرحرام بھی ہوجاتاہے۔

عقد ازدواج:

مسئلہ ۶۲۶: '' عقد'' یا ازدواجی قرارداد خواہ کسی زبان میں ہو، صحیح ہے اور اگر اس کے مخصوص لفظ '' انکحت'' میں نے نکاح کیا) کے بغیر ہو جبکہ مرد اورعورت کے درمیان ازدواج کو نمایاں کر رہا ہو،خواہ تحریر میں یا بیان میں یا اشارہ یا کسی طریقہ سے بھی جو ازدواج پر واضح طور پر دلالت کرے تو کافی ہے۔[165] صرف طلاق ہے کہ اس کا ذ کر آئے گا) امکانی صورت میں لفظ کا محتاج ہے بالآخر اگر ازدواج میں لفظ بھی شرط ہو لیکن خاص اور رائج الفاظ سے مخصوص نہ ہو ، بلکہ جو لفظ بھی ازدواج کی انجام دہی پر دلالت کرے وہ کافی ہے۔ مثال کے طور پر اگر مرد کہے کہ تمہیں میری بیوی بنانا قبول ہے؟ او ر وہ کہے کہ میں نے قبول کیا

---

[164] ۔سورہ نساء، آیہ ۲۳.

[165] ۔قدما میں اور متأخرین کے گرو سے کوئی بھی کسی نے بھی نکاح میں کسی قسم کے لفظ کی شرط نہیں کی ہے اور شیخ مفیدؒ نے اس فتوی کی تصریح کی ہے۔

تو اتنی آسانی سے عقد ازدواج انجام پا گیا اور مرد اور عورت میں سے ہر ایک ایک دوسرے کے محرم ہوجائیں گے۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان الفاظ یا اعمال سے ازدواجی رابطہ کی ایجاد کررہے ہوں یاخبر دے رہے ہوں نہ صرف سوال کہ اس کا نظریہ جاننا چاہئے اگرچہ اس کی رای مثبت ہو لیکن دیگر شرائط کی رعایت بھی ہونی چاہئے کہ عقد موقت میں ایک شرط اس کی مدت ہے کہ کب تک اور کس شرط پر اور اخبار میں بھی ایک خبر ہےکہ فیصلہ کرنے کی غرض سے جس طرح ممکن ہو میاں اور بیوی میں سےہر ایک کے بارے میں معلومات حاصل کرناواجب ہے کہ لفظ کے ذریعہ ہو یاکسی صحیح نوشتہ یا کسی دیگر وضاحت سے ہو، عمدہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہو کہ رفیق بازی اور زنا در کا رنہیں ہے بلکہ اس کا مقصد ازدواج اور نئی زندگی کی تشکیل ہے خواہ دائمی ہو یا موقت اور جب صیغہ عقدپڑھ لو تو کیا بہتراور اس کی دلالت بھی واضح تر ہے۔اور قرآن کی دو آیہ کریمہ : " زَوَّجْنَاكَهَا" (سورہ احزاب،آیت۳۷)
"قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ" (سورہ قصص آیت ۲۷) میں اپنی دو لڑکیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تمہارا نکاح کررہا ہوں کی روشنی میں کافی ہے اور یہاں پر ایجاب مرد کی طرف سے ہے اور قبول عورت کی طرف سے ہے ،کیونکہ ان دونوں آیتوں میں نکاح کا فاعل مرد ہے اور اس کا مورد عورت بھی ہوسکتی ہے اور ادب کا قانون بھی اسی طرح ہے ،جس طرح رشتہ دنیا مرد کی طرف سے ہے اور اس کا قبول کرنا عورت کی طرف سے کہ نکاح کی داستان بھی اسی کردار پر ہے جس طرح نکاح کے صیغہ میں سبقت کرنا مرد کی طرف سے ہے ۔اگر چہ اس کی بر عکس بھی جائز ہے بالخصوص ان مقامات پر جہاں عورت رشتہ دے رہی ہو جیسا کہ (سورہ احزاب کی ۵۰ویں آیت) میں ہے کہ ایک عورت نے رسول خدا سے اپنا رشتہ دیا ،مجموعی طور پر خواہ یہ ہو یا وہ کہ بہتر ہے ۔ اور اتنی ساری تکرار کہ تین یا پانچ بار صیغہ پڑھتے ہیں تو یا اس کی وجہ یہ ہے کہ چودہ معصومین ؑ سے تبرک حاصل کرنے کی غرض سے ۱۴ بار پڑھتے ہیں تو کوئی بات نہیں ورنہ یہ سب دوکانداری بھاؤ مارنا اور نمائش کرنا ہے جس سے اسلام بیزار ہے ،کیونکہ نکاح کے ہوجانے کے بعد اسی نکاح کی بار بار تکرار کرنے کا کیا مطلب اور یہ بار بار ازدواج کرنے کے معنی میں ہے اس کے انجام دینے کے بعد ؟اور اگر یہ تکرار اس وجہ سے ہے کہ شاید پہلا صیغہ صحیح نہیں تھا تو کہنا چاہیئے کہ یہ شاید وغیرہ کی اگر گنجائش ہو تو یہ تکرار شدہ صیغہ میں ہوسکتا ہے اور ممکن ہے اور اگر لفظی اعتبار سے غلط ہو بھی تو یہ خود نکاح کے معنی میں واضح اور صریح اشارہ ہے اور کافی ہے ،بالاخر یہ بے معنی اور مضحکہ خیز تکرار کی ہرگز کوئی بنیاد نہیں ہے ۔

صحت عقد کے شرائط

مسئلہ٦٢٧: اگر طرفین کی رضایت کے بغیر صیغہ عقد پڑھ دیا گیا اور اس کے بعد دونوں رضایت دیں تو یہ عقد رضایت کے ساتھ مرد اور عورت کے مد نظر زمانہ سے ہی درست ہے ۔

مسئلہ٦٢٨۔ باپ اور دادا نابالغ لڑکا اور لڑکی یا بیوقوف اور دیوانہ مصلحت کی صورت میں کی بطور دائم یا موقت کسی سے شادی کرسکتے ہیں اور جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہوجائیں اور اس ازدواج کو قبول کرلیا تو ٹھیک اور اگر قبول نہیں کیا تو باطل ہے ،کیونکہ ان کی ولایت کی حد جب تک بالغ نہیں ہوتے ہیں اس وقت تک ہے (مرحوم آقا خوئی بالغ ہونے کے بعد قبول کرنے کو کلی طور پر شرط جانتے ہیں کہ اس کے علاوہ صورت میں احتیاط واجب کی بنیاد پر طلاق دیدینا چاہیئے۔)

مسئلہ٦٢٩۔ بالغ و عاقل اور باکرہ لڑکی پر کسی کو کسی عنوان سے ولایت حاصل نہیں ہے(جیسا کہ فقہا کے ایک گروہ جیسے شیخ طوسی نے کتاب خلاف اور مبسوط میں اور فخر الاسلام ،شیخ انصاری،میرزا محمد تقی شیرازی ،سید محمد حسین شیرازی ،سید اسمٰعیل صدر ،سید محمد کاظم یزدی ،سید ابوالحسن اصفہانی ،سید محمد شاہرودی نے فرمایا ہے ۔ اور مرحوم آقا اراکی ،گلپائگانی ،منتظری،باپ یا دادا کی اجازت احتیاط کی بنا پر جانتے ہیں اور مرحوم آقا خمینی کلی طور پر باپ یا دادا تک رسائی نہ ہونے اور لڑکی کی شادی کرنے کی ضرورت ہونے کی صورت میں شرط نہیں جانتے اور آقا منتظری کلی طور پر کنواری لڑکی کے ازدواج کی مصلحت اور باپ یا دادا کے منع کرنے کی صورت میں اجازت کو شرط نہیں جانتے۔)مگر یہ کہ یہ شادی شریعت کے خلاف ہو کہ یہاں پر نہی از منکر کی ولایت سب پر بالخصوص اس کے قریبی رشتہ داروں پر ہے بلکہ لڑکی کےنسبت بھی اور اس ولایت کے انکار یا اثبات میں جو آیت ہے وہ یہ آیت ہے "وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ" (سورہ بقرہ آیہ ٢٣٧)

اس آیت میں سب سے پہلے جنسی عمل سے پہلے عورت کو طلاق دینے کی صورت میں اس کا مہر دینے کی تاکید ہوئی ہے اور اس کے بعد وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور یہ شخص منکوحہ بیوی کے سوا کوئی اور نہیں ہے ؛کیونکہ اس کا پہلا حکم تو گذر چکا اور دوسرے نکاح کی گرہ تنہا اس کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے ،بلکہ میاں اور بیوی دونوں کے ہاتھ میں ہے اور نہ بیوی کہ باپ کے ہاتھ میں ہے ؛کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنی لڑکی کا حق معاف کرنے کا حق نہیں

رکھتا اور دوسرے اس کے پہلے نکاح میں مداخلت بھی مورد بحث اور گفتگو ہے ،آخر کار اس کے لئے میاں اور بیوی کے بعد تیسرے مرحلہ میں اگر مداخلت کرنے کا حق بھی ہو تو اس میں منحصر نہیں ہے اور یہ آیت نکاح کی گرہ کو اس کے مورد میں منحصر جانتی ہے ،اس وقت نکاح کی گرہ کھولنا منحصر طور پر عورت کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے ،کیونکہ نکاح کہ ایجابی عقد نکاح کے علاوہ طلاق کی برتر سلبی عقد کو بھی شامل ہے   ،ورنہ "بیدہ"اگر انحصاری نہ ہوتا تو   صرف یہ شوہر ہے جسکو اپنی بیوی کے بعد اس کی تشویق کی جاتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو پورا مہر دے ـکیونکہ اس کا بخشنا اس کی بیوی کی بخشش سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی مالی توانائی اس(بیوی) سے زیادہ ہے اور دوسرے یہ بخشش طلاق کی تلخی کی کافی حد تک تلافی کرے گی کہ "و ان تعفوااقرب للتقوی" طلاق کی اس تلخی کو دور کرنے کے لئے اس بخشش کو بہت ہی مناسب جانا ہے "و لا تنسو الفضل بینکم" بھی پورا مہر دینے کے لئے ایک دوسری تاکید ہے تو کیا طلاق کے برے نتائج سے پرہیز اور میاں اور بیوی کے درمیان (رشتہ کے باقی رہنے کی فضیلت کا) لڑکی کے باپ سے کیا ربط ہے ،ہرگز نہیں ،نہ اس آیت میں اور نہ ہی دوسرے مقامات پر عقد،طلاق اور مہر وغیرہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

ہاں،یہ " بیدہ عقدۃ النکاح" اس کے درمیان صرف اور صرف شوہر ہے نہ لڑکی کا باپ کہ عقدۃ النکاح میں   مداخلت کرنے کا ہر گز حق نہیں رکھتا اور نہ ہی عورت کہ یہ "عقدۃ النکاح" یہاں پر انحصاری ہے اور فطری طور پر میاں اور بیوی کے درمیان مشترکہ ایجابی عقد کے علاوہ سلبی داستان کہ طلاق ہے زیادہ سے زیادہ   اس کے ہاتھ میں ہے اور سلبی داستان کا یہی امتیاز اور طلاق میں زیادہ سے زیادہ مالی توانائی   ازدواجی زندگی میں الفت اور محبت اپنی شریک حیات کو پورا مہر دینے کا باعث ہے اگر چہ اس سے پہلے اس کی بیوی کو اپنے حق کو معاف کرنے اور بخشنے کی تشویق کی گئی ہے کہ یہ خود تمام تشویق کے علاوہ اس طرح کی بخشش میں پیش قدم بناتی ہے۔

یہاں پر دیگر آیات کے عمومات اور اطلاعات سے بھی اس قسم کی ولایت کی کلی طور پر نفی ہوتی ہے جیسے آیہ کریمہ "وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (سورہ بقرہ آیہ ۲۳۲) نے مطلقہ عورت سے دوبارہ ازدواج کرنے کی ممانعت کو لغو کیا ہے ۔(خواہ کنواری ہو یا نہ) اور آیہ

کریمہ "فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ" (سورہ بقرہ آیت ۲۳۰)
کہ اس میں تین بار طلاق یافتہ عورت سے نکاح کرنے کو خود سے متعلق جانا ہے اگر چہ یہ آیات مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے ،لیکن دیگر عورتوں کے سلسلہ میں باپ کی ولایت پر ہمارے پاس کوئی قرآنی دلیل ہر گز نہیں ہے اور اس باب میں اس سے متعلق روایات بھی تناقص رکھتی ہیں ،ہاں مصلحت اندیشی ،امر بالمعروف اور نہی از منکر کے باپ سے ماں اور باپ دوسروں کی نسبت بہتر ہیں ،نہ یہ کہ اپنی لڑکی کے ازدواج سے متعلق اس کی مصلحت کے خلاف ظلم کریں اور لڑکے کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے ۔اگر چہ لڑکی کے سلسلہ میں مصلحت کی رعایت اولیٰ ہے کہ سماجی صورتحال اور معاشرتی فضا کا تقاضا یہ ہے کہ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ مصلحت اندیشی سے کام لیا جائے۔

عقد ازدواج کو باطل کرنے والے عیوب

مسئلہ ۶۳۰۔مرد کے عیوب عبارت ہیں:دیوانگی،خصّی ہونا یونی جس کے بیضے نکال دیئے گئے ہو یا کوٹ دیئے گئے ہوں یا اصل خلقت ہی میں عیب دار یا بیضوں کے بغیر ہونا اور نا مرد یعنی جنسی توانائی کا مالک نہ ہونا ،اسی طرح آلہ تناسل کا کٹا ہوا ہونا یہ سب مرد کے عیوب ہیں جن کی وجہ سے عورت کی طرف سے عقد خود بخود فسخ ہوجاتا ہےدیوانہ کے ساتھ زندگی گذارنا خود دیوانگی ہے اور آخر کے تین عیوب جنسی ناتوانائی میں مشترک اور ہم آہنگ ہیں اور مجموعی طور پر شادی بیاہ کرنے میں ہمبستری کا امکان شرط ہے ،لیکن پہلی شرط کلی اور عمومی ہے بجز اس ازدواج میں جو صرف محرمیت کے لئے ہو نہ کسی اور چیز کے لئے عقل کے سوا کہ بہر صورت اصلی شرط ہے۔

مسئلہ ۶۳۱۔یہ چہار گانہ عیوب خواہ عقد سے پہلے پیش آئیں یا بعد میں عقد کو ختم کرنے میں عورت کے اختیار کا باعث ہے اور اگر یہ عیوب عقد سے پہلے رہے ہوں تو یہ عقد طلاق کے بغیر ہی خود بخود ختم ہوجائے گا اور اگر عقد کے بعد پیدا ہوئے ہوں تو فسخ کرنے کی وجہ سے جدائی حاصل ہوگی ،اس حکم پر بہترین دلیل وہ آیات اور روایات ہیں جو اس صورت میں عورت کے لئے اس طرح کی زندگی کو عسر اور حرج جانتی ہیں وہ اس طرح سے کہ قابل تحمل نہیں ہے اور ایک طرف سے قاعدہ "لا ضرَرَ"عسر اور حرج سے انکار کرنے کے علاوہ اس طرح کی زندگی کی مذمت کرتی ہیں۔

مسئلہ٦٣٢۔عورت کے سات عیوب :دیوانگی،برص(سفید داغ) ،جزام(کوڑھ) ،اندھاپن،لنگڑا لولھا اور مفلوج ہونا،پیشاب اور تناسل مقام کا ایک ہونا،پاخانہ اور مقام تناسل کا ایک ہونا،جنسی عمل میں رکاوٹ ڈالنے والا گوشت یا ہڈی کا بڑھ جانا،عورت میں ان عیوب کا ہونا مرد کے لئے عقد کو ختم کرنے کے اختیار کا موجب ہے جیسا کہ مرد کے عیوب میں گذر چکا ہے۔

مسئلہ٦٣٣۔نہ صرف یہ سارے (عیوب) بلکہ ہر وہ عیب جو عقد کی بنیاد کے خلاف ہو وہ مد مقبل کے نسخ کرنے یا طلاق دینے میں اختیار کا موجب ہوگا اور عورت اس طرح معیوب ہونے کی صورت میں کے مرد کی جانب سے فسخ اختیار کرنے کا موجب ہو ،معین مہر کی مستحق نہیں ہوگی اور اس کے ساتھ ہمبستری ہوئی ہو تو اس کے لئے صرف مہر المثل ثابت ہے اور بس،منجملہ عیوب میں سے جو فسخ یا طلاق کے موجب ہیں نشہ کی ایسی عادت ہے جو زندگی کو اور برباد تہس نہس کردے یا نفقہ نہ دینا یا زندگی ساز اخلاق کا مالک نہ ہونا اور اصولی طور پر قسم کا عسر اور نقصان جو ناقابل تحمل ہو۔

جن عورتوں کے ساتھ ازدواج حرام ہے

مسئلہ٦٣۴۔ یہ عورتیں چند گروہ میں تقسیم ہوتی ہیں:پہلا گروہ ان عورتوں پر مشتمل ہے جو نسبی رابطہ کی وجہ سے حرام ہیں جیسے ماں اور ماں کی مائیں اور پر تک ،لڑکی،بہن اور ان کی اولاد اور ناتی پوتے خواہ کتنا نیچے چلے جائیں،پھوپھی اور خالہ کتنی اوپر چلی جائیں نہ ان کی اولاد خواہ جیسے پھوپھی کی پھوپھی ،خالہ کی خالہ خواہ اپنی خالہ اور پھوپھی ہو یا باپ اور ماں کی یا دادا اور دادی کی ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے،ساری کی ساری محارم میں شمار ہوتی ہیں اور بھائی اور بہن کی لڑکی یعنی بھتیجی اور بھانجی اور ان کی اولاد خواہ کتنی ہی نچلے طبقے میں ہوں سب محارم میں شمار ہیں۔

دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو دودھ پینے کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں کہ اس سے متعلق آیت کی روشنی میں صرف دو قسم کی عورتیں ہیں :صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن صرف یہی دو نہ اس کے علاوہ کوئی ۔

تیسرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو شادی کرنے کی وجہ سے انسان پر حرام ہوتی ہیں اس معنی میں کہ انسان سے سببی رشتہ ایجاد کرتی ہیں اور اسی آیہ کریمہ کی روشنی میں بیوی کی ماں بشرطیکہ اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو یا اس عورت کی لڑکی جس کے ساتھ ہمبستری کی ہو اور تمہاری آغوش میں تربیت پائی اور جوان ہوئی ہو اور تمہارے صلبی بیٹے کی بیوی نہ منہ بولے بیٹے کی بیوی اور نہ رضاعی بیٹے

کی بیوی نیز باپ کی بیوی خواہ دائمی ہو یا موقتی دونوں ہی مرتے دم تک انسان پر حرام ہیں (ان کو طلاق دیدی ہو یا متعہ میں اس کی مدت تمام ہوگئی ہو یا بخش دی ہو)بہر حال یہ عورتیں اپنے شوہروں کے لئے نامحرم ہوگئی ہیں لیکن اپنے شوہروں کی اولاد کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لئے کہ شوہر کے ناتی پوتے ہیں جتنا نچلے طبقہ میں چلی جائیں سارے کے سارے اس عورت کے لئے محرم ہیں اسی طرح شوہر کے باپ اور اس کے دادا ،پر دادا اور شوہر کی ماں کے آباؤ اجداد کے شوہر کے اجداد ہیں سارے کے سارے اس عورت کے لئے مرتے دم تک محرم ہیں اور وہ عورت بھی جس کے باپ نے اس کے ساتھ زنا کی ہے ،اس کے ساتھ بھی ازدواج حرام ہے اور ازدواج کے حرام ہونے میں (نہ محرمین میں) وہی باپ کی بیوی کا حکم شمار ہے۔

چوتھا گروہ ان عورتوں کا ہے جو ان رابطوں اور رشتوں سے خارج ہیں جیسے دو بہنوں کے درمیان جمع کرنا یعنی دونوں کے ساتھ ازدواج کرنا اور اس عفیف و پاکدامن مرد کا زنا کار اور بد کار عورت سے ازدواج کرنا جس نے توبہ نہ کی ہو اور نہ کرے گی اسی طرح زانی اور بد کار مرد کا پاکدامن عورت سے شادی کرنا بلکہ کلی طور پر بدکار اور زانی اور زانیہ مرد اور عورت کا ایک دوسرے سے شادی کرنا حرام ہے ؛کیونکہ(سورہ مائدہ کی آیت ۵) کی روشنی میں پاکدامن ہونا ازدواج کی حلیت کی کلی طور پر شرط ہے کہ کلی طور پر ازدواج جنسی بے راہ روی اور اس کے مانند سے حفاظت کی بنیاد پر ہے نیز اسی عورت سے ازدواج کرنا جسے تم نے تین بار طلاق دی ہے(اور کوئی رجوع نہیں ہے) تو تیسری طلاق کے بعد تم پر حرام ہوجاتی ہے اس کے بعد اگر اس عورت نے کوئی دائمی شوہر کیا اور اس کے ساتھ ہمبستری کی اور اس کا شوہر مر جائے یا اسے طلاق دیدے تو ان دونوں صورتوں میں جدید عقد کے ساتھ تم پر حلال ہوجائے گی ۔اور نوین طلاق میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم پر حرام ہو جائے گی اسی طرح وہ عورت جس کی طرف تم نے زنا کی نسبت دی ہے اور شرعی لحاظ سے ملاعنہ کیا اور خود کو بری الذمہ کیا ہے کہ اس برأت سے وہ تم پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی ،نیز وہ لڑکی جس کا تم نے افضأ کردیا ہے یعنی اس کے پیشاب اور تناسل کے مقام کو ایک کردیا ہے اور یہاں پر صرف اس کے بالغ ہونے سے پہلے اس کے ساتھ ہمبستری حرام ہے (جیسا کہ مرحوم آقا خوئی نے فرمایا ہے) اور باقی تمام عورتوں سے شادی کرنا شرعی رکاوٹوں کے برطرف ہوجانے سے حلال ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ناجائز ازدواج ہوگیا ہے یا کسی عورت کے ساتھ اس کی عدۃ کی حالت میں زنا کردی ہے تو یہاں پر شرعی مانع کے برطرف ہونے کے بعد اس طرح کی عورتوں کے ساتھ جائز ہے (بشرطیکہ دونوں ہی توبہ کریں) (اور مرحوم آقا خمینی کے فتوی کے

مطابق اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت سے ازدواج کرسکتا ہے جس کے ساتھ عدہ متعہ یا طلاق بائن یا عدہ وفات میں زنا کی ہو) اور کلی طور پر آیہ کریمہ (و احِلّ لکم ما ورأ ذلکم) کی روشنی میں دیگر عورتوں سے ازدواج حلال ہے۔

مسئلہ٦٣٥۔پہلے سات قسم کی عورتوں سے متعلق جو دائمی نسبی حرمت رکھتی ہیں ،ان کا حرام ہونا ان کے ساتھ ہمبستری کرنے یا عقد کرنے میں منحصر نہیں ہے ؛کیونکہ یہ "حرمت" ان کے ساتھ ازدواجی مسئلہ سے مخصوص نہیں ہے ،بلکہ خود وہ لوگ اس لحاظ سے کہ مردوں کی جو عورتیں مطلوب ہیں کہ مثلاً (حرمت علیکم أمھاتکم وبناتکم وأخواتکم وعماتکم) (سورہ نسأ ،آیت ٢٣) تمہاری مائیں (تم پر) حرام ہیں عورتوں سے شہوت اور بیوی ہونے کے عنوان سے مردوں کے لئے جو تمام فوائد حرام ہیں وہ ماں اور اس کے مانند کی نسبت اس کے تمام ابعاد اور جوانب میں حرام ہیں ،کہ ان کا چومنا ،ان کے جسم پر (لذت کے قصد سے) ہاتھ پھیرنا اور انھیں شہوت کی نظر دیکھنا اور ان سے گفتگو کرنا اور ان سب سے اہم ہر قسم کا ان سے ازدواجی رابطہ جیسے ان کے ذریعہ بچہ پیدا کرنا اگر چہ ان کے رحم میں نطفہ کا داخل کرنا جنسی رابطہ کے بغیر ہو(یعنی جسمانی طور پر ان کے ساتھ جنسی رابطہ نہ ہوا ہو) یہ اس کا بھی اس حرمت مطلقہ سے استفادہ ہوتا ہے ،بنابریں سارے رابطے ان تمام عورتوں سے متعلق جو تم پر حرام ہیں ،حرام ہیں اور اس میں قطعاً کوئی استثنأ نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۳۶: مائیں بلاو اسطہ ماؤں، ماؤں کی ماؤں اور آباء کی ماؤں اگرچہ واسطہ زیادہ ہی ہو ں ،سب کو شامل ہے اسی طرح لڑکیاں بالواسطہ اور بلا واسطہ تمام لڑکیوں کو شامل ہے خواہ نواسیاں ہوں یا پوتیاں، اسی طرح بھانجی اور بھتیجی جو تمام نواسیوں اور پوتیوں کےسلسلہ کو شامل ہوتاہے ، اسی طرح پھوپھیاں اور خالائیں خواہ تمہاری بلا واسطہ خالہ اور پھوپھی ہوں یا تمہاری ماں یا باپ کی پوپھیاں اور خالائیں ہوں کہ اس سے مراد باپ کی بہن یا دادا کی بہن خواہ سلسلہ کتنا ہی اوپر چلا جائےاور ماں کی بہن چاہے یہ سلسلہ جتنا اوپر کو جائے یہ سب تم پر انہی کلی اور عمومی سلسلہ سے حرام ہے(قرآن کریم کے سورہ نساء، آیہ ۲۴) میں تمام اصلی محرمات کا ابتدائی ازدواج کے سلسلہ میں ذکر ہواہے اور آخر میں ارشاد باقی ابتدائی ازدواج کو

حلال کیا ہے اور استمراری ہو ہے :(... وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاء ذَلِكُمْ ...)بنابریں ازدواج سے افضا شدہ اور ملاعنہ کردہ عورت جس کا احادیث میں ذکر ہوا ہے (قرآن کریم) سے کوئی منافات نہیں رکھتا اور ہم باقی احادیث کے سلسلہ میں جو قرآن کریم کے خلاف ہیں اور حلال خدا کو حلال اور حرام الہی کو حرام بتاتی ہیں یقیناً م ان کو مردود جانتے ہیں اور ان سے صرف نظر کرتے ہیں حرمت کی نسبت اجماعات، شہرتوں ، روایتوں نیز ان کے اور ان کے فتووں کی طرف دی ہے ۔[166]

مسئلہ ۶۳۷: اس کے درمیا ن تمام ازدواج منجملہ اہل کتاب سے موقت یا دائم ازدواج آیہ سورہ مائدہ کی نص سے (والمحصنات من للذین اوتو الکتاب) [167]حلال ہیں (چنانچہ متأخرین میں سے فیض کاشانی ، آقائے سید ابوالحسن اصفہانی، اور معاصرین میں سے آقائے خوئی، آقائے گلپائیگانی نے فرمایا ہے اور آقائے خمینیؒ نے دائمی ازدواج کے ترک کرنے کو احتیاط واجب جانا ہے) اور یہ (اس تصور کے خلاف)عقد موقت کے اہل کتاب عورتوں سےمتعہ کرنےمیں منحصر نہیں ہے ؛ کیونکہ عقد دائم، نکاح کا سب سے پہلا نتیجہ اور اس عموم اور اطلاق کے مورد نص نتیجہ ہے مجموعی طور پر ہر قسم کا ازدواج اور شادی بیاہ جس کا نتیجہ خراب اور تباہ کن نہ ہو، حلال ہے ، بلکہ کبھی واجب ہے، کیونکہ آیہ کریمہ(... أُوْلَئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ...)[168] ازدواج کا اہم مانع ناری دعوت اور جہنمی گمراہی جانا ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ کلی قانون کے لحاظ سے مسلمان مرد یا عورت کا مشرک عورت اور مرد سے نیز مسلمان عورت کا کسی بھی کافر مرد سے خواہ اہل کتاب ہی ہو، شادی بیاہ کرنا مربوط آیت کی روشنی میں حرام ہے۔

لیکن ناری اور جہنمی دعوت کا خطرہ نہ ہونے کی صورت میں حلال ہے اور امر بالمعروف اور نہی از منکر کے مورد میں واجب ہے جیسے حضرت نوحؑ اورحضرت لوطؑ کی بیویوں کا مشرک ہونا یا حضرت آسیہ کے شوہر فرعون کا مشرک یا ملحد ہونا اس قسم کی ہمسری کی حلیت سےمانع نہیں تھا اور قرآن نے بھی جو ان کو حرام قرار دیاہے استثناء پذیر قاعدہ کے باب سے تھاکہ مذکورہ دو صورتوں میں حلال یا واجب ہے، لیکن مسلمان مرد اور عورت کے درمیان نا مناسب ہونا اور برابری کا نہ ہونا تباہ کن اور جہنمی دعوت کا حامل ہے۔

---

١٦٦ ۔جز نا مناسب ازدواج کے کہ '' ماورا ذلکم'' کا جز نہیں ہے اورسورہ نور کی تیسری آیت نے اس کو واضح الفاظ میں بیان کیاہے کہ ہم ان تمام موارد میں مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہیں ؛ کیونکہ یقینی طورپر اور ہمارے عقیدہ سے اس طرح کی احادیث اور روایات آئمہ معصومین علیھم السلام سے صادر نہیں ہوئی ہیں اور قہری طورپر ان روایات کی بنیاد پر جو فتوے صادر ہوئے ہیں اس کی تکلیف معلوم ہے اور ثانیاً اس قسم کی روایات خود بھی ساری ساری آپس میں ایک دوسرے سے تضاد رکھتی ہیں اور ان کے درمیان حلیت کی احادیث جو '' واحل لکم ما وراء ذلکم'' کی عمومیت اورکلیت کے مطابق میں مورد پسند اور قابل قبول ہیں۔

١٦٧ ۔سورہ مائدہ ، آیہ ۵.

١٦٨ ۔سورہ بقرہ،آیہ ٢٢١.

سورہ بقرہ کی آیت کی رو سے حرام ہے ، ازدواج کے سلسلہ میں قرآن کا ایجابی قاعدہ(طرفین کی رضایت کے علاوہ) گمراہی اور انحراف سے حفاظت اور نگہداری ہے، چنانچہ سورہ مائدہ کی ۵ ویں آیت میاں اور بیوی دونوں ہی کی نسبت مردوں کے سلسلہ میں '' محصنین'' اور عورتوں کی نسبت'' المحصنات'' کی شرط لگائی گئی ہے اس کا بعد اس کا سلبی قاعدہ '' اولئک یدعون الی النار'' ہے اور بس۔
مسئلہ ۶۳۸۔ استثناء پذیر قاعدہ کی رو سے بت پرست عورتیں مسلمان مردوں پر حرام ہیں جس طرح بت پرست اور کتابی مرد دونوں ہی مسلمان عورتوں پر حرام ہیں ، لیکن کتابی عورت مسلمان مرد پر حرام نہیں ہے جیسا کہ سورہ مائدہ ۵ویں آیت واضح الفاظ میں اس کا اعلان کر رہی ہے(والمحصنات من المؤمنات)[169]جس طرح مسلمان پاکدامن عورتیں حلال ہیں اسی طرح پاکدامن اہل کتاب عورتیں بھی مسلمانوں پر حلال ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس (شوہر) کی گمراہی کا سبب نہ ہو اسی طرح اپنے یا اس کے بچوں کو گمراہی کا راستہ نہ دیکھائیں کہ '' اولئک یدعون النار'' مشرک سے ازدواج کی حکمت اور علت جہنمی دعوت بتایا ہے ، لیکن کتابی عورتیں معمولاً اورعام طور پر ایسی دعوت نہیں رکھتیں اور انحرافی دعوت کی صورت میں ایسے گمراہ اور منحرف شخص سے خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو حرام ہے۔
اگر کوئی شخص ایک مسلمان بیوی رکھتا ہو اس کے باوجود اس کی رضایت کے بغیر کسی اہل کتاب عورت سے ازدواج کرلے تو یہ ازدواج باطل ہے اور مرد کے اہل کتاب عورت سے منصرف نہ ہونے کی صورت میں مسلمان عورت کو اس (مسلمان شوہر) سے جدا ہونے کا حق حاصل ہے اور ایک اہل کتاب کے ہوئے اس کی خبر دئیے بغیر کسی مسلمان عورت سے ازدواج کرلے اور یہ عورت باخبر ہونے کے بعد راضی نہ ہو تو اس سے جدا ہوسکتی ہے۔
اور ان دیگر عورتوں سے ازدواج کی ابدی حرمت جس کا فقہا نے فتوی دیا ہے ۔ سورہ نساء، آیہ ۲۴، (احل لکم ماوراء ذلکم) کیونکہ یہ خود قرآن کریم میں ان عورتوں کے علاوہ کی حلیت پر عمومی نص ہے جن کی ابدی حرمت کی تصریح ہوئی ہے بالخصوص ان میں بعض شوہر دار عورتیں یا عدہ کے درمیان ازدواج ہے کہ اس سلسلہ میں متضاد روایات ہیں۔
مسئلہ ۶۳۹: اگر مسلمان عورت،بت پرست ہوجائے تو وہ اپنے مسلمان شوہر پرحرام ہوجائے گی اور شوہر کو اس سے طلاق کے بغیر ہی جدا ہونا چاہئے ، لیکن اگر (وہ مسلمان عورت) یہودی، یا نصرانی ہوجائے تو حرام نہیں ہے۔

---
[۱۶۹] ۔سورہ مائدہ، آیت ۵.

مسئلہ ۶۴۰: اگر مسلمان مرد جس کے پاس مسلمان عورت موجود ہے ، اسلام سے خارج ہوجائے خواہ بت پرست ہوجائے یا یہودی اور نصرانی تو اس کی بیوی طلاق کے بغیر ہی اس سے جدا ہوجائے گی ؛ کیونکہ قرآن کریم کی نص اور محکم روایات کی روشنی میں مسلمان عورت کا کافر مردسے شادی کرنا کلی طورپر حرام ہے اور ہمبستری ہوجانے کی صورت میں عدہ وفات کہ چار ماہ دس رات کو نظر میں رکھ کر اس عدہ وفات کے احکام کی رعایت کی جائے اس کے بعد دوسرا شوہر کرنے میں آزاد ہے ، مگر یہ کہ اس کا شوہر عدہ کے دوران توبہ کرکے دوبارہ مسلمان ہوجائے تو ایسی صورت میں جدید عقد کے ساتھ رجوع کرنا جائز ہے ؛ کیونکہ سابق عقد ،ارتداد کی وجہ سے خود بخود فسخ ہوچکا تھا لہذا جدید زندگی ایجاد کرنے کے لئے جدید عقد اور قرار داد کا محتاج ہے۔

مسئلہ ۶۴۱: کسی عورت کی بھتیجی یا بھانجی سے شادی کرنا اس صورت میں جائز ہے جب اس مرد کی بیوی (پھوپھی یا خالہ) ایسا کرنے کی اجازت دے ورنہ یہ ازدواج بھی صحت کے باوجود حرام ہے چہ جائیکہ اس کے علاوہ عورتوں سے جیسے اس عورت سے جس کے بھائی کے ساتھ (اس مرد نے) لواط کیا ہو تو یہ ازدواج بھی اگرچہ مرجو ح ہے لیکن حرام نہیں ہے ۔ بالآخر وہ تمام عورتیں جو آیہ تحریم کے خلاف ہوگئی ہیں شوہردار عورتوں کے علاوہ ہیں کہ وہ بھی بہر حال حرا م ہیں مگر یہ کہ ان کےشوہروں کی طرف سے طلاق ہوئی ہو اور اس کے علاوہ دیگر ذاتی محرمات جن کا شمار کیا ہے(واحل لکم ما وراء ذلکم) کے خلاف ہے ؛ کیونکہ ذاتی محرمات میں وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہو چکا ہے ۔[170]

مسئلہ ۶۴۲: وہ مرد اور عورت جنہوں نے طواف نساء یا کوئی بھی واجب طواف چھوڑ دیا ہو تو ہر مرد اور عورت پر اس کی انجام دہی سے پہلے ایک دوسرے کے لئے حرام ہیں خواہ مرد اور عورت آپس میں میاں اور بیوی ہوں یا پھر مرد اور عورت اجنبی ہوں لیکن اس کے دوران آپس میں ازدواج کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

دودھ پلانے اور پینے کی حرمت

مسئلہ ۶۴۳: اس سلسلہ میں متعلقہ آیت میں صرف اور صرف رضاعی ماؤں اور بہنوں کا ذکر ہوا ہے تو کیا ان دو گروہ سے اختصاص دینا ان سات قسموں میں سے دو قسموں کے ذکر کرنے کے باب سے ہے؟ ہرگز کیونکہ رضاعی ماں اور بہن کا حرام ہونا صرف اور صرف اصلی ماؤں اور بہنوں سے الحاق کی بنیاد پر ہے اور بس اور اس وقت کہ یہ دونوں صرف نسبی ماؤں اور بہنوں سے ملحق ہوگئی ہیں، باقی پانچ قسموں کا شیر خوارگی کی وجہ سے حرام ہونے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس وقت طے

---
۱۷۰. فقہاء میں سے جو فقیہ شوہر دار عورتوں کے ساتھ زنا کرنے کو ابدی حرمت کا باعث نہیں جانتے وہ آقائے خوئی ہیں۔

یہ تھا کہ اس دو مورد کے علاوہ افراد (رضاعی ماں او ر بہن) ان دونوں سے ملحق ہوں قرآنی بلاغت کا قانون یہ تھا کہ دو ادنی اور نچلے فرد کا ذ کر کرےتاکہ اعلی اور بلند ترین افراد ان دونوں سے بطریق اولی ملحق ہوجائیں (برعکس) جبکہ آیہ کریمہ میں دو اعلی فرد کو کہ (... وَأُمَّهَاتُكُمُ اللاَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللاَّتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللاَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُواْ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلاَئِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلاَبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُواْ بَيْنَ الأُخْتَيْنِ إَلاَّ مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا)[171] میں صرف رضاعی ماں اور بہن کا ذکر کیاہے کہ ہرگز نچلے طبقے جیسے بھانجیوں، بھتیجوں ، پھوپھیوں اور خالاؤں اور اس کے مانند کو ملحق نہیں کیا جاسکتا اور یہ ا لحا ق بالکل آیہ شریفہ''ولاتقل لھما اف'' کی طرح ہوگا (کہ باپ اور ماں کو اف تک نہ کہو، یہاں پر خداوند عالم نے والدین کی نسبت اذیت اور آزار کا ادنی نمونہ ذکر کیا ہے اس سے اعلی اور عظیم مرتبہ افراد کو مارنا، گالی دنیا وغیرہ ہے بطریق اولی اس سے ملحق ہو اور یہ (قرآن کریم) کے لطائف میں سے ہے جس کا سمجھنا صرف اور صرف قرآنی محققین کے اختیار اور بس میں ہے ۔ لیکن جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں (رضایت کے باب میں) مذکورہ بالا اور اعلی افراد میں سے دومورد کا آیہ کریمہ نے منحصر طور پر ذکر فرمایا ہے پھر آپ اس انحصار کو کیسے نظر انداز کرسکتے ہیں اور ادنی اور نچلے طبقے کے افراد جیسے پھوپھی کی پھوپھی یاخالہ یا خالہ کی خالہ یا بھتیجی یا بھانجی اور اس کے مانند کو ان دو فرد سے ملحق کرسکتے ہیں کہ ان دو مورد میں آپ کے پا س توجیہ بھی نہیں ہے اور اس الحاق میں آپ کو تین عمدہ اور بڑے اعتراض کا سامنا ہوگا اور ہے اور رہے گایا ان سب سے صرف نظر اولاً متعلقہ آیت نے ان دونوں عورتوں کو اصلی ماؤں اور بہنوں سے ملحق کیا اور اگر اختصار ملحوظ نظر تھا تو جیسا کہ ہم نے عرض کیا یہاں پر بہترین عبارت(ومثلھن من الرضاعۃ) تھی نہ وہ طویل اور نارسا عبارت کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ساتوں موارد جو آپ نے ذ کر کیاہے اس میں شامل ہوتے، پس مطلب اور بات کچھ اور ہی ہے ، اصولی طورپر جس ماں نے دودھ پلایا ہے، وہ دادای کو شامل نہیں ہوگی چنانچہ شیر خوار کی بہن اس کی ماں کی بیٹی کو شامل نہیں ہے اور شیر پلانے والی کی ماں بھی حرام ہوگی اور اس وجہ سے کہ وہ آپ کا رضاعی بیٹا ہے اس کی بیوی تمہاری محرم اور اس کے بعد اس عورت سے ازدواج بھی حرام ہوگی ، یہاں پر خوب غور کیجئے کہ فقہائے اسلام نے کس طرح کجروی کی ہے یہاں تک ایک ایسی روایت جو متن اور سند دونوں لحاظ سے مشکل رکھتی ہے کہ آیہ کریمہ قرآن کی نص پر ترجیح دی ہے جیسا کہ سینکڑوں صحیح اور صحیح روایت بھی ایک نص یا قرآن

---

١٧١ سورہ نساء، آیہ ٢٣.

میں ظاہر مستقر کے مقابل ٹک سکیں)یا ممکن ہے آپ کہیں کہ ان دونوں کا ذکر اختصار کے پیش نظر ہے کہ قرآن اصل شریعت کے عنوان سے نوعاً اختصار سے کام لے رہاہے اور اس کی توضیح اور تفصیل روایات کے ذمہ چھوڑ دی ہے ؟ یہاں پر بھی ہرگز ایسا نہیں ہے ؛ کیونکہ اگر اختصار کوئی مراد تھی تو پھر بہن سے قریب لڑکی ہے اس کا ذکر کیوں نہیں آیا اور سب کو شامل نہ ہونے والی اس اختصار گوئی کے بجائے بہت ہی مختصر جیسے '' وھنّ من الرضاعۃ'' یا '' ومثلھن من الرضاعۃ'' ہے کہ لفظی اعتبار سے '' امھاتکم اللتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ'' سے بھی مختصر ہے ، ان الفاظ کے بدلے اکٹھا فرمایا:'' ومثلھن من الرضاعۃ'' کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اختصار گوئی کے لحاظ سے بھی بہتر ہوتا اور اس میں بھی جو آپ شما ر کررہے ہیں اس کو بھی شامل ہوتا۔ جبکہ ایسا نہیں فرمایا ہے پس آپ بھی ایسا نہ کہیں اور ہم یہاں پر بخوبی سمجھتے ہیں کہ محرمات رضاعی صرف اور صرف یہی دو گروہ ہیں اور بس۔

رضاعی مائیں رضاعی بہنیں :اور مشہور حدیث سے استناد ''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب'' جو نسب کے لحاظ سے حرام ہے وہ رضاعت اور شیر خوارگی کی وجہ سے بھی حرام ہے، ہرگز صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث آیت کی نص کے ساتھ اسی دو گروہ سے اختصاص میں واقع ہوتی ہے اور یہاں پر غایت درجہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ ان موارد میں سے ہے کہ شیعہ سنی فقہا نے قرآن کریم کی نص کے خلاف فتوی دیا ہے کہ انہوں نے صرف دو مورد کو گزشتہ ہفتگانہ مورد میں شامل نہیں کیا ہے بلکہ دیگرہ ۵ مورد کا اضافہ کرکے اس کی تعداد ۱۲ کردی ہے۔ منجملہ ان کا فقہی اصطلاحی میں '' مصاہرہ'' کہ سببی رابطہ ہے کو نسبی رابطہ ہے ملحق کرنا ہے جبکہ اگراس حدیث کے اطلاق پر عمل کرنا چاہیں تو انہیں رضاعی رابطہ کو حرمت کا سبب جاننا چاہئے جو ہفتگانہ نسبی رابطہ کا جاگزین ہو کہ رضاعی ماں اور بہن کے علاوہ، لڑکی، پھوپھی خالہ اور رضاعی بھتیجی ہوں گی نہ ان کے علا وہ جبکہ ان فتوی دینے والوں نے رضاعی لڑکے کی بیوی اور اس کے مانند کا بھی اضافہ کیا ہےجبکہ رضاعی حرمت صرف اور صرف ازدواج سے متعلق ہے تو کیا دو مذکر اور دو مؤنث کے درمیان ازدواج ممکن ہے تاکہ حرام یا حلال ہو؟ اس اصل کی بنیاد پر مرد کے لئے رضا ئی لڑکا اور لڑکی بھی کوئی معنی اور مفہوم نہیں رکھتی۔

اس آیہ کریمہ کی نص کے مطابق صرف وہ ماں جس نے تم کو دودھ پلایا ہے نہ ماں کی ماں اور اس کی مائیں تم پر حرام ہیں کہ یہ نص اس عورت سے مخصوص ہے کہ جس بلا واسطہ خود تم کو دودھ پلایا ہے نہ ان کی مائیں، بلکہ صرف اور صرف ہی

ماں تم پر حرام ہے ، نیز تمہاری رضاعی بہنیں کہ یہ چند قسم کی بہنوں کو شامل ہے:۱) تمہاری رضاعی بہن کو دونوں ہی نے یعنی ایک اجنبی لڑکے اور لڑکی نے کسی اجنبی عورت کا دودھ پیا ہے۔ ۲): وہ لڑکی جس نے تمہارے ساتھ تمہاری ماں کا دودھ پیا ہے۔۳): وہ لڑکی جس نے تمہاری ماں کا دودھ پیا ہے لیکن تم نے کسی وجہ سے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا، کیونکہ '' من الرضاعۃ'' صرف اور صرف اجنبی عورت کو شامل ہے خواہ تم نے اس کا دودھ پیا ہو یا نہ کہ عربی زبان میں الف و لام کے دودھ کی جنس کو بتا رہا ہے نہ بالخصوص اس دودھ کو جسے تم نے پیا ہے یا اصولی طور پر تم نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہو اس اصل کی روشنی میں (اخواتکم من الراضاعۃ) بعدی(امہاتکم اللاتی ارضعنکم) [172]ایک بعدی ہے اور شیر خوارگی کے مسائل بعد میں بیان ہوں گے۔

مسئلہ ۶۴۴: بیوی کی ماں خواہ وہ دائمی ہو یا موقت جبکہ اس عورت سے تم نے ہمبستری کی ہو(خوہ ابھی تمہاری بیوی ہے یا مرچکی ہے یا اسے طلاق دے دی ہے) تم پرحرام ہے یا یہاں پر بیوی کی ماں اعم ہے یعنی بلاواسطہ کو بھی شامل ہے اور نانی، پرنانی اور جہاں تک یہ سلسلہ اوپر کو چلا جائے۔

مسئلہ ۶۴۵: بیوی کی لڑکی یا بیوی کی نواسی جبکہ اس عورت سے ہمبستری کی ہو اور یہ لڑکی تمہارے دامن تربیت میں تربیت پائی ہو توان دونوں صورتوں میں وہ تمہاری محرم اور اس سے تمہارا ازدواج کرنا بھی حرام ہے لیکن اگر اس کے ساتھ تم نے ابھی تک ہمبستری نہ کی ہو یا یہ لڑکی تمہاری آغوش تربیت کی پروردہ نہ ہو تو وہ تمہاری محرم نہیں ہے اور اس کے ساتھ شادی بھی ممنوع نہیں ہے ۔ اور طلاق دینے سے پہلے بھی اس عورت کی لڑکی سے ازدواج کرسکتے ہو کہ (...وَرَبَائِبُكُمُ اللاَّتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللاَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُواْ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلاَئِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلاَبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُواْ بَيْنَ الأُخْتَيْنِ إَلاَّ مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا)[173]اگر ان (لڑکیوں) کی ماؤں کے ساتھ تم نے ہمبستری نہیں کی ہے تو ان کے ساتھ ازدواج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ''۔ یہاں پر کسی عورت کی لڑکی سے شادی کرنے میں اس عورت کو طلاق دینے کی شرط نہیں لگائی گئی ہے کہ اس صورت میں قہری طور پر اس لڑکی کی ماں اس عنوان سے کہ تمہاری بیوی کی ماں ہوگی تم پر حرام ہوجائی گی اور جو تم نے اس کی ماں کی ساتھ عقد کیا ہے قہری طور پر یعنی خود بخود فسخ اور باطل ہوجائے گا۔

اور علمائے بزرگوار نے جو یہ کہا ہے ایسی صورت میں ماں اور بیٹی کے درمیان جمع ہوگا اور یہ جمع بھی حرام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پرجمع

---

۱۷۲ ۔سورہ نساء، آیت ۲۳.
۱۷۳ ۔ سورہ نساء، آیہ ۲۳.

درکار نہیں ہے ؛ کیونکہ مسئلہ قہری اور آٹومیٹک ہے یعنی جیسے ہی تم نے اس عورت کی بیٹی سے ازدواج اور نکاح کیا ، اس کی ماں تمہاری بیوی کی ماں ہوجائے گی اور پہلے عنوان کے تمہاری بیوی تھی سے خارج ہوگر'' وامھات نسائکم'' کے عنوان کے تحت قرار پائے گی کہ صرف اس عورت کی ماں کے ساتھ بشرطیکہ اس سے ہمبستری کی ہے،ازدواج حرام ہے(یہاں پر ''من نسائکم'' میں لفظ'' من '' کا دو مرجع اور بازگشت رکھتا ہے سب سے پہلے '' امھاتکم نسائکم'' میں نساء کویہاں پر ''من'' تبیین کے لئے ہے ، اس معنی ہیں کہ جن ان عورتوں کے ساتھ تم نے ہمبستری کی ہے ان کی مائیں اس کے بعد یہی'' من '' تبعیض کے لئے ہے یعنی جن عورتوں کے ساتھ تم نے ہمبستری کی ہے ان کی لڑکیاں، اس صورت میں ربیبہ کی ماں کے ساتھ ہمبستر ی ربیبہ کی حرمت کے لئے شرط ہے اسی طرح بیوی کے ساتھ ہمبستری بھی اس عورت کی ماں کے ساتھ عقد کرنے کی حرمت کے لئے شرط ہے اور اگر بیوی کی ماں (ساس) کی نسبت یہ شرط نہ ہوتی تو فصاحت اور صحت بیان کا تقاضا یہ تھا '' امھات نسائکم'' ''ربائب'' مقید کے بعد بطور مطلق آنا چاہئے۔اور یہاں پر روایات بھی متناقض ہیں اورجو چیز آیت کی قید کے موافق ہے وہ قابل قبول ہے بالآخر اس بیوی کی ماں کا محرم ہونا کوئی دلیل نہیں رکھتا؛ کیونکہ اصل تمام عورتوں میں نامحرم ہونا ہے جز قطعی دلیل کے کہ یہاں پر اس کے خلاف قوی ہے) چونکہ آیت میں بیوی کی لڑکی کی قید لگائی گئی ہے بنابریں اگر کسی عورت سے زنا کرے تو اس پرحرام نہیں ہوگی جیسا کہ اس کا برعکس بھی ایسا ہی ہے اور وطی با لشبہہ میں بطریق اولی ایسا ہے ۔ زیادہ سے زیادہ اس کا مرجع ہونا دلیل سے خالی نہیں ہے۔
صرف اس شرط کے ساتھ تمہاری اس شرعی بیوی کی لڑکی بیوی تم پر حرام ہے جب تم نے اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو اور اسی طرح برعکس یعنی اس لڑکی کی ماں جس کے ساتھ تم نے بستری کی ہے مذکورہ شرط کے ساتھ حرام ہے۔
مسئلہ ۶۴۶: تمہاری صلبی بیٹے کی بیوی کہ (و حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم)[174]''من اصلابکم'' کی قید کےساتھ ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیٹی منہ بولے بیٹے کی بیوی کی طرح ہے اور حرام نہیں ہے اور اصولی طور پر '' رضاعی لڑکا'' (باب نکاح میں) موضوعات محرمہ میں سے نہیں ہے تاکہ اس کی بیوی کے ساتھ شادی کرنےکی یہ حرمت (ا س کے صحیح ہونے کی فرض کی بناء پر) سرایت کرے صرف وہ لڑکا جس نے تمہاری بیوی کا دودھ پیا ہو اس عورت اورتمہاری بیٹیوں پر تمام دیگر لڑکیوں کی طرح جن کے ہم شیر ہوئے ہو، حرام ہیں ، نہ یہ کہ یہ لڑکا بھی تم پر حرام ہوتاکہ اس ذریعہ سے اس کی بیوی بھی تم پرحرام ہو یہ کیا مطلب ،کہ وہ

---

[174] ۔سورہ نساء، آیہ ۲۳.

لڑکا جس نے تمہاری بیوی کا دودھ پیا ہے تمہاری بیوی کے رضاعی بیٹے کے علاوہ تمہاری لڑکی کا رضاعی بھائی ہے ، تمہارا بھی رضاعی لڑکا ہو، مگر تم نے اس کو دودھ پلایا ہے کہ وہ تمہارا رضاعی بیٹا ہو، تمہارے پاس تو دودھ کا موضوع ہی نہیں تھا پھر کس طرح تمہارا کوئی رضاعی بیٹا ہوگا ، بہرحال اس طرح کی بے ربط باتیں اسلامی فقہ میں بہت زیادہ ہوئی ہیں اور ہم بھی تحمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رکھتے آخر کلام یہ ہے کہ شیر خوارگی کے موضوع میں حرام ہونا صرف ازدواجی رخ سے ہے نہ یہ کہ تمہارا شیرخوار تمہارے اصل کی طرح تم پر حرام ہو، کیا یہ لڑکا بھی تم پرحرام ہے؟ تازہ اگر رضاعی لڑکی کے حرمت کا کوئی مطلب ہو تا تو رضاعی بیٹے کی بیوی اور حدیث مشہور کے عام ادعا سے خارج ہے، کیونکہ رضا کو صرف نسب سے ملحق کیا ہے نہ سبب اور دامادی سے کہ دامادی بھی حرمت کا باعث ہو۔

مسئلہ ۶۴۷: باپ کی بیوی نہ صرف باپ کی بیوی بلکہ ہر وہ عورت جس سے باپ نے ہمبستری کی ہے خواہ ازدواج کے اعتبار سے حلال طریقہ سے یا شبہہ کے اعتبار سے یا حرام طریقہ سے بہر حال تم پر حرام ہے کہ اس سے متعلق آیت'' ما نکح آبائکم'' ذکر ہوئی ہے یہ خود عام ہے خواہ عقد سے ہو یا ہمبستری ہوئی ہو عقد کے ذریعہ یا بغیر عقد کے اور روایات میں بھی آیت سے اسی قسم کا مطلب نکالا گیاہے کہ ہر قسم کا رابطہ '' نکاح'' خواہ لفظی ہو یا عملی ، حلال ہو یاحرام باپ کی منکوحہ عورت سے عقد کی حرمت کا باعث ہے اور یہاں پر '' آبائکم'' مادری ، پدری آباؤ اجداد سارےسلسلہ کو شامل ہے۔ لیکن صرف باپ کی بیوی کی نسبت نہ اس کی ماں یا اس کی لڑکی نسبت کہ نہ تمہارے باپ کی بیوی کی ماں تم پر حرام ہے اور نہ ہی اس کی بیوی کی لڑکی اس کے ساتھ ہمبستری کرنے اور اس لڑکی کے تمہارے دامن تربیت میں پرورش پانے کی وجہ سے خود اس پرحرام ہے، لیکن تم پر حرام ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۴۸: دو صلبی بہنوں کے درمیان جمع کرنا کہ دو بہنوں کے ساتھ اکٹھا یا یکے بعد دیگر ے ازدواج کر لو تو حرام ہے خو اہ بطور موقت اور اس کی فرع میں بھی اس عورت سے جو طلاق رجعی کا عدہ رکھ رہی ہے ، تم کو اس مدت میں تجدید عقد کے بغیر اس کی طرف رجوع کرنے کا حق ہے اس اصل کی روشنی میں یہ عورت ایسے عدہ میں تمہاری بیوی کے حکم میں ہے تو اس کی بہن سے اس کا عدہ تمام ہونے سے پہلے تم اس سے ازدواج کر نے کا حق نہیں رکھتے۔ملکی جمع (کنیز) کی صورت میں بھی صرف ہمبستری اور تمام شہوانی استفادہ کی صورت میں جمع

کرنا حرام ہے، کیونکہ ان دونوں کا مالک ہونا ازدواج اور نکاح کا مستلزم نہیں ہے یہاں پر کلی طور پر ایک ساتھ دونوں سے شہوا نی رابطہ رکھنا حرام ہے۔
مسئلہ ۶۳۹: عدہ بائن میں خواہ دو قسم کے طلاق بائن سے ہو یا اس عورت کے عدہ میں جو عقد موقت کے ذریعہ تمہاری بیوی ہو تو اس عدت میں کسی صورت عقد جدید کے بغیر اس سے رجوع نہیں کرسکتے ،عدہ رجعیہ کے علاوہ اس طرح کے عدہ میں اگر اس کی بہن سےاس عورت کا عدہ تمام ہونے سے پہلے ازدواج کرو تو کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ دو بہنوں کے درمیان نہ حقیقی جمع ہے او ر نہ ہی (فقہی اصطلاح میں) جمع تنزیلی کہ یہ عورت اپنے عدہ کے دوران تمہاری بیو ی ہو۔ جبکہ طلاق خلع اور مبا رات کے عدہ میں جو عورت نے تمہیں بخشا ہےاس عورت کے رجوع کرنے پر تم اس کی طرف رجوع کرسکتے ہو اگرچہ دوسرے کی طرف کسی صورت رجوع نہیں کرسکتے۔
اس اصل کی روشنی میں اس عورت کی بہن سے ازدواج کرنا جو تمہارے عقد موقت کے عدت میں ہے، کسی صورت اشکال نہیں رکھتا کہ اس کی طرف تمہار ےرجوع کرنے کا کبھی کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور آیہ کریمہ اورمعتبر روایات کی روشنی میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایک جعلی روایت جس نے اس سلسلہ میں اس کی بہن سے ازدواج کو حرام کیا ہے ، نص آیت اور اس کے ساتھ دیگر روایات کے مقابلہ میں ہرگز کوئی صحیح نقش ادا نہیں کرتیں اور قابل قبول نہیں ہے بہرصورت صرف اور صرف دو صلبی بہنوں کے درمیان اصلی اور فرعی جمع حرام ہے، کیونکہ دو رضاعی بہنیں ایک دوسرے کی نسبت شرعی رضاعی نسبت نہیں رکھتیں تاکہ اس اعتبار سے اس باب میں دونوں بہنیں شمار ہوں کیا یہ دونوں بہنیں ایک دوسرےکی نسبت حرام ہیں کہ ان دونوں کے درمیان رضاعی حرمت کاموضوع ہو اور اگر رضاعی بھائی پر حرام ہیں تو
یہ حکم صرف اور صرف ان کے ساتھ ان کے رضاعی بھائی کے ازدواج کرنے سے متعلق ہے نہ خود ان کے درمیان کہ اصولی طور پر یہ حرمت ان کے د رمیان کوئی موضوع نہیں رکھتی بالآخر رضاعی حرمت کا موضوع صرف ان کے ساتھ ازدواج کی حرمت کے لئے ہے کہ دو بہنوں یا دو بھائیوں (دو مذکر اور دو مؤنث) کے درمیان کوئی معنی نہیں رکھتا اس اصل کے مطابق رضا عی حرمت ان دونوں مورد کے علاوہ ہر گز نہیں ہے بالخصوص دو ہم جنس کے درمیان مثلاً کوئی عورت اپنے نواسی کو دودھ پلائے تو فتوای یہ ہے شیر خوار لڑکی اپنی ماں کے ساتھ رضاعی بہنیں ہوگئی ہیں اور یہ عورت (لڑکی کی ماں) اس لڑکی کی رضاعی بہن ہوگئی ہے اس کے شوہر پرحرام ہے، کیونکہ یہ مرد اپنی لڑکی کی رضاعی بہن کے ساتھ خود

اس کی لڑکی کی طرح ہے، اس کی بیوی ہے !!! نہیں ہرگز اس طرح کا نظریہ شرعی زاویہ نظر سے درست نہیں ہے اور اس طرح کا دودھ پلانا ہرگز کوئی مشکل ایجاد نہیں کرتا ۔

مسئلہ ۶۵۰:زنا کار مرد یا عورت کہ آیہ کریمہ(الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ)[175] زانی مرد صرف اور صرف زانیہ اور بت پرست عورت سے نکاح کرسکتاہے اور مؤمنین پر اس طرح کا ازدواج (کہ جنھوں نے نہ زنا کی ہے اور نہ زنا کے لئے آمادہ ہوئے ہیں) حرام ہے۔(شیخ طوسی پاکدامن مرد کا بدکار عورت سے اور اسی طرح برعکس نکاح کرناحرام جانتے ہیں اور مرحوم حاج سید احمد خوانساری اورحاج سید محمد رضا گلپائیگانی احتیاط مطلق کی بنیاد پر اسے حرام جانا ہے)یہ '' لاینکح'' اور '' لاینکحھا'' کہ ظاہراً خبر ہے لیکن معنی کے لحاظ سے انشاء اور نہی ہے کہ خبر کے لباس میں مزید تاکید کے لئے ذکر ہوا ہے اور اگر اس قسم کے بے ہنگم ازدواج کی حقیقت کی خبر ہوگی تو سب کا سب جھوٹ ہے، کیونکہ زانی اور بدکار مرد ہرگز بدکار اور زانیہ عورت کی تلاش میں نہیں ہے۔ جس طرح اس کا برعکس بھی صحیح ہے اور اس وقت '' حرم ذلک علی المؤمنین'' اس حرمت کی تاکید کر رہی ہے۔

یہاں پر نکاح سے مراد زنا نہیں ہے؛ کیونکہ زنا کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے اور '' حرم ذالک '' کہ دو مذکر لفظ ہے اگر زنا کی طرف رجوع کررہا ہے تووہ مؤنث ہے اور یہ خود ہی لفظی اور معنوی ادب کے خلاف ہے کہ صرف مؤمنین پر ز نا حرام اور کفار ،منافقین اور ان کے درمیان والے اسی طرح زنا کرنے میں آزاد ہیں !!! اور اگر روایات بھی ان آیات کے مخالف ہوں گی تو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ اس وقت بعض روایات میں ''لا'' ذکر ہوا ہے جو اس قسم کے ازدواج کی حرمت پر دلیل ہے اور'' لاینبغی'' بھی کہ یہ بھی قرآنی لغت کی روشنی میں حرمت شدید کے معنی میں ہے اور ا گر مرجوح کے معنی میں ہے تو بھی آیت اور روایات '' لا'' کی نص سے مخالف ہے جبکہ معصوم علیہ السلام نے ''لاینبغی'' کو ''حرام'' سے مستند جانا ہے۔ اس آیت کے نص کے مطابق جس طرح بت پرست عورت پاکدامن مؤمن مرد پر حرام ہے اسی طرح بدکار توبہ نہ کرنے والی عورت بھی اس پر حرام ہے اورجس طرح بت پرست مرد پاکدامن مؤمنہ عورت پر حرام ہے اسی طرح توبہ نہ کرنے والا بدکار مرد بھی حرام ہے۔اور مسلمان بدکار عورت کے مقابلہ میں مسلمان بدکار مرد حلال ہے ۔ اسی طرح مشرک مرد کے لئے بھی حلال ہے۔ اورجس طرح مسلمان زنا کار مرد، مسلمان بدکار عورت پر حلال ہے اسی طرح بت پرست بدکار عورت پر بھی

---

[175] ۔سورہ نور، آیہ ۳.

حلال ہے ۔ البتہ سورہ بقرہ کی آ ۲۲۱ کی آیت میں ایک کلی قانون کے عنوان سے بت پرست عورتیں تمام مسلمان مردوں پر حرام ہیں اور اسی طرح بت پرست مرد بھی مسلمان عورتوں پر حرام ہیں کہ اس رخ سے سورہ نور کی آیت سے سورہ بقرہ کی آیت سے نسخ ہوگیا ہے اور آیہ مائدہ کے اعتبار سے اس زنا کار مرد اور عورت کا حکم جس نے توبہ نہیں کی ہے آخری حکم کے عنوان سے ایک دوسرے پر حرام ہیں لیکن آیت کا باقی حکم اسی طرح اپنی جگہ پر باقی ہے۔

مسئلہ ۶۵۱:اصولی طور پربدکار عورت قابل اعتماد نہیں ہے اور اس طرح کی عورت سے جو مرد ازدواج کرنا چاہتا ہے اسے جاننا چاہئے کہ اسے ازدواج کرنے میں کسی مانع کا سامنا نہیں ہے منجملہ یہ کہ اولا وہ شوہر دار عورت نہیں ہے دوسرےعدہ میں بھی نہیں ہےکیااس طرح کی عورت کی بات کہ ازدواج کرنے کے سلسلے میں مانع رکھتی ہے یا نہ ،یا یہ کہے کہ میں عدت میں نہیں ہوں،شرعاً قابل قبول ہے؟ اس کے علاوہ سورہ نور کی آیت نے کھلے الفاظ میں ایک پاکدامن اورایک بدکار کے درمیان ازدواج کو حرام جانا ہے ، اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہ عورت عدت میں نہیں ہے اور شوہر دار بھی نہیں ہے نہ صرف یہ آیت نسخ ہوئی ہے بلکہ مائدہ کی آیت میں کہ نزول قرآن کے لحاظ سے آخری سورہ میں تاکید بھی ہوئی ہے اورکافی پہلوں کی حامل ہوگئی ہے کہ (...وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلاَ مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَن يَكْفُرْ بِالإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ)[176]نے پاکدامن مؤمنہ اور اہل کتاب عورتوں کی حلیت کو ثابت کیا ہے۔ اس اصل کی روشنی میں صرف پاکدامن عورت ہی پاکدامن مرد کے لئے قابل ازدواج ہے کہ اگر جانتے ہو کہ بدکار ہے تو اس کی تکلیف اورفریضہ واضح ہے لیکن اگر پاکدامنی اور بدکار دونوں میں سے کوئی بھی تمہارے لئے معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے ساتھ ازدواج مشکل نہیں ہے، کیونکہ ’’ المحصنات‘‘ کے مقابلہ میں صرف اور صرف بدکار لوگ ہیں اور ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس آخری مرحلہ میں نہ صرف مشرک اور بدکار کا پاکدامن، عفیف اور مؤمن شخص سے ازدواج حرام نہیں ہے، بلکہ بدکاروں کا ازدواج کسی شخص سے اگرچہ مسلمان اور بدکار ہو، حلال نہیں ہے اور یہ ایسا نہی از منکر ہےجو کلی طور پر مسلمانوں کےدامن کو بدکاری اورجنسی بے راہ روی سے پاک و صاف رکھتا ہے[177]

---

۱۷۶ ۔ سورہ مائدہ، آیہ ۵.

۱۷۷ ۔آیہ نور کے نزول سے پہلے نا مناسب اورمعقول ازدواج کی حرمت کی خبر نہیں تھی اور آیہ نور کے نص سے جیسا کہ ذ کر ہوا ہے، حرام ہوگیا، اور سورہ بقرہ کی آیت سے مؤمن کا مشرک سے اور مؤمنہ کا مشرک سے ازدواج بہر صورت حرام ہو گیا۔ اور آخر کار سورہ مائدہ کی آیت کی بناء پر ناپاک اور بدکار افراد کا ایک دوسرے سے ازدواج کرنا بھی حرام ہوگیا اور آخر کا سورہ مائدہ کی آیت کی بناء پر ناپاک اور بدکار افراد کا ایک دوسرے سے ازدواج کرنا بھی حرام ہوگیاچہ جائیکہ پاکدامن اور عفیف افراد کا اور سیاست گام بہ گام آیات فقہی کا نزول تمام مسلمانوں کو پاک کرنے کی غرض سے ہے کہ کلی طور پر ناپاک اور بدکار لوگوں سے ازدواج حرام ہوجائے کہ ہوگیا اور بدکار ہمیشہ ہمیشہ کنوارے ہی رہیں تاکہ بالکل ہی زنا کو ترک کردیں.

مسئلہ ۶۵۲: کلی طور پر زندگی خواہ ابتداء میں ہو یا تسلسل اور بقا میں ناپاک مرد اور عورت (کلی طور پر نا پاک لوگوں کا ایک دوسرے سے ازدواج) حرام اور ناپاک ہے کہ اگر کوئی شوہر دار عورت بدکار ی کرے اور خلاف عصمت عمل انجام دے اور اس کا دامن عفت آلودہ ہوجائے تو پھر وہ طلاق کے بغیر ہی اپنے شوہر سے جدا ہو جائے یا اسے طلاق دے دینی چاہئے جب وہ ہوش میں آئے اور اس کی عقل ٹھکانے ہو اور اپنے کرتوت پر شرمندہ ہو اور '' لعان '' کا مسئلہ خود ہی اس حقیقت پر واضح اور بولتا گواہ ہے کہ یا اس کے ذریعہ اپنے شوہر کی (لگائی) تہمت کو ثابت کرے تاکہ وہ اپنے اعمال کی سزا پائے اور عورت بھی لعان کے بعد بغیر طلاق کے اس سے جدا ہوجائےگی کہ ایسی زندگی ہرگز قابل تحمل نہیں ہے، یا پھر اس (لعان) کے ذریعہ عورت کا محکوم (مجرم) ہونا ثابت ہو۔

مسئلہ ۶۵۳: اگر کسی بد کار مرد اور عورت کو شرعی ازدواج کے ذریعہ بدکاری سے نجات دلائی جا سکتی ہے تو ایسی صورت میں ان کےازدواج کا حرام ہونا تو دور بلکہ نہی از منکر کے باب سے ازدواج کرانا کبھی واجب بھی ہے کہ اس کے ساتھ ازدواج کی حرمت خود ہی نہی از منکر کے باب سے تھی، پس اگر یہ ازدواج برائی چھوڑنے اور منکر سے دور رہنے کا سبب ہو تو حرام ہونا تو دور بلکہ واجب بھی ہے۔

شیر خوارگی (دودھ پلانے) کے شرائط:

مسئلہ ۶۵۴: آیہ رضایت کے مطابق دودھ پلانے والی عورت کو ماں کہنا شرط ہے اور صحیح ترین اکثر روایات کی روشنی میں اس دودھ پلانے کے مسئلہ میں ماں کی حیثیت سے اورمادرانہ انداز میں دودھ پلانا ہے کہ اس سے گوشت پوست نکل آئیں اورہڈی مضبوط ہو کہ روایات میں تقریباً ۱۵/ بار دودھ پلانے کو کہا گیا ہے کہ اس تعداد میں اگر گوشت نہ بنے یا ہڈی مضبوط نہ ہو تو کافی نہیں ہے۔ یا اگر اس سے کم تعداد میں بھی ایسا ہو جائے یعنی گوشت پوست بن جائے اور ہڈیاں مضبوط ہوجائیں تو کافی ہے لیکن احتیاط یہ ہے کہ دودھ پلانا یا پینا ۱۵/ مرتبہ سے کم نہ ہو ۔

مسئلہ ۶۵۵ : بچہ ہر مرتبہ دایہ کے دودھ لے سیر ہو (پیٹ بھر کے پئے) یا اگر پہلی بار میں سیر نہ ہو تو ۲ یا ۳/با میں سیر ہوجائے بالآخر دودھ پلانے میں اصل گوشت پوست کا بننا اور ہڈی کا مضبوط ہونا ہے خواہ اس طرح دودھ پئیے یا اس طرح۔

مسئلہ ۶۵۶: آیہ شریفہ(وامهاتكم اللتى ارضعنكم وآخواتكم من الرضاعة) میں '' ارضعنکم '' اور ''من الرضاعة'' [178] سے ابتدائے امر میں یہی سمجھ میں آتا ہے کہ دودھ پستان کے ذریعہ پلایا جائے نہ کسی دوسرے وسیلہ سے کہ احتمالاً ''ارضعنکم''

---

[۱۷۸] سورہ نساء، آیہ ۲۳.

کے مصداق سے خارج ہے اور آخر کار دودھ پینے کے مسلم موارد میں سے نہیں ہے لیکن یہاں پر احتیاط کا مقام ہے بالخصوص اس صورت میں کہ اس ''قسم کی شیر خوارگی ایک ساتھ ہو،'' کیونکہ '' ارضعنکم'' کا اطلاق تینوں مورد یعنی پستان سے براہ راست اور بلاواسطہ دودھ پئے یا بالواسطہ اورکسی ظرف میں دودھ نکال کر اسے پلایا جائے یا دونوں ہی ایک ساتھ کبھی پستان سے اور کبھی ظرف میں دودھ نکال کر'' تمام مواردکو شامل ہوتا ہے اور اس احتیاط کا تقاضا نا محرم اور حرمت ازدواج کے درمیان جمع کرنا ہے۔

مسئلہ ۶۵۷: اس میں احتیاط موکد ہے کہ کسی عورت کے ۱۵/مرتبہ دودھ پلانے میں فاصلہ نہ ہو لیکن اگر معمولی فاصلہ ہو تو ظاہراً اس صورت میں بھی شیر خوارگی حرمت کی موجب ہے کہ ا گر ایک شب و روز سے زیادہ طولانی (کہ خود شیرخوارگی کے شرعی تعیین اور فرض میں سے ہے) مدت میں بچہ کو دودھ پلائے اور بہت کم فاصلہ میں کسی اور عورت کا دودھ پیئے یا اسے کوئی غذا بھی دیں اگر اسے رضاعی ماں کہا جائے تو ظاہراً اتنا کہنا ہی متعلقہ آیت کی روشنی میں شرعی شیر خوارگی کا حکم رکھتا ہے کہ اصل موضوع گوشت بننا اور اور ہڈی مضبوط ہونا ہے خواہ پے در پے اور بلا فاصلہ دودھ پلانے سے ہو یا کسی طرح کم فاصلہ سے دودھ پلانے سے کہ اس بچہ کو اس عورت کا شیر خوار شمار کریں اور سابق الذکر احتیاط یہاں پر بھی مناسب ہے۔

مسئلہ ۶۵۸: ظاہراً شیر خوارگی کے دنوں میں بچہ بھی شیر خوارگی کی عمر میں ہو اور عورت کو دودھ پلاتے ہوئے دو سال سے زیادہ نہ گذرے ہوں کہ پیغمبر اکرم سے منقول مشہور روایت کی روشنی میں '' لا رضاعَ بعد فِطَامٍ'' کہ شیر خوارگی کے تمام ہونے کے بعد رضاعت اور دودھ پلانا نہیں ہے کہ اس حدیث رضاعت نے ان دو سالوں کے علاوہ کو نظر انداز کیا ہے؛ کیونکہ ''فطام'' شیرخوارگی کی انتہائی مدت ہے کہ آیہ کریمہ (والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین)(179) کی روشنی میں دوسال معین کی گئی ہے ۔ چنانچہ اگر اس کے اصلی اور صلبی فرزند کے دودھ پینے کی مدت دو سال سے زیادہ ہوگئ تو پھر اسے شرعی طور پر شیر خوار نہیں کہتےتوپھر فرعی (رضاعی) فرزند کو دو سال گذرنے کے بعد شیر خوار کیسے کہیں گے؟

مسئلہ ۶۵۹: کیا یہ شرط ہے کہ دودھ ایک شوہر کا ہو اور بس؟ اس شرط پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اور اس وقت (امھالکم اللاتی ارضعنکم) نے صرف اور صرف ماں کو اس حکم کا موضوع قرار دیا ہے نہ باپ کو اور اگر اتنا کہا جائےکہ فلاں عورت فلاں کی رضاعی ماں ہے، کافی ہے یہاں پر نہ رضاعی لڑکی کے لئے اس

۱۷۹۔سورہ بقرہ، آیہ ۲۳۳۔

کا شوہر حرام ہے اور نہ ہی رضاعی بیٹے کا حرام ہونا کوئی معنی رکھتا ہے۔ یہ صرف دودھ پلانے والی ماں ہے کہ اس کی حرمت کا سبب ہے کہ دودھ پینے والے لڑکا خود اس پر اور اس لڑکی پر جس نے اس لڑکے کے ساتھ اس ماں کا دودھ پیا ہے خواہ اس کی نواسی ہو یا نہ یااس کی دایہ ہو یہ تینوں ہی ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گی کہ یہ دودھ پلانا صرف دونوں ہی کو (امھاتکم اللاتی ارضعنکم) ماوں اور بہنوں کو شامل ہوتا ہے ہاں، اگر کوئی عورت دودھ پلانے کے دو سال کے دوران مذکورہ شرائط کے ساتھ کسی بچہ کو دودھ پلائے تو یہ لڑکا خود اس پر اوراپنی تمام رضاعی بہنوں پر حرام ہو جائے گا اور بس۔ بنابرایں دیگر تمام تفصیلات اس قرآنی دلیل کے محور سے خارج ہیں اور نہ کوئی دلیل ہے اور اگر ہو بھی تو اس آیہ کریمہ کے مقابلہ میں کوئی نقش نہیں رکھتی۔

میاں اور بیوی کے باہمی حقوق:

مسئلہ ۶۶۰: آیہ کریمہ (...وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ)[180] عورتوں کے لئے جو کچھ شائستگی کے ساتھ ان کے ذمہ ہے اور مردوں کے لئے عورتوں پر ایک درجہ برتری ہے۔'' اور مرد کی یہی برتری اور فضیلت ہے کہ مرد طلاق رجعی کی عدت میں اصلاح کی شرط کے ساتھ رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے اور طلاق بھی اصولی طور پر مرد کے ہاتھ میں ہے لیکن اس کا رجوع (قرآن کریم) نے اصلاح کی شرط کے ساتھ جائز اور نافذ فرمایا ہے اور یہ درجہ صرف اور صرف قوت مردانگی کا درجہ ہے کہ اس مقدار میں کہ عورتوں سےبعض قویٰ میں قوی تر ہیں اسی طرح عورتوں کے مقابلہ میں ان کی ذمہ داری بھی کافی سنگین ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ (الرجال قوامون علی النساء) سورہ نساء، آیت ۳۴) میں ہے۔ کہ مرد حضرات عورتوں کے محافظ اور نگہبان ہیں کہ ان کی زندگی کے استوار اور ثابت ہونے میں کوشاں رہیں لیکن میراث کے مورد میں عورت ۱/۴ یا ۱/۸ اور مرد ۱/۲ یا ۱/۴ یعنی مرد عورتوں کے دو گنا میراث پاتا ہے تو ان مردوں کے لئے کوئی درجہ نہیں ہے جیسا کہ میراث کے باب میں آئے گا۔

اس اصل کی روشنی میں زن و شوہر ازدواجی حقوق کی نسبت جنسی اور غیرجنسی تمام ازدواجی زندگی میں عدالت اور حکمت کے لحاظ سے برابری کا حق رکھتے ہیں نہ یہ کہ مرد عورتوں سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ لہذا عورتوں کی نسبت زبردستی کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں،ہرگز ایسا نہیں ہے ،بلکہ ان کی ذمہ داریاں عورتوں کے مقابلہ میں ان (عورتوں)کی ذمہ داریوں سے زیادہ ہیں اور یہ روایت جس میں نقل ہوتاہے (معاذ اللہ) پیغمبر اکرم اس عورت کے جواب میں جس نے اپنے شوہر کے مقابلہ میں اپنے حق کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مرد پر تمہارا حق ۱/۱۰۰

---

[180] سورہ بقرہ، آیہ ۲۲۸.

مرد کے حق کے مقابلہ میں ۱/ فیصد بھی نہیں ہے۔[181] اگرچہ اس کی سند صحیح ہے لیکن اس کا مطلب غلط اور جعلی ہے اور پیغمبر اکرم اس طرح کی عقل اور وجدان اور قرآن مخالف باتوں سے بری ہیں اور یہ روایات بالکل اس آیت کے مقابلہ میں ہے جس نے زن و شوہر کے حقوق کو برابر اور مساوی جانا ہے اور عورت کی نسبت مرد کا درجہ بھی وہی فیصلہ کرنے ، جسمانی، اور مالی اورعدت رجعیہ میں رجوع کرنے کی قوت کا درجہ ہے اور بس جو ازدواجی زندگی میں زیادہ سے زیادہ مسئولیت اور ذمہ داری لاتا ہے '' جس کی چھت جتنی وسیع و عریض ہوگی اس پر برف بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی''۔

مسئلہ ۶۶۱: جس طرح مرد ازدواجی حقوق کے خلاف نہیں کرسکتا کہ اصطلاح میں ناشز (نا فرمان) کہلائے گا اسی طرح عورت کو بھی اس طرح کا حق نہیں پہنچتاورنہ وہ بھی ناشزہ(نا فرمان) ہو جائے گی۔ نشوز ، میاں اور بیوی میں سے ہر ایک کی گردن پر جو حق ثابت ہے اس ذمہ داری سے شانہ خالی کرنا ہے۔

مسئلہ ۶۶۲: عورت (مرد کی طرح) یہ حق رکھتی ہے کہ جو امور ازدواجی زندگی کے خلاف نہیں ہیں اسے انجام دے خواہ گھریلو امور ہوں یا گھر سے باہر کے ذمہ یہ کہ غلام اور کنیز کی طرح حاضر باش اور حکم کی کنیز بنی رہیں کہ اس پر بہرہ، اندھا اور گدھا ہونے کا حکم نافذ ہو۔ پس اگر ایمان کے تقاضا اور جائز ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر جائے اور مورد اطمینان ہو کہ بدکاری، اعتقادی اور جنسی گمراہی یا اخلاقی اور اقتصادی انحراف کا شکار نہیں ہوگی تو ایسی صورت میں مرد ایسی آمد و رفت سے روکنے کا حق نہیں رکھتا اور اس کے بالعکس اگر مرد بعض آمد و رفت کی بنا پر کسی ایک گمراہی کا شکار ہو جائے تو عورت نہی از منکر کے باب سے (بالخصوص اپنے حقوق ہمسری کے دفاع کے عنوان سے) ایسی آمد و رفت سے مانع ہو سکتی ہے۔

مسئلہ ۶۶۳: اس بنیاد پر چنانچہ عورت ازدواجی حقوق سے سر پیچی کرے تو احتیاط ''ناشزہ'' ہے اور اس کا نان و نفقہ کا حق مرد سے ساقط ہو جائے گا اور اگر مرد بھی ازدواجی حقوق سے مانع ہو تو عورت اس کو ہمبستری کرنے سے روکنے کا حق رکھتی ہے کہ نہی از منکر بھی ہے اور اپنے حق کا دفاع بھی ہوگا تاکہ شاید اس کی اصلاح ہو جائے جیسا کہ آیہ کریمہ(وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلاَ جُنَاْحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الأَنفُسُ الشُّحَّ وَإِن تُحْسِنُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا)[182] نے بھی نہی از منکر کے مثلث میں اصلاح کی خاطر اسے یہ حق دیا ہے چنانچہ ایک دوسری آیت میں اسی کے مد مقابل عورت کی نسبت بھی مرد کو حق دیا کہ اسے ناشزہ کہے کہ (... وَاللاَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ

---

[181] ۔من لایحضرہ الفقیہ، اور مجمع البیان (۱: ۳۲۸) اور فروع کافی(۳:٦)
[182] ۔سورہ نساء، آیہ ۱۲۸.

فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُواْ عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا)[183] جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو (کہ نافرمانی ،آوارگی خانہ برباد کی حد تک ہو ۔ تو انہیں نصیحت کرو اور بستر پر ان سے دور رہو اس کے بعد (بقدر ضرورت) مارو...'' کہ یہ مارنا اصلاح کی خاطر)نہی از منکر کے باپ سے آخری چارہ ہے چنانچہ عورت بھی سابق الذکر آیت کی روشنی میں سر بستہ اور لطیف انداز میں مرد کی نسبت اس طرح کا حق رکھتی ہے جیسا کہ سورہ نساء، آیت ۷۱، نے بھی مرد اور عورت دونوں کے لئے امر بالمعروف اور نہی از منکر کا برابر سے حق دیا ہے کہ ازدواجی ماحول میں ایسا ضروری اور مناسب ہے۔لیکن ان تینوں مرحلوں میں عورتوں کی توانائی مردوں کی نسبت کم ہے، آیت ۱۲۸/میں سر بستہ اور لطیف انداز میں اس کو بیان فرمایا ہے اور '' فلا جُناح'' نے یہاں پر اصلاح کے گناہ کو سلب کر لیا ہے اسی لئے ہے کہ اس سلسلہ میں عورتوں کی نسبت تصور گناہ کو پاک کردو، جاہلی عرب کے تصور کے خلاف کہ عورت اپنے شوہر کی نسبت کسی قسم کا حق نہیں رکھتی صفا اور مروہ کے درمیان گناہ کی نفی کے مانند اور خطرناک نماز کے مورد میں کہ نماز کی کیفیت میں کمی کی سعی و کوشش کو اس طرح کے موارد میں ثابت کیا ہے۔

مسئلہ ۶۶۴:چونکہ ازدواجی زندگی مشترکہ زندگی ہوتی ہے لہذا میاں بیوی دونوں کو ہم آہنگی رکھنے اور فعلی زندگی کا اوارہ کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے کہ نہ مردکو یہ حق حاصل ہے کہ داخلی فرائض کو عورت کے کاندھوں پر ڈال دے اور نہ ہی عورت مرد کی نسبت اس طرح کو کوئی حق رکھتی ہے اور چونکہ شرعی طور پر اقتصادی زندگی کا اوارہ کرنا مرد کی ذمہ داری ہے اور طبعی طور پر آپسی تال میل اور ہم آہنگی اور کام میں برابر کا شریک ہونا اقتضا کرتا ہے کہ عورت گھریلو کامونمیں مرد سے زیادہ کوشاں ہو۔ جس طرح مرد داخلی مناسب زندگی ادارہ کرنے کے لئے بیرونی اور گھر سے باہر کے فرائض کی ادائیگی میں مستقل ہے بہر صورت زحمتوں میں مساوات کے سلسلہ میں عورتوں کی استعداد اور جسمانی صلاحیتوں کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح کی بات کہی گئی ہے نتیجتاً کہا جا سکتا ہے کہ مرد گھر کے باہر کے امور انجام دینے کے علاوہ داخلی اور گھریلو امور کو بھی بیوی کے ساتھ مشترکہ طور پر انجام دے یا تقسیم کرلے، کیونکہ آیہ کریمہ (الرجال قوامون علی النساء)[184] اور (للرجال علیھن درجۃ)[185] کی روشنی میں جس کے پاس جتنی زیادہ قوت ہے اتنی ہی اس سے سر گرمی اور کار کردگی کی امید ہے۔

---

۱۸۳ ـسورہ نساء، آیہ ۳۴.
۱۸۴ ـسورہ نساء، آیہ ۳۴.
۱۸۵ ـ سورہ نساء، آیہ ۳۴.

مسئلہ ۶۶۵: جو عورت شریعت کی روشنی میں تمام ازدواجی حقوق کی ادائیگی کرتی ہے لیکن اس کا شوہر اس کی توقع اور اپنے فریضہ کے خلاف اس کی زندگی کا اس طرح ادارہ نہیں کرتا ہے تو وہ عورت ہر ممکن ذریعہ سے اپنے حقوق اس سے لے سکتی ہے کہ اپنے معمولی نفقہ کے بقدر شوہر کے مال سے نکال لے، یا کسی اور وسیلہ سے اسے لے لے اور اگر کسی وسیلہ سے ممکن نہ ہو تو وہ اپنی واجب ضرورتوں کے لئے کسی کام میں مشغول ہو سکتی ہے اگرچہ مرد کی جائز خواہشات کو بھی محدود کر دے اور حاکم شرع سے اس کے مطالبہ کا بھی حق رکھتی ہے کہ اسے نفقہ دینے پر مجبور کرے- ورنہ اسے طلاق دینے پر مجبور کرے اور اگر نفقہ اور طلاق میں سے کسی ا یک بات کو قبول نہ کرے تو حاکم شرع، ولایت شرعیہ کی بنیاد پر اسے طلاق دینے کا حق رکھتا ہے یا خود عورت (شرعی شرائط کے ساتھ) خود کو طلاق دے دے-

مسئلہ ۶۶۶: جس طرح مرد اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اپنی بیوی سے (معمولی حد میں) جنسی استفادہ کرے اسی طرح عورت بھی مرد (شوہر) سے اس طرح کا حق رکھتی ہے ، بلکہ اس سے زیادہ ؛کیونکہ مرد جائز طریقوں سے دوسری عورتوں سے بھی جنسی لذت حاصل کرسکتا ہے، لیکن عورتوں کے لئے شریعت کے لحاظ سے ایسا امکان نہیں ہے اور جوان عورت سے ہمبستری کی آخری حد چار ماہ دس دن ہے (عدہ وفات کے بقدر) مگر یہ کہ اس سے کم وقت میں ایسی ضرورت رکھتی ہو، اگر اس عورت کے علاوہ کوئی دوسری بیوی یا بیویاں رکھتا ہو تو ان کے درمیان عدالت کی رعایت کرے کہ (وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلاَّ تَعُولُواْ)[186] اگر چند یا دو عورتوں کے درمیان عدالت برقرار نہ کر پانے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو اور اگر اس ایک عورت کی نسبت بھی عدالت کی رعایت نہیں کر سکتے تو سر سے سنگین ذمہ داریوں والے عقد دائم کا حق نہیں رکھتے اور کسی اور جائز طریقہ سے اپنی جنسی ضرورت پوری کرو کہ پہلے مرحلہ میں عقد موقت بھی کافی حد تک اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہے بالآخر عدالت کی رعایت ایک عورت کی نسبت اور اس سے بھی اہم اور مشکل چند عورتوں کی نسبت عدالت کی رعایت ازدواجی زندگی کے اصلی واجبات میں سے ہے اور اصولی طور پر چند عورتیں رکھنا خود ایک وسیع اور سخت عریض میدان ہے عورتوں اور مردوں کی عدالت کی پرورش کرنے کے لئے مرد حضرات اس طرح عدالت کی رعایت کریں کہ متعدد عورتوں کے تمام حقوق ممکن حد تک محقق ہو جائیں اور عورتیں بھی اس طرح کی اہم عدالت دیکھنے کے بعد مردوں کو زیاہ سے زیادہ عدالت کرنے کی تشویق کریں

[۱۸۶] سورہ نساء، آیہ ۳.

یہاں تک انہیں عادلوں کا سردار بنا دیں۔بنابریں نہ انہیں خود بے جا بہانہ تراشی کرنا چاہئے ، بلکہ دوسروں کو بھی اپنی زندگی میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہئے، تاکہ اس پاکیزہ زندگی میں اس عادل مرد اور دیگر عورتوں کے مزاحم نہ ہوں۔ خصوصاً حسد کا مسئلہ جو انسانوں کی سب سے بری خصلت ہے، عورتوں میں کافی رائج اور عام ہے لہذا عورتیں پہلے اپنے آپ سے اس خانہ برباد حسد جیسی بری اور شیطانی صفت کو دور کرنے کی کوشش کریں اور ثانیاً دوسری عورتوں کو بھی کہ اس نا پسندیدہ بری خصلت سے سوء استفادہ کرتے ہوئے اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے ا ن میں سے بعض مسلمان اور مؤمن مرد اور عورت کے سکون و اطمینان کوغارت کر دیتی ہیں سے سنجیدگی کے ساتھ منع کیا ہے اور ان کو کسی صورت اپنی ذاتی زندگی میں مداخلت کرنے کا حق نہ دیں اورا یسی صورت میں یہ لوگ خدا کی خوشنودی اور اپنی دنیا و آخرت کا سکون و عیش فراہم کریں گے۔

مسئلہ ۶۶۷: اس صورت میں کہ جب عورت کا مہر نقد ہو تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ مہر یہ لینے سے پہلے اسے ہمبستری کرنے نہ دے لیکن اگر پہلی بار راضی ہوگئی تو کیا اسے دوسری اور تیسری بار جب تک اپنا مہر نہ لے لے اسے ہمبستری سے روکنے کا حق حاصل ہے؟ ظاہراً یہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ بہرصورت نقد مہر، عورت کا نقدی حق ہے اس لئے اسے حاصل کرنے کی غرض سے ہمبستری سے منع کرنے کا حق ہے جیسا کہ تمام حقوق میں بھی ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مد مقابل سے اپنا حق نہ لے سکے تو تقاص کے عنوان سے اپنا حق دریافت کرنے کے لئے مساوی اور وقتی طور پر دوسرے متقابل حق کو سلب کر لے کہ اگر ایسے تقاص کا حق نہ رکھتی ہو تو یہ خانوادہ کی کمزور ترین فرد پر ایک ظلم ہے لیکن '' فنظرة الی میسره'' کے باب سے مرد کے اندر اس کی توانائی اور امکان نہ ہو تو اسے مہلت دینی چاہئے اور اس کو جنسی عمل سے روکنا بھی نہیں چاہئے۔

مسئلہ ۶۶۸: قرآن کریم میں مہر کبھی فریضہ کے نام سے اور کبھی ازدواج کی اجرت اور کبھی نحلہ یا صدُقہ کے نام سے اور (نہ صدَقَہ) سے ذ کر ہوا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اہم حیثیت ہے کہ ان میں سے ہر چار شوہر پر محترم اور واجب حق کا بیان کر رہے ہیں ۔

مسئلہ ۶۶۹: مہر کا متن عقد یا سابقہ قرار داد میں طے کرنا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کیا تو پھر مہر المثل یا پھر طرفینی موافقت کے بقدر مرد کے ذمہ ہوگا۔

مسئلہ ۶۷۰: عقد ہوتے ہی مرد کے ذمہ پورا مہر آجاتا ہے(خواہ معین ہوا ہو یا نہ) اس کے علاوہ کہ عورت سے جنسی رابطہ کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دےتو آیہ کریمہ(وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إَلاَّ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَن تَعْفُواْ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلاَ تَنسَوُاْ

کی روشنی میں اس مورد میں صرف اور [187]الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ)
صرف مرد کے ذمہ نصف مہر ہے لیکن دخول(ہمبستری کرنے) سے پہلے مرجانے کی صورت میں مرد کے ذمہ پورا مہر ہے۔ ا ورکیا بہتر کہ دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں عورت یہ نصف مہر بھی نہ لے اور اس سے بہتر جیسا کہ گزر چکا) کہ شوہر اپنی بیوی کا پورا مہر ادا کر دے کہ جس طرح آغاز میں مہر خلوص اور محبت کی بنیاد پر تھا اسی طرح جدائی اور طلاق کی صورت میں بھی خلوص و محبت کی بنیاد پر ہو اور ممکن حد تک یہ ازدواجی جدائی کسی اور جدائی کا سبب نہ ہو اور اس کےلیے دوسرے ازدواج کی گنجائش رہ جائے '' لعل اللہ یحدیث بعد ذلک امراً'' اور '' انما المؤمنون اخوہ'' جیسی آیات کی روشنی میں ایمانی برداری اپنی جگہ باقی رہے۔

مسئلہ ۶۷۱: مرد، عورت کے حق سے شمہ برابر بھی کم کرنے کا حق نہیں رکھتا خواہ وہ حق جو اسے دے چکا ہے یا جو ابھی نہیں دیا ہے کہ (... وَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُواْ بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلاَّ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا)[188] انہیں مشکل میں گرفتار نہ کرو کہ جو کچھ دے چکے ہو اسے واپس لے لو مگر یہ کہ کھلے گناہ کا ارتکاب کریں۔'' اور واضح طور پر سمجھائیں کہ ان کے ساتھ شریعت کی روشنی میں زندگی کی بقا ممکن نہیں ہے جیسے زنا اور تمام اخلاقی ، اعتقادی اوراس کے مانند وہ تمام گمراہیاں کہ زندگی کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں ایسے موارد میں مرد کو یہ حق ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو جو دیا ہے (اس کا بعض یا سارا) واپس لے لے اور اس صورت کے علاوہ میں (وَآتُواْ النَّسَاء صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا)[189] عورتوں کا مہر کہ صدق کی بنیاد پر ہے اور شہد کے مانندکہ ان کے لئے شیریں اورخوشگوار ہے، انہیں دے دو، پس اگر اپنی مرضی اور تہہ دل سےنیز کسی دھوکہ اور فریب نیز مکاری اور حیلہ کے اس میں سے کچھ معاف کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو اسے کھاؤ، شیریں اور پسندیدہ اور ہم یہاں پر ملاحظہ کرتے ہیں کہ ''شیئاً'' نے بعض مہر کو معاف کرنے کا اشارہ دیا ہے نہ پورے مہر کا، اس اصل اور قانون کے مطابق شوہر اپنی بیوی کے معین حق کو کم نہیں کرسکتا یا پھر اس کی ادائیگی میں کوتاہی اورٹال مٹول کرے کہ یہ ایک '' فریضہ'' حق ہے جوواجب حق سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے جز طلاق بائن میں جیسے '' خلع و مبارات '' لیکن اس فرق کے ساتھ کہ طلاق خلع میں مہر کا اکثر حصہ معاف کر دیا جاتا ہے لیکن مبارات میں تقریباً نصف مہر سے چشم پوشی ہوتی اور مورد عفو قرار پاتا ہے اور عورت کی جانب سے ظالمانہ گناہ کے مورد میں بھی '' الا یاتین

---

۱۸۷ ۔سورہ بقرہ، آیہ ۲۳۷.ب
۱۸۸ ۔سورہ نساء، آیہ ۱۹.
۱۸۹ ۔ سورہ نساء، آیہ ۴.

بفاحشۃ مبینۃ‘‘ قابل ذکر ہے کہ طلاق خلع یا مبارات میں کہ پورا مہر بخشش دیا جاتا ہے ، دو درجہ کا تصور ہوتا ہے:

۱):اصلی گنہگار عورت ہو اور وہ ہوا ہوس اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے شوہر سے جدا ہونا اور دوسرے سے رابطہ کرنا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں مہر کا معاف کرنا یا نصف مہر قابل تصور ہے۔

۲): چنانچہ اگرمرد گنہگار اور مقصر ہو اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے ایسا کام کرنا چاہتا ہے کہ عورت کسی گناہ کے بغیر ہی طلاق لینے پر مجبور ہو جائے اور عوام الناس کے بقول (مہرم حلال و جانم آزاد) میرا مہرحلال اور میری جان آزاد کہے) لہٰذا اگر اس طرح ہو اگرچہ مجبوراً اس نے اپنا مہر معاف کر دیا ہے ،لیکن شوہر عورت کا پورا مہر بلکہ بعض موقعوں پر اس سے زیادہ کا مدیون ہے کہ حق الناس کا جز ہے اگر ادا نہ کرے تو عذاب اخروی کا انتظار کرے۔

نفقہ

مسئلہ ۶۷۲: بیوی کے تمام واجب اور ضروری اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں کہ اپنی صلاحیت اور توانائی کے بقدر اسے برداشت کرے اور مکان کے سلسلہ میں (أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَى)[190] ان کی رہائش کا بندوبست کرو جس طرح تم نے اپنا کیا ہے ‘‘ کہ اپنے گھر میں یا اپنی صلاحیت کے بقدر ازدواج کے لئے کسی مناسب گھر میں اور یہ اس عورت کے بارے میں ہے جو عدہ رجعیہ میں گزار رہی ہے ، چہ جائیکہ وہ عورت جوشریک حیات ہے یہ رہائش کا انتظام اور اس کی تمام ضرورتیں دوسری آیتوں میں بھی جو مطلقہ کے بارے میں (... وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ)[191] ہر شخص اپنی چاہت اور وسعت کے بقدر ہر حال میں رہائش اور نفقہ کے علاوہ طلاق رجعی میں ان عورتوں کو ھدیہ دے کہ یہ خود ایک شائستہ پونجی ہے اور متقین کے ذمہ ایک حق ہے اور ایک دوسری آیت بھی کہ وہ ان مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے جو تم سے بچہ دار ہوئی ہیں۔ (... وَعلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لاَ تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلاَّ وُسْعَهَا لاَ تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلاَ مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُواْ أَوْلاَدَكُمْ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّآ آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ)[192] اور باپ کے ذمہ ہے روزی اور لباس نیکی کےساتھ‘‘ اور جب مطلقہ کےخواہ رجعی ہوں یا بائن صاحب

۱۹۰۔سورہ طلاق، آیہ ٦.
۱۹۱۔سورہ بقرہ، آیہ ۲۳٦.
۱۹۲۔سورہ بقرہ، آیہ ۲۳۳.

اولاد ہونے کی صورت میں نان نفقہ ، لباس اور مکان واجب ہے تو کیا اس عورت کے سلسلہ میں جو تمھاری زوجیت مین هین اور تمہاری شریک حیات هین تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ یہاں پر '' رزقھن'' ''کسوتھن'' اور ''اسکنوھن'' کے مقابلہ میں عمومی حیثیت اور عنوان رکھتا ہے جو عورتوں کی تمام معمولی اور عام ضرورتوں کو شامل ہوتا ہے کہ ان کی بیماری کے علاج اور واجب یا مناسب سفر کا خرچ جو ازدواجی زندگی میں رائج ہے، سب کو شامل ہوگا۔

مسئلہ ۶۷۳: امکان کی صورت اگر شوہر اپنی بیوی کا واجب نفقہ نہ دے تو عورت جس طرح ممکن ہو اپنا حق نفقہ لینے کا حق رکھتی ہے بالآخر یہ نفقہ شوہر کی گردن پر ایک دَین ہے کہ بیوی کی رضایت کے بغیر کسی صورت اس کی گردن سے ساقط نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۶۷۴: اگرعورت نفقہ کے بغیر شوہر کے ساتھ زندگی گذار نہ سکے یا مناسب نفقہ یا تمام زندگی کی ضرورتوں کے پورا نہ ہونے کی صورت میں مرد کے ساتھ زندگی گزار نہ سکے کہ زندگی عسر و حرج کا موجب ہو یا پھر اس زندگی کو آگے بڑھانے میں واجبات شرعی کی نافرمانی کا امکان ہو یا ان تمام صورتوں میں یا اس پر شوہر سے طلاق لینا ضروری اور واجب ہے اور اگر شوہر قبول نہ کرے تو حاکم شرع اسے طلاق دینے یا پھر شائستہ زندگی گذارنے پر مجبور کرے گا اور اگر حاکم شرع بھی اسے قبول نہ کرے تو کوئی بھی مجتہد عادل اسے ولایت شرعیہ کی بنیاد پر طلاق دے سکتا ہے اور اگر اتقی حاکم شرع نہ ہو تو پھر مؤمنین میں عادل افراد پر یہ واجب ہے کہ اس عورت کی نجات اور چھٹکارے کے لئے چارہ جوئی کریں اور ضرورت پڑنے پر اسے طلاق دے دیں اور ان تمام صورت میں عدہ کے اندر رجوع کرنے کا حق ساقط ہے، آخر کلام یہ ہے کہ عورت عسر و حرج کی صورت میں جس طرح ہو سکے اور ممکن ہو خود کو طلاق دے دے، اگر خود اس کے اندر طلاق دینے کے شرائط موجود ہو ں۔

عقد موقعت(متعہ)

مسئلہ ۶۷۵: یہ (متعہ) بھی دائمی عقد کی طرح اسلامی سنت کا ایک جز ہے خصوصاً ان مردوں اور عورتوں کے لئے جو دائمی ازدواجی زندگی کا بوجھ اٹھانے سے مجبور اور عاجز ہین خواہ مالی لحاظ سے ہو یا تمام جہات اور حالات کے لحاظ سے ہو کہ نہ ہر مرد دائمی زندگی کو تشکیل دے سکتا ہے اور نہ ہی ہر عورت اس طرح کی زندگی کو پسند کرتی ہے تو ایسے مرد اور عورت جو دائمی زندگی کی آمادگی نہیں رکھتے ، کیا وہ متعہ جیسی ازدواجی زندگی سے بھی محروم رہیں؟ اگر ہمارے پاس عقد موقت کے سلسلہ میں قرآن کریم کی صریح آیت نہ ہوتی تو آیات نکاح کے عمومات اور اطلاقات عقد دائم اور موقت دونوں کو شامل ہوتے ، جیسا کہ (احل اللہ البیع) جس طرح بیع قطعی کو شامل ہے اسی طرح بیع شرط کو بھی شامل ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر آپ ذاتی گھر بنانے یا فراہم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو پھر اپنی ضرورت کے بقدر کوئی موقت گھر خرید یا اجارہ کر سکتے ہیں ، اسی طرح ازدواج جس کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے ، اگر دائمی ازدواج کی صلاحیت نہیں رکھتے تو عقد موقت اس کا جاگزیں اور بدل ہے اور آیہ کریمہ (... فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا)[193] لفظ استمتاع کے ذریعہ تمام آیات نکاح اور ازدواج کے مقابلہ میں تنہا نظر آ رہی ہے جو خود ہی عقد موقت کے بہت ہی حساس اور نازک حالت اور پوزیشن کی نمائندہ ہے اور جس طرح دائمی عورتوں کی مہر '' فریضہ'' ہے اسی طرح یہاں بھی '' فریضہ'' ہے اگرچہ عقد دائم اور منقطع میں کافی فرق ہے۔

مسئلہ ۶۷۶: دائمی ازدواج میں جنسی استفادہ ، امکان اور قصد اصلی شرط نہیں ہے کہ جس کی شرط نہ ہوئی ہے وہ ایک فطری اور طبیعی امر ہے، لیکن عقد موقت میں '' فمااستمتعتم'' کی لفظ جنسی عمل کی حقیقت یا کسی قسم کی شہوانی لذت کو خواہ جنسی عمل ہو یا اس کے مقدمات سب کو شامل ہے اور یہ (جنسی عمل) عقد موقت کے مہر اور اسکے تحقق کی اصل شرط جانی گئی ہے کہ اس کا مہر بھی اس استفادہ کے مقابلہ میں ہے، جیسا کہ خبر میں بھی ہے '' هن مستاجرات'' یہ سب مورد اجارہ هیں لیکن دائمی عورتوں سے متعلق اگر ان کے مہر کے بارے میں کبھی لفظ اجر آیا ہے تو ان کا اجر ازدواج کے مقابلہ میں ہے نہ استمتاع کے کہ شہوانی اور جنسی استفادہ ہے دوام اور انقطاع کا قصد بھی اس طر ح سے ہو کہ طرفین کو معلوم ہوا اور یہ معلوم ہونا صحت عقد کی شرط ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کابھی قصد نہ ہو تو ہرگز کوئی عقد نہیں ہے اور عقد موقت میں ایک مدت معین ہونی چاہئے کہ عرفاً اور نوعاً مرنے سے پہلے کا زمانہ ہے اس اصل کی روشنی میں ۹۹/ اور اس کے مانند سالوں کا عقد ہرگز عقد موقت نہیں ہے، بلکہ دائم سے بھی زیادہ ہے اور نتیجتاً ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے یہ عقد بھی شاید دو جہت سے باطل ہو اگرچہ ایک عقد طولانی یا بیوی کی عمر کے بقدر مدت کے لئے طبیعی طور پر دائمی ہے جیسا کہ گزرا۔

مسئلہ ۶۷۷: عقد موقت میں شوہر کے ذمہ نان و نفقہ نہیں ہے بخز اس صورت میں کہ عقد کرتے وقت اس کی شرط کی ہو یا عقد کی بنیاد ہی نان و نفقہ پر رکھی گئی ہو جز اس صورت کے ایک دائمی بیوی رکھتا ہو اور موقت بیوی کا نفقہ نا قابل برداشت مشکل سے دوچار کر دے تو یہاں پر نفقہ کی شرط بھی صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۷۸: اگر غیر دائمی بیوی دائمی بیوی کے ساتھ ہو تو میراث نہیں پائے گی ، کیونکہ (اولو الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله) ایسی صورت میں شوہر

---

[193] ـسورہ نساء، آیہ ۲۴.

کی میراث دائمی عورت مین منحصر ہے۔ مگر یہ کہ عقد میراث سے مشروط ہو تو یہاں پر میراث کے بجائے امکان اور   مالی گنجائش کی صورت میں ثلث مال سے کچھ حق رکھتی ہے بالخصوص جب اس کی وصیت کر دی جائے اور یہ وصیت دیگر ورثا کوکوئی نقصان نہ پہنچائے اور اگر دائمی صورت در کار نہ ہو تو '' ازواجکم'' کے اطلاق کی بنا پر موقت بیوی کسی شرط کے بغیرمیراث پائے گی لیکن شوہر ہر صورت میں غیر دائمی بیوی کی میراث پائے گا۔

مسئلہ ۶۷۹: یہاں پر طلاق کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہے کہ معینہ مدت کے تمام ہونے یا باقی ماندہ مدت کے بخشش دینے پر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ نتیجتاً اس جدائی میں پاک ہونے کا زمانہ مشروط نہیں ہے کہ اس سے ہمبستری نہ کی ہو یا حیض یا نفاس میں نہ ہو نیز یہاں پر عادل افراد کی گواہی بھی شرط نہیں ہے ، بالخصوص مدت تمام ہو جانے پر کیونکہ آیہ کریمہ(اشھدوا ذوی عدل منکم) [194]کی روشنی میں کیونکہ شہادت طلاق اور عدت رجعیہ میں رجوع کرنے سے مخصوص ہے نہ میاں اور بیوی کی جیسی بھی جدائی ہو چنانچہ عقد دائم کے فسخ کرنے یا خود بخود فسخ ہو جانے میں طلاق کی شرطیں در کار نہیں ہیں ۔

مسئلہ ۶۸۰: نیز عقد دائم کے خلاف کہ تیسری طلاق کے بعد موقتاً حرام اور نویں طلاق کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں لیکن یہاں پر ایسا کوئی قصہ نہیں ہے؛ کیونکہ اگر کسی عورت سے ۱۰۰/ بار بھی عقد موقت کیا جایے ہرگز اس مرد پر حرام نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۸۱: یہاں پر ازدواجی گھر کے تشکیل دینے کی ضرورت نہیں ہے بجز شرط کے کہ وہاں پر ہر صورت لازم ہے مگر عورت کی رضایت کی صورت میں۔

مسئلہ ۶۸۲: عقد دائم میں معین بالخصوص متعدد عورتوں کے درمیان ہمبستری اور ہم خوابی کا حق یہاں پر نہیں ہے مگر بیوی کی شدید ضرورت کی صورت میں کہ یہاں پر اگر شوہر توانائی رکھتا ہے تو اس پر یہ واجب ہے یہ سب فرق کے ان اہم مواردمیں سے ہے کہ عقد دائم اور منقطع میں ہے اور ازدواج کے تمام احکام میں مکمل ہماہنگی اور موافقت ہے۔

مسئلہ ۶۸۳: عقد موقت (متعہ) بھی عقد دائم کی طرح ایک لازمی عقد ہے لہذا طرفین میں سے کوئی بھی بغیر سبب کے اسے ختم کرنے کا حق نہیں رکھتا صرف عسرو عرج اور اس بات کے خوف سے کہ ازدواجی زندگی کی بقا کسی حرام کام کا سبب ہو جائے گی تو پھر جدائی واجب ہو جائے گی۔

مسئلہ ۶۸۴: رہا عقد موقت کرنے والی عورت کی عدت کے بارے میں   توعلماء نے دو طہر بیان فرمایا ہے اور کنیز کے بارے میں ایک طہر '' پاک رہنا'' کافی ہے

[۱۹۴] سورہ طلاق، آیہ۲.

یہ مسئلہ مورد قبول نہیں ہے اور عقل و شریعت کی نظر میں کنیز، متعہ اور دائم کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ تینوں ہی شوہر سے جدا ہونے اور طلاق کے بعد ۳ / طہر اور تین حیض عدہ رکھیں اور خود ان تین مہینوں میں احتمال حمل کی حکمت کی بنا پر ہے جیسا کہ ہم طلاق کی بحث میں بسط و تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

ازدواج میں صحیح اور غلط شرطیں:

مسئلہ ۶۸۵: جو شرط بھی کتاب الہی اور سنت رسول اکرم کے خلاف ہوگی، حرام ہے اور کبھی عقد کو بھی باطل کر دے گی مثال کے طور پر اگر عورت مرد سے شرط کرے کہ دوسری بیوی نہیں کرے گا کہ اگر اس نے دوسری بیوی کر لی تو کلی طور پر اس عقد سے وہ عورت راضی نہیں ہےیا طلاق میں وکیل ہوگا تو یہ عقد ابتدائے ہی سےباطل ہے، کیونکہ اس طرح کی شرط مرد کو شرعاً جائز کام کے ترک کرنے پرمجبور کرتی ہے کہ اصطلاحاً حلال کا حرام کرنا ہے، لیکن جو شرطیں شریعت کے خلاف نہیں ہیں وہ قابل قبول ہیں جیسے توانائی اور امکان کی صورت میں رہائش اور اس کے مانند چیزوں کی شرط لگانا اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں طلاق لینے کا حق ہے اور اگر عقد میں اس کی اصل رضایت کسی حلال شرط سے مشروط ہو تو عورت کو عقد فسخ کرنے کا حق حاصل ہے اور یہاں پر طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہے اور اگر یہ حلال شرط ضمنی ہو نہ اصلی تو مرد کے خلاف ورزی کرنے کی صورت میں (اس کی انجام دہی پر قادر ہونے کے باوجود) عورت کو طلاق کا حق ہے اور مرد کی شرطوں کی نسبت بھی یہی حکم ہے مگر یہ کہ کسی حرام شرط کے بغیر اصولی طور پر اس ازدواج پر راضی ہی نہ ہو کہ یہ عقد صرف عدم رضایت کی بنیاد پر ابتدائے ہی سے باطل ہے جیسے یہ کہ کوئی عورت کہے کہ میں تم سے اس شرط سے شادی کروں گی کہ تم فلاں شخص کو قتل کرو یا اس شرط سے کہ میں بے پردہ رہوں گی تو تم سے ازدواج کروں گی یا کوئی دوسری حرام شرط اس طرح سے کہ اس شرط کے بغیر اس شادی پر راضی نہ ہو تو ایسی صورت میں شرط اور عقد دونوں ہی ابتداء سے ہی باطل ہے، کیونکہ اس صورت میں کسی صورت عورت کی رضایت در کار نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۸۶: اگر میاں اور بیوی میں سے کوئی ایک عقد کے ضمن میں غیر اصلی حرام شرط لگا دے تو اس شرط کی خلاف وزی واجب ہے اور فسخ کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے لیکن اگرچہ شرط اصلی اور سو فیصدی ہو جیسا کہ مسئلہ میں گذر چکا ہے تو کہا گیا ہے کہ ایسا عقد حلال و حرام دونوں شرطوں کے ساتھ باطل ہے۔

نامحرم عورتوں کی طرف دیکھنا:

مسئلہ ۶۸۷: نا محرم عورتوں کی طرف دیکھنا تین طرح کا ہے: ۱ شہوت اور ریبہ کے بغیر ہو ۲ شہوت ہو ریبہ نہ ہو ۳ ریبہ کے ساتھ ہو ریبہ سے مراد وہ شہوت

ہےجو جنسی استفادہ کے قریب استفادہ ہے خواہ چومنا ہو ہاتھ پھیرنا ہو یا دیگر قبل و بعد کے افعال کہ سارے کے سارے جنسی استفادہ میں خلاصہ ہو جاتے ہیں۔
آخری دو صورتوں میں نظر کرنا یقیناً حرام ہے لیکن پہلی صورت میں اس کے حرام ہونے کے سلسلہ میں کوئی واضح دلیل نہیں کہ ان میں سب سے عمدہ روایات'' النظرۃ سھم من سھام ابلیس'' ہے کہ کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھنا شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے اور واضح ہے کہ تیرکبھی ٹھیک نشانہ پر لگتا ہے وہ شیطان کا تیر ہےلیکن جو نظر شہوت سے بالکل ہی خالی ہو اصلاً شیطانی اور شہوانی تیر نہیں ہے تاکہ کبھی نشانہ پر لگے جن آیتوں نے نظر کرنا حرام قرار دیا ہے صرف اس مورد میں ہے کہ شہوت یا ریبہ کے عنوان سے ہو یا عورت کا تعاقب کرنے اور اس کی اذیت کا موجب ہو کہ حجاب کی حکمت کے بارے میں ذکر ہوا ہے (... ذَلِكَ أَدْنَى أَن تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا)[195] عورتوں کا حجاب مردوں سے نزدیک ہے اس بات میں کہ (عفت اور پاکدامنی سے) پہنچانی جائیں۔ اور اذیت کا نشانہ نہ بنیں'' اور اسی طرح (ذلک اطھر لقلوبکم وقلوبھن)[196] (یہ پردہ اور عورت کی طرف نظر نہ کرنا) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے ''۔
بہر صورت نظر کرنے کی حرمت چونکہ (یغضوا من ابصارھم) کی بنیاد پر ہے۔[197]
اور یہ ابتدائی جنسی استفادہ سے روک تھام کرنےکے لئے ہے۔ اور یہ اس صورت میں حرام ہے جب ایسا کوئی واقعہ ہونے لگے اور جب اصولی طور پر کسی قسم کا کوئی احتمال یا امکان نہ ہو تو پھر جنسی استفادہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اس طرح کا دیکھنا حرام بھی نہیں ہے جیسے بوڑھی اور پیر فرتوت عورتوں کو دیکھنا یا ایسی عورت سےاصولی طور پر انسان اس سے نفرت کرتا اور بیزار رہتا ہے یا پھر اس سے شادی کرنے کی کوئی رغبت نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۶۸۸: غض، ڈھانپنے کے معنی میں ہے (یعنی غلاف اور پردہ وغیرہ) اور ''من ابصارھم'' مردوں کے بارے میں ہے کہ دوسروں کی شرمگاہوں سے (خواہ مرد ہو یا عورت) اپنی نگاہوں کو بچائیں اور اسی طرح '' یغضضن من ابصارھن'' عورتوں کے بارے میں دو پہلو حامل پردہ اور حجاب کو شامل ہے کہ خود بھی اس طرح دیکھنے سے اجتناب کریں۔ اور نگاہوں کو بند رکھیں اور دوسرے وسیلہ سے بھی ان کی دسترس سے دور رہیں کہ یہ دونوں شرمگاہوں کے بارے میں ہے اور اس کے بعد''

---

۱۹۵ سورہ احزاب ، آیہ۵۱.
۱۹۶ سورہ احزاب،آیہ ۵۳.
۱۹۷ سورہ نور، آیت ۳۱.

ولا يبدين زينتهن،،[198]اپنی زمینوں کو آشکار کرنا خواہ اصلی ہو یا فرعی سب کو شامل ہے۔

مسئلہ ۶۸۹: قرآن کریم میں حجاب اور نظر کرنے کا حکم مؤمنین اور مؤمنات سے مخصوص ہے ، بنابریں نا بالغ لڑکی کی طرف نظر کرنا یا نابالغ بچہ کا بالغ لڑکی کی طرف دیکھنا اس حکم سے خارج ہے جز اس لڑکے کے جو جنسی توانائی رکھتا ہو(او الطفل الذين لم يطهروا على عوراتِ النساء)[199] وہ بچے جو عورتوں پر غلبہ نہ رکھتے ہوں اس ممانعت سے باہر ہیں کہ ظہور کے معنی عورتوں کی شرگاہ سے استفادہ کا امکان اور اس کے بارے میں اطلاع رکھتےہیں نہ صرف اطلاع رکھتے ہیں بلکہ اس کی صحیح عبارت '' لم يطلعوا ہے نہ '' لم يظهروا،، یعنی اس اصل کی بنیاد پر جو مرد بھی جنسی توانائی نہیں رکھتے یا اس کے امکان سے بھی دور ہیں اس طرح ہیں کہ اسی آیہ کریمہ کے مطابق(اوالقابعين غيراولى الاربۃ من الرجال)[200] جو مرد زندگی کے آخری لمحات گزار رہے ہیں ،، کہ جنسی ضرورت کسی صورت نہیں رکھتے یا بہت زیادہ بوڑھے ہیں یا مردانگی کی حالت یا آلہ نہیں رکھتے یا پھر اپنے اندر ایسی جرأت نہیں دیکھتے کہ گھر کی خاتون سے جس گھر میں کام کرتے ہیں ہمبستری کریں ایسے لوگ نا محرموں میں نہیں ہیں۔

مسئلہ ۶۹۰: مسلمان عورتوں کے پردہ کا حکم دو بنیاد پر ہے ایک ناموس کا احترام اورعورتوں کی پاکدامنی اور یہ کہ اذیت اور تعاقب کا نشانہ نہ بنیں اور دوسرا مردوں کی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کہ عورتوں کے ساتھ ہوسرانی کرنے سے محفوظ رہیں اور یہ دونوں ہی جنسی استفادہ کے امکان کے محور پر ہے ، بنابرایں غیر مسلم عورتیں یا ایسی مسلم عورتیں کہ اگر انہیں بے پردگی سے رکو گے تو قبول نہیں کریں گی اور دیہاتی عورتوں کے بارے میں جو روایات ہیں اور وہ یہ ہے کہ ان کی طرف نظر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ''لانهن اذا نهين لاينتهين،، اگر انہیں منع بھی کرو گے تو وہ ،مانیں گی نہیں ،،۔ یہاں پر اس عورت کا احترام جو حجاب کی پابند نہیں ہے ان کے چہرہ کے علاوہ (حساس مقامات کے علاوہ) نظر کرنا بھی ساقط ہے۔

اور صرف نظر کرنے کی ممانعت کے سلسلہ میں دوسرا اور ایک پہلو رہ جاتا ہے کہ شہوت اور ریبہ کے لحاظ سے ہو کہ اس صورت میں چنانچہ مرد خوف محسوس کرے تو اپنا منہ گھما لے اور منظر ہی بدل کر رکھ دے۔

---

[۱۹۸] ۔سورہ نور، آیت ۳۱.
[۱۹۹] ۔ سورہ نور، آیت ۳۱.
[۲۰۰] ۔ سورہ نور، آیہ ۳۱.

مسئلہ ۶۹۱:آپ نے کسی اجنبی لڑکے اور لڑکی کو اپنے اولاد کی طرف پروان چڑھا یا یا انہیں معلوم نہ ہو کہ وہ لوگ تمہار ےحقیقی فرزند ہیں یا جانتے ہیں بہر صورت جنسی میلان درمیان میں نہیں ہے تو ان کا لڑکا ''لم یظھروا علی عورات ِ النساء'' اور '' التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال'' ہے اور ان کی لڑکیاں بھی (والقواعد من النساء) آیات کے مطابق محارم کےحکم میں ہیں کہ نہ اس لڑکے اور نہ ہی اس لڑکی کے لئے گھر کی عورت اور مرد کی نسبت کوئی جنسی میلان نہیں ہوتا۔(لیکن اگر محارم میں جنسی جاذبہ ہو تو ان پر حجاب بھی واجب ہو جاتا ہے) اس کے با وجود کہ یہاں پر عارضی محرمیت حاصل ہے ، پھر بھی ان لڑکوں اور لڑکیوں کا ان (گھر والوں) سے ازدواج کرنا بھی جائز ہے جیسے شہوت سے خالی مرد اور عورت کا کافر عورتوں کے حساس مقامات کے علاوہ کی طرف شہوت کے بغیر نظر کرنا حرام ہے یا نہیں؟ اس کی حرمت پر ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے ؛ کیونکہ متعلقہ آیات میں نا محرموں کی طرف نظر کرنا صرف مؤمنین کے بارے میں ہے، غیر مسلم عورتوں سے جنسی عمل اور تمام شہوانی رابطے حرام ہیں اور بس اور تمام جنسی استفادہ بھی ظاہراً نہ صرف اس طرح کی عورتوں سے بلکہ حیوانات اور ان کے مانند سے بھی ایسی نظر جائز نہیں ہے کہ اصولی طور پر شرعی معینہ اصول کے علاوہ طریقوں سے شہوت رانی کہ صرف تمہاری بیویاں ہوں، حرام ہے، کیونکہ آیہ المؤمنون(الا علی ازواجھم) آیا ہے کہ اپنی بیوی کے علاوہ جنسی عمل میں ہر قسم کی شہوت رانی کو حرام قرار دیا ہے (ولا تقربو الزنا)[201]زنا سے قریب ہونے کو(نہ صرف زنا کو) حرام کیا ہے بلکہ اس کے مقدمات کو بھی حرام کیا ہے۔

مسئلہ ۶۹۲: اگر شرعی حجاب میں کوئی عورت کسی اجنبی مرد کو دیکھے کہ وہ اس کی طرف ناپاک نظر سے دیکھ رہا ہے تو اسے منع کرنا چاہئے۔ او اگر اثر نہ کرے تو اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے یا اپنے چہرہ کو کہ اصولاً ڈھانپنا واجب نہیں ہے۔ عملی نہی از منکر باب سے اس سے چھپائے۔

مسئلہ ۶۹۳: اسلامی حجاب میں چہرہ اور گٹے تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے کہ خود (الا ما ظھر منھا) میں سے ہے؛کیونکہ یہ دونوں عضو خود بخود ظاہر ہے '' ولا یبدین'' ان کو شامل نہیں ہوتا، جیسا کہ '' خمرھن'' ان کے دوپٹے اور اسکارف اور ''جلا بیبھن'' ان کے سر سے پاؤں تک کے لباس کہ ان کے گلے اور سینوں کو چھپائے ہاتھ کی ہتھیلیاں اور چہرہ کو شامل نہیں ہوتا؛ کیونکہ '' من'' ان دونوں مورد میں تبعیض کے لئے ہے نہ پورے کے لئے بالآخر ان کو چھپانا واجب نہیں ہے جز استثنائی موارد کے عورت کے ان دونوں مقامات کے لئے آیات سے پہلے نا تمام حجاب

۲۰۱۔ سورہ اسراء، آیہ ۳۲.

اور نا مکمل پردہ تھا۔ اس معنی میں کہ عورتوں کے چہروں کے علاوہ ان کے گلے اور گردن چھپی ہوئی نہیں تھی اسی طرح سر سے پاؤں تک کے لباس میں ان کے سینے اور پاؤں کا حجاب نہیں تھا اور یہ دو آیت'' خمر'' اور ''جلابیب'' نے اس بد حجابی کو ممنوع کیا ہے۔

اور اس مقدار کو چھپانے کا فرمان صادر فرمایا اور اس کی تکمیل انہی دو حجاب سے کی نہ پورے بدن اور صورت کا چھپانا جز استثنائی موارد کے جیسے اس مقام پر جہاں کوئی اجنبی عمداً اور شہوت کی نظر سے اس کے چہرہ کو دیکھ رہا ہو۔ ایسی صورت میں تکلیف ، سب سے پہلے نہی از منکر ہے اور تأثیر نہ ہونے کی صورت میں چہرہ کا چھپانا بھی لازم ہے ، لیکن اس حالت کے علاوہ چہر ہ کھلا ر کھنے میں کوئی حرام نہیں ہے اور احرام کی حالت میں چہرہ کا کھلا رہنا واجب ہے اور اگر وہاں پر بھی شہوانی نظر کی مشکل پیش آئے تو ہر ممکن طریقہ سے اس کی روک تھام کرنی چاہئے اور اس حالت میں اگر سمجھ جائے کہ کوئی اس کی طرف ناپاک نظر کر رہاہے تو اس طرح اپنے چہرہ کو چھپائے کہ چھپانے کا وسیلہ اس کی صورت سے نہ ٹکرائے۔

مسئلہ ۶۹۴: جس طرح مرد کا ناپاک نظر سے کسی اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح اجنبی مرد کی طرف عورت کا بھی ناپاک نظر سے دیکھنا حرام ہے مردوں کے لئے کامل حجاب کےعلاوہ کہ مردوں پر عورتوں کا پردہ واجب نہیں ہے رہا مردوں کا حجاب تو ان مقامات کے علاوہ کہ عرف میں بلا اشکال ہے ، جیسے چہرہ، گردن ، گٹوں تک دونوں ہاتھ یا کچھ اوپر تک اور دونوں پاؤں اور اس کے مانند اور سینہ، کمر، شکم ، رانوں اور بازووں کے علاوہ نامحرموں سے چھپانا واجب نہیں ہےاور اصولی طور پر کلی معیار اور میزان شہوت انگیز مقامات ہیں کہ چھپانے کی حکمت اسی قانون پر استوار ہے ، اس فرق کے ساتھ کے عورتوں کا پور بدن ہی محرک اور شہوت انگیز ہے،لیکن مردوں کے سارے اعضاء اس طرح کے نہیں ہیں ، بلکہ بعض اس کا اقتضاء کرتے ہیں کہ انہی کا چھپانا کافی ہےبلآخرازدواج کےقابل عورتوں کی طرفان کے چہرہاورہاتھ کے علاوہ کسی قسم کی نظر کرنا حرام ہے،لیکن ان دونوں کی نسبت شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام ہےاور قرآن نے بھی مجموعی طور پرچہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ کو حرام کیا ہےکہ نتیجتا عورتوں کے اندام نہانی جیسے مقامات کی طرف دیکھناکلی طور پر حرام ہےنہ صرف ان کے اندام نہانی بلکہ شہوت انگیز نظر سےان کے چہرہ ان کے لباس کی طرف دیکھنا اورہیجان آور حرکات و سکنات اور رفتار و گفتاربھی حرام ہے،جیسا پیغمبر آعظم کی ازوا ج کے بارے میں ہے کہ وہ اپنی گفتار میں نرم لہجہ میں گفتگونہ کریں ورنہ بیمار دل ان کی طرف ہوس کرنے لگیں گے۔

مسئلہ ۶۹۵: یہ سب بنفس نفیس انسان کو دیکھنے میں ہے، لیکن عورتوں کے چہرہ کی طرف دیکھنا ٹیلیویژن پر متحرک یا غیر متحرک تصویر میں شہوت کے تحریک نہ ہونے کی صورت میں دیکھناہرگز حرام نہیں ہے ،مگر یہ کہ یہ دیکھنا مد نظر عورت تک رسائی ہونے یا دیگر محرمات کا باعث ہو ، بہر صورت اس طرح دیکھنا کہ حرام شہوانی نتیجہ کا حامل ہو، حرام ہے۔

اور مکی ۱۳/سال میں مکمل حجاب کا واجب نہ ہونا اس پر واضح خود ایک دلیل ہے کہ پردہ کا اصل وجوب شہوانی اور جنسی حالات سے روکنے کے لئے ہےورنہ مکہ کے خوفناک ماحول اور اسلام کے آغاز میں مکمل حجاب واجب نہیں تھا۔ اور مدینہ میں بھی نامحرموں کی نسبت کلی قانون کے لحاظ سے خواہ ان کی نظر شہوانی ہو یا غیر شہوانی کلی طور پر حجاب واجب ہوگیا کہ یہ خود ہمیشہ اور ہر زمانہ میں حرام شہوانی نتائج سے روکنے کے لئے ہے۔

طلاق

مسئلہ ۶۹۶: طلاق دائمی نکاح سے جدائی کا نام ہے اس میں بھی عدالت کے لحاظ سے وہی صورتحال ہے جو خود عقد میں پائی جاتی ہے، کیونکہ عقد ازدواج عدالت اور محبت کی بنیاد پر زندگی کے تمام اصول اور فروع میں شراکت کا نام ہے اور طلاق کا مقام وہاں پر ہے جب زندگی کی بقا میں عدالت کی پابندی ممکن نہ ہو ، ازدواج واجب ہو یا مستحب آغاز اور انجام دونوںہی میں طرفینی حقوق میں عادلانہ فریضہکی ادائیگی سے مشروط ہے۔

اگر طرفین میں سےکوئی ایک یا دونوں ہی اپنی زندگی عدالت اور حدود الٰہی کی پاپندی کی بنیاد پر باقی رکھنا نہیں چاہتے یا نہیں کر سکتے تو ایسے موارد میں طلاق ہے ۔اس زندگی کو ختم کرنا جو حدود الٰہی کی انجام دہی سے روکتی ہے، ایک مناسب اور واجب خاتمہ اور جدائی ہے۔
اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ آیات طلاق اور اس کے پرتو میں روایات نےازدواجی زندگی میں تقوی کی تاکید کی ہے کہ اس مشترکہ زندگی میں حقوق اور حدود الٰہی کی رعایت کرنا بہت ہی اہم ہے۔ اور اس کے علاوہ اگر مرد اور عورت کے درمیان ہماہنگی اور موافقت ہرگز ممکن نہیں ہے اور حدود الٰہی کے ترک کرنے کا موجب ہے ۔ لہٰذا جس طرح خدا سے وابستگی کے ساتھ انجام پایا تھا اسی طرح خدا ہی کے حکم سے جدائی ہونا چاہئے چونکہ بعض طلاق جلد بازی کے فیصلہ اور عجلت کے اعتبار سے ہوتے ہیں آیات اور روایات کافی تاکید کر رہی ہیں کہ صالحین اور اچھے لوگ حتی الامکان اس بات کی کوشش کریں کہ طلاق نہ ہونے پائے اور اگر ہو بھی جائے تو عدت رجعیہ کے اختتام تک وہ مطلقہ عورت گھر کی مالکن کی طرح

عدت کے تمام ہونے تک اسی گھر میں رہے جس میں بیاہ کر آئی تھی۔ (لاتدری لعلّ اللہ یحدث بعد ذلک امراً)[202] تم نہیں جانتے شاید خداوند عالم اس کے دوران (نیا) کام انجام دے کہ ازدواجی زندگی پھر سے بحال ہو جائے اور اس کی بقا کا سبب ہو اور اسی اصل کی بنیاد پر ہے کہ جوعورت طلاق رجعی میں ہے وہ نہ مرد سے پردہ کرنے کا حق رکھتی ہے اور نہ ہی اپنے گھر سے باہر جانے کا کہ روز وشب سابقہ حالت کی طرح مرد کی دسترسی میں ہو تاکہ مرد شاید اپنے کئے پر نادم و شرمندہ ہو اور پھر سے ازدواجی زندگی کو بحال کر لے اور اسی صورت میں جدید عقد بھی لازم نہیں ہے بلکہ عورت کے ساتھ جو کام کرتا ہے وہ زندگی کی بحالی اور واپسی ہے کہ (... وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُواْ إِصْلاَحًا ...)[203] ان کے شوہر اصلی ازدواجی زندگی کو بحال کرنے کے زیادہ حقدار ہیں (عدت رجعیہ میں) اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں کہ یہاں پر اصلاح کا ارادہ اصل ازدواج کی طرح شرط ہے اور صرف اصلاح کا ارادہ ہی ہےکہ مرد کو یہ حق دیتا ہے کہ اگر ایسا ارادہ نہ رکھتا ہو اور اس سے بدتر کہ نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس طرح کا رجوع جائز بھی نہیں ہے اور زنا کے حکم میں ہے اور ہم ملاحظہ کرتےہیں کہ عدت رجعیہ میں صرف عقد کے بغیر رجوع شرعی طور پر زندگی کو باقی رکھ سکتا ہے کہ شا ئستہ زندگی کا ارادہ اور گذشتہ خطاؤں کی تلافی کرنےکا فیصلہ ہو ، نہ ہوس پرستی اور عورت کو اذیت کرنے کا کہ شاید اپنے حقوق کو معاف کر دے یا پھر اتنی جلدی نئی زندگی کا آغاز نہ کر سکے۔

بالآخر عقد اور طلاق زیادہ تر فیصد میں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی میں ایک جیسے ہیں اور یہاں پر جو عدہ رجعیہ میں رجوع کرنااصلاح کے ارادہ سے مشروط ہے ہم ملاحظہ کرتےہیں کہ اصل ازدواج بھی اس بنیاد پر ہے کہ اگر ازدواج، ازدواجی زندگی کا فیصلہ مفاہمت ، سمجھوتہ ، ساز گاری ،موافقت، ہم آہنگی اور حدود الھی کی حفاظت کی بنیاد پر نہ ہوگا تو اس طرح کا ازدواج اصلاً جائز نہیں ہے اور بالآخر مرد اور عورت ایک دوسرے کی قید، ایک دوسرے کی اچھی زندگی میں مزاحم ہوں اور حدود الھی کے ترک کرنےکا باعث نہ ہوکہ ان میں سے ہر ایک ازدواج کو نا جائز بنانے میں کافی ہے ، کیونکہ یہ اللہ کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے کہ خدا اپنے ایسے ازدواج یا طلاق کو جائز بنائے جو نا جائز زندگی اور جدائی کا موجب ہو جائے۔

قرآن کریم میں '' النکاح'' نامی کوئی سورہ نہیں ہے جبکہ زندگی کے اہم ترین پہلوؤں کا حامل ہے، لیکن ہم ملاحظہ کرتےہیں کہ '' سورہ طلاق'' نامی سورہ ہے اور شاید اس کی وجہ یہی ہو کہ طلاق کی ذمہ داری ازدواج سے بہت زیادہ ہے کہ ایک

---

[۲۰۲] ۔سورہ طلاق، آیہ ۱.
[۲۰۳] ۔سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸.

جگہ تعمیر ہے اور دوسری جگہ تخریب اور ویران کرنا ہےاسکے لئے کافی دقت اور بررسی لازم ہے کہ حتی الامکان جس چیز کو بنایا اور سنوارا ہے اسے اتنی آسانی سے ویران تو نہ کر دیں کہ بنانا مشکل اور ویران کرنا بہت آسان ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اتنی آسانی کے ساتھ بےسرو سامانی میں ہاتھ ڈال دیں اور اسی وجہ سے آیات طلاق میں بہت زیادہ تاکیدیں آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ازدواجی ادارہ ویران نہ ہونے پائے اور میاں بیوی دونوں ہی خود کو شرعی حدود اور قوانین کا پابند بنائیں کہ نکاح کے آغاز میں صرف دو افراد ایک دوسرے سے ملے ہیں اور اب جبکہ خانوادہ تشکیل پا گیا اور اولاد بھی ہوگئی توطلاق کی وجہ سے اولاد کا مرکز زندگی نیز میاں اور بیوی کا دو خانوادہ تباہ و برباد ہو جائے گاویرانی کی روک تھام محبت اور ہم آہنگی ایجاد کرنے سے بہت اہم اور بہتر ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے کہ ان کے درمیان محبت یا دشمنی ہو، لیکن جب ایک رشتہ کی بنیاد پر لڑکا اور لڑکی کے درمیان آشنائی اور محبت ہو جاتی ہے اگر یہ پیوند اور رابطہ دشمنی اور جدائی پر تمام ہو تو بہت ہی برا ہے طلاق خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے اس صورت میں جائز ہے جب زندگی کی بقا اور اس کا تسلسل عسرو حرج سے دو چار رہا ہو کہ کسی وسیلہ سے (حتی حکمین) سے بھی برطرف ہونے والا نہ ہو کہ اس صورت میں میاں اور بیوی دونوں میں سےہر ایک کے لئے جائز اور حلال ہے۔ عسر و حرج صرف یک جانبہ ہونا طلاق کا جواز نہیں بن سکتا؛ کیونکہ یہ طرفین عقد کے لزوم کا مقتضی ہے کہ یا طرفین کی رضایت سے ہونا چاہئے عسر و حرج کی طرح نا قابل اصلاح ایک طرفہ عذر درکار ہو اور یہ طرفین عقد کے لزوم کےعلاوہ چند آیات کی روشنی میں ثابت ہے جیسے '' عاشرو هُنَّ بالعروف'' کہ طلاق کے بعد کو بھی شامل ہے، ازدواجی حالت میں یہ شائستہ معاشرت واجب ہے یا طلاق شائستہ عسر و حرج کے بغیر ہو؟ نیز آیہ کریمہ(ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف و الرجال علیهن درجة) کہ میاں بیوی کے حقوق کو برابر سے معین کیا ہے جز ایک درجہ کے کہ اسی آیت کی بنیاد پر عدت رجعیہ میں عادلانہ اور مصلحانہ رجوع ہے اور بس۔

حقیقت میں کہا جا سکتا ہے ازدواجی مرکز کی ویرانی ایک حکومت کی ویرانی سے زیادہ اہم ہےکیونکہ حکومت انہی مراکز سے تشکیل پائی ہے اور اگر یہ سب ویرانی کا شکار ہو جائیں تو ان کی حکومت بھی اندر سے کھوکھلی اور بوسیدہ ہو جائے گی ۔ ہم انہی اصول کی روشنی میں ملاحظہ کرتےہیں کہ اسلام میں طلاق کے پروگرام کی کچھ اس طرح بنیاد رکھی گئی ہے کہ گویا مرد اور عورت کے درمیان خود ایک دوسرا رابطہ ہے جو ازدواج کا جاگزیں ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے(وائتمروا

بینکم بالمعروف)[204] ایک دوسرے کو شائستگی کے ساتھ امر و نہی کرو اور ایک دوسرے سے اس امر و نہی کو قبول کراو کہ یہ جدائی بھی محبت اور شائستگی کے ساتھ ربط کرنے کی طرح ہے۔

اسلام عزیز ازدواج کے سلسلہ میں دو جسم کے آپس میں ملنے سے پہلے دو دل کے ایک ہونے کا مطالبہ کرتا ہے کہ یہ رابطہ گویا ایک انسان کو تشکیل دیتا ہے اور اگر کچھ مدت کے بعد معلوم ہوگیا کہ یہ دوجسم (اور اس سے بالا تر دو قلب) آپس میں متحد نہیں ہیں (عدم اتحاد کی صورت میں) تو اس شرکت کو محبت کے ساتھ ختم کر دیں نہ کہ ازدواج سے پہلے کا یہ عام اور سادہ رابطہ دشمنی میں تبدیل ہو جائے۔

طلاق کا اصول اس مقصد کی خا طر ہے کہ کہیں اس اختلاف میں حدود الہی ترک نہ ہو جائیں اور اسلامی اخوت بھی مخدوش نہ ہو جائے کہ مشہور مثل ہے کہ ''دوری اور دوستی'' کیونکہ ان دونوں اصل کی رعات اہم ترین اسلامی اجتماعی بنیادوں میں سے ایک ہے اور اصولی طور پر ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ شلاق وار آیات طلاق دینے والوں کے سر پر پڑتی ہے کہ (... وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ...)[205] ''اپنے اور ان کے درمیان ضرر رسانی کا ماحول قائم نہ کرو کہ ان پر عرصہ حیات تنگ کردو ''(...لاَ تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلاَ مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ ...)[206] ''بچہ کی ماں کو جو درمیان میں ہے کبھی اس کے شوہر کو نقصان پہنچانے کا وسیلہ یا بچہ کے باپ کو اس کی بیوی کو نقصان پہنچانے کا وسیلہ نہ بناؤ''کہ اس کے درمیان معصوم بچہ دشمنی کا آلہ اور نقصان دہ سلوک کا وسیلہ بن جائے، بلکہ برعکس(... فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ...)[207] '' یا عورتوں کو (مرکز ازدواج میں) شائستگی کے ساتھ محفوظ رکھو یا پھر نیکی اور حسن سلوک کے ساتھ انہیں آزاد کر دو'' نیز (وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ)[208] مطلقہ عورتوں کےلئے ایک متاع(جائزہ) ہے (شائستگی کے ساتھ) کہ ان کے مہر کے علاوہ) پرہیزگاروں کے ذمہ ایک ایک حق ہے '' کہ یہ ہدیہ ان کے مہر کے عنوان سے (ممکن صورت میں) ایک شرعی حق ہے اور نیز(... وَلاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلاَّ أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ)[209] '' جو تم نے انہیں (مطلقہ عورتوں کو) جو چیز دے دی ہے ، اسے واپس لینا تمہارے لئے حلال نہیں ہے مگر یہ کہ ان دونوں صورتوں میں انہیں اس بات کا خوف ہو کہ ازدواجی زندگی کے سلسلہ کو آگے بڑھانے میں حدود الہی کی پابندی نہیں کرسکیں گے کہ اس صورت میں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ

٢٠٤۔ سورہ طلاق، آیہ ٦.
٢٠٥۔ سورہ طلاق، آیہ ٦.
٢٠٦۔ سورہ بقرہ، آیہ ٢٣٣.
٢٠٧۔ سورہ بقرہ، آیہ ٢٢٩.
٢٠٨۔ سورہ بقرہ، آیہ٢٣١.
٢٠٩۔ سورہ بقرہ، آیہ٢٢٩.

عورت نے جو کچھ لیا ہے اسے واپس کر دے اور خود کو آزاد کر لے‘‘ کہ اصطلاح میں اس طلاق کو طلاق خلع و مبارات کہتے ہیں۔ اور اسی طرح(... وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ)[210] انہیں ان کے حقوق کے علاوہ ہدیہ دو جو اپنی زندگی میں جتنی گشائش رکھتا ہے اس کے بقدر اورجس کی معیشت تنگ ہے اپنی توانائی کے بقدر دے اور یہ ہدیہ ایک مناسب متاع اور متقین کی گردن پر ایک حق ہے اور نیز (لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا)[211] جو شخص (جتنی) گشائش اور وسعت رکھتا ہے وہ اپنی توانائی اور وسعت کے بقدر نفقہ دے اورجس کی روزی تنگ ہوگئی ہے تو جوکچھ اسے خدا نے دیا ہے اس سے انفاق کرے اور ہم اسی طرح ملاحظہ کرتےہیں کہ اس طرح کی عورتوں کے بارے میں طلاق اور اس کے بعد جوتاکید ہوئی ہے ان تاکیدوں سے زیادہ ہے کہ ازدواجی زندگی کے دھانہ پر ہیں یا اس کے بعد یہ جدائی دیگر جدائی اور دشمنی کا بھی موجب ہے کہ پوری دقت اور سنجیدگی کے ساتھ ہر قسم کی دوگانگی ،جدائی اور دشمنی کی روک تھام کی جائے۔ ممکن ہے یہ محبت گذشتہ زندگی کی واپسی اور بحالی کا سبب ہو جائے ، خواہ عدت رجعی میں ہو یا پھر جدید عقد کے ذریعہ عدۃ تمام ہونے کے بعد اور ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ تلخیوں اور دو گانگی کو ختم کرنے طلاق میں دخول سے پہلے (کہ نصف مہر ثابت ہے) عو رت کی طرف سے اس کی بخشش کی اور مرد کی طرف سے بالخصوص سارا مہر ادا کرنے کی تاکید ہوئی ہے اور اس وقت کہ نہ رجوع کرتےہو اور نہ ہی جدید عقد کا فیصلہ کرتےہو تو کہیں ایسا نہ ہو کسی طریقے سے کسی دوسرے کے ساتھ اس کے ازدواج سےتم ما نع ہو جاؤ۔

(وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْاْ بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ)[212] اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی مدت تمام ہو جائے تو انہیں اپنے شوہروں کے ساتھ ازدواج کرنے سے مانع نہ ہو۔ اور یہاں پر '' ان کے شوہروں) دو پہلو کا حامل ہے ایک یہ کہ عدہ طلاق پوری کرنے کے بعد شوہر کے گھر والے یا بیوی کے گھر والے ان دونوں کے تجدید ازدواج سے مانع نہ ہوں اور دوسرے یہ کہ یہ لوگ یا خود اس کا (سابق) شوہر اس عورت کے کسی دوسرے مرد کے ساتھ ازدواج کرنے سے مانع نہ ہو ۔

مسئلہ ۶۹۷: عقد کی طرح طلاق میں بھی شرط ہے کہ طلاق بھی ارادہ و اختیار سے ہو ، خوف وہر اس اور زور زبردستی سے نہ ہو، جز استثنائی موارد کےکہ طلاق

۲۱۰۔ سورہ بقرہ، آیہ ۲۳۶.
۲۱۱۔ سورہ طلاق، آیہ ۷.
۲۱۲۔ سورہ بقرہ، آیہ ۲۳۲.

الزامی ہے ، کہ حتی میاں اور بیوی دونوں طلاق کے مخالف ہوں لیکن ان دونوں کے لئے زندگی کا سلسلہ آگے بڑھانا خواہ جان بوجھ کر ہو یا لاعلمی میں مرضی سے ہو یا زبردستی ، حدود الٰہی میں سے کسی حد کے ترک کرنے کا موجب ہو تو ایسی صور ت میں یہاں پر طلاق واجب ہے۔

مسئلہ ۶۹۸: طلاق اس حال میں دی جائے کہ عورت حیض و نفاس سے پاک ہو اور نہ ہی شوہر نےاس کے ساتھ پاک ہونے کی حالت میں اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو اور اگر اس کےپاک ہونے سے پہلے حیض یا نفاس کی حالت میں اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو تو یہ عمل بھی طلاق کے موانع میں سے ایک مانع ہے۔

مسئلہ ۶۹۹: صرف تین مورد میں عورتوں کو حیض و نفاس کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے :

۱): اس کے شوہر نے شادی کے بعد اس سے ہمبستری نہ کی ہو۔

۲): ہمبستری کی ہو لیکن یہ جانتا ہو کہ وہ حاملہ ہے۔

۳): مسافرت یاجیل میں ہونے یا کسی دوسری وجہ سےاس کے بارے میں جانکاری نہ ہو سکے ؛ کیونکہ اگر مسافر بھی نہیں ہے تو بھی اس طرح کی معلومات حاصل نہیں کر سکتا اور اس کا طلاق صحیح ہے اور اگر مسافرت میں ہے اور مطلع ہو سکتا ہے تو عورت کے پاک ہونے کے بارے میں اطلاع کے بغیر عورت کو طلاق دینا صحیح نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ طہارت کی حالت میں ایسا اتفاق ہو بالآخر جہاں تک ممکن ہو عورت کے حال سے آگاہ ہو، کیونکہ نا دانستہ طور پر اسے طلاق نہیں دے سکتا اورحیض و نفاس کی حالت میں طلاق صرف اور صرف اس صورت میں صحیح ہے جب عورت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ موجود نہ ہو اور طلاق بھی ضروری ہوگیا ہو کہ اگر ضروری نہ ہو تو اس حد تک صبر کرے کہ اسے عورت کے پاک ہونے کے بارے میں اطمینان ہو جائے۔

مسئلہ ۷۰۰: اگر کوئی شخص عورت کے حال سے آگاہی نہ رکھنے کی وجہ سے اس کو طلاق دینے کی سوچ رہا ہو چنانچہ اگر اس کے حیض و نفاس کے آغاز کے بارے میں جانتا ہو تو اسے اتنی مدت انتظار کرنی چاہئے جتنی مدت میں عام طور پر عورتیں حیض اور نفاس سے پاک ہو جاتی ہیں تاکہ امکانی حد تک اس کے پاک ہونے کے بارے میں مطمئن ہو جائے پھر اسے طلاق دے یہاں پر بھی اگر حیض یا نفاس کی حالت میں ہو تو اس کا طلاق صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۰۱: جو شخص عورت کے حالات جاننے سے معذور نہیں ہے اگر عورت کو حیض یا نفاس کی حالت میں نہ جان سکے اور طلاق دے دے لیکن بعد میں معلوم ہو کہ پاک تھی تو اس کی طلاق درست ہے ، لیکن اگر اس بنیاد پر کہ یہ عورت پاک تھی اوروہ طلاق دے دے اور بعد میں معلوم ہو کہ پاک نہیں تھی تو طلاق باطل ہے۔

مسئلہ ۷۰۲: جو عورت حیض کی عمر میں ہےلیکن کسی اصلی یا عارضی سبب سے اسےحیض نہیں آرہا ہو تو ایسی صورت میں ہمبستری کے وقت سے لیکر ۳ ماہ تک انتظار کرے تاکہ اسے طلاق دے سکے کہ طلاق ان ۳ ماہ کے ضمن میں پاکی اورطہر کی حالت کے مانند طلاق ہے جس طہر میں ہمبستری ہوئی ہے۔

مسئلہ ۷۰۳: طلاق جاری کرنے میں نکاح کے برعکس لفظی صیغہ شرط ہے (وَإِنْ عَزَمُواْ الطَّلاَقَ فَإِنَّ اللّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ)(213)اگر طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا تو یقیناً خدا دانا اور سننے والا ہے‘‘یہ اس بات کی ایک دلیل ہے کہ طلاق لفظ کے ذریعہ انجام پائے ورنہ یہاں پر ’’ سمیع‘‘ کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۰۴: طلاق جاری کرنے میں عربی لفظ شرط نہیں ہے بلکہ کسی زبان میں طلاق کے صحیح معنی کی حفا ظت کرتےہوئےطلاق واقع ہو جائے تو صحیح ہے کہ طلاق صرف جدا کرنا ہے خواہ کسی لفظ کے ذریعہ ہو۔

مسئلہ ۷۰۵: طلاق اور رجوع کے شرائط میں سے دو عادل مرد کا ہونا شرط ہے ، عقد کے برعکس کہ اس میں کسی شاہد کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، لیکن طلاق اور اسی طرح عدت رجعی میں رجوع دونوں ہی میں دو عادل گواہ کاہونا شرط ہے کہ (... وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ ...)(214) طلاق اور رجوع دونوں ہی کو شامل ہے لیکن رجوع پر گواہی کافی ہے کہ اس کی دوعادل گواہ خبر دیں کہ ان کا عینی وجود ممنوع ہے جز اس رجوع کو دیکھنے یا سننے کے لئے جس کا خطور نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۷۰۶: ایک جگہ پر ایک لفظ کے ذریعہ ایک طلاق سے زیادہ درست نہیں ہے کہ اگر کہے ’’انت طالق شئین او ثلاثۃ‘‘ تجھے دو مرتبہ یا تین مرتبہ طلاق دیا گیا تو یہ صرف ایک ہی طلاق شمار ہوگی کیونکہ طلاق عقد کوتوڑنا اورجدا کرنا ہے کیسے ممکن ہے کہ ایک جگہ پرایک مرتبہ سےزیادہ عقد توڑا جائے کہ ہر عقد اورگرہ لگانے کے بعد ایک کھولنا ہے لہذا ایک بستہ کو ایک جگہ پر کسی جدائی کے بغیر چند بار کھولا جائے کیا آپ ایک کاغذ کو ایک جگہ سے چند بار پارہ کر سکتے ہیں یا کسی رسی کو ایک جگہ سے چند بار کاٹا جا سکتا ہے؟ ہرگز ہر قطع کرنا ایک بارسے زیادہ نہیں ہے اور دوسرا قطع دوبارہ یا بندھی ہوئی چیز کو ایک بار سے زیادہ کھولا نہیں جا سکتا۔ بنابرایں دوسری طلاق چہ جائیکہ تیسری طلاق اس صورت میں معنی اور حقیقت کی حامل ہوگی کہ دوسر ا عقد، عقد کے حکم میں رجوع کے بعد ہو اسی طرح تیسری طلاق ہے اور سہ گانہ یا دوگانہ طلاق یکجا نہ صرف جائز اور مشروع کام ہی نہیں ہے بلکہ نا معقول اور حس کے خلاف بھی ہے، کہ کسی عقد کو کیسے ایک جگہ پر ۳ بار کھولا جاسکتا ہے جبکہ صرف ایک ہی بار کھولنے یا توڑنے یا الگ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بس۔

۲۱۳۔ سورہ بقرہ، آیہ۲۲۷.
۲۱۴۔ سورہ طلاق، آیہ۲.

بہت ہی حیرت انگیز ہے کہ ہمارے اہلسنت بھائیوں نے اس نا معقول عمل کو کس طرح شرعی رخ دے دیا ہے کہ عقل اورحس کے بھی خلاف ہے اور کتاب و سنت کے بھی اور قرآن کریم نے بھی اس میں ادبی پہلو کا اضافہ کرتے ہوئے اس حقیقت کی تصریح کی ہے (الطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلاَّ أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ)(فَإِن طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىَ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِن طَلَّقَهَا فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ)[215]

طلاق دو مرتبہ ہے اور اس کے بعد حسن سلوک کے ساتھ ان کی حفاظت کرنا یا پھر انہیں نیکی کے ساتھ آزاد کرنا ہے پس اگر تیسری بار طلاق دے دی تو اس کےلیے حلال نہیں ہے جب تک کہ کسی دوسرے شوھرسےھمبستری نہ ھو پس اگر یہ شہر بہی اسے طلاق دے دےتو ان دونون پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ و ہ لوگ(جدید عقد کے ساتھ) جدید ازدواجی زندگی اختیار کر یں جبکہ انہیں یہ گمان ہو کہ اس ازدواجی زندگی کو بحال کرنے میں حدود ومقررات الہی کی پاسداری کریں گے اور یہ سب حدود الہی ہیں کہ صاحبان عقل کے لئے بیان فرماتا ہے‘‘

مسئلہ ۷۰۷: محلل میں شرط یہ ہے کہ دائمی عقد کے ساتھ دوام کے قصد سے ازدواج کرے) نہ موقت کی نیت سے (لفظ غیر موقت کے ذریعہ) کہ عورت کے ساتھ چند لحظہ ہمبستری کے عنوان سے گزارے اور پھر اس کو طلاق دے دے تاکہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہو سکے اور اسی مورد حضرت رسول اکرم ﷺ فرماتےہیں: ’’ لعن الله المحلل والمحلل لہ ‘‘ خدا محلِل اور جو شخص اس کے لئے محلل ہوا ہے اس پر، لعنت کرے‘‘ اور یہ لعنت اسی حال میں ہے کہ اگر اس کےبعد والے شوہر کی نیت ظاہراً دائمی عقد کے ساتھ ہمبستری ہے اور اس کے بعد طلاق دے تو ایسا عقد بھی عقد نہیں ہے اور محلل کی اصلی شرط یہ ہے اور نہ ہی دائم ہے کہ اس کے دوام کا ارادہ ہی نہیں ہے بنابرایں یہ عقد بھی نہیں ہے اور محلل کی اصلی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ عقد دائم کی نیت کے ساتھ ازدواج کرے اور عقد کا دائم ہونا صرف لفظ عقد کے سلسلہ میں نہیں ہے کہ اس میں کوئی معین مدت ذکر نہیں ہوئی ہے ، بلکہ دوام کے ارادہ سے ازدواج ہے، اگرچہ بعد میں طلاق کا رجحان پیدا ہو جائے اور ازدواج کا فیصلہ صرف حلیت کا رابطہ ہونے کے اعلان سے اور اس کے بعد آزاد کر دینا عقد کو دائم اور موقت دونوں ہی سے خارج کر دیتا ہے ، بنابرایں اس عورت سےہمبستری کرنا حرام اور زنا ہو جائے گا اور زنا صرف یہ کہ محلل نہیں ہے بلکہ دوسری تحریم کا بھی موجب ہے ، کیونکہ بدکار عورت سے شادی بیاہ کرنا حرام ہے اور یہ ہے جس پر

[۲۱۵] ۔سورہ بقرہ،آیہ ۲۲۹، ۲۳۰.

رسول خدا نےلعنت کی ہے نہ کہ صحیح طریقہ سے ازدواج کرے پھر جائز علتوں کی بنا پر اسے طلاق دے دے کہ اس کے سلسلہ میں قرآن کی نص موجود ہے ورنہ تحلیل کے لئے جس راہ کو قرآن کریم نے معین کیا ہو وہ پیغمبر قرآن کی لعنت اور نفرین کا نشانہ کیسے بن سکتی ہے ؟

مسئلہ ۷۰۸: '' حتی تنکح زوجاً غیرہ'' سے اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ اس ازدواج میں عقد کے علاوہ جنسی عمل بھی انجام پائے کہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرنا صرف صیغہ عقد نہیں ہے ، کیونکہوہ عورت عقد کا صیغہ شوہر ہونے کے بعد جاری نہیں کرتی اورجیسے ہی کسی دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرے اورمکمل شرعی ازدواج تواس کے ساتھ ہمبستری بھی ہو۔

یہ ارشاد نہیں ہوا '' حتی ینکحھا زوجٌ غیرہ'' یہاں تک کہ کوئی دوسرا شوہر اس کے ساتھ مجامت کرے'' بلکہ ارشاد ہو تا ہے تنکح زوجا غیرہ'' یہاں تک وہ عورت کسی دوسرے شوہر کے ساتھ ہمبستری کرے اور یہ خود ہی مرد کو غیرت دلانے کے لئے ہے تاکہ امکان کی حد تک اس طرح کے طلاق کا اقدام نہ کرے۔

مسئلہ ۷۰۹: یہ جنسی عمل خواہ عورت کے اگلے حصے میں ہو یا پچھلے دونو ں ہی حرام ہے، '' حتی تنکح'' میں شامل ہے کہ خود عمل جنسی ہے اگرچہ حرام ہے جیسے دیگر حرام جنسی عمل جیسے احرام، روزہ، اورحیض و نفاس کی حالت میں یا نذر، قسم، عہد کی حالت میں یا نقصان پہنچانے کے لیے انجام پائے کہ یہ سارے کے سارےموارد'' حتی تنکح'' میں شامل ہیں ، اگرچہ حرام ہیں۔

مسئلہ ۷۱۰: طلاق کی دو قسم ہے: ۱): بائن اور رجعی اوربائن کی بھی تین قسمیں ہیں: طلاق بائن قطعی کہ طرفین میں سےکسی کے لئے بھی قابل برگشت نہیں ہے جز جدید عقد کرنے کی صورت میں نا بالغ لڑکی کی طلاق کی طرح اور وہ بالغ لڑکی کہ جس نے اس کے ساتھ ہمبستری نہ کی ہو یا ہمبستری کی ہو لیکن حیض کے سن سے گزر کریائسہ ہو چکی ہو اور تیسری طلاق کہ اس کے بعد رجوع نہیں ہے مگر یہ کہ وہ عورت اس کے بعد کسی دوسرے شخص سے ازدواج کرے اور وہ شوہر اس کے ساتھ ہمبستری کے بعد اسے طلاق دے دے تو ایسی صورت میں یہ عورت جدید عقد کے ساتھ قابل رجوع ہوگی اور اس سے اہم نویں طلاق ہے کہ اس قسم کے موارد میں طلاق بائن قطعی اور نا قابل رجوع ہے جو جدید عقد کے ساتھ کہ نویں طلاق کے علاوہ کہ دائمی حرمت کا سبب ہے۔اس کے بعد بائن غیر قطعی کہ اصطلاح میں خلع اور مبارات کہتےہیں کہ خلع اس صورت میں ہے کہ صرف اور صرف عورت طلاق کا سبب ہو نہ مرد کہ عورت اپنے اندر ا لہی حدود قوانین کی رعایت کرتے ہوئے ازدواجی زندگی کو آگے بڑھانے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو اور مبارات اس صورت میں ہے کہ ناراضگی دونوں طرف سے ہو کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے

عاجز ہوں اور ان دونوں کے لئے اس طرح زندگی کو باقی رکھنا کافی دشوار ، موت کا سامنا کرنا اور دونوں ہی کے لیےالہی حدود و قوانین کی مخالف کرنے کا سبب ہو۔
قرآن کریم میں طلاق کی ان دونوں قسموں کے بارے میں اس طرح ارشاد ہوا ہے :(... وَلاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلاَّ أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ)[216] تمہارے لئے ان کو دی ہوئی اپنی چیز واپس لینا جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ دونوں کو زندگی آگے بڑھانے سے خوف محسوس ہو (کہ اس زندگی کی بقا کی صورت میں) الہی حدود اور قوانین کی پاسداری نہیں کر پائیں گے پس اگر تم لوگوں کو اس بات کا خوف ہو کہ طرفین حدود الہی کا پاس و لحاظ نہیں ر کھ پائیں گے تو ان پرکوئی گناہ نہیں ہے ، جو کچھ عورت نے لیا ہے اسے فدیہ دے د ے'' کہ خود کو اس طرح کی موت بھری زندگی سے نجات دلانے کے لئے ایک مبلغ دے اور نتیجہ کے طور پر حدود الہی کی مخالفت کرنے سے آزاد ہو جائیں اور یہ ''یخافا''
اعم
ہے کہ دونوں ہی حدود الہی کےترک کرنے سے خوفزدہ ہوں تو یہاں پر مبارات ہے یا پھر اصلی سبب عورت ہے (ناراضگی عورت کی طرف سے ہو) کہ اس کے مقابلہ میں مرد بھی اس زندگی سے خوف زدہ ہوتا ہے تو یہاں پر طلاق خلع کا مقام ہے۔
!تو کیا مرد ان دونوں صورت میں عورت کے مہر سے زیادہ مطالبہ کر سکتا ہے؟ہرگز کا اضافی مبلغ لینا مفت خوری اور ظالمانہ کام ہے اور صرف یہ ''فدیہ'' عورت کے مہر کے سلسلہ میں ہے اور بس کہ اگر صرف عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو زیادہ سے زیادہ لینا ہی ہے کہ جو اس نے مہر لیا ہے وہ واپس کر دے اور اگر دونوں ہی اس قضیہ میں شریک ہیں تو پورا مہر لینا حرام ہے کہ حد اکثر نصف ہو، کیونکہ اس جدائی کا دونوں ہی موجب ہیں لہذا دونوں ہی مالی نقصان اٹھائیں کہ عورت بھی مہر میں سےکچھ واپس کرے اورمرد بھی اس مہر سے کچھ واپس لے لے۔
لیکن اگر صرف مرد طلاق کا خواہشمند ہو کہ وہ حدود الہی کی رعایت کرتے ہوئے ازدواجی زندگی کو باقی نہیں رکھ سکتا تو یہاں پر دیئے ہوئے مہر کو عورت سے واپس نہیں لےسکتا، بالآخر ان تمام سہ گانہ موارد میں طلاق واجب ہے ، کیونکہ اس زندگی کی بقا میں اس زندگی کے ابعاد میں سے کسی بھی بعد میں کسی قسم کی شرکت اس صورت میں جائز اور مشروع ہے جب شریعت کی خلاف ورزی کا باعث نہ ہو اور حلال طلاق کا مورد بھی صرف یہی تین مورد ہے یہاں تک کہ عورت سےکوئی چیز لینا خواہ دیا ہو مہر ہی ہوکسی صورت جائز نہیں ہے۔

---

[۲۱۶] ۔سورہ بقرہ، آیہ۲۲۹.

جز ان دو مورد کے ان میں سے ایک (... إِلاَّ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا)[217] کہ دونوں ہی کو حدود الٰہی کی پاسداری اور رعایت نہ کرنے کا خوف ہو اوراس واقعہ کا سبب دونوں ہی ہوں تو یہ طلاق مبارات ہے یا صرف عورت ہو توطلاق خلع ہے ، اور اگر صرف مرد ہے تو اس مورد میں صرف اور صرف طلاق رجعی ہے اور پورا مہر مرد کے ذمہ ہے اور یہی وہ طلاق ہے جس میں مرد عدت تمام ہونے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے اور اس صورت میں ہے جب اصلاح کا ارادہ ہو لیکن پہلی دو صورتوں میں اس کے علاوہ اس وقت اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے جب عورت نےاسے جو دیا ہے وہ واپس ہو جائے اور شوہر اسے قبول بھی کر لے تواس کے ذریعہ طلاق خلع اور مبارات طلاق رجعی میں تبدیل ہو جائے گی۔

مسئلہ ۷۱۱: طلاق رجعی کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ مرد اپنے گھر سے اپنی بیوی کو باہر نہیں نکال سکتا اور عورت بھی گھر سے باہر جانے کا حق نہیں رکھتی جز ضرورت کےوقت جیسے عورت کا گھر میں رہنا زندگی کے درہم برہم ہونے اور بے سرو سامانی کا موجب ہو یا عورت کے لئے باہر جانے کی دائمی یا وقتی کوئی ضرورت پیش آجائے -باہر جانے سے مراد شوہر کا گھر ترک کرنا اوراس گھر سے باہر رہنا ضرورت سے زیادہ ہے نہ یہ کہ کبھی کبھی عام اور معمولی ضررت کے لئے گھر سے باہر جائے کہ طلاق سے پہلے بھی یہ قسم جائز تھی چہ جائیکہ طلاق کے بعد کہ گزشتہ سے زیادہ اس کے لئے ایک موقعیت پیش آگئی ہے -

مسئلہ ۷۱۲: رجوع کرنے میں (جیسا کہ بار بار ارشاد ہو چکا ہے)اصلاح کا ارادہ شرط ہے کہ (... وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُواْ إِصْلاَحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكُيمٌ)[218] عورت کو عدہ رجعی میں اصلاح کی شرط کےساتھ ان کے شوہر انہیں لوٹانا کا زیادہ حق رکھتے ہوں (... تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ...)[219] نیزان سے نقصان دہ رویہ نہیں اپنانا چاہئے یہاں تک کہ ان پر عرصہ حیات تنگ کر دو''

مسئلہ ۷۱۳: رجوع ،قلبی اور عملی دو پہلو کا حامل ہے کہ اس کا قلبی پہلو طلاق کے بعد گذشتہ زندگی کی طرف واپسی کی نیت ہے اور اس کا عملی پہلو ایسا کام کرنا ہے جو عورت کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے کہ شہوت کی نظر کرنا، چھونا، چہ جائیکہ دیگر کام اور یہاں پر عقد کے برعکس اس رجوع پر دو شاہد عادل بنائیں کہ رجوع کےوقت نو عاممکن نہیں ہے بلکہ اسے رجوع سے پہلے یا رجوع کے بعد دو

---

۲۱۷ ۔ سورہ نساء، آیہ ۱۹.
۲۱۸ ۔ سورہ بقرہ، آیہ ۲۲۸.
۲۱۹ ۔ سورہ طلاق، آیہ ٦.

عادل گواہ اس کے رجوع کی گواہی دیں (... وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ ...)[220] رجوع اور طلاق دونوں ہی کو شامل ہے ، بلکہ (اشھدوا) طلاق کی نسبت رجوع سے بہت زیادہ قریب ہے (اگر عدت تمام ہونے کے بعد مرد کہے کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کیا ہے تو اس کا ثابت کرنا ضروری ہے۔[221]

مسئلہ ۷۱۴: اگر رجوع اصلاح کے ارادہ سے نہ ہو اور اس سے بھی بدتر کہ اذیت اور آزار کی نیت سے ہو تو ہرگز حلیت کا موجب نہیں ہے اور اس حال میں ہر قسم کا ازدواجی عمل اگر انجام پائے تو حرام ہے اور اگر اس (بیوی) کے ساتھ اسی حالت میں ہمبستری کرے تو زنا ہے۔

مسئلہ ۷۱۵: اگر کوئی ایسا کام کرے جوعرف میں رجوع کہلائے تو اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا کہنا چاہئے کہ اس نے اپنے اس عمل سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے ، نہ یہ کہ اس نےکوئی حرام کام کرنے کا ارادہ کیا ہے ہاں، اگر معلوم ہو کہ اس نے رجوع کا ارادہ نہیں کیا ہے تو یقیناً حرام ہے اور اس کا جنسی عمل زنا ہے۔

بنابریں رجوع تین شرطوں کا حامل ہے : نیت ،مناسب عمل کے ساتھ رجوع اور اصلاح کا ارادہ کہ اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک نہ ہو توشرعی رجوع محقق اور ثابت نہیں ہوا۔

مسئلہ ۷۱۶: رجوع اپنے تمام تر شرائط کے ساتھ جو شوہر کا مسلم الثبوت حق ہے و ہ کسی معاہدہ ، قرار داد یا کسی وسیلہ سے ختم نہیں ہوتا اور اگرمال لینے یا نذر اورعہد و قسم وغیرہ سے حق رجوع کو ساقط کرنا بھی چاہئے تو ساقط نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس کی حقیقی حکمت اور فلسفہ (... لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا)[222] کسی دوسری مصلحت سے قابل تلافی بھی نہیں ہے اور یہ رجوع صرف شوہر کا حق نہیں ہے کہ معاملہ کے قابل ہو، بلکہ عورت کا حق اور خداوند عالم کا حکم بھی ہے کہ کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہ ''احقُّ) کہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ صرف شوہر کا حق ہے ''لعل اللہ'' اور '' ان ارادو اصلاحاً'' کے ذریعہ مرد اور عورت دونوں کا حق ہے اور مجموعی اعتبار سے شرعی حکم کو بھی شامل ہے کہ یہ رجوع شوہر کا بھی حق ہے اور بیوی کا بھی اور حکم الٰہی بھی کہ کسی صورت ساقط نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ ۷۱۷: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دوبار طلاق دے اس کے بعد اس سے رجوع کرے یا پھر اس سے جدید عقد کرے تو تیسری مرتبہ کےبعد نہ اسے رجوع کر نے کا حق ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ جدید عقد کرنے کا ؛ کیونکہ تیسری

۲۲۰۔ سورہ طلاق، آیہ ۲.
۲۲۱ ۔ مرحوم آقا خوئی اور گلپائیگانی .
۲۲۲۔ سورہ طلاق، آیہ ۱.

طلاق بائن ہے اور صحیح محلل کے بغیر اس کے ساتھ عقد نہیں کر سکتا اور ہم نے محلل کے احکام کے بارے میں پہلے وضاحت کی ہے۔
مسئلہ ۷۱۸: اگر مرد اپنی بیوی کو استطاعت کے باوجود کما حقہ نان و نفقہ نہ دے یا اس کے ساتھ اس (شوہر) کا رویہ کچھ اس طرح ہو کہ نا قابل تحمل نہ ہو کہ حرج یا اس سے بدتر عسر آور ہو اور آخر کار حدود الٰہی کی مخالفت اور نافرمانی پر تمام ہو تو ایسے موارد میں سب سے پہلے اس کی اصلاح کی جائے اور اگر نہ ہوتو مرد پر اسے طلاق دینا واجب ہے اور اگر مرد اس بات کو قبول نہ کرے تو پھر حاکم شرع ولایت شرعیہ کی روشنی میں اسے طلاق دے کہ اس صورت میں یہ طلاق ہرلحا ظ سےطلاق باین ہےاور بھی رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا مگر شرایط کے ساتھ یاجدید عقد کے ساتھ۔ ۷۱۹ ۔اگر مرد کچھ مدت کے لئے غائب ہو جائےاور اس کی کوئی خبر نہ ملے کہ وہ مردہ ہے یا زندہ تو اگر عورت کے لئے اس حاد ثہ کا برداشت کرنا نا ممکن ہو یا عسر اور حرج کا سبب ہو تو حاکم شرع ولایت شرعیہ کی بنیاد پر اسے طلاق دے سکتا ہے اور اگر یہاں پر حاملہ ہونے کا احتمال نہ رکھتی ہو توکوئی عدہ بھی نہیں ہے اور عدہ طلاق منفی اور اس کے عدہ وفات (اگر وفات کے سلسلہ میں شک ہو) تو وہ مشکوک ہے؛ لیکن اگر تین حیض سےکم مدت گزری ہو اور حمل کا بھی احتمال ہو تو پھر دو عدت(حمل کے امکان اور اس کے تحقق) کے درمیان جمع کرے اور اس کے بعد اگر حمل یقینی ہو جائے تو وضع حمل (ولادت ہونے) تک انتظار کرے اور اس صورت کے علاوہ میں دو عدہ کے درمیان جمع کرنا کافی ہے۔
مسئلہ ۷۲۰: عدہ رجعی میں عورت کے سارے اخراجات سابق کی طرح مرد کے ذمہ ہیں مگر اس صورت میں نہیں کہ عورت اس طرح احکام الٰہی کی نافرمانی کرے کہ مسلمان مرد کے لئے اس کا برداشت کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کا شوہر کے گھر میں نہ رہنا ہی مناسب ہے اور نہ ہی اس پر اس (بیوی) کا نفقہ ہی واجب ہے جز ضرورت کے کہ ایسی صورت میں مرد پر صرف وہی عادلانہ نفقہ واجب ہے۔
مسئلہ۷۲۱ : آیا دو طلاق شمار ہونے میں عورت سےکم فاصلہ سے رجوع کرے اور ہمبستری کئے بغیر دوبارہ اسے طلاق دے دے اس کے بعد تیسری طلاق کہ مجموعی طور پر ایک ماہ سےکم مدت میں انجام پائے تو کیا ایسی صورت میں عورت تیسری طلاق کے بعد عدہ ر کھے بغیر ازدواج کر سکتی ہے ؟ جیسا کہ بعض فقہاء نے فرمایا ہے اور اس بات کے پیش نظر کہ یہ طلاق اس عورت کے مورد میں ہے جس سے رجوع کرنے کے بعد ہمبستری نہیں ہوئی ہےتو کیا ایسی طلاق بائن بھی ہے اور عدہ بھی ضروری نہیں ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کلاہ گزاروں نے شریعت کی آڑ میں اس کلاہ گزاری کو رواج دیا ہے۔ یہاں پر پہلی طلاق کے بعد ۳ /حیض کی مدت گزرے تاکہ اس

کے تمام ہونے کے بعد اس سے ازدواج کر سکے؛ کیونکہ پہلی طلاق سے پہلے اس کے ساتھ ہمبستری کرنا اس طرح کے عدہ کا مقتضی ہے اور اس وقت اتنی سرعت کے ساتھ اس طرح کا رجوع شرعی کلاہ گزاری ہے؛ کیونکہ رجوع کی اصلی شرط یہ ہے کہ نئے سرے سے زندگی گزارنے کا ارادہ ہو اور بس لیکن حاملہ نہ ہونے کے یقین کے ساتھ کیونکہ کتاب و سنت نے حاملہ ہونے کے احتمال کی بنیاد پر عدہ طلاق رکھا ہے۔

مسئلہ ۲ ۷۲ : عام طور پر پڑھا جانے والا صیغہ طلاق ' انت طالق'' یا اس کا ترجمہ (تم مطلقہ ہوگئی ہو) اور طلاق خلع کا صیغہ '' زوجتی خالعتها علی ما بذلتها فهی طالق'' یا اس کا ترجمہ (میں نے اپنی بیوی کو اس نے جو کچھ بذل کیا ہے، اس کی بنیاد پر میں نے اسے خود سے جدا کر دیا) اور طلاق مبارات کا صیغہ '' با رأت زوجتی علی مهر ها) یا '' علی ما بذلت فهی طالق'' میں نے اپنی بیوی سے (اوربیوی نے شوہر سے) دوری اختیار کی اس کے مقابلہ میں جواس نے بخشا ہے)

مسئلہ ۳ ۷۲ : عقد موقت والی عورت اور اسی طرح زر خرید کنیز کی عدت دائمی عورت کی طرح ۳ حیض اور تین پاکی ہے ؛ کیونکہ (المطلقات) اپنے شوہر سے جدا ہونے والی تمام عورتوں کو شامل ہے اور مطلقات کہ جدا ہونے کے معنی میں ہے اس کی تین صورت ہے : ۱) رسمی طلاق جو دا ئمی ازدواج میں ہے اور دیگر طلاق اصل جدا ہونے کے معنی میں ہے کہ عقد متعہ کی مدت بخش دینےیا اس کا وقت پورا ہو نے سے حا صل ہوتی ہے اورکنیز بھی جدائی اور طلاق میں آزاد عورت کی طرح ہے خواہ اس کے ساتھ متعہ کیا جائے یا دائمی عقد بہر حال اس کی عدت ۳ حیض اور۳ طہر (پاکی) ہے اس بنا پر ۳ حیض اور ۳ طہر کے لحاظ سے دائمی بیوی اور موقت بیوی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اصولی طور پر طلاق میں عدت حمل کے احتمال کی وجہ سے ہے اور احتمال حمل میں دائمی اور غیر دائمی عورت اور کنیز کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور ڈاکٹری کے لحاظ سے بھی حاملہ ہونے کا احتمال بھی اسی ۳ حیض کے درمیان ہے اورچونکہ طلاق کی عدت وفات کے علاوہ کلی طور پر احتمال حمل کی وجہ سے ہے نہ زوجیت کے احترام کی وجہ سےعورتوں کی عدت میں یکسانیت کی تقویت ہوتی ہے ۔اور دائمی عورت کی عدت(استثنائی موارد کےعلاوہ جس میں عدت نہیں ہے) ۳ حیض اور ۳ طہر ہے کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد عدت سے خارج ہو جائیں گی جبکہ طلاق کے بعد کچھ دنوں تک پاک رہی اس کے بعد حیض آیا ہو کہ کہا جائے گا کہ ایک طہارت گزر چکی ہے ایک طہر شمار ہوگا؟ کیونکہ آیہ کریمہ (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلاَثَةَ قُرُوَءٍ وَلاَ يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُواْ إِصْلاَحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

) نے اس عدت کی مدت تین طہر اور تین [223]وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكُيمٌ)(
حیض بتایا ہے کہ قرء سے مراد طہارت اور حیض دونوں ہی ہے ؛ کیونکہ اگر ان میں سے کوئی ایک ہوتا تو اس کا مخصوص نام ذکر ہوتا کہ '' ثلاثہ اطہار'' یا '' ثلاثہ حیض'' ہو اس اصل کی روشنی میں ''ثلاثہ قروء'' تین پاکی اور۳ حیض کے معنی میں ہے کہ ۳حیض کے علاوہ ۳ طہارت بھی صادق آئے اور کافی ہے حیض سےپہلے پاکیزگی کے دوران طلاق دی جائے اور اگر طلاق کے زمانہ میں باقی ماندہ طہارت کا زمانہ کم ہو کہ ایک طہارت گزرنا نہ کہا جائے تو تیسرے حیض کے بعد طہارت کے تتمہ کے ذریعہ خواہ کم ہی ہو، اضافہ کریں تاکہ ۳ طہر اور ۳ حیض کامل ہو جائے اگرچہ یہ پہلی طہارت ایک طہارت کے لحاظ سے کم ہی شمار کیوں نہ ہو لیکن احتیاط لطف سے خالی نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۲۴: عدہ وفات خواہ دائمی بیوی ہو یا موقت یا کنیز کلی طور پر چار ماہ دس رات ہی ہے نہ دس دن؛ کیونکہ آیہ کریمہ میں (اربعۃ اشھر عشراً) ہی ہے نہ '' عشرۃ'' کہ دس دن (کیونکہ عربی ا دب کے لحاظ سے ۳ سے ۱۰ تک کے درمیان کی تمییز اگر مؤنث ہے تو عدد مذکر اور اگر مذکر ہے تو عدد مؤنث اتی ہے اور '' ایام'' کی تمیز کہ مذکر ہے ''عُدہ'' ہے نہ '' عشراً'' اور حاملہ عورت کا عدۃ اگر اس کا شوہر زندہ ہے تو وضع حمل تک یا اس کا بچہ ساقط ہونے تک ہے اگرچہ خون کا لوتھڑا یا نطفہ ہو اور اگر اس کا شوہر مر چکا ہو تو عدہ وفات اور وضع حمل کے درمیان جو زیادہ مدت ہو اس کی رعایت کرنی چاہئے مثال کےطور پر اگر شوہر کی وفات کے بعد یا انہی ایام اور مہینوں میں وضع حمل ہو تو عدت سے خارج نہیں ہوگی بلکہ شوہر کی وفات سے ۴ ماہ دس رات تک انتظار کرے اور چنانچہ شوہر کی وفات کے بعد ایک ماہ کی حاملہ ہو تو اسے وضع حمل (ولادت) تک انتظار کرنا چاہئے کہ اس مورد میں اصطلاحاً '' ابعد الاجلین '' (سب سے زیادہ مدت) یعنی وہ اس میں زیادہ مدت کو اپنا عدہ قرار دے اور یہ عدت شوہر کی وفات کے وقت سے ہے؛ کیونکہ (والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً)[(224)] موت کے بعد کی تمام مدت کو (نہ موت کی خبر ملنے کو) شامل ہے بنابرایں اگر اس وقت متوجہ ہوئی کہ اس کے شوہر کی و فات کو ۴ ماہ دس رات سےزیادہ ہوگیا ہو تو چونکہ عدہ وفات چار ماہ اور دس رات ہے اس لئے اس عورت کی عدت تمام ہو چکی ہے اور اب اس پر کوئی عدہ نہیں ہے [(225)] اور اس عورت کے طلاق کی عدت جو حیض آنے کی عمر میں ہے، لیکن اسےحیض نہیں آتا ۳ ماہ ہے۔

۲۲۳۔ سورہ بقرہ، آیہ ۲۲۸.
۲۲۴۔ سورہ بقرہ، آیہ ۲۳۴.
۲۲۵۔مرحوم آقائے خوئی خبر پانے کی اس وقت شرط مانتے ہیں کہ جب شوہر غائب یا غائب کے حکم میں ہو۔

مسئلہ٥ ٧٢ : قرآن اور سنت کی روشنی میں عدہ وفات مطلق ہے اور شاید عورت کی طرف سے زوجیت کے احترام کی وجہ سے ہو کہ اس مدت میں اس کا انتظار کرنا کوئی مانع نہیں رکھتا اگرچہ مرد کے لئے بھی مناسب ہے لیکن اس سےزیادہ مناسب اس سے بچہ پیدا کرنے کا امکان ہے بہر صورت آیہ وفات کی نص کے مطابق عورت کے لئے یہ عدت کلی اور عمومی ہے ۔
مسئلہ٦ ٧٢ : ''المطلقات '' نےکہ انہیں عدت رکھنی چاہئے ''لایحل لھن'' کی بنا پر ان کے لئےاپنے نطفہ یاحمل کو چھپانا حرام کیا ہے۔
('' ھن '' لھُن میں'' تمام '' المطلقات'' کو شامل ہے نہ ان میں سے بعض کو اسی اصل کی بنیاد پر یہ مطلقات اول ٣ قروء عدت ر کھیں گی اور اس کے بعد ان کی ولادت تک ایسی طلاق یا فتہ عورتیں ہیں جو نطفہ یا دیگر مرحلے اپنے رحم کے اندر رکھتی ہیں کہ ا ن کو پوشیدہ نہیں کرنا چاہیئےوضع حمل تک عدت رکھیں اور چاہئے اس کے بعدحمل یا عدم حمل کے لئے ان کی عدت ٣قرء ہے اس کے بعد حاملہ ہونے کی صورت میں وہی وضع حمل ان کی عدت بھی ہے) اور اگر اس کے بعد حاملہ نہیں ہے تو حمل کی احتیاط کے لئے یہی ٣طہر کافی ہے لیکن اگر حمل ہو تو آیت کے مطابق(حتی یضعن حملھن) ان کے عدت کی آخری مدت وضع حمل ہوگی اور اصولی طور پر جیسا کہ اشارہ ہوا عدۃ طلاق حمل یا اس کے احتمال میں منحصر ہے نہ زوجیت کے احترام میں ؛ کیونکہ یہ احترام اس یائسہ عورت کی نسبت ہےجس نے تمہارے ساتھ نصف صدی زندگی گزاری ہے اور اولاد نیز نا تی اور پوتے بھی رکھتی ہے یقیناً زیادہ سے زیادہ ہے جبکہ عدہ طلاق نہیں رکھتی ،لیکن ایک مجہول الحال عورت جسے ہمبستری کرنے کے بعد تم نے طلاق دے دی ہے حمل کے احتمال کی بنیاد پر عدہ رکھتی ہے نہ زوجیت کے احترام میں جیسا کہ فقہاء عظام نے فرمایا ہے۔
اور آیہ کریمہ (وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا)[226] کہ مشکوک یائسہ عورتوں کے لئے بھی عدت معین کی ہے یہ بھی ان کے حمل کے احتمال کی بنیاد پر ہے اور اگر عدہ طلاق زوجیت کے احترام کے لئے تھا تو میاں اور بیوی دونوں ہی عدہ طلاق رکھیں نہ یہ کہ صرف عورت زوجیت کا احترام کرے اور مرد نہ کرے ،بلکہ اس زوجیت کا احترام مردوں کے لئے زیادہ شائستہ اور مناسب ہے اور قرآن کریم کے ساتھ ساتھ اس حقیقت پر روایات بھی دلالت کر رہی ہیں جیسے '' مثلھا لا تلد'' اس عورت کے مانند بچہ پیدا نہیں کرے گی اور '' انما العدۃ من الماء'' عدت صرف منی کی ہے ۔اس اصل کی بنیاد پر طلاق کی عدت صرف اور صرف حمل کے احتمال کی صورت میں ہے لیکن اہلسنت فقہاء نا بالغ بچی اور یائسہ

---

٢٢٦ ۔سورہ طلاق، آیہ٣۔

عورت کےعدہ کو بھی واجب جانتے ہیں اور شیعہ فقہاء صرف ہمبستری کو ان دو مورد کےعلاوہ عدت کا سبب جانتے ہیں اور یہ دونوں ہی فتوے کتاب، سنت اور حسی دلیل کے خلاف ہیں۔

مسئلہ۷ ۷۲ : جو طلاق مرد پر (اس کے شرائط کے ساتھ) حرام ہے اس کی حرمت کے باوجود اس کے ذریعہ جدائی حاصل ہو جائے گی کہ یہی بغض الٰہی کا مورد ہے کہ'' ابغض الحلال عنداللہ الطلاق'' اور طلاق کی مطلق آیات اس طلاق کو دیگر طلاقوں کی طرح نافذ جانتی ہیں ، لیکن اس کا حلال ہونا شرائط سے مخصوص ہے کہ گزر چکی ہے جیسے مرد یا عور ت کایا دونوں کا نا فرمان ہونا کہ کچھ واقعات کے بعد طلاق معین فرمایا ہے۔

مسئلہ۸ ۷۲ : دو عادل عینی گواہ کا طلاق کے وقت موجود ہونا اس کی صحت کی شرط ہےجیسے دور دراز سے حاضر ہونا جیسے ٹیلفون کے ذریعہ کہ سمعی ہے اور بصری کہ دور سے حالت طلاق کا مشاہدہ کرنا ہے البتہ شخصی حضور زیادہ مناسب ہے اور اگر بعد میں یہ دونوں گواہ یا ان میں سے کسی ایک کا فسق معلوم ہو جائے تو طلاق کی دوبارہ تجدید ہو۔

۷۲۹ - طلاق اس اس صورت میں رجعی ہے کہ نطفہ حمل کےہونےکا احتمال یا خود حمل کا وجود واقعی ہو اور اگر عورت کا رحم یا مرد کی صلب عقیم ہو کہ سو فیصد کسی حمل کا احتمال درکار نہیں ہے ہو تو یہ عورت ہرگز عدت نہیں رکھےگی کہ عدت کے درمیان رجوع معنی رکھتا ہو لیکن یہ سو فیصد واقعی ہونا چاہئے اور اس کے خلاف ہرگز مشاہدہ نہ ہو ۔

مسئلہ ۷۳۰ : یائسہ عورت میں اگرحمل کا احتمال ہو تو طلاق کے بعد ۳ ماہ انتظار کرے تاکہ ۳ماہ کی مدت کے اندر رجوع کر سکے، لیکن اگر یائسہ نہ ہو مثلاً مدتوں اس کے ساتھ نزدیکی نہ کی ہو یا رحم کو نکال دینے یا بندکر دینے یا مرد کے نطفہ کوضائع کرنے کی وجہ سے حاملہ ہونے کا احتمال نہ ہو تو یہاں پر بھی عدہ نہیں ہے اور عقد مجدد کے بغیر رجوع بھی حرام ہے۔

مسئلہ ۷ ۳۱ : اصولی طور پر عدہ طلاق وہاں پر ہے جہانکسی حمل کا احتمال ہو ورنہ کوئی عد ہ درکار نہیں ہے البتہ کافی نہیں ہے کہ تم حمل کا احتمال نہ دو چونکہ ممکن ہے کہ عورت حاملہ ہو بلکہ مذکورہ موارد کی طرح دیگرمقامات پر تمہارا اطمینان سو فیصد واقعیت کے برابر ہو۔

مسئلہ ۲ ۷۳ : اس سلسلہ میں بھی کہ جنسی عمل کسی طرح سے انجام پایا ہو یا باہرسے نطفہ رحم میں جذب ہوگیا ہو اسی طرح حاملہ ہونے کا احتمال موجود ہے جیسا کہ رحم بند کرنے اور اس جیسے میں اتفاق ہوا ہو کہ عورت حاملہ ہوگئی ہو اسی وجہ سے عدم عدہ کی اصلی شرط سو فیصد اور یقینی حاملہ نہ ہونا ہے بنابریں جب تک

عورت حمل نہ ہونے کا مکمل یقین نہ کر لے اس وقت تک مجدد ازدواج نہیں کرنا چاہئے اور مشکوک موارد میں بھی حتماً عدت رکھنی چاہئے تاکہ یقین حاصل کرے لیکن اگرحمل کا احتمال دیتے ہوئے بغیرعدت رکھے دوسرا شوہر کرے اس کے بعد معلوم ہو کہ ہرگز کوئی حمل در کار نہ تھا تو یہ ازدواج صحیح ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ حمل ہے تو گناہ کبیرہ کرنے کے علاوہ فوراً شوہر سے جدا ہو جائے تاکہ وضع حمل کرے اور ولادت کے بعد اگر مائل ہو تو طرفینی توبہ کے ساتھ پھر سے عقد کے ذریعہ اس شوہر سے ازدواج کرے۔

مسئلہ۷۳۳ : اگر انسان مالی یا کسی حق کوغصب کرے توجو مدمقابل کو غصب کی پوری مدت میں نقصانات ہوئے ہیں ان کی تلافی کرےاور اگر مور غصب مال جائز استفادہ رکھتا ہو تو اصل مال کی طرح صاحب مال سے مخصوص ہے اور اگر کوئی مال یا شخص چند افراد کےتصرف میں مورد غصب ہے چنانچہ ہر ایک مستقل طورپر مورد عضب کو اختیار میں رکھتا ہے تو(بدل کے عنوان سے) ہر ایک کے ذمہ اس پورے مال کی ضمانت بھی ثابت ہے اور اگر مشترکہ طور پر نہ بطور مستقل مورد غصب ان کے اختیار میں ہو تو یہاں پر ہر ایک بعض مورد غصب کے سلسلہ میں کہ بطور مشاع یا معین اختیار میں رکھتے ہیں ، ضامن ہوں گے۔

مسئلہ ۷۳٤ : اگرجس چیز کو غضب کیا ہے اس طرح بدل ڈالے کہ اس کی قیمت گر جائے تو اسے اس کو پہلی حالت میں لوٹانا چاہئے اورعدم امکان کی صورت میں قیمت کا فرق جو ہوا ہے اسے اس کے مالک کو دے اور اگر ایسی تبدیلی کی ہے کہ اس کی قیمت نہیں کم ہوئی ہے تو صرف غاصب سے مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے اوراگر غصبی چیز میں تبدیلی کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ جائےتو یہاں پربھی غاصب سے مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اسے اس کی پہلی حالت میں بدل دے مگر یہ کہ یہ مطالبہ احمقانہ ہو کہ اسی حالت میں اس سے واپس لے۔

مسئلہ۷۳۵ : چنانچہ ہر مکلف اپنی زندگی میں مالی فرائض اور ذمہ داریاں رکھتا ہے اپنے رشتہ داروں کے مقابلہ میں جومختلف مراتب کے ساتھ پائے جاتے ہیں، خداوند عالم نے اس ذمہ داری کومیراث کے نام سے ایک عادلانہ تقسیم میں وارثوں کے چند گروہوں کے لئے اس کے مرنے کے بعد معین فرمایا ہے اور تمام اموال اور مالی حقوق میں سےایک سوم ۱/۳ کے بارے میں جو قانونی وارثوں اورغیر ورثہ کے نقصانات کی تلافی کے لئے ہوتا ہےاسے صاحب مال پر واجب کیا ہے کہ اس کے مال کے اضافہ کی صورت میں شائستہ طور پر ان کے درمیان تقسیم کیا جائے اور اگر ایسی کوئی وصیت نہ کرے تو شائستہ افراد ضرورت کے بقدر اسے انجام دیں جیسا کہ ورثا کو اس کی تاکید کی گئی ہے کہ میراث تقسیم ہونے کے وقت جو لوگ میراث کا حق نہیں رکھتے اور تقسیم میں موجود ہیں '' ان کو بے فیض نہ چھوڑیں کہ (وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُوْلُواْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُواْ

) اور جب رشتہ دار ، یتیم اور ضروت مند افراد میراث کی تقسیم[227] لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا)(
کے موقع پر حاضر ہوں تو جوچیز ان کی شان کے اور تمہارے امکان کے مطابق ہو ا
نہیں دو اور نرم کلامی کے ساتھ (نہ ڈسنے والی یا احسان والی باتوں سے) ان سے
رویہ رکھو اور ان چند طبقوں کے درمیان میاں اور بیوی کی میراث پہلے طبقہ میں
واقع ہوتی ہے اور بعد والے طبقے بھی ان کے ساتھ ترتیب وار شریک ہیں البتہ تمام
چیزوں میں میراث پانا ان موارد کے علاوہ ہے جیسے یہ کہ وارث نے مؤرث کو نا حق
قتل کر دیا یا اس کا وارث کافر ہو گیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں یہ دونوں وارث
میراث نہیں پائیں گے مگر یہ کہ دوسرے فرض میں مورث کی موت کے بعد یہاں تک
کہ تقسیم ہونے کے بعد یہ کافر وارث مسلمان ہو جائیں (یہاں پر دو نظریہ ہے: ۱۔ یہ
کافر تمام اموال میں شریک ہے جیسا کہ شیخ مفید نے ارشاد میں فرمایا ہے اور ۲۔ اس
کی باقی ماندہ ترکہ میں شرکت ہے ، چنانچہ وسیلہ ، تحریر ، ایضاح مسالک ،روضہ
اور مفاتیح میں ذکر ہوا ہے بالآخر مورث کی موت کے بعد مسلمان شدہ کی میراث
منقول اور محصل دو اجماع کا مورد ہے خصوصاً ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے) کہ ''
اولادکم'' وغیرہ کو بھی شامل ہے اور اسے میراث دینا اس کی ایک تشویق بھی ہے
اگرچہ اس کا اسلام ظاہری ہواور مجموعی طور پر تمام ورثا ،مورث کے تمام اموال
سے میراث لیں گے اور میت کے خون بہا میں سے بھی کوئی استثناء نہیں ہے۔ کیونکہ
'' ماترک'' کو شامل ہے اور اس وقت ہم چند مسائل میں فقہاء کے نظریہ سے
اختلاف رکھتے ہیں۔

مسئلہ۷ ۷۳ : عورت کی میراث کے سلسلہ میں کہ اصولی طورپر شوہر کی
میراث کے نصف ہے تو کیا یہ صحیح ہے کہ اس کی ۱/۴ یا ۱/۸ میراث کو (خصوصاً
جب متعدد عورتیں میراث پانے والی ہوں تو اس سے بھی بہت کم ہے یہ نا چیز حصہ
اس کے تمام عین ترکوں کے (مسکونی گھر کی قیمت اور منقول اموال کےعلاوہ) کہ
میراث کے عظیم حصہ کو تشکیل دیتا ہے ہم اس طرح کم کر دیں مثلاً اس مرد کی
میراث جو صاحب اولاد ہو، ۲۰/ لاکھ ہےکہ اس میں سے ۱۰ لاکھ کی زمین ہے اور
باقی ۱۰ لاکھ کی دوسری چیزیں اور چار عورتیں بھی رکھتا ہے یہاں پر اگر ایک
عورت ۱/۳۰ اور ۳۰ ہے ۱۰ لاکھ میں سے پاتی ہے کہ سب سے پہلے ۱/۸ تھا یا اپنے
دیگر تین شرکاء کے ۱/۳۰ ۲/۳۰ ہوگئی نصف میراث کے علاوہ ۱/۶۴ ہوتا ہے لیکن
اس کے برعکس مرد ہر بیوی کے ترکہ سے ۲۰ لاکھ میں سے۱/۴ چاروں عورتوں
کے ترکہ سے لیتا ہے کہ نتیجہ کے طور پر عورت کی شوہر کی نسبت نصف میراث
۱/۲۵۶ ہے۔

۲۲۷۔ سورہ نساء، آیہ ۸.

اصولی طور پر زمین کے علاوہ کلی طور پر اگر صرف عمارت کی قیمت یا دیگر چیزیں عورت کی میراث کا مورد ہو یہ خود ہی نص قرآن کے خلاف ہے کیونکہ جیسا کہ '' ماترکن'' عورت کا ترک مرد کے لئے مرد کے تمام اموال کو شامل ہے عورت کے لئے بھی وہی '' ماترک'' مرد کا '' ترکہ'' ہے جو اس کے تمام ترکوں کو شامل ہے اور یہاں پر سوال کرنا چاہسے کہ اگر ۱/۴ ۱/۸ دیگرعورتوں کی موجودگی میں ان کی تعداد کے اعتبار سے کم ترہوتا ہے چنانچہ زمین کے اعتبارسے بھی کم آجائے تو یہ استثناء بہت ہی ظالمانہ اور بے اساس ہے آیا ایسے مورد میں وصیت اور دین کے علاوہ کہ اس کی آیت میں چار بار تکرار ہوئی ہے زیادہ مناسب ہے زمین عمارتوں کے علاوہ رہائشی گھرکی قیمت کے علاوہ؟ جبکہ وصیت اور دین دیگر آیتوں میں بھی استثناء ہوئےہیں اور اگر یہاں پر میراث کی آیت میں استثناء نہیں ہوتا تو کوئی ابہام بھی باقی نہیں ہے رہ جاتا لیکن عورتوں کی میراث سے زمین اور اس کے مانند کو خارج کرنا قرآن میں کہیں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے؛ اور خود کسی چیز کو مبہم چھوڑنا ہے کہ کم سے کم ایک بار ہی سہی بیان کرنا واجب تھا اور وصی اوردین کی تاکید کے علاوہ کسی ضرورت کے بغیر آیہ کریمہ میں گونا گون الفاظ کے ساتھ چار بار تکرار ہوتی ہے جبکہ عورت کی میراث سے غیر منقولات میں استثنا بہت ہی سنگین ہے اور اس کی طرف ہر گز کوئی اشارہ بھی نہیں ہوا ہے بنابراین یہی استثنا نہ کرنا اس بات پر خود ایک بہت ہی محکم دلیل ہے کہ عورت اور مرد کے تمام ترکہ سے میراث پائے گی۔

اس اصل کی ''ماترک'' بنیاد پر مرد اپنی بیوی کی نسبت '' ماترکن'' کے مانند عورت اپنے شوہر کی نسبت واضح ایک ناقابل استثناء نص ہے اگرچہ ہمارے پاس اس استثنا کے بارے میں روایات بھی ہیں، چونکہ اس قرآنی نص کے خلاف ہے اور ہر گز قابل قبول نہیں ہے کیونکہ استثنا کے بعد مستثنی منہ تمام موارد میں نص ہے اور شیعہ و سنی دونوں سے اس قرآنی نص کی موافقت میں ہمارے پاس روایات ہیں اور چونکہ اصل کتاب اللہ ہے اور روایات اس کے حاشیہ میں اور کتاب کی بنیاد پر ہیں چنانچہ کسی قرآنی نص یا ظاہر کے خلاف کوئی روایت ہو تو ہمیں یقین ہے کہ یہ روایت معصومؑ سے صادر نہیں ہوئی ہے اور شریعت ربانی سے منحرف افراد کی جعل کردہ ہیں اور علماء حضرات کے اس سلسلہ میں فتوے بھی عجیب و غریب اور فرق کرتے ہیں [228]عورت کی میراث کے سلسلہ میں علمائے شیعہ کے درمیان نظریات ہیں: ۱): عورت بطور مطلق زمین سے محروم ہے چنانچہ نہایۃ ، مبسوط شرائع،تحریر، مختلف ، ارشاد ، تبصرہ، قواعد، ایضاح، کنز، مقتصر، غایۃ المرام، لمعۃ، غایۃ المراد، حاشیہ قواعد و ارشاد ، مفاتیح اور وسیلہ جیسی کتابوں میں ذکر ہواہےعلامہ نراقی نےمستند میں ذکر کیا ہے کہ اس فتوی کی شیخ طوسی ، قاضی اور حلبی کی طرف نسبت دی گئی ہے اور سید مرتضی اور محقق نے شرائع اور علامہ نے مختلف میں اور شہید اوّل نے لمعہ

اور دروس میں اور شہید ثانی نے مسالک اور شیخ بھائی نے مفاتیح میں اس کو قبول کیا ہے بلکہ شیخ طوسی کی کتاب خلاف میں اس پر نقل اجماع ہوا ہے ایک گروہ نے شہرت کا دعوی کیا. ہے جیسے علامہ تحریر اور قواعد میں کتاب ایضاح نکث ارشاد اور حاشیہ شرائع ؟؟؟یہ سب علماء حضرات کے فتوے تھے کہ انہوں نے ان کی روائی اصالت رکھنے کی وجہ سے اور ان کے اور ان کے نظریات ، اجماعات اور شہرتوں کی تقلید کی بناء پر افسوس کہ اس طرح کی بلا میں گرفتار ہوگئے نہ صرف اس بات میں بلکہ تمام فقہی ابواب میں گرفتار ہوئے ہیں '' کل حرب بما لذیھم فرحون'' عورت کو زمین اور (عمارت کی قیمت کے علاوہ) تمام غیر منقولات سے محروم کرنے پر فتوی کی دلیل یہ روایات ہیں کہ '' میں نے امام سےکہا : عورت کیوں فرع سے میراث پاتی ہے نہ اصل سے آپ ؑنے فرمایا: کیونکہ عورت مرد کے نسب میں (کہ اصلی رابطہ ہے) داخل نہیں ہے اوراس اصل کی بنیاد پر اصل میراث میں بھی کوئی سہم نہیں رکھتی ہم یہاں پر اس مسئلہ کے برعکس سوال کرتے ہیں کہ پھر مرد بھی کہ عورت کے نسب میں داخل نہیں ہے، اصل و فرع دونوں سے میراث پاتا ہے ؟ جبکہ اس عدم و اصالت کی بنیاد پر دونوں ہی کے اصل میراث سے محروم ہونا چاہئے۔ اورغیر منقول اصلی اموال تمام نسبی وارثوں میں منحصر ہوگا۔ ۲): عورت صرف اورصرف گھروں کی زمینوں میں محروم ہے نہ باغات، کھیتوں، اسباب وسائل کی قیمتوں اور گھروں کی تعمیر کے اسباب سے جیسا کہ شیخ مفید، ابن ادریس ، عجلی، محقق نے نافع میں ، یوسفی، فاضل مقداد، مجمع اور کفایہ نے ذکر کیا ہے۔۳): تماممال میراث کی قیمت سے میراث پائے گی اگرچہ اس کے اصل مال سے محروم ہےجیسا کہ فقہاء کے ایک گروہ نےفرمایا ہے۔

۴): اگر شوہر اولاد رکھتا ہو تو بیوی کے تمام اموال میں میراث لے گا ورنہ مذکورہ بالا نظریات میں سے ایک ہے جیسا کہ اسکافی ، فقیہ، نھایۃ، مبسوط، وسیلہ، شرائع، جامع، قواعد، تحریر، مختلف، ارشاد، تبصرہ، ایضاح، کنز، اروس، لمعہ، غایۃ المراد، مختصر، غایۃ المرام، صمیری، تنقیح، حاشیہ ارشاد، و نافع و قواعد شہید، مسالک، اور روضہ میں نقل ہوا ہے۔

۵): عورت ہرگز کسی چیز سے محروم نہیں ہے چنانچہ اسکافی، ابن جنید، قاضی ابن البراج اور شیخ طوسی نے استبصار کہ فضیل اور ابن ابی یعفور کی حدیث کو نقل کیا اور اسے قبول کیا ہے '' میاں اور بیوی دونوں ہی کل ترکہ سے میراث پائیں گے'' اور عجلی اور یوسفی آبی بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں اور کتاب و سنت کی صراحت کی روشنی میں عورت، مرد کے ''تمام ترکہ'' سے میراث پائے گی کیونکہ '' ولهن الربع مما ترکتم... من بعد وصیة توصون بها أو دین'' صرف وصیت اور دین کو (مردوں کی طرح) ترکہ سے الگ کیا ہے کہ باقی مستثنی منہ اس کے پورے تتمہمیں ہے اوراسلامی روایات بھی خواہ شیعہ سےہوں یاسنی سے اس طرح ہیں اور چند شیعہ روایات بھی کہ بعض دیگر چیزوں کو استثنا کیا ہے، متن کے لحاظ سے اشکال رکھتی ہیں اورکتاب وسنت کی مخالفت کے لحاظ سے مردود ہیں) روایات میں سے ایک روایت جو سابق الذکر سوال کا جواب دیتی ہے کیونکہ عورت ممکن ہے شوہر کرے اور اپنے (جدید) شوہر کے ساتھ میراث میں ملے گھر میں زندگی گزارنے لگتے اور تمام ورثا کی مزاحم ہو'' تو کہنا چاہئے کہ اس برعکس مرد کےلئے اس سے زیادہ محرومیت ایجاد ہونا چاہئے، کیونکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ جس مرد کی بیوی مر جاتی ہے وہ دوسری شادی کرنے میں کچھ زیادہ ہی عجلت سےکام لیتا ہے اور پیش قدم ہوتا ہے اور جس عورت کا شوہرمر جاتا ہے وہ بہت کم شوہر کرتی ہے(بسا اوقات ۱۶ اور ۱۸ سال کی بیوہ پوری عمر یوں ہی گزار دیتی ہے) اور غصب اور مزاحمت کرنے میں مرد عورت کی نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے بنابرایں مرد بھی عورت کے رہائشی گھر سے یا بالکل میراث ہی نہ لے یا کم سے کم عین مال سے محروم ہو اور بالآخر یہ احتمالی مزاحمتیں تمام ورثاء کے درمیان پائی جاتی ہے کہ اگر کوئی

نتیجہ بھی رکھتا ہوگا تو سارے کے سارے ہی ان عین اموال سے محروم ہوں یہاں تک کہ ان کی قیمتوں سے بھی جسا کہ بعض فقہاء نے عورتوں کو گھر اور عمارت کے تمام اموال سے محروم جانا ہے۔جز گھر کی عمارت کی قیمت کے تو انہیں مردونکی نسبت بھی اس طرح کرنا چاہئے تھا(بات کی بات ہے) کہ طلبا کی اصطلاحمیں کہتےہیں '' بانک تجر وبائی لاتجر) '' چت بھی اپنی اور ہٹ بھی اپنی'' ؟؟؟ اور بہت ہی حیرت کا مقام ہے کہ اکثر شیعہ فقہاء نے ان دو قسم کی روایتوں کو آیت کی نص اور واقعیت کے خلاف (چونکہ اہلسنت کے فتوی کے خلاف ہے کہ نص آیت کے موافق ہوگا)عامہ (اہلسنت) کی مخالفت کے اعتبار سے اس کو ترجیح دی ہے جبکہ قرآن کی موافقت اور روایت کو چونکہ عامہ کے بھی موافق ہے اس موافقت کے جرم میں مردود جانا ہے اور وہ روایات جو آیت اورعقل و شعور کے مخالف ہے کہ صرف عامہ کی مخالفت میں قبول کر لیا ہے ...۔ اور یہی عجیب و غریب فتوی سبب ہوا ہے کہ شیعہ عورتیں جن کےشوہر سنی ہیں کبھی شوہر کے مرنے سے پہلے یا مرنےکے بعد سنی ہو جائیں تاکہ سنیوں کے فتوی کے مطابق اپنے شوہر کے تمام اموال سے میراث پائیں اور یہ کونسی فقہے کہ جس میں قرآن اس درجہ اجنبی اور ناقابل اعتماد ہے اور اس قسم کی رسوائی دیکھیں؟ اور اصولی طور پر ''ما انزل اللہ''کے خلاف کچھ کہنا فقاہت ہے یا حماقت؟؟؟ یہاں پر اس سوال کی گنجائش ہے تو پھر عورتوں کی میراث مردوں کے نصف کیوں ہے اورجب متعدد بیویاں ہو تو نصف سے بھی بہت کم ہو جائے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کے پیش نظر کہ مرد حضرات تمام موارد میں دینے والے میں جزکم موارد کے ، لیکن عورتیں بہت کم موارد کے اکثر موارد میں لینے والی ہیں وہی نصف جوعورتیں لیتی ہیں ان کے لئے اضافی مال ہے اوروجو دو گنا مرد لیتے ہیں وہ نوعاً عورتونسے بہت کم ہے اور اس اصل کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں کی میراث مردوں کی نسبت زیادہ ہے متعدد عورتوں کے سلسلہ میں بھی اس بات کے پیش نظر کہ خود متعدد عورتیں ہونا دولت کی تقسیم کے لئے ایک وسیلہ ہے اور اگر مرد چند زندگی کا ادارہ کرنےکی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وہ چند عورتوں کے شوہر نہیں ہوسکتا اوراگر مرد دو، تین یا چار بیویاں رکھے تو اس کی مالی توانائی ان چند عورتوں کا ادارہ کرنے کے بقدر ہونی چاہئے کہ گویا متعدد مرد ہوں اور اسی بنیاد پر ان کی میراث ایک عام عورت سے کم نہی ہوگی مثال کے طور پر کسی مرد کے پاس ۴۰ لاکھ کی دولت ہو اور چارعورتوں کا ادارہ کررہا ہے اس مرد کے مقابلہ میں جو ۱۰ لاکھ کی دولت رکھتا ہے اور ایک عورت کا ادارہ کر رہاہے تو پہلے مرد کی زیادہ سے زیادہ اورکئی گناہ مالی توانائی کےمطابق اس کی ہربیوی بھی دوسرے مرد کی توانائی سےزیادہ میراث پائے گی یا اس سے زیادہ کہ انسان کے پاس جتنی زیادہ دولت ہوگی چار دائمی بیویوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا اور نہج البلاغہ میں جو'' نواقض الحظوظ'' ذکر ہوا ہے خود حضرت علی ؑ کی جانب ایک ناروا نسبت

ہے اور اس سے بھی بری نسبت '' نواقص الایمان'' کہنا ہے کہ حیض و نفاس کی حالت میں نماز و روزہ ترک کرنےکی وجہ سے یہ نسبت دی گئی ہے جبکہ ان حالات میں نماز و روزہ کا ترک کرنا خود خداوند عالم کے حکم سے ہے اور نقص ایمان اس صورت میں ہے کہ انہی حالات میں نماز و روزہ انجام دیں یا ان حالات کے علاوہ میں کسی عذر کے بغیر نماز وروزہ کو ترک کر دیں یہ سب بے عقلی اور بے ایمانی ہے اور اصولی طور پر کیا خدا کے حکم کی تبعیت کرنا کم عقلی اور بے ایمانی ہے؟؟؟
تعجب ہے کیا حضرت زینب کبریٰ (س) ناقص الایمان ہیں کہ ان حالات میں اپنی نماز اور اپنا روزہ ترک کریں ؟ یا یہ نقصان شارع مقدس کی طرف سے ہے کہ اس نےاس طرح کا حکم دیاہے ؟؟؟
بالآخر ہم ملاحظہ کرتےہیں کہ عورتوں کے سہم میں مردوں کی نسبت میراث کے مسئلہ میں نہ صرف ظلم ہوا ہے بلکہ اس کے برعکس تصورکے خلاف ان کا حصہ (ان کے کم سےکم اخراجات کے پیش نظر) نسبتاً مردوں سے زیادہ ہے مگر یہ کہ زمین کی میراث سے محرومی جیسا ان پرستم روا رکھا جائے کہ اس کا حکم خداوندی سےکوئی ربط بھی نہیں ہے اور استثنائی مواردمیں بھی کہ عورتوں کا میراثکا حصہ کافی نہیں ہے یہ مورث کے ذمہ ہے کہ اس کمی کو پورا کرنےکے لئے ۱/۲ مال سے وصیت کرے البتہ اس صورت میں کہ جب ۱/۳ مال کی وصیت دیگر ورثاء کوئی نقصان نہ پہنچائے ۔
مسئلہ ۷۳۵: عدت رجعی میں بھی کہ حق رجوع درکار ہے، لیکن شوہر کی وفات کے بعد اس حق کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ زوجیت کا رابطہ کلی طورپر قطع ہو چکا ہے اور رجوع کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی ہے بنابرایں قہری طور پر کوئی میراث بھی نہیں رہ جائے گی(یہاں پر طلاق رجعی کے سلسلہ میں میراث کے اثبات میں دو متعارض روایت ہیں کہ قرآن کی جانب رجوع کرنے سے پہلے دونوں ہی درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہیں اور قرآن کی طرف رجوع کرنے پر روایت نفی مقد م ہے) کیونکہ عدت حمل کے احتمال کےلئے معین کی گئی ہے نہ زوجیت کے دوام کے لئے ہاں اگر کوئی حمل بھی درکار نہ ہو تو وہ بھی دیگر تمام ورثا کی طرح میراث پانے والی ہوگی رہی وہ بیوی جس کے سارے حق و حقوق کو ادا کیا جا چکا ہو اور مکمل جدائی اور فراق حاصل ہو چکا ہو اور اپنے شوہر سے اجنبی اور بیگانہ ہوگئی ہو تو پھر کس سبب سے عدت کےاندر میراث لینے والی ہوگی؟ بنابرایں جوعلماء حضرات نے فتوی دیا ہے کہ عورت عدت رجعی میں میراث پانے والی ہےیہ فتوی سرے سے باطل ہے اورغایت درجہ مخالف ہے۔

مسئلہ ۷۳۶: (یوصیکم اللہ فی اولادکم)[229] یہ میراث مرنے کے بعد سے مخصوص نہیں ہے بلکہ وفات کے بعد کا مسئلہ اس وصیت کے بعد ہے؟ کیونکہ وہ مردہ شخص نہ کوئی تکلیف رکھتاہے اور نہ ہی کوئی ذمہ داری کہ اس کے مرنےکےبعد کی نسبت اس کی اولاد اور افراد کو تاکید کی جائے اور ''کم'' زندہ افراد سے خطاب ہےنہ مردوں سے کیونکہ مردوں پر نہ کوئی ذمہ داری اور تکلیف ہے اور نہ ہی اپنے اموال کی نسبت نفی واثبات کر سکتے ہیں اس اصل کی روشنی میں ''یوصیکم'' وفات سے قبل کی نسبت ایک الہی وصیت اور اس کے مرنے کے بعد یہ وصیت جاری ہے کہ ورثاء اس کی رعایت کریں اس اصل کی بنیاد پر یہ خود ایک عمومی قاعدہ ہے کہ اصولی طور پر اولاد اپنے والدین کی اموال کی نسبت (للذکر مثل حظ الانثین) کا سہم رکھتے ہیں اور والدین اپنی حیات میں اس قانون کے خلاف عمل کرنے کا حق نہیں رکھتے جز استثنائی موارد کے کہ حکمت اورعدالت کا تقاضا کبھی لڑکا اور لڑکی کی برابری، یا لڑکے پر لڑکی کی برتری جہیز اور والدین کےتمام تحفے اور ہدیوں میں یہ بھی حتی الامکان ۳/ مال سے ہے بنابراین جس طرح تمہاری اولاد کی میراث کا حصہ '' الذکر مثل حظ الانثین'' ہوگا اگر لڑکے یا لڑکی کی نسبت کوئی کمی اور کوتاہی نظر آئے چنانچہ یہ ۱/۳ مال اس کمی کی تلافی کے لئے مرنے کے بعد کی نسبت معین ہوا ہے یہی ۱/۳ ہے یا تمہاری زندگی کے لئے اس سے بیشتر معین ہوا ہے بالآخر ۱/۳ مال خود تمہاری اور تمہارے فرزندوں اور دوسرے افراد کی کمی کی تلافی کرنے کے لئے خواہ مرنے سے پہلے یا بعد کافی ہے ۔

مسئلہ ۷۳۹: زنا زادہ بھی حلال زادوں کی طرح اپنے و الدین اور اپنے دیگر رشتہ داروں کی میراث پائیں گے جیسا کہ انہیں بھی میراث دیں گے، کیونکہ اولادکم'' بھی ان (حرام زادوں) کو بھی دوسروں کی طرح شامل ہے اور '' الولد للفراش و للعاھرالحجر'' کہ بچہ بیوی کے شوہر کا ہے اور زنا کار کے لئے پتھر ہے، اس کا مورد صرف اس جگہ ہے جہاں پر معلوم نہ ہویہ بچہ زنا زادہ ہے یا حلالی ہے لیکن اگر کوئی ایسا بچہ پیدا ہو اور معلوم ہو کہ یہ حرام زادہ کس کا بچہ ہے یا یہ کہ مرد کا نطفہ حرام طریقہ سے کسی دوسری عورت کے رحم میں داخل کیا جائے تو یہاں پر بھی حلالی بچہ ار ولد شبیہ کی طرح ہے کہ میراث لے گا بھی اور میراث دے گا بھی۔ بالآخر اگر یہ معلوم ہو کہ بچہ کس کا ہے اور اس کے والدین کون ہیں تو اس کے اور اس کے والدین کے درمیان بھی میراث ثابت ہے، خواہ ولد شبہ ہو یا زنا یا پھر انجکش کے ذریعہ کسی دوسری عورت کے رحم میں نطفہ داخل ہوا ہو عورت کے حاملہ ہونے کے لئے یا کسی بھی حرام وسیلہ سے تو کیا وہ زنا زادہ جو دوسروں

[229] ۔سورہ نساء، آیہ ۱۱۔

سےکہیں زیادہ یا ایمان ہے اپنے ملعون باپ جس نے زنا کی ہے کے جرم میں میراث سے محروم ؟

مسئلہ ۷۴۰: '' اولادکم'' پوتوں اور پرپوتوں کو بھی شامل ہے کہ اگر لڑکی کا پوتا ہے تو وہی دو برابر اور لڑکے پوتی ہے تو لڑکے کے نصب کے میراث لے گی اور یہ خود آیہ کریمہ '' اولادکم'' کے عموم اور اطلاق کے اقتضا ہے کہ دور اور نزدیک سارے رشتہ دار پوتوں اور نواسوں کو شامل ہو گا اگرچہ یہ دونوں میراث کے پے در پے طبقے ہیں۔[230]اور ''حبوہ'' (کپڑے، انگوٹھی، تلوار اور قرآن) جیسے اموال بڑے لڑکے سے مخصوص جانا گیا ہے اس آیت کے اطلاق اورعموم کے خلاف ہے (اگرچہ شہید نے مسالک میں اس کی اشہر کی طرف نسبت دی ہے کہ نتیجتاً مشہور آیت کے موافق ہیں)۔ اور ہرگز استثناء پذیر نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۴۱: آیہ کریمہ (... وَأُوْلُواْ الأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللّهِ ...)[231] اگر صرف ایک لڑکی ہو تو تمہارے پورے مال کا نصف بعنوان میراث لے گی اور باقی نصف کو تم سے نزدیک ترہونے کی وجہ سے لے گی اور دوسرے افراد جو اس کی نسبت دور تر ہیں ان کا اس نصف مال میں کوئی حق نہیں ہے اور اگر عورت یا شوہر در کار ہو تو ان کے حصوں کو الگ کرنے کے بعد اس نصف کا باقی حصہ سہم الارث کی نسبت سے ان میں سے ہر ایک کے درمیان تقسیم ہو جائے گا کہ اکیلی ہونے کی صورت میں (جیسا کہ اشارہ ہوا) باقی ماندہ نصف بھی لڑکی سے مخصوص ہے نتیجتاً کل ترکہ اس کا ہوگا اور اہل سنت کے فتوی کے خلاف کہ '' عصبہ'' کا اس میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۴۲: اگرمیت کی اولاد اور والدین ہوں تو اولاد کے ہونے کی صورت میں ماں اور باپ میں سے ہر ایک کا ۱/۶ حصہ ہے اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں اگر میت کے بھائی یا بہن نہ ہوں (متعلقہ آیت میں '' اخوۃ'' سے مراد صرف ایک بھائی کا بہن نہیں ہے بلکہ جمع ہونے کی بناء پر کم سے کم دو بھائی اور دو بھن ، یا ایک بھائی اور ایک بہن کو شامل ہوتا ہے) تو ماں باپ کے دو گناہ میراث پائے گی اس طرح سے کہ ۱/۳ ماں کو ملے گا اور ۱/۶ باپ کو۔

مسئلہ ۷۴۳: اگر میراث کے تینوں طبقے سے کوئی وارث نہ ہو تو صرف داماد یا صرف بہو کے ہوتے ہوئے داماد، بہو کے دو گنا میراث پائے گا اوراگر ان میں سے صرف کوئی ایک ہو تو پورا وہی ایک آدمی میراث میں پائے گا کیونکہ آیہ '' اولوالارحام'' ان کو بھی شامل ہوگی۔

---

۲۳۰ ۔ چنانچہ نہایۃ، کافی و مسالک ، مقنعہ صدوق اور فقیہ ہیں مجمع و مجلسی فقیہ کے حاشیہ میں اور شیخ طوسی اپنی تہذیب میں اس کو بعض شیعہ فقہاء کی طرف نسبت دی ہے اور بہت سارے اہلسنت فقہاء بھی اس کے موافق ہیں۔

۲۳۱ ۔ سورہ انفال، آیہ ۷۵.

مسئلہ ۷۴۴: قریبی رشتہ داروں کے ہوتے ہوئے دور کے رشتہ داروں کو ہرگز میراث نہیں ملے گی مگر یہ کہ کبھی کچھ موارد میں ان کی میراث کم تر ہو جاتی ہے جیسےمادری بہن یا پدری کہ پدری یامادری بھائیوں اور بہنوں کا حصہ پدری اور مادری بھائی اور بہن سے کم ہے کہ پدری اور مادری بھائی اور بہن مادری یا پدری بھائی کے دو گنا میراث پائیں گے یا مثال کے طور پر پدری یا مادری بھائی پدری اور مادری بھائی کے ہوتے ہوئے اس کا حصہ نصف ہے اور پدری بھائی یا بہن یا مادری بھائی یا بہن آپس میں برابر سے میراث پائیں گے، کیونکہ رشتہ داری کے لحاظ سے دونوں ہی برابر ہیں نیز پوتے اور نواسے اپنے ماں اور باپ کے ہوتے ہوئے یا ان میں سے کوئی ایک حصہ نہیں رکھتا اور اسی طرح ان تمام موارد میں کہ قریب ترین رشتہ دار موجود ہوں تو دوسروں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا اور قطعی نصوص کی بنیاد پر ان کی میراث کم تر ہے کہ پدری اور مادری بھائی اور بہن میں بھائی، بہن کے دو گنا میراث پائے گا اور دوسرے طبقے والے بھی با وجودیکہ پہلے طبقے کے مقابلے میں نصف میراث پائیں گے لیکن یہ بھائی اور بہن آپس میں برابر ہیں اور ان موارد میں مختلف احادیث کا آیہ کریمہ''اقربون'' اور '' اولوالارحام'' سے موازنہ ہوا اور جو کچھ قرآن کے مخالف ہے، قابل قبول نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۴۵: اسی قانون کی روشنی میں میت کی اولاد کی موجودگی میں اس کے قریبی ترین پوتے اور نواسے میراث نہیں پائیں گے چنانچہ پدری یا مادری چچا، پھوپھی ، ماموں اور خالائیں میت کے پدری اور مادری کی موجودگی میں کم میراث پائیں گے اور پدری یا مادری چچا کےہوتے ہوئے پدری اور مادری چچا زاد بھائی میراث نہیں پائے گا اورکلی طور صرف قریبی رشتہ میراث پائیں گے یا زیادہ میراث پائیں گے۔

مسئلہ ۷۴۶: بیوی شوہر کی وفات کے بعد آیہ کریمہ (... وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ...)[232] کی روشنی میں سہم الارث کےعلاوہ مکان اور دیگر عام ضرورتوں کے لحاظ سے ایک سال تک اپنے شوہر کی مجموعی میراث سے نفقہ خور ہونےکا حق رکھتی ہے مگر یہ کہ خود ہی شوہر کی اس زندگی سے دوری اختیار کر لی ہو یا دوسرا شوہر کر لیا ہو یا اپنی زندگی کے لئے کوئی دوسری چارہ جوئی کر لی ہو اور ان ایک سالہ اخراجات سے بے نیازی کا اعلان کرے، چنانچہ اس ایک سال میں فیصلہ کر لے کہ شوہر کے گھر کے علاوہ کسی دوسرے گھر میں زندگی گزارے گی تو اس ایک سال کا نان و نفقہ بہر حال شوہر کے ورثاء سے اس کی درخواست کی صورت میں اور مورث کے اصل مال سے اس کے لئے ثابت ہے کہ اس صورت میں عادلانہ طور پر اس کا عام نفقہ ادا کیا جائے۔

۲۳۲۔ سورہ بقرہ، آیہ ۲۴۰.

مسئلہ ۷۴۷: میراث کا وہ مال جوپورا کا پورا مشمول خمس ہے جس طرح سارے ہدئیے اور صدقے مشمول خمس ہیں ، بلکہ یہ سب '' ما غنمتم'' کا بہترین نمونہ ہوں گے ؛ کیونکہ اکثر مفت ہاتھ آیا ہے یہ سارے موارد تمام فقہاء سے ہمارے نظریہ میں اختلاف کے نمونے ہیں اور ظاہراً میراث کے باقی مسائل میں ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۴۸: مجموعی طور پر قرآن کریم کی روشنی میں میراث کی یہ عادلانہ تقسیم ہے خواہ اس کے قانونی ہونے کے لحاظ سے خواہ وصیت کے استثنائی تبصرہ میں بہت ہی ایک عمدہ عادلانہ اصل ہے: ۱): بعض میں یکساں اور برابر ہے جیسے میت کی پدری یا مادری یک طرفہ بہن یا لڑکی اور اس شخص کے والدین جس کی اولاد ہو تو ہر ایک کے لئے ۱/۶ ہے۔

۲): بعض افراد میں وارث برابر اور مساوی نہیں ہے جیسے لڑکے اور لڑکیاں کہ لڑکے کا دو گنا اور لڑکی کا اس کے نصف میراث ہوگی اور ماں کا باپ کے دو گنا ہے جبکہ میت کے کوئی اولاد نہ ہو لیکن اولاد کے باوجود بھائی ، بہن یا برادران اور خواہران رکھتا ہو تو ماں کا حصہ ۱/۶ ہوگا اور یہ(للذکر مثل حظ الانثین) صرف اولاد، دو جانبہ برادران اور خواہران اور چچاؤں اور ماموں کے بارے میں ہے ، لیکن دوسرے افراد میں جیسے آباؤ و اجداد اور امہات کبھی برابر ہیں اورکبھی ماں باپ کے دو گنا میراث کی حقدار ہے اگر اس کے درمیان کمی بھی ہو تو ۱/۳ کی عادلانہ تقسیم سے اس کی تلافی کی جائے خواہ وصیت کرے کہ واجب ہےیا وصیت نہ کرے کہ حاکم شرع وغیرہ ضرورت کے بقدر معین میراث کے علاوہ ان کے درمیان تقسیم کرے۔

اور اگر میت کا سببی یا نسبی دور یا نزدیک کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی میراث (عدم وصیت اور دین) کی صورت میں کلی طور پر مسلمانوں کے بیت المال سے متعلق ہوگی اور اس صورت میں بھی کہ اپنے سارے اموال کی شائستہ اخراجات میں خرچ کرنے کی وصیت کرے تو یہ وصیت صحیح اور نافذ ہے اس لئے کہ ایسا شخص اگر اپنی حیات میں اپنی ساری دولت کسی کو بخش سکتا تھا تو اس کے مرنے کے بعد بھی ایسا ہی ہے کہ دونوں صورتوں میں مال خود اس سے متعلق ہے۔

وصیت

مسئلہ ۷۴۹: وصیت کے عام معنی تاکید کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں ایسے کاموں کے انجام دینے کی خصوصی تاکید ہے جسے اس کی وفات کے بعد انجام پانا چاہئے اورچونکہ مرنےکے بعد کی حالت حیات کا تسلسل ہے، لہذا مسلمان شخص اپنی زندگی میں شائستہ اور نیک افراد کی نسبت مالی امداد کے لحاظ سے جو مسئولیت اور ذمہ داری رکھتا ہے، وہی حتی الامکان اس کی وفات کے بعد وصیت کے عنوان سےانجام پانا چاہئے کہ اگر مال چھوڑ کر گیا ہےتو جس طرح وہ اپنی زندگی میں اپنے

والدین ، اولاد ، پوتے ، نواسے، قریبی رشتہ داروں اور قریبی افراد اور دیگر صالح افراد کی نسبت مالی واجبات رکھتا تھا اسی طرح اپنی وصیت میں بھی اپنے مرنے کے لئے نظر میں رکھے کہ ۱/۳ مال سے ان گڑھوں کو بھریں جو میراث کے حصہ سے پر نہیں ہو سکتے اور جو لوگ میراث کے طبقوں کے لحاظ میراث کے حقدار نہیں ہیں اس وصیت میں ان کو بھی نظر میں رکھے اسی قانون اور اصل کی روشنی میں وصیت کی آیت نے اس کو ایک واجب فریضہ شمار کیا ہے۔(اکثر فقہا کے خلاف کہ وہ لوگ اس کو مستحب جانتے ہیں اور ایک مختصر گروہ اس آیت کے موافق ہے اور وصیت کی روایات کو واجب جانتے ہیں خصوصاً بعض ورثہ کے لئے سہم الارث کی کمی کے سلسلہ میں یا میراث کے بعد کے طبقے میں بے نواؤں اور ورثا کےعلاوہ ضرورت مندوں کی محرومیت کے لئے)(كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ)[233] تم پر فرض کیا گیا ہے جب تم میں سے کسی کو موت آ جائے اگر کوئی خیر(مال اور وارثوں کی ضرورت کے علاوہ مالی حق) چھوڑ گئے ہو تو والدین اور (تمام) قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت کرو اور خود شائستگی کے ساتھ متقین کے ذمہ ایک حق ہے '' ہے کہ ایسی وصیت ہرگز درست نہیں ہے اور باطل ہے ، لہذا وہ وصیت ''خیراً'' کا مصداق ہے جو وارث کے خیر و صلاح اور اس کی ضرورت زندگی میں معاون ثابت ہو کہ اس میں کمی کرنا ان کے لئے نقصان دہ اور شر ہے۔

ہاں،'' خیر'' مال سے اعم ہے اور وہ مال خیر ہے جو کسی دوسرے خیر کا سبب اور راہ گشا ہو اور ۱/۳ کی وصیت کرنے کی گنجائش بھی رکھتا ہو اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ تمام قریبی رشتہ داروں کی نسبت کہ میراث کے بعد کے طبقے میں ہیں اور دوسرے افراد بھی کہ میراث پانے والوں میں سے نہیں ہیں، ان کے لئے وارثوں کو حکم دیا گیا ہے کہ انہیں امکانی صورت میں کوئی چیز دیں کہ(وَ إِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُوْلُواْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا)[234] ''اور جب میراث کی تقسیم کےوقت رشتہ دار ، یتیم اور ضرورت مند افراد حاضر ہوں تو اس میراث سے ان کو بھی روزی دو اور ان سے خوش اخلاقی اور نرمی سے پیش آؤ''۔

یہاں پر وصیت کے آیت نے حدود معین نہیں کئے ہیں ، لیکن قطعی روایات کی روشنی میں ۱/۳ مال سے محدود ہوئی ہے اور یہ بھی آیات وصیت سے سازگار ہے، کیونکہ میراث اصل ہے اور وصیت بھی خیر و بھلائی کی صورت میں اس کی فرع ہے میراث کی آیتوں میں (سورہ نساء، آیات ۱۱ اور ۱۲) چار بار وصیت دین کے ساتھ '' ما ترک'' سےجدا ہوئی ہے اس فرق کے ساتھ کہ دین صرف موکد حتمیت ہے لیکن وصیت اصلی میراث کے علاوہ فرعی حتمیت بھی رکھتی ہے کہ سورہ نساء، آیات ۱۱

۲۳۳۔سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۰.
۲۳۴۔ سورہ نساء، آیہ ۹.

اور ۱۲) (...مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلاَلَةً أَو امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوَاْ أَكْثَرَ مِن ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاء فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ)[235]آیات کریمہ میں ترکہ سے متعلق وصیت مورد توجہ واقع ہوئی ہے کہ ’’ خیراً) کو اس کے واجبات میں سے ایک واجب جانا ہے۔

مسئلہ ۷۵۰: وصیت صرف اور صرف مرنے کے قریب واجب ہے اوراس سے پہلے مستحب ہے اور آستانہ مرگ بھی موت کی علامت ظاہر ہونے کے معنی میں ہے نہ صرف موت کا یقین؛ کیونکہ کوئی شخص اس طرح کا یقین ہرگز نہیں رکھتا کہ فلاں ساعت میں مر جائے گا اور ممکن ہے انسان موت کے دہانے پر پہنچ جائے اور پھر دوبارہ زندگی پا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ موت کی کوئی علامت ہو ہی نہ اور اچانک موت آ جائے۔اس قانون کی روشنی میں ’’اذا حضراحد کم الموت‘‘ وہی آستانہ مرگ یعنی موت کی نشانی کا ظاہر ہونا ہے اگرچہ موت کا یقین نہ رکھتا ہو ،بلکہ صرف اس کا گمان رکھتا ہے اور واضح ہے سکرات موت اور احتضار کی حالت بھی مراد نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی وحشتناک حالت اور ہولناک صورت میں کسی قسم کی وصیت یا کسی عاقلانہ کام یا کوئی دوسرا عام کام کرنے کی بھی مہلت نہیں بلکہ انسان ایسی حالت میں موت سے دست و گریباں ہوتا ہے اس وقت اگر سکرات موت کی حالت مدنظر ہوتی تو ایسی صورت میں ’’ حین الموت‘‘ کہا جاتا نہ" اذا حضر احدکم الموت‘‘

مسئلہ ۷۵۱: وصیت ، بالخصوص مالی تاکید نہیں ہے، بلکہ حق کو بھی شامل ہے کہ وصیت کرے کہ فلاں شخص اس کے بچوں کا سرپرست ہو اور اس سے بھی واضح ترکہ اس کی انجام دہی میں وکیل ہو، کیونکہ ’’ ان ترک خیراً ‘‘ مال ،حق او رحال سب کو شامل ہے یعنی جس طرح خود اپنے اموال کا مالک رہا ہے اسی طرح حق اور حقوق کا بھی مالک تھا ۔بنابراین اموال، حق اور حقوق سے متعلق کسی کو وکیل یا نمائندہ بنائے اور اب جبکہ وصیت کر ہی رہا ہےتو ایک اہم مصلحت جس کی اس کے مرنے کے بعد رعایت واجب ہے، یہ ہے کہ اپنی تمام تاکیدوں کے لئے کسی مورد اعتماد شخص یا اشخاص کو اپنےبچوں کے مال اوران کے حالات کی نگرانی کرنے کے لئے معین کرے۔

مسئلہ ۷۵۲: وصیت دیگر تمام معاہدوں اور قرار دادوں کی طرح کسی خاص لفظ کی محتاج نہیں ہے کہ تحریر، واضح اشارہ ، یا ایسا عمل کہ وصیت کی نمائندگی کر

---

[۲۳۵] سورہ نساء، آیہ۱۲۔

رہا ہو اور اس کے مانند (جب تک وصیت پر واضح طور پر دلالت کر رہا ہے) کافی ہے ، بالآخر ہر کام ، یا کوئی ایسی تحریر اور گفتار جسے وصیت کہتے ہیں ''الوصیۃ'' کو شامل ہے اور وصیت کی اہمیت کے لحاظ سے اس کا اس طرح سے ہونا لازم اور ضروری ہے کہ واضح اور ثابت ہو کہ ہرگز قابل انکار نہ ہو یا یہ کہ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں وصیت کرے یا بالآخر وصیت پر دلالت کرنے والی کسی تحریر ، کسی عملی یا لفظی وصیت کی دو عادل گواہ گواہی دیں یا کسی دوسری طرح سے اس طرح مسلم ہو کہ انکار کی گنجائش نہ رہ جائے۔

مسئلہ ۷۵۳: وصیت بھی دیگر قرار داد کی طرح واضح اور نا قابل انکار اور تأویل ہو ایسی صورت میں کم اور زیادہ اموال کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کہ زیادہ ہو تو لفظ کے ساتھ ہو اورکم ہو تو اشارہ کافی ہے بلکہ کم ہو یا زیادہ جس طرح بھی انجام پائے اسے واضح اور ناقابل تأویل ہونا چاہئے۔

مسئلہ ۷۵۴: وصیت کرنے والا وصیت کے بارے میں جانکار ، رشید اور وصیت کے احکام سے واقف ہو تاکہ خلاف شریعت وصیت نہ کرے ؛کیوں کہ دیوانہ، یا سفیہ اور ایسا بچہ جو ابھی سن رشد کو نہ پہنچا ہو کی وصیت صحیح نہیں ہے بالآخر عاقلانہ ، عادلانہ اور شرعی و دینی معیاروں کے مطابق وصیت صحیح ہے ، اگرچہ وصیت کرنےوالا نا بالغ ہو ورنہ یہ وصیت ہرگز صحیح نہیں ہے اگر چہ بالغ اور عاقل ہی ہو، کیونکہ '' بالمعروف'' کی قید صرف شائستہ وصیت کرنے والے کی شائستگی ، مورد وصیت اور وصی کے مثلث کو شامل ہے اور تمام نا مناسب وصیتوں کونا درست جانتا ہے۔

مسئلہ ۷۵۵: جس نے خود کشی کی ہو تودوسروں کے مانند اس کی وصیت صحیح ہے کہ وہ بھی (اذا حضر احدکم الموت) کا واضح نمونہ ہوگا ، نیز ایسے مجرم کو وصیت کی زیادہ ضرورت ہے کہ اس کے ذریعہ وصیت کر کے اپنے گناہ کو کم کرے(جیسا کہ بعض فقہاء نے بھی فرمایا ہے اور روضہ کافی میں اس مسئلہ کوفقہاء کے درمیان مورد اختلاف مسئلہ جانا ہے اور علماء کی اکثریت بھی اس مورد میں خطا کر گئی ہے اوراس کے خلاف فتوی دے دیا ہے) اس وصف کے ساتھ ابی ولاد کی صحیحہ کہ اس (مجرم) سے وصیت کا حق چھین لیا ہے کوئی صحیح کردار ادا نہیں کر رہی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جس حدیث کو علماء حضرات صحیح جانتے ہیں وہ قرآن کریم سے مطابقت کرنے پر بے اعتبار ، غیر صحیح اور مردود نظر آتی ہے ، کیونکہ اطلاق آیت کی ممتاز فرد یہی شخص ہے اور دوسرے لوگ اس کے حاشیہ پر ہیں اور اس طرح کے اطلاق کے ساتھ ایک یا چند حدیث سے اس طرح کیسے مقید کر سکتے ہیں وہ بھی ایسی حدیث جس کا متن اس طرح متزلزل اور غیر صحیح ہو اگرچہ اس کی سند بھی صحیح ہو (قال سمعتُ ابا عبداللہ (ع) یقول: من قتل نفسہ متعمداً فھو فی نار جھنم خالدٌ فیھا قیل لہ ارایت ان کا اوصی بوصیۃ ثم قتل نفسہ متعمداً من ساعتہ تنفذ وصیتہ؟ قال فقال ان کان اوصی قبل ان یحدث حدثاً فی نفسہ من جراحہ او فعل لعلہ یموت لم

تجز وصیتہ)[236] میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو سنا کہ آپ فرما رہے تھے : جو شخص بھی خود کو عمداً قتل کر ڈالے وہ آتش جہنم میں ہے،کہا گیا آیا اگر کوئی وصیت کرے
اور اس کے بعد خود کشی کر لے تو اس کی وصیت نافذ ہے ؟ آپ نے فرمایا : اگر خود کشی سے پہلے وصیت کرے پھر اس کے بعد خود کشی کرے شاید مر جائے تو اس کی وصیت نافذ اور قابل عمل نہیں ہے ؟)۔
یہاں پر اس دلیل سے کہ وہ خود کشی کر کے جہنمی ہوگیا ہے اس کی وصیت نافذ نہیں ہے تو کہنا چاہیئے کہ ہر گز یہ دلیل قابل قبو ل نہیں ہے کیونکہ دوسرے فرض کے مورد میں خود کشی وصیت کے بعد آئی ہے اور پہلے فرض میں بھی اگر چہ جہنمی ہو مسلمان تو ہے اور اگر خود کشی کرنے سے کافر ہوجائے تو کیا کافر مسلمان کے لئے میراث نہیں چھوڑتا تو پھر اس کے سلسلہ میں وصیت نافذ کیوں نہیں ہوگی مگر یہ کہ کہا جائے کہ جو آدمی خود کشی کرتا ہے وہ دیوانہ کی طرح سفیہ ہے اسی لئے اس کی وصیت نافذ نہیں ہے لیکن کہنا چاہیئے کی اس طرح کی وصیت کا نافذ نہ ہونا اس صورت میں ہے کہ اس نے جو وصیت کی ہے بیوقوفی اور حماقت کی تھی تو ایسی صورت میں کسی کی وصیت قابل قبول نہیں ہے اور اس شخص سے اختصاص بھی نہیں رکھتی،لیکن اگر وصیت عاقلانہ ہو بالخصوص اس نے اس کے ذریعہ سے اپنے گناہ کو کم کرنا چاہتا ہو اور کسی حد تک اس کی تلافی کرنا چاہتا ہو تو پھر وہ وصیت کرنے سے محروم کیوں رہے کہ خود کو بھی نقصان پہونچائے اور ان لوگوں کو بھی جو شائستہ وصیت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ پسماندگان یا تمام شائستہ افراد اس شخص کی خود کشی کے جرم کی وجہ سے وصیت کے فوائد سے محروم رہیں کہ" وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ " کوئی بھی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

مسئلہ ۷۵۶: موت کی علامت ظاہر ہوتے ہی جتنا جلد ہو سکے لوگوں کی امانتیں اور قرضے ان کے مالکوں کو واپس کر دے یا انہیں اطلاع دے کہ وہ لوگ آکر اپنااپنا حق لے لیں یا پھر وصیت کرے کہ مجھ پر اس طرح سے قرض ہے اور بہر صورت مسلم دیون اور قرضے اس کے اصل مال سے ادا کئے جائیں۔

مسئلہ ۷۵۷: اگر امانت یا اس کے قرضہ ادا کرنے کا وقت آ چکا ہے تو ان کےبارے میں وصیت کرنا کافی نہیں ہے بلکہ حتی الامکان خود ہی اس کوادا کرنے کی کوشش کرے۔

مسئلہ ۷۵۸: موت کے قریب سارے الٰہی اور عوامی حقوق کہ جن کا وہ مقروض ہے کی تحقیق کرے اورجائزہ لےاور جیسا کہ کرنا چاہئے اس طرح سے اس کے متعلق عمل کرے جیسے خمس ، زکوۃ ، دیات، کفارات، صدقات واجبہ ، چھوٹا ہواحج، نماز اور روزہ کہ یہ سب اس کی گردن پر ہے حتی الامکان خود ہی ادا کرنا واجب ہے ، لیکن ان کی انجام دہی سے متعلق امکان نہ ہونے کی صورت میں نماز اور روزہ کے علاوہ (کہ قابل وصیت نہیں ہے) کی مورد اعتماد شخص کو وصیت کرے ''من بعد وصیۃ'' وصیت کو کہ حد اکثر ۱/۳ مال ہے، کوالگ کرتی ہے اور '' او دین'' خالق اور مخلوق کے تمام قرضوں کو شامل ہے کہ یہ سارے قرضے اصل مال سے الگ ہو جائیں گے۔

---
[236] ۔الوسائل، باب الوصایا، باب ۵۲، ج۱

مسئلہ ۷۵۹: فقہاء کے مشہور فتووں کے خلاف میت کے نماز و روزہ کہ وصیت کرنے کے قابل نہیں ہے بڑے بیٹے کے ذمہ بھی نہیں ہوگا ؛کیونکہ یہ دونوں واجب ان کی حیات میں شخصی واجبات میں سےہیں لہذا اسے دوسروں کے انجام دے دینے سےمشکل حل نہیں ہو سکتی، لیکن دینی حج کے مانند ہے کہ اگر مالی استطاعت رکھتا ہے نہ حالی تو اسی حیات ہی میں کسی کو نائب بنائے اور نہ بنا سکے تو اس کی وصیت کرے اور اگر وصیت بھی نہ کی تو دیگر تمام د یو ن کی طرح اس کے اصل ترکہ سے (اتنی رقم) نکال کر الگ کی جائے۔

مسئلہ ۷۶۰: وصی کے لئے قابل اطمینان ہونا ضروری ہے اور سفیہ ، نالائق اور کام سے نا واقف شخص نہ ہو اگرچہ وصیت کرنے والے کےلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے لیکن وصی میں یہ (مسلمان ہونا) شرط ہے مگر یہ کہ وصیت کرنے والا اور وصی دونوں ہی غیر مسلم ہوں۔

مسئلہ ۷۶۱: اگر اپنے لئے دو یا چند وصی معین کرے تو ان کے لئے مورد وصیت کی انجام دہی میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنا واجب ہےمگر یہ کہ ہر ایک کو مستقل طور پر اپنا وصی قرار دے کہ ان میں سے ہر ایک مورد وصیت پرعمل کرے اور دوسرے افراد مخالفت کرنے کا حق نہ رکھتے ہوناور ٹکراؤ کی صورت میں حاکم شرع کے ذریعہ اصلح کی تعیین کی جائے۔

مسئلہ ۷۶۲: چونکہ وصیت ، وصیت کرنےوالے کی صوابدید اور اسی طرح مورد وصیت کی مصلحت پر ہے، لہذا وصیت کرنے والا اپنی وصیت سے صرف نظر کرنے کا حق رکھتا ہے یا اس کو بدل دے مگریہ کہ یہ تبدیلی ظالمانہ ہو کہ (فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ)[237] پس جو شخص بھی وصیت کرنے والےکے کسی حق یا خطرناک نتیجہ کے حامل کام سے اعراض کرنے سے ڈرتا ہے(خیر اور نیکی سے دور کرتا ہے) پھر اصلاح کرے اس کے اور مورد وصیت کے درمیان تو اس کا کوئی بھی غلط نتیجہ برآمد نہیں ہوگا اور اس نے کوئی گناہ (بھی)نہیں کیا ہے ،بلکہ یہ خود واجب ہے۔

جس طرح امکان کی صورت میں کلی طور پر ظلم کا برطرف کرنا واجب ہے

جس طرح انسان کا اس کی زندگی میں اس کے اموال میں تصرف کرنا مصلحت پر موقوف ہے ؛کیونکہ احمقانہ ، ظالمانہ اور مجرمانہ تصرف نافذ اور صحیح نہیں ہے اور جو وصیت اپنے مرنے کے بعد شائستہ فرائض کی ادائیگی کےلئے ہے اسے عدالت اور مصلحت کی بنیاد پر ہونا چاہئے کہ اگر وارثوں کے ضرورت مند ہونے کی صورت میں ۱/۳ مال کو کسی شخص یا محلہ کی مسجد یا امامزادہ کے روضہ یا اس کے مانند کام کے لئے وصیت کرے اور اس کے ذریعہ ورثا کو معاشی مشکل اور

۲۳۷۔ سورہ بقرہ، آیہ ۱۸۲.

سختی میں مبتلا کرے تو ایسی وصیت ہرگز قابل عمل اور نفاذ نہیں ہے اور وصیت کرنے والا بھی گنہگار ہے اور ''جنفاً'' یا ''اثم'' کے دائرہ میں اس وصیت کو نظر انداز کرنا چاہئے۔

مسئلہ ۷۶۳: شرائط کے ساتھ انجام شدہ وصیت کا تبدیل کرنا حرام ہے اور ہرگز قابل عمل اور نفاذ نہیں ہے کہ ﴿ فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾[238] '' پس جو شخص بھی اس کو تبدیل کرے(اس کے سننے کے بعد) تو گناہ صرف ان لوگوں کی گردن پر ہے جوا س کو تبدیل کرتے ہیں آیہ کریمہ صحیح اور شرعی وصیتوں سے مربوط ہے نہ جاہلانہ ، خلاف شریعت اورخود غرضی والی وصیتوں سے۔

مسئلہ ۷۶۴: وصیت سے متعلق کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وصیت انصاف اور شریعت کے خلاف ہو یا احمقانہ یا مصلحت کے خلاف ہو یا پھر ورثہ کےلئے نقصان دہ ہو یا تبدیلی وصیت کی مصلحت اور اس کی شائستہ کیفیت کے خلاف اعمال اور فتووں کو بھی شامل ہے۔

مسئلہ ۷۶۵: وصیت میں اس کے مورد کا قبول کرنا شرط نہیں ہے صرف وصیت کا رد کرنا ہےجو اسے ناچیز بناتا ہے کہ اگر اس نے کسی کو وصی بنایا اور اسے اس کی خبر بھی دی اور وہ اسے رد اور انکار نہ کرے تو وصیت قابل عمل اور نافذ ہے اور جب اسے رد کر دے تو باطل ہو جائے گی لیکن اگر ایسے وقت میں وصیت سے انکار کرے جب وصیت کرنے والا مر چکا ہے یا اگر زندہ بھی ہے تو وہ وصی بنانے کی لیاقت اور گنجائش نہیں رکھتا تو اس کا رد کرنا قابل قبول نہیں ہے اور اصلاً انکار کرنے کا حق ہی نہیں رکھتا مگر یہ کہ وصیت کہ ذمہ داری نبھا نہ سکے تو یہاں پر اسے حق حاصل ہے کہ یا اسے رد کر دے یا امکان کی صورت میں اپنا کسی کو نائب بنائے کیونکہ اصولی طور پر وصیت میں وصی کے ذریعہ اس کی ادائیگی کا امکان شرط ہے کہ وصیت کرنے والے کی نظر میں *معلوم ہونا چاہئے یا کم سے کم مشکوک ہو اور وصی کی ناتوانی اور عدم امکان کا عاقلانہ احتمال بھی نہ ہو۔*

مسئلہ ۷۶۶: اگرکسی مال کے بارے میں وصیت کرے کہ اسے کسی شخص یا اشخاص کو دے دے گا خواہ اس نے اس وصیت میں اس مال کو انہیں(افراد) کو اس (موصی) نےوصی کے مرنے کے بعد تملیک کرے یا تملیک کرنے کی وصیت کر دے اس قسم کے مورد میں مورد وصیت شخص یا اشخاص کا صرف انکار نہ کرنا ہی اس وصیت کے قابل عمل اور نافذ ہونے کے لئے کافی ہے، لیکن اگر انہوں نے اس بخشش کو قبول نہ کیا تو نافذ نہیں ہے اور مورد وصیت مال کا اصل مال ارث میں شمار ہے

[238] ۔ سورہ بقرہ، آیہ۱۸۱.

اور کما فرض اللہ (جیسا کہ اللہ نے فرض کیا ہے) میراث کے طبقوں میں تقسیم ہو جائے گا۔
مسئلہ ۷۶۷: اگر مرض الموت یا مرنے کے قریب اس بات کا اقرار کرے کہ میں کسی کا کچھ مقروض ہوں اگر اس اقرار میں ورثا کو نقصان پہنچانے سے متہم نہ ہو اور کوئی اس کی تکذیب بھی نہ کرے تو مورد اقرار مال اصل ترکہ میں شمار ہوگا ، اور ان صورتوں کے علاوہ میں قابل قبول نہیں ہے خصوصاً جب کوئی نا بالغ وارث رکھتا ہو ؛کیونکہ یہ اقرار خود صاحبان حق کے خلاف مالی اقرار ہے۔اور '' اقرار العقلاء علی انفسھم جائز'' کا قانون اس طرح کے مورد کو شامل نہیں ہوگا کیونکہ انسان کا موت کے قریب مالی اقرار کرنا براہ راست ورثا کے خلاف اقرار ہے کہ مورد اقرار مال بھی ان تک قانونی طور پر انتقال کے قریب ہے لیکن صحت کی حالت میں کہ موت کے قریب شمار نہیں ہوتا ہے اگر مالی اقرار کرے تو خود اس کے خلاف ہے اور متہم نہ ہونے ، سفاہت ، جنون یا ستم نہ کرنے کی صورت میں قابل قبول ہے۔
مسئلہ ۷۶۸: اگر وصیت کرے کہ اس کا ۱/۳ مال ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے جبکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا مقصد برابر سےتقسیم کرنا ہے، چنانچہ یہ برابری عادلانہ ہو تو اس کی وصیت نافذ ہے اور اگر یہ برابری معلوم نہ ہو تو کیا یہ ثلث مال بھی اس کے باقی اموال کی طرح جیسا کہ شریعت نے میراث کے حصوں کے بارے میں معین کیا ہے، تقسیم ہو جائے گا ؟ ظاہراً اگرچہ وصیت میراث کا نتیجہ ہے اور میراث کی طرح ہوگی لیکن اگر اس سے مراد وہی میراث کے حصے ہوں تو یہ وصیت تحصیل حاصل اور بے فائدہ ہے پس اس ثلث کی تقسیم برابر کی طرح ہے(اور یہ فتوی مورد اجماع مطلق اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے) کہ عادلانہ اور مساوی طور پر ورثہ کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے۔
مسئلہ ۷۶۹: اگر مورد وصیت میراث کے تینوں طبقے ہوں تو یہاں پر بھی گذشتہ احتمال کے مطابق میراث کی بنیاد پر تقسیم ہے مگر یہ کہ معلوم ہو کہ اس کی مراد حصوں میں برابری تھی۔
مسئلہ ۷۷۰:جس طرح اس بچہ کے بارے میں وصیت کرنا صحیح ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے اسی طرح احتمالی حمل کے بارے میں بھی وصیت کرنا صحیح ہے اور وصیت کرے کہ اس کی بیوی یا کوئی دوسری عورت حاملہ ہو اور بچہ پیدا ہو تو اتنی مقدار میں مال اس سے مخصوص ہوگا دونوں ہی صورت میں اگر مورد وصیت محقق نہ ہو تو مورد وصیت مال باقی ترکوں کی طرح ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگا۔
مسئلہ ۷۷۱: اگر وصیت سے متعلق چیز واجب اور مستحب کے درمیان مخلوط ہو اور مذکورہ مال دونوں ہی کےلئے نا کافی ہو تو مالی واجبات کواس کےاصل مال سے الگ کرنا چاہئے (مرحوم سید ابوالحسن اصفہانی) اور اس کے مستحبات مصلحت کی صورت میں ثلث مال سے ہیں۔

مسئلہ ۷۷۲: واجب حج اور تمام مالی قرضے خواہ وصیت کرے یا نہ کرے اصل مال سےشمار ہوگا؛ کیونکہ '' اَو دَین'' ''من بعد وصیۃ'' کے بعد اور حج بھی دیو ن میں سے ہے کہ اس کے بارے میں وصیت (اثبات اور تاکید کے سوا) کوئی اور نقش نہیں رکھتی۔

مسئلہ ۷۷۳: '' حج میقاتی'' اس حج کو کہتے ہیں کہ وصیت کرنے والے کی نیابت میں اہل مکہ، مدینہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے انجام دیتے ہیں اور'' حج بلدی'' اس حج کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص وصیت کرنے والے کے وطن یا اس کی رہائشگاہ سے اس کی نیابت میں قبول حج کرے اور انجام دے؛ کیونکہ حج بلدی کی نیابت کے اخراجات میقاتی حج سے بہت زیادہ ہیں اور مطلق حج میت کی گردن پر ہے اس صورت میں کہ حج بلدی کی وصیت کی ہو تو میقاتی حج کے بقدر وصیت کرنے والے کے اصل مال سے ہے اور حج بلدی کے باقی اخراجات اس کے ۱/۳ مال سے لئے جائیں گے اور ثلث مال میں کمی کی صورت میں وہی میقاتی حج کافی ہے اور شہری اور میقاتی حج کے درمیان اخراجات۱/۳ کے کفایت کرنے کے بقدر میت کے لئے خیرات میں مصرف ہوگا، بالخصوص دیگر زیارتیں جیسے عمرہ وغیرہ۔

مسئلہ ۷۷۴: اگر حج نہ شہری ہو اور نہ ہی میقاتی اور مکہ سے قریب ترین جگہ سے انجام پائے تو اس کا درمیانی خرچ دو دوسرے حج کا خرچ ہے اور یہ اصل اور ۱/۳ کے درمیان تقسیم ہوگا۔

مسئلہ ۷۷۵: اگر ثلث(۱/۳) کے لئے کچھ ایسے موارد معین کرے جن کے اخراجات ۱/۳ سےکم ہیں تو ثلث کا باقی کا حصہ ورثا کا ہے اوراگر اس کے اخراجات زیادہ ہوں تو ورثا کی موافقت ہونے اور نابالغ وارث کے نہ ہونے کی صورت میں وصیت کےتمام مورد کو انجام دینا چاہئے اور ان (ورثا) کی عدم موافقت کی صورت میں وہی بقدر ثلث ہی ہوگا اور اگر بعض ورثاء موافق ہوں اور بعض مخالف تو ثلث سے اضافی رقم موافقت کرنے والوں کے سہم سے دی جائے گی۔

مسئلہ ۷۷۶: اگر وصیت کرے کہ اس کا قرض لوگوں کو دے دیا جائے نیز حقوق کا قرض ادا کیا جائے اور بعض مستحبات انجام دیئے جائیں اب اگر ۱/۳ مال اس کے مستحبات انجام دینے کے لئے کافی ہے تو معلوم ہے اور اگر کافی نہیں ہے تو بقدر کفایت انجام دیا جائے گا بہرصورت حقوق اللہ اور حقوق الناس کے قرضے اصل مال میں شمار ہوں گے، کیونکہ '' من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین'' جس طرح وصیت کو ثلث مال سے معین کیا ہے اسی طرح دین کو بھی اصل مال سے جانا ہے خواہ وصیت کا مورد ہو یا نہ۔

مسئلہ ۷۷۷: اگر کوئی شخص کسی شخص کے مرنے کے بعد میت پر اپنے قرضہ کا دعوی کرے کہ مرنے والا میرا اتنے مبلغ کا مقروض تھا تو اگر معلوم ہو کہ وہ سچا ہے یا دو عادل مرد اس کے نفع میں گواہی دیں یا قسم کھائیں اور ایک عادل مرد

گواہی دے یا دو عورت اور ایک عادل مرد گواہی دے تو جن چیزوں کا وہ دعوے دار ہے اسے پورا کا پورا دیا جائے گا، لیکن اگر گواہی کامل نہ ہو کہ صرف ایک عادل مرد یا ایک عادل عورت کے ہمراہ گواہی دیں لیکن اس گواہی سے یقین حاصل نہ ہو تو ان ناقص گواہوں سے ہرگز کوئی چیز ثابت نہیں ہوگی اور گواہی قابل تقسیم بھی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ اگر گواہی معین تعداد سے کم ہو تو اسی کم مقدار کے مطابق اس کا مدعی ثابت ہوگا اور اصولی طور پر یہ مسئلہ سہ جانبہ ہے:

۱): سارے ورثا یا بعض کسی طریقہ سے یقین کر لیتے ہیں تو یہ قرض ثابت ہے اور یہ اس کے ذمہ ہے جس کو یہ یقین حاصل ہوا ہے اوروہ اس دین کو اپنے حصہ کے بقدر ادا کرے گا۔

۲): اگر سب کو یقین ہو تو پھر اپنے حصہ کے اعتبارسے اپنے درمیان تقسیم کریں گے۔

۳): اگر ان میں سے کوئی بھی یقین نہ کرے تو ان پر کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے کہ اصولی طور پر مورث کے قرض پر یقین اور اطمینان حاصل کرنا میزان اور معیار ہے اور اگر یہ اطمینان حاصل نہ ہو تو قرض بھی ثابت نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۷۷۸: اگر کوئی شخص کسی کو کچھ دینے کی وصیت کرے اور مورد وصیت شخص قبول یا انکار کرنے سے پہلے مرجائے تو جب تک وصیت کرنے والا اپنی بات سے منصرف نہ ہوا ہو اور مورد وصیت شخص کے ورثہ نے انکار نہ کیا ہو تو یہ مال اس کے ورثہ سے مخصوص ہوگا کیونکہ یہ خود میت کا حق اور اس کے ترکہ کا جز ہے اور اگر قبول یا انکار کرنے میں اختلاف کریں تو جو قبول کرے اپنے سہم کے بقدر اس میں حق رکھتا ہے اور ظاہراً یہاں پر بھی تقسیم مساوی ہے مگر کچھ دیگر موارد میں کہ جہاں گونا گوں حصے در کار ہیں جیسا کہ گزرا۔

مسئلہ ۷۷۹: اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ کچھ مال غیر مسلم کو دیا جائے جبکہ وارثوں پر ظلم نہ ہو اور یہ وصیت بھی شرعی لحاظ سے رجحان رکھتی ہوتو نافذ اور قابل عمل ہے۔

جیسے یہ کہ کسی کافر کو اسلام سے نزدیک کرے یا وہ کافر اس کا لڑکا یا رشتہ دار ہو کہ محروم کرنے کی صورت میں فساد رونما ہوگا، بالآخر جو شرعی مصلحت اس طرح کی وصیت کی بنیاد ہو وہ صحیح ہے۔

مسئلہ ۷۸۰: چونکہ وصی مورد وصیت اموال کا امین ہے لہذا جب تک وہ خیانت نہ کرے اس وقت تک اس منصب پر باقی ہے اور اگر کسی کوتاہی کے بغیر(مہارت کے ساتھ) مورد وصیت اموال سے کوئی چیز تلف ہو جائے تو ضامن نہیں ہے یہاں تک کہ اگر موارد وصیت کےانجام دینے کےلئے اس کی اجرت بھی معین کی گئی ہو،

کیونکہ وصی ہر صورت امین ہے اور اس اصل کی روشنی میں(... مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ...)[239] اس کوبھی شامل حال ہے۔
مسئلہ ۷۸۱: وصی مورد وصیت کام کو انجام دینے کےلئے اجرت لینے کا حق رکھتا ہے کہ اجرت تعیین نہ ہونے کی صورت میں اس کی اجرت اجرة المثل ہوگی، مگر اس صورت میں جب وصیت کی بنیاد مفت پر ہو اور وصی نے بھی قبول کر لیا ہو اور اگر مصلحت کے مورد میں اس کے مال میں گنجائش بھی ہو لیکن اس نے کوئی مالی وصیت نہ کی ہو اور خصوصاً پہلے طبقہ کے وارثوں یا دوسرے وارثوں کو اشد ضرورت ہو تو اس کے ۱/۳ مال سے ضرورت کے بقدر انجام دیا جائے، کیونکہ اگر مالی واجب کو ترک کرے تو بہر صورت یہ مالی واجب اس کے مال سے دوسروں کے ہاتھوں انجام پانا چاہئے اور یہاں پر '' کتب علیکم'' کہ مالی وصیت کو تم پر واجب کیا ہے اگر اس کے سلسلہ میں تم کوتاہی کرو یا بغیر تقصیر کے اسے ترک کر دو اور اچانک موت آ جائے تو یہ '' کتب'' تم سے دوسروں تک منتقل ہو جائے گا کہ ''خیراً''کے پیش نظر مالی اور حالی مصلحت قریب ترین ضرورت مندوں کے درمیان ۱/۳ یا اس سے کم مال سے تقسیم کیا جائے، کیونکہ ثلث وصیت کا حداکثر مورد ہے کہ میراث کے علاوہ ضرورت ۱/۳ سےزیادہ ہو تو قطعاً اس کا مورد نہیں ہے اور ۱/۳ سےکم ضرورت کی صورت میں وہی کمتر مورد ہے اور مجموعاً یہاں پر اس طرح ہے کہ تم پر کسی دوسرے کو مال دینا واجب ہو اور یہ وصیت نشدہ ثلث بھی اسی طرح ہے کہ سب سے پہلے اس کا وصی انجام دے اور وصی کے بعد اس کی لیاقت اور صلاحیت رکھنے والے دیگر ورثا یا پھر حاکم شرع کی صوابدید پر یہ مالی فریضہ ادا کیا جائے۔

اشیائے خورد و نوش

حیوانات

مسئلہ ۷۸۲: حلال گوشت جانوروں کا شکار کرنے یا اسے شرعی طریقہ سے ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے ، شکاری حیوانات وہ ہیں جو فرار ہوتے ہیں خواہ اصل میں فراری رہے ہوں یا اہلی رہے ہوں لیکن بعد میں فرار ہوگئےہوں تو یہ حیوانات بھی شکار کرنے یا ذبح کرنے سے حلال ہو جاتے ہیں لیکن غیرفراری اہلی حیوانات یا فراری کہ اس وقت آپ کی دسترس میں ہیں صرف ذبح کرنے سے حلال ہوں گے اور بس لیکن اہلی حیوان جو فراری ہو اور شکار ہوا ہو طبیعی طور پر ادلہ شکار پر مشتمل ہوں گے۔ کیونکہ '' صید'' اور شکار کرنے اور شکاری حیوان دونوں کے معنی میں ہے کہ ہر فراری حیوان کو بھی شامل ہوگا بہر صورت جس حیوان کے ذبح کرنے کی توانائی اور امکان ہو تو اسے شرائط کے ساتھ ذبح شرعی کیا جائے خواہ شکار ہو یا

---

[239] سورہ توبہ، آیہ۹۱.

غیر شکار، خواہ فراری ہو یا غیر فراری اورشکار کرنے کے اوزار سے ہو تودور سے شکار کرنا صرف ان شکاری حیوانات میں منحصر ہے کہ دسترس میں نہ ہو ،لیکن یہی جب زندہ شکارہو جائیں مثال کے طور پر آپ نے ہرن کو زندہ پکڑ لیا اور اس وقت وہ آپ کے چنگل میں ہے تو جب تک اس نے فرار نہیں کیا ہے تو صرف ذبح شرعی سے حلال ہوگی نہ شکار کے اوزار سے۔

مسئلہ ۷۸۳۔ اصولی طور پر شکاری حیوانات کا (بالخصوص لہو و لعب کے عنوان سے) شکار حرام ہے مگر اس صورت میں کہ ان حیوانات کے گوشت ،پوست اور ان کی دیگر چیزوں کی ضرورت کے لئے وہ انسان کی حقیقی ضرورت ہے اور تفریحی شکار بہر صورت حرام ہے؛کیونکہ حقیقی ضرورت کے بغیر حیوانات کی جان سے کھلواڑ کرنا مسلم طور سے ظلم ہے جیسا کہ (قرآن کریم نے اس طرح کے شکار کو آزمائش اور ابتلاء کہا کہ اس سے کھلواڑ کرنا کلی طور پر حرام ہےاور حرم یا احرا م میں بھی شکار کرنا مطلقا حرام ہےکہ اگر یہاں پر شکار ہو گیا تو اس کا کھانا بھی حرام ہوجاتا ہے ۔

مسئلہ ۷۸۴۔ ہاں احرام کی حالت میں حلال بھی حرام ہے ،کیونکہ احرام کے وقت تم خود ہی حق تعالی کا شکار ہوگئے ہو پس اس کی مخلوقات کا کیسے شکار کروگے؟ دریائی حیوانات کے شکار کے علاوہ۔

مسئلہ۷۸۵۔ شکار یا اسلحہ سے ہے یا ہر درندہ شکاری حیوان کے ذریعہ (جواہر میں شکاری حیوان کے کتا ہونے کی شرط کو زیادہ مشہور کہا ہے اور اس کے مقابلہ میں مشہور ہے جس میں شرط نہیں ہے اور مشہور فقہا میں سے ایک ابو علی ہیں ۔اس سلسلہ میں روایات ضد و نقیض ہیں اور جو چیز آیہ "الجوارح" کے موافق ہے وہ قابل قبول ہے کہ یہی مشہور قول ہے۔)

شکار کرنے کا اوزار تیز ہوناچاہیئے خواہ لوہے کا ہو یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کا خواہ عام حالت میں تیز کاٹنے والا ہو خواہ حیوان سے شدید ٹکراؤ کی وجہ سے ہو اگر چہ گولیوں اور اس کے مانند ہو کہ شکار کرنے میں اصل اوزار کا تیز کاٹنے والا ہونا ہے۔ خواہ اس طرح خواہ اس طرح اور اسلحہ و اوزار جتنا تیز دھار ہوگا اتنا ہی بہتر ہے ؛کیوں کہ اس کی وجہ سے حیوان کو کم سے کم تکلیف ہوگی ۔اس وقت آٹومیٹیک طریقہ سے کاٹنے کا کام لیا جاتا ہے(عام طور سے کاٹنے کے علاوہ) اگر آٹومیٹیک اوزار سے انجام پائے تو ذبح اور نحر میں وہی کافی ہے جیسے لیزر کا آپریشن ۔اس بنیاد پر شکاری حیوان کا شکار لیزر کے عام امکان کی صورت میں ،معمولی شکار کے ساتھ صحیح نہیں ہے ۔مگر یہ کہ حالی یا مالی عسر وحرج کا سامنا ہو۔

مسئلہ ۴۸٦ حیوان سے شکار کرنے کی شرط یہ ہے کہ درندہ شکاری حیوان تعلیم یافتہ ہو کہ اوزار کی طرح اپنے معلم کے ہاتھ میں شکار کا کام تمام کردے ،خواہ شکاری کتا ہو یا باز یا عقاب یا کوئی بھی شکاری اور غیر شکاری پرندہ کہ وہ زمین کا ہو یا ہوا کا یا دریا کا ،کیونکہ کلی طور پر "الجوارح" کو شامل ہیں کہ اس کا استغراق سارے درندہ حیوانات کو شامل ہے البتہ "مکلبین" کی شرط کے ساتھ کہ اس کی درندگی انسانی تعلیم یافتہ ہو ۔(جیسا کہ ابو علی عمانی نے اس کا فتوی دیا ہے ،حاشیہ)۔۲،۲۰۷

اور یہ شرط ہے کہ شکار روانہ کرتے وقت یا کم از کم شکار کرتے وقت خداوند عالم کا نام لے اور یہ خدا کا نام لینا تمام شکاروں اور حیوانات کو ذبح کرنے میں دریائی حیوانات کے علاوہ اس کی حلیت کی اساسی شرط ہے۔

مسئلہ ۴۸۷۔ "مکلبین" کہ اس کی اصل کَلَب اور درندگی ہے نہ کَلب سے کہ کتا کے معنی میں ہے اور یہ کَلَب خود صیاد اور شکاری کے لئے ایک حالت اور صفت ہے اور نہ شکاری کے شکار کرنے کا وسیلہ کہ کتّے میں منحصر ہو اس معنی میں کے "الجوارح" روانہ کرتے وقت اپنے درندوں کو پہلے سے انسان کی طرح اسے درندگی کرنے اور قتل کرنے کی تعلیم دی ہو کہ یہ خود انسانی اور حیوانی درندگی کا درمیانی کام ہے ۔اس کی حیوانیت درندگی ،مار ڈالنا اور استعمال کرنا ہے اور اس کا انسانی پہلو شرعی طور سے مارنا ہے ۔اور یہ حیوان کے امکانی صورت میں صرف شکاری کو شکار حوالہ کرنے کے لئے ہے ضروری مارنے کے علاوہ (نہ اس کا گلا گھونٹنا) اور ضرورت کے بقدر معمولی کھانا وہ شکار کہ دو درندگی کے درمیان ہے شکاری کے لئے شکاری حیوان کے بارے میں انسانوں کو "مکلبین" کا کردار ادا کرتا ہے۔

مسئلہ۴۸۸۔ حرام گوشت حیوانات نجس العین کے علاوہ (جیسے کتّا اور سؤر) شکار کرنے اور شرعی طریقہ سے ذبح کرنے سے پاک ہوجاتے ہیں اگر چہ ان کا گوشت (کھانا) حرام ہے لیکن جن کاموں میں پاک ہونا شرط ہے ان میں اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے نماز ،احرام اور کفن کے علاوہ۔

مسئلہ۴۸۹۔ مردہ شکار کے حلال ہونے کی شرط یہ ہےکہ اس تک پہونچنے کے وقت مردہ ہو کہ اگر ابھی بھی زندہ ہے تو (امکان کی صورت میں) شرعی حکم کے مطابق ذبح کیا جانا چاہیئے یا باقی بچی جان اس کے ذریعہ نکلے۔

مسئلہ۴۹۰شکاری حیوان کے ذریعہ قتل کئے جانے والے شکار کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ یا اس میں سے کچھ نہ کھا ئے اوراگر کھائے تو بقدر ضرورت

اور حاجت کھائے۔آخر کار یہ معلوم ہو کہ اس نے اپنے مالک کے لئے شکار کیا ہے نہ اپنے لئے اور نہ ہی اس کے درمیان کوئی شرکت ہو کہ اگر اس میں سے کچھ مقدار میں کھالے اور عرف میں وہ شکار خود اس کے لئے سمجھا جا ئے یا بطور سہم اس کے اور اس کے مالک کے درمیان شرکت سمجھی جائے تو ایسا شکار حلال نہیں ہے۔لیکن اگر اتنا کم مقدار میں کھائے کہ شکار کے سلسلہ میں تبعیت اور نیابت کے عنوان سے ہو تو منافات نہیں رکھتا اورحلال ہے۔

مسئلہ ۷۹۱۔جو شخص شکاری جانور کو شکار کے لئے روانہ کر رہا ہے اسے خداوند عالم کا عقیدہ رکھنا چاہیئے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان اگر دو یا چند افراد شرکت میں شکاری حیوان کو شکار کرنے کے لئے روانہ کریں تو ان میں سےکوئی ایک شکار کے شرائط رکھتا ہو اور انجام دے تو کافی ہے اور نتیجتاً یہ شکار شرائط کے ساتھ حلال ہے۔

مسئلہ ۷۹۲۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ حیوان شکار کے اوزار یا شکاری حیوان کے ذریعہ مرا ہے یا کسی دوسرے وسیلہ سے جیسے پانی میں گلا گھوٹنے یا بلندی سے نیچے کی طرف پھینکنے وغیرہ سے تو ایسے موارد میں کہ اس کا مرنا معلوم نہ ہو کہ اس کا مرنا صرف شکار کے ذریعہ تھا یا نہیں تو وہ حلال نہیں ہے؛کیونکہ آیہ کریمہ "*إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ*" انسان کے حیوان کو مارنے میں یقین کو شرط جانتی ہے۔

مسئلہ۷۹۳۔ اگر شکار کئے ہوئے حیوان کے پاس اس وقت پہونچے کہ شکاری حیوان کے زخم لگانے کی وجہ سے یا اسلحہ کی ضرب سے مرا ہو تو وہ شکار بھی حلال ہے لیکن اگر دم گھٹنے اور شکار کے اوزار کے علاوہ سے مرا ہو تو حلال نہیں ہے ،لیکن اگر ایسے وقت پہونچے کہ حیوان ابھی زندہ ہے تو اگر ممکن ہو تو اس کا سر تن سے جدا کرے اور اگر ممکن نہ ہو یا وقت کافی نہ ہو یا پھر کاٹنے کا کوئی وسیلہ نہ ہو تو دونوں صورتوں میں حلال ہے جز اس صورت کے کہ توانائی اور اس کے مارنے کا عدم امکان شرعی ذبح میں سستی اور کوتاہی کی وجہ سے ہے۔

مچھلی کا شکار

مسئلہ ۷۹۴۔ مچھلی کا شکار کرنے میں اتنا ہی کافی ہے کہ اسے پانی سے زندہ باہر لایا جائےیا خو د ہی باہر آجائے اور پانی کے باہر جان نکلی ہو لیکن مچھلی میں فلس کا ہونا شرط نہیں ہے ؛کیونکہ آیات "لحما طریاً" اور احل لکم صید البحر" مطلق ہے اور اس سلسلہ میں روایات آیات کی مانند مطلق ہونے سے یا فلس نہ ہونے کی

وجہ سے حرمت کی ان دونوں آیتوں کی طرف رجوع کرنے سے اس کے مطلق کی تائید ہوجاتی ہے(چنانچہ مستند نراقی میں مچھلی کا فلس دار ہونا مشہور کی بنا پر علما کے درمیان مشہور ہے اور ایک گروہ اس کو شرط نہیں جانتا جیسے شیخ طوسی کتاب تہذیب ،نہایہ اور استبصار میں اور محقق اپنی بعض کتابوں میں اور کتاب کفایہ میں اس کی بعض علما کی طرف نسبت دی گئی ہے جیسا کہ شہید ثانی نے مسالک میں اور محقق اردبیلی نے صحیح اخبار سے استناد کر کے فتویٰ دیا ہے اور فیض کاشانی بھی فلس دار ہونے کو شرط نہیں جانتے (۲:۱۸۴) اور فلس دار ہونے پر دلالت کرنے والی ہمارے پاس کوئی روایت نہیں ہے بلکہ دوسرے گروہ کی روایات فلس کے بغیر ایک اصل کی نفی کر رہی ہیں لیکن اس میں مشکوک کا حکم حلیت ہے (مرحوم آقا خمینی نے اس قسم کی روایات کے مطابق اس کے مورد میں حلیت کا فتویٰ دیا ہے ۔)

مسئلہ۷۹۵۔ چونکہ مچھلی کا حلال ہونا صرف اور صرف اس کا پانی سے زندہ باہر آنا ہے لہٰذا پانی کے باہر اس کا مرجانا یا مارنا اس کی شرط نہیں ہے کہ اگر اسے زندہ نگل جاؤ جیسے ٹی بی کے معالجہ کے لئے چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کا نگلنا یا اسے زندہ پکاؤ یا تلو تو اس اعتبار سے حرام نہیں ہے اگر چہ حیوان کو اذیت کرنا عقلا ایک برا کام اور شرعاً حرام ہے لیکن اس کا نگلنا کسی اعتبار سے حرام نہیں ہے۔اگر چہ مچھلی خارجی صدمہ کی وجہ سے "نہ بیماری یا مریض ہونے یا زہر وغیرہ کی وجہ جیسے داخلی صدمہ" کی وجہ سے پانی کے اندر مر جائے تو دو دلیل سے حلال ہے (جیسا کہ آقا خوئی ،آقا گلپائگانی اور آقا منتظری اس مچھلی کو جو جال میں یا مچھلی پکڑنے کے کسی وسیلہ سے مرجائے تو وہ حلال ہے) سب سے پہلے آیات کے اطلاق کہ دریائی گوشت کے داخلی صدمہ کی وجہ سے مرگیا ہے حرام ہے۔ اس کے بعد حدیث " مات فیما حیاتہ " چونکہ حیات بخش ماحول میں مری ہوئی (مچھلی) حرام ہے اس معنی میں کہ اس کی موت پانی میں ہوئی ہے جو اس کی حیات کا موجب ہے؛اس کی کوئی اندرونی علت ہوگی ،اس اصل اور قانون کی روشنی میں وہ مچھلیاں جو پانی کے بم یا شکار کے دیگر اوزار سے پانی میں مرجائیں تو وہ حلال ہیں اور صرف وہ مچھلیاں حرام ہیں جو بیماری یا زہر وغیرہ سے مرجائیں کہ اگر پانی سے باہر بھی ہوں تو بھی حرام ہیں۔

مسئلہ۷۹۶۔ جھینگا مچھلی کا حکم مچھلی کی طرح ہے کہ دریائی حلال گوشت حیوان ہے اور ٹڈی خواہ دریائی ہو یا ہوائی حلال ہے کہ اگر کسی وسیلہ سے پکڑی جائے تو یہ بھی مچھلی کی طرح حلال ہوگی ،لیکن وہ ٹڈی جو ابھی پرواز نہیں کرسکتی وہ سنت قطعی کی روشنی میں حرام ہے۔

مسئلہ ۷۹۷۔اگر مچھلی خود بخود پانی سے باہر آجائے یا کوئی غیر انسانی سبب اسے پانی سے باہر پھینک دے اور پانی کے باہر مرجائے تو کیا اس صورت میں بھی حلال ہے ؟کیونکہ مچھلی کا شکار کرنے والی روایات مچھلی کے انسان کے توسط باہر آنے کا ذکر کر رہی ہیں اور اسی بنیاد پر بعض فقہا نے فتویٰ دیا ہے کہ اس صورت میں حلال نہیں ہے اور دوسری طرف مچھلی کے شکار سے متعلق آیت میں بطور مطلق ارشاد ہوتا ہے :(أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ) (سورہ مائدہ آیت ۹٦) اور چونکہ شکار کرنا دونوں ہی معنی میں شکار کرنا اور فراری اور مورد صید حیوان کے معنی میں ہوگا،بنابر این دوسرا معنی کہ تمام دریائی حلال گوشت حیوان کو شامل ہے اور مورد بحث مچھلی کو بھی شامل ہے اس اصل کی روشنی میں آیہ کے سہارے ظاہراً جو مچھلی پانی سے زندہ باہر آگئی ہو اور دریا کے موج کے توسط کے قہری صیاد شمار ہوتا ہے شکار ہوئی ہو تو بہر حال پانی سے باہر مری ہے وہ انسان کے ذریعہ شکار شدہ مچھلی کی طرح حلال ہے ۔

مسئلہ ۷۹۸۔اگر بعض شکار شدہ مچھلیاں شکار کی جال میں مارنے والے زہر وغیرہ سے مر گئی ہوں تو صرف اس مقدار میں کہ تمام مردوں پر مشتمل نہ ہوں ،حلال ہیں،جز ان مردہ مچھلیوں کے جو شکار کی چوٹ یا کسی اور چوٹ وٹکر کی وجہ سے مرگئی ہوں جیسے یہ کہ پانی میں کوئی بم پھٹ جائے اور بم پھٹنے کی وجہ سے کچھ مچھلیاں مرجائیں تو یہ سب بھی حلال ہیں ؛ کیونکہ خارجی سبب کے بغیر صرف پانی میں مرنا حرمت کا باعث ہے اور بس۔ان مچھلیوں کے علاوہ جو اس قسم کے بم پھٹنے کی وجہ سے زہریلی اور نقصان دہ ہوں۔

حیوانات کو ذبح کرنے کے احکام

مسئلہ۷۹۹حلا ل گوشت حیوانات کے ذبح کرنے کے کچھ شرائط ہیں :اول خداوند سبحان کا نام لینا، دوسرے قبلہ رو رکھنا اور گلہ کے نیچے گردن کی چاروں رگوں کا کاٹنا خواہ گلہ کے نچلے ابھار سے ہو خواہ کسی دوسری سمت سے۔

مسئلہ۸۰۰۔ ان چاروں رگوں کو کاٹنے میں کوئی مخصوص شکل شرط نہیں ہے خواہ گلہ کے اگلے حصّہ سے ہو یا پس گردن سے (علامہ نراقی نے مستند میں کہا ہے کہ پس گردن سے ذبح کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے ؛کیونکہ اس کی حرمت پر ہمارے پاس کوئی معتبر دلیل نہیں ہے) یا داہنے اور بائیں پہلو سے گلا کاٹا جائے یہ سب صحیح ہے کہ " **انما الذبح فی الحلقوم** " ذبح صرف حلقوم میں ہے لیکن حلقوم میں کہاں سے؟ کسی مخصوص جانب کو مشخص اور معین نہیں کیا ہے اور

اس انحصار سے مراد حلقوم کے علاوہ سے تمام ذبیحہ کا انکار ہے اور " إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" نے حیوان کی جان نکلنے کو بطور مطلق بیان کیا ہے اور سنت قطعیہ کے ذریعہ مسلم الثبوت قید گلہ کا کاٹنا ہے اور بس ۔

مسئلہ۸۰۱۔ ان چاروں رگوں کو کاٹنے میں یہ شرط نہیں ہے کہ ایک شخص یا ایک جگہ سے کاٹے بلکہ اگر چند افراد مشترکہ طور پر ان چار لوگوں کو کاٹیں تو کافی ہے کہ خدا کے نام کہ ساتھ قبلہ رخ چار رگوں کا کاٹنا کافی ہے اور کچھ نہیں ۔لیکن حیوان کی آسانی کے ساتھ جان نکلنے کے لئے کہ کم سے کم اذیت برداشت کریں اور ذبح کا بہترین طریقہ یہی رائج اور موسوم طریقہ ہے کہ اس میں رحم اور انصاف کی رعایت مد نظر رکھی گئی ہے۔

مسئلہ۸۰۲۔ حیوان کو ذبح کرنے والا کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے (جیسا کہ شیخ صدوقؒ (۲۵۸:۱) اور اسی طرح شہید ثانی نے شرح لمعہ میں اور صاحب ریاض بھی مسلمان ہونے کو شرط نہیں جانتے اور اس سلسلہ میں روایات بھی مختلف ہیں اور قرآن کی موافق روایات (کہ مسلمان نہ ہونے کی شرط ہے) قابل قبول ہے۔)

بلکہ اسی حد تک کہ موحد ہو اور ہم جان لیں کہ اس نے ان شرائط کو انجام دیا ہے ،کافی ہےبنابر یں یہودی اور نصرانی کا ذبیحہ چہ جائیکہ گمراہ مسلمان کا ذبیحہ ہو ذبح کے شرائط کے ساتھ انجام دینے سے ان کا ذبیحہ حلال ہے،اور(وَ ما لَكُمْ أَلاَّ تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ) (سورہ انعام آیت ۱۱۹) کہ "جس پر خدا کا نام لیا گیا ہے اسے وہ کیوں نہیں کھاتے" مشرکوں کے بارے میں سرزنش ہے کہ اس گوشت کو نہیں کھاتے نیزمسلمان بھی جن حیوانات پر خدا کا غیر مسلم نے نام لیا ہے ،اس کا ذبیحہ کھانے سے اجتناب کرتے ہیں اور سورہ مائدہ کی آیت (وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ) (سورہ مائدہ آیت ۵) اہل کتاب کا کھانا اور ان کی غذا تمہارے لئے حلال ہے۔اہل کتاب کی ساری حلال غذاؤں کو ہمارے لئے حلال کیا ہے کہ ان میں سے حلال گوشت حیوانات ہیں ،مگر اس صورت میں ان حیوانات کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہ لیا ہو کہ(**ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق**) (سورہ انعام آیت ۱۲۱) کے حکم سے کہ جس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا ہے اسے نہ کھاؤ کہ یقیناً یہ "فسق" ہے کہ خدا کا نام نہ لینا بھی اور اس چیز کا کھانا بھی جس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا ہے،دونوں ہی فسق ہے اور جب عمداً قبلہ رو ذبح نہ کیا ہو اور متعلقہ رگوں کو خواہ عمداً خواہ سہوا کاٹا نہ ہو،حرام ہے۔

اس بنا پر اہل کتاب کا ذبیحہ بطور مطلق حرام نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ذبح کے شرائط کی رعایت نہیں کرتے حرام اور مردار ہے۔اور چالیس سے زیادہ روایات میں اس جملہ (انما هو الاسم و لا يمن عليه الا مسلم) کی تکرار ہوئی ہے ،اہم یہاں پر صرف اور صرف خدا کا نام لینا ہے اور یہاں پر مسلمان کے سوا کوئی مورد اطمینان نہیں ہے کہ اگر کافر ہمارے سامنے شرعی طریقہ سے ذبح کرے (یا اس کا ذبح کرنا کسی طرح سے شرعی ثابت ہوجائے۔) تو یہ عدم اطمینان بھی برطرف ہوجائے گا اور کوئی اشکال نہیں ہے۔

مسئلہ۸۰۳۔ خدا کا نام لینے میں صرف نیت اور خطور کرنا کافی نہیں ہے بلکہ خدا کے ناموں میں سے کسی ایک نام کو خواہ کسی زبان میں ہو ذکر کرے کہ "اللّٰہ"یا اس سے تفصیل کے ساتھ " **ذکر اسم الله**" کی روشنی میں "بسم الله" ذکر کرنا ہے ۔اور اگر تلفظ کرنا ممکن نہ ہو تو اشارہ کافی ہے اور شرط ہے کہ خدا کا نام لینا اندرونی یاد کا کاشف ہو لہٰذا اس اصل اور قانون کی روشنی میں جو خدا کا منکر ہے اگر سو بار بھی خدا کی یاد کرے تو کافی نہیں ہے لیکن مشرک تو فطرتاً خدا کو قبول کرتا ہے کہ خداؤں کا خدا ہے (چہ جائیکہ اہل کتاب) یہ لوگ اگر خدا کا نام لیں اور شرائط کے ساتھ تو یہ کافی ہے۔

مسئلہ۸۰٤۔ اگر حلال گوشت جانور چند افراد کی شرکت سے ذبح کیا جائے کہ ان میں سے ایک قبلہ رو کرے دوسرا خدا کا نام لے تیسرا چاروں رگوں کو کاٹے جبکہ حیوان کو ذبح کرنے والے خدا کا عقیدہ رکھتے ہوں تو ظاہراً کافی ہے ؛کیونکہ غرض (اگر چہ چند افراد کی شرکت سے) انجام پا گئی ہے اور مجموعی طور پر ذبح کے شرائط بھی ثابت ہوئے ہیں۔

مسئلہ۸۰۵۔ حیوان کو ذبح کرنے میں کافی ہے تتمہ زندگی باقی ہو کہ " **إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ**" بھی اصولی طور پر اسی سلسلہ میں ہے کہ اگر کسی حیوان کو شرعی وسیلہ کے علاوہ سے زخمی کرے یا کسی وسیلہ سے مرنے کے قریب اس تک پہونچے اور باقی ماندہ جان کو شرعی وسیلہ سے تمام کریں تو یہ خود تذکیہ ہے اور آیہ تذکیہ کا مورد ہے ،کیونکہ" **إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ**" مارنے والے اسباب کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ اگر آپ کے شرعی طریقہ سے ذبح کرنے سے باقی ماندہ جان نکل جائے تو حلال ہے اور اس کے زندہ ہونے کی علامت بھی یہ ہے کہ آنکھ کھولے اور بند کرے یا سانس لے یا پیر کو حرکت دے ۔اور اگر اس طرح نہ کرے جبکہ آپ نے باقی بچی جان لی ہے تو یہ خود تذکیہ ہے جو حیوان کے مرنے کے قریب پہونچے کے معنی میں ہے ہے

آخر کار اگر اُ کے کرنے سے باقی بچی جان نکلی ہے تو یہ خود تذکیہ ہے لیکن اگر آپ کا مارنا کوئی اضافی اثر نہ رکھتا ہو اور تذکیہ بھی جان نکالنا ہے وہ بھی نہ ہوا تو اس کا گوشت حرام ہے ۔اور" **ذَكَّيْتُمْ**" میں " **تُمْ**" اگر چہ مسلمانوں سے خطاب ہے لیکن حیوان کو مسلمان کے ذبح کرنے کی خصوصیات کا کشف نہیں کرتی؛ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کا ذبیحہ ان تمام مسلمانوں کے لئے جنہوں نے اس حیوان کو ذبح نہیں کیا ہے ،حلال ہے ؛ کیونکہ اکثریت مطلق ہیں دوسرے یہ مسلمان ہے اور اسلام کی روشنی میں اس کا ذبح کرنا بھی اسلامی ہے اور اگر " **ذَكَّيْتُمْ**" کی جگہ پر "**ذُكّی**" ہوتا تو پھر اسلامی شرائط بھی درکار نہ ہوتے اس بنا پر ہم " **ذَكَّيْتُمْ**" میں" **تُمْ**" سے کہ مسلمانوں سےخطاب ہے ،صرف اسلامی ذبح کے شرائط کا استفادہ کرتے ہیں نہ ذبح کرنے والے مسلمان کا کہ اگر ایک عیسائی یا الحادی دین کے علاوہ کا ماننے والا کسی حیوان کو قبلہ رخ صحیح بسم اللہ کے ساتھ ذبح کرے تو یہ حیوان حلال ہے اور اس کی حرمت پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

مسئلہ٨٠٦۔ حیوان کی مشہور چار رگوں میں سے بعض شرعی طریقہ کے علاوہ پر کاٹی گی یا کٹ جائے اور حیوان ابھی زندہ ہے تو باقی رگوں کا تذکیہ کے لئے کاٹنا کافی ہے ،بلکہ یہ خود ہی تذکیہ ہے۔

مسئلہ٨٠٧۔ حیوان کا سر تیز کاٹنے والے اوزار سے کاٹنا چاہیئے کہ اگر کاٹنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور شدید ضربت سے پورا سر کٹ جائے تو ظاہراً یہ کام حرام ہے ،کیونکہ حیوان کی اذیت اور ازار کا باعث ہے لیکن اگر قبلہ رو رکھنے اور بسم اللہ کہنے کے دیگر شرائط کی رعایت کی گئی ہو تو اس کا گوشت حلال ہے۔

مسئلہ٨٠٨۔ قبلہ رو ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حیوان کا سر اور گلا حصہ قبلہ رو ہو خواہ لیٹا کر یا کسی دوسری حالت کہ کھڑا ہویا داہنے یا بائیں پہلو یا بلکل کھڑا کر کے یا کسی بھی دوسرے طریقہ سے کیونکہ قبلہ حیوان کو ذبح اور کچھ نہیں ۔ رو ہونا شرط ہے ا

مسئلہ٨٠٩ ۔قبلہ رو کرنااورخداکا نام لینا حیوان کے ذبح کرنے کی نیت سےہوکہ اس کےعلاوہ صورت میں ً کافی نہیں ہے اور ان دو شرطوں کے فراموش کردینے کی صورت میں یا ان دونوں شرطوں میں سے کسی ایک

شرط کے فراموش کردینے کی صورت میں اگر چاروں رگ کٹ جائے تو حلال ہے لیکن ضرورت کی صورت میں ہر ممکن طریقہ سے ذبح کرنا کافی ہے۔

مسئلہ۸۱۰۔ اس بات کی ایک علامت کہ حیوان کی موت آپ کے فعل کا نتیجہ ہے یہ ہے کہ کافی مقدار میں خون اس کے جسم سے باہر نکل جائے اور اس صورت میں حیوان کے جسم میں باقی ماندہ خون پاک بھی ہے اور حلال بھی" أَوْ دَماً مَّسْفُوحاً" نے صرف باہر نکلے ہوئے خون کو حرام جانا ہے اور بس، نہ حیوان کے مطلق خون کو۔ دیگر آیات میں بھی کہ اس کے بعد نازل ہوئی ہیں"الدم" کہ اسنےظاہراً سارے خون کو حرام کردیا ہے،اس کا الف و لام عہد ذکری کا ہے اور اسی "دَماً مَّسْفُوحاً" کی طرف اشارہ ہے کیونکہ "لا اجد" نہیں پاتا ہوں صرف حیوان کے باہر نکلے ہوئےخون کو جو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے کو حرام کیا ہے ۔"ما وجدتُ" نہیں ہےکہ صرف آیت کے نزول تک گذشتہ حکم کو بیان کر رہی ہے بلکہ"لا اجد" ماضی کے علاوہ حال اور استقبال کو شامل ہے ،پھر اس وقت نسخ قطعی دلیل کا محتاج ہے اور الف و لام کا شائستہ اشارہ کلمہ "الدم" میں الف و لام "دَماً مَّسْفُوحاً" کی طرف شائستہ اشارہ ہے جو اس نسخ کو (کم از کم) قاطعیت سے دور کردیتا ہے۔

مسئلہ۸۱۱۔ اونٹ کو ذبح کرنے میں شرط ہے کہ تیز دھار چاقو سے اونٹ کے گلہ پر سوراخ کریں جو اصطلاح میں نَحر کہلاتا ہے کہ اگر اس کے بدلے چار رگوں کو کاٹیں تو کافی نہیں ہے چنانچہ اگر دیگر حلال گوشت جانور کو اونٹ کی طرح ذبح کریں تو کافی نہیں ہے ،لیکن اگر ہر ایک میں اس کے بر عکس عمل کیا جائے تو جب تک حیوان زندہ ہے اس وقت ذبح کرنے کا مخصوص فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے اور نتیجتاً تذکیہ ہے اور حلال ہوجاتا ہے۔

مسئلہ۸۱۲۔ اگر کوئی پالتو جانور سرکش ہوجائے یا کنویں یا کسی دوسری جگہ گر جائے اور اس کے سر کاٹنے کا امکان نہ ہو تو اے کسی بھی کاٹنے کے اوزار سے ذبح کیا جاسکتا ہے اور وہ حلال ہے کہ اس میں اللہ کے نام لینے کے علاوہ تمام شرائط ساقط ہیں اور اس صورت میں شکار کا حکم اس پر نافذ ہے۔

مسئلہ۸۱۳۔ اگر حیوان کا کوئی بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ماں کو ذبح کرنے یا اسے شکار کرنے کی وجہ سے مرجائے اور اس کی تخلیق کامل ہو چکی ہو تو وہ حلال ہے اور اس کے علاوہ صورت میں حلال نہیں ہے۔

مسئلہ۸۱۴۔گوشت اور حیوان کے کھائے جانے والے تمام اجزا اگر مسلمانوں کے بازار سے خریدے جائیں تو سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ سوال کئے بغیر ہی وہ طاہر اور حلال ہے اور اگر کفار اور مسلمانوں کے درمیان مشترک بازار ہو اور آپ نے ایک مجہول الحال (یعنی جس کے مسلمان یا کافر ہونے کے بارے میں معلوم نہ ہو) سے کوئی چیزخریدی ہے تو اس پر طہارت اور حلیت کا حکم جاری نہیں ہوگا ۔لیکن اگر آپ نے مسلمان سے خریدا ہو خواہ مشترک بازار ہو یا غیر مسلم کا بازار ہو تو یہاں پر طہارت اور حلیت کا حکم جاری ہوگا ،ہاں اگر آپ کو یہ معلوم ہو کہ یہ گوشت پہلے کافر کے ہاتھ میں تھا اور یہ مسلمان لا ابالی اور لا پرواہ ہے جو حلال و حرام کی تحقیق کرنے کا پابند نہیں ہے ۔

حلال گوشت حیوانات

(خواہ پرند ہو ں یا چرند)

مسئلہ۸۱۵۔ تمام پالتو اور جنگلی جانور جو درندہ نہیں ہیں وہ حلال گوشت ہیں اور سارے درندہ حیوانات خواہ پالتوں ہوں یا جنگلی حرام گوشت ہیں ۔درندہ حیوان اس حیوان کو کہتے ہیں جس کے (چیر پھاڑ کرنے والے) دانت اور پنجے ہوں جو درندگی کا وسیلہ ہے ،اس قانون کی روشنی میں خرگوش کا گوشت حلال ہے ؛کیونکہ وہ درندہ نہیں ہے اور اس کی حرمت اور حلیت کے بارے میں دو متعارض روایت اس کی حرمت کے سلسلہ میں کوئی نقش نہیں رکھتیں؛کیونکہ حلیت والی روایت غیر درندہ حیوانات کی حلیت والے قانون کے ساتھ چوپایوں کے حلال ہونے کے سلسلہ میں قرآن کے عمومات اور اطلاقات کے ساتھ موافق ہیں یا کم از کم معارضہ اور ٹکراؤ کی صورت میں دونوں ہی درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا حرام ہونا ثابت نہیں ہے ،بلکہ دونوں ہی صورت میں "انعام یعنی چوپائے" کے حلال ہونے کے اعتبار سے حلال ہے اس کے علاوہ کہ خرگوش گھاس کھانے والا جانور بھی ہے کہ نہ درندہ ہے اور نہ ہی گوشت خور اور اسی قانون کی روشنی میں ابابیل اور ہُد ہُد اور ان کے مانند ان پرندوں کا گوشت حلال ہے جو درندہ نہیں ہیں،لیکن باز اور عقاب حرام گوشت ہیں اور کوّے کے بارے میں روایات متعارض ہیں اور بعض حلال گوشت حیوانات جیسے

بعض مرغوں کی درندگی انہیں "انعام" ہونے سے خارج نہیں کرتی اور اس وقت"انعام"(چوپائے) کے مقابلے میں انسان ہیں جو انسان کو زخم لگاتے ہیں یا بہت چھوٹے درندہ حیوانات جیسے چھوٹے مرغ وغیرہ انعام سے خارج نہیں ہیں ؛بہر صورت "انعام" کا صادق آنا (اگر چہ قوی احتمال کی بنا پر) کافی ہے کہ انسان کے لئے ایک نعمت ہے اگر چہ کبھی کبھی انسان پر زخم بھی وارد ہوتا ہے ۔یا مرغ کی طرح کہ جو کبھی کبھی اپنے مالک پر بھی حملہ کردیتا ہے اسے ستائیں یا گائے کہ کبھی اپنی سینگھ اور لات سے انسان کی حالت خراب کردیتی ہے اور قوی اور مضبوط بھیڑ بکری وغیرہ۔

مسئلہ٨١٦۔حلال گوشت حیوانات کی جو چیزیں حرام ہیں صرف ذبح کرنے کے بعد بہایا ہوا خون یا کسی وسیلہ سے بہایا گیا خون اور حیوان کے پلید اجزا ہیں (جیسے تلّی محرمات میں شمار کی گئی ہے اور بعض فقہا کے نظریہ کے مطابق جیسے اسکافی نےاسے مرجوح جاناہے اور مثانہ کے بارے میں جو پیشاب کی جگہ ہے(پیشاب کی تھیلی) اور نخاع(ریڑھ کی ہڈی کی سفیدی ہے) اور غدود اور کڑواہٹ کہ صفرا کی جگہ ہے اور بچہ دانی اشہر القول کی بنا پر حرام ہے اور دوسرے ان کو حلال جانتے ہیں نیز حیوان کے آلہ تناسل اور حرام مغز جو ریڑھ کی ہڈیوں کے دونوں طرف ہوتے ہیں اور حیوان کی ناک کے اندر کے مواد اور آنکھ کا ڈھیلا کے بعض نے اسے حرام اور بعض نے حلال جانا ہے جیسا کہ نراقی نے اسے مستند میں ذکر کیا ہے)

کیونکہ متعلقہ آیت میں صرف یہی باہر نکلا ہوا خون حرام کیا گیا ہے کہ یہی انحصاری حرام حلال گوشت حیوان کا جز ہے اور خبائث بھی کہ دیگر آیتوں میں حرام ہیں اور یہ غیر حیوانی خبائث سے مخصوص نہیں ہے یہاں پر خون کے ضمیمہ کے ساتھ حرام ہوجائیں گے ،اور بات کے متعلقہ آیت خود حرام گوشت حیوانات جیسے اصل میں سئور اور فرع میں حلال گوشت جانور کا مردار کے بارے میں ہے اور حلال گوشت جانوروں کے اجزا کے بارے میں نہیں ہے اور یہ "دَماً مَّسْفُوحاً" کے بر خلاف ہے جو حیوان کے اجزا میں سے ہے اور اس اساس پر "لا اجد" اس حیوان کے اجزا میں سے خون کی انحصاری حرمت میں نص ہے اور خبائث کی حرمت بھی متعلقہ آیات کے مطابق ثابت ہے ۔اس اصل اور قانون کی بنا پر حلال گوشت حیوانات کے انڈے (خواہ پرندے ہو ں یا چرندے) اور وہ تمام اجزا جو حرام شمار کئے گئے ہیں،حلال ہیں (١۵ قسم کے حرام اجزا کے بارے میں مرحوم آقا خمینی جیسے فقیہ کے فتویٰ کے مطابق ان میں سے بعض کی حرمت کا حکم احتیاط کے

باب سے ہے ۔آقا منتظری فرماتے ہیں: آنکھ کے ڈھیلے اور حیوان کے کھر کے درمیان پائے جانے والے مواد کی حرمت احتیاط واجب کی بنا پر ہے۔ مرحوم آقا گلپائگانی اور مرحوم آقا خوئی ظاہر یہ ہے کہ پرندوں میں خون ،پائخانہ،تخم دان،تلّی اور پچھلے حصہ کے سوا کچھ اور حرام نہیں ہے) ان موارد میں سے ناپاکی جیسے پائخانہ صرف حرام ہے اور حیوان کا پائخانہ ان کے اجزا میں سے نہیں ہے کہ "دَماً مَّسْفُوحاً" سے یاد کیا جائے ،اور انڈے اور ناک کے اندر کی غلاظت کہ علماء حضرات کے فتوی کے مطابق حرام ہے،بھی حلال ہے اور پاک حیوان کی جلد بھی صرف اس کے شرعی عدم تذکیہ کے علم کی صورت میں نجس ہے اور اگر جانتے ہو کہ حلال گوشت جانور کی کھال ہے لیکن اس کا تذکیہ معلوم نہیں ہے تو یہاں پر بھی پاک ہے اور اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے ؛کیونکہ نماز میں اپنے ساتھ حیوان کے تذکیہ نشدہ اجزا کا رکھنا حرام ہے نہ مشکوک کہ یہاں پر علمی اصطلاح میں طہارت کا اس کے ذبح کرنے سے پہلے استصحاب ہوجائے گا اور آخر کار چونکہ اس کا تذکیہ نہ ہونا مشکوک ہے استصحاب کے بغیر بھی عدم تذکیہ کا حکم نہیں لگایا جائے گا ۔لیکن اس کے گوشت کے سلسلہ میں اس کے بر عکس اس کا تذکیہ یقینی ہونا چاہیئے کہ " إِلاَّ مَا ذَكَّيْتُمْ" لیکن اس کی کھال کے بارے میں اس کا مردار ہونا معلوم ہونا چاہیئے ۔

مسئلہ۸۱۷ذبح کرنے کے بعد حیوان کا مکمل طور پر مرنا شرط نہیں ہے ۔کہ اس کا اسی حالت میں مصرف کیا جاسکتا ہے(چنانچہ نراقی نے شیخ طوسی کی خلاف سے اور علامہ حلی ،راوندی،فاضلان ،شہید ثانی سے مسالک میں اور صاحب کفایۃ اور متاخرین کے دیگر گروہ سے نقل کیا ہے بلکہ آخر کے دو افراد اور مفاتیح کے شارح نے اس کی اکثر فقہا کی طرف نسبت دی ہے اور شیخ طوسی کی خلاف سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے) اگر چہ ٹکڑے ٹکڑے کرنا یا کاٹنا وغیرہ ظلم اور حرام ہے۔

تمام حرام اشیائے خور و نوش

مسئلہ۸۱۸۔ وہ تمام چیزیں جن سے انسانی مزاج اور طبیعت نفرت کرتی ہے("الخبائث"کے ذیل میں) حرام ہیں اور انسانی طبیعت اور مزاج کا معیار انسان اولیہ کی طبیعت ہے کہ اِن سے اور اُن سے اثر قبول کرنے اور گمراہ ہوئے بغیر کچھ چیزوں سے نفرت کرتی اور بیزار ہوتی ہے ۔نہ وہ چیزیں جسے بعض دوست رکھتے ہیں اور دوسرے بعض لوگ اُسے ناپسند کرتے ہیں جیسے پنیر،زیتون اور چھینگا مچھلی اور ان کے مانند اور نہ ہی وہ انسان

معیار ہیں جو انسانی طبیعت سے کلی طور پر دور ہوگئے ہیں کہ حیوان یا حیوان سے بھی زیادہ پست ہوگئے ہیں کہ ان کے دانتوں کے نیچے جو کچھ بھی جائے کھالیتے ہیں اور ہر سیّال چیز جو ان کے حلق تک جائے اُسے پی لیتے ہیں یہاں تک کہ کاکروچ اور اس جیسی چیزوں بلکہ کتے اور سئور کا گوشت کھانے سے بھی اجتناب نہیں کرتے ۔اور ان کے مقابلے میں بعض تنگ نظر مومن انسان ہیں جو مشہور فتویٰ کے لحاظ سے خبیث یا حرام شمار کرتے ہیں یا محلی اور قومی عرف ان میں اثر انداز ہے اور نخاع جیسی چیز جسے اصطلاح میں حرام مغز کہتے ہیں یا نہ دھویا ہوا گوشت اور جگر اور ذبح شدہ حیوانات کے اندر باقی بچا خون اور حلال گوشت حیوانات کے بیضوں و--- کے کھانے سے اجتناب کرتے ہیں لیکن قرآن کریم نے خبائث کو حرام کیا ہے نہ جو خبیث چیز وں کا کھانا نہیں؛ کیونکہ یہ سب چیزیں خبیث نہیں ہیں اور دو قرآنی استثنا سے خارج ہیں ،حلال ہیں،یہاں پر حیوانات کے پیشاب کی تکلیف بخوبی واضح ہوجائے گی اور چونکہ حیوانات کا پیشاب قطعی خبائث سے ہے ۔محرمات قطعیہ میں سے بھی ہے اور اگر ہم بعض روایات میں اونٹ کے پیشاب میں جو استثناً ملاحظہ کرتے ہیں تو ہم عرض کریں گے یہ روایت بعض امراض کے علاج اور مداوا اور ضرورت کے وقت صادر ہوئی ہے نہ کلی طور پر ؛کیونکہ پیشاب ،پیشاب ہے اور خبیث،خبیث ہے لیکن ضرورت کے وقت اور اہم اور مہم کے دوران مسلم طور پر "اہم "کو ترجیح دی جائے گی فقط اس صورت میں ہے کہ حیوان کا پیشاب پینا روایت کے صحیح ہونے کی صورت میں صرف بقدر ضرورت جائز ہے ورنہ نہیں بلکہ جو انسان ہر قسم کی گندی چیزوں کو کھاتے اور پیتے ہیں وہ بھی حیوان کا پیشاب پینے سے پرہیز کرتے ہیں۔

خبائث اور گندگی شرع اور عرف دونوں لحاظ سے یا صرف شریعت یا صرف عرف کے لحاظ سے ناپاک اور نجس ہیں کہ پہلی صورت میں مسلم طور پر حرام ہیں ۔اس کے بعد اس کی دوسری صورت سئور کے گوشت کے مانند ہے کہ یقیناً حرام ہے ،اس کے بعد تیسری صورت اگر چہ صرف عرف کی نظر میں ناپاک ہے لیکن شریعت کے لحاظ سے حلال ہے ،جیسے ذبح کرنے کے بعد حلال گوشت جانور کے اندر باقی بچا خون ہے۔

مسئلہ۸۱۹۔ہر وہ چیز جو انسان کی صحت کے لئے نقصان دہ ہے یا پھر اس کا نقصان اس کے فائدہ سے زیادہ ہے آیہ کریمہ " **إثمهما أكبر من نفعهما**" کی روشنی میں کہ جو شراب اور جوا کے بارے میں ہے ،حرام ہے اور یہ خود

ایک کلی اور عمومی قانون ہے کہ جس کا نقصان اس کے فائدہ سے زیادہ ہوگا وہ حرام ہے بالخصوص اس صورت میں کہ عقل کے لئے بھی نقصان دہ ہو جیسے شرا ب اور اس کے مانند اور مٹی کھانا بہر صورت اس کے خبیث اور ناپاک ہونے کی وجہ سے خصوصاً نقصان دہ بھی ہے ،حرام ہے۔لیکن امام حسین ؑ کی قبر کی تھوڑی مٹی جوشفااور تبرک کے لئے استعمال ہوتی ہے، حرام نہیں ہے ،بلکہ بہت ساری فضیلت کی حامل بھی ہے لیکن دیگر مٹیاں جو بے ضرربھی ہوں اور کھانے کے لئے خبائث اور ناپاک نہ ہوں جیسے مشہور پھول خصوصا گل ارمنی کا علاج کے لئے کھاناحرام نہیں ہے۔

مسئلہ ۸۲۰۔ سیگریٹ کی تمام اقسام کا دھواں اور تریاق ،ہیروئین،بھانگ ،حقہ و غیرہ وغیرہ دو جہت یعنی آغاز کرنے اور اس کا سلسلہ جاری رکھنےدونوں جہت سے حرام ،کیونکہ یہ سب فضول خرچی کے نمونے ہیں اور آیہ کریمہ (إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ) (سورہ اسرا آیت ۲۷) تمام فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں " بالخصوص مست کرنے والے دھوئیں کہ ان کی حرمت اس سے زیادہ ہے آپ پیسہ دے کر دھوئیں کے مواد کی ایک قسم کو خریدتے اور استعمال کرتے ہیں تو آپ (نے کم از کم) دو اسراف کیا ہے اول اس پیسہ کو پھینکنا اور اسے ضائع کرنا ہے کہ مالی اسراف ہے اور دوسرا اسراف، اپنی طبیعت، اپنے مزاج اور اپنے جسم کو نقصان پہونچانا ہے کہ حالت اور صحت کا اسراف ہے۔اس قانون اور اصل کی روشنی میں دھوئیں والی اور انواع و اقسام منشیات اور تمباکو نوشی شیطان کی دو جانبہ برادری ہے اور اگر یہ مفت بھی ملے تو بھی اسراف قبول کرنے اور نقصان دہ ہونے کی بنا پر حرام ہیں بالخصوص اس کا مست کرنے والا تمباکو کہ اس سےحرمت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اسراف بھی کے ضرورت سے زیادہ مصرف کرنا ہے(قرآن کریم) کی نص کے مطابق حرام ہے ،لیکن تبذیر کہ دور پھینک دینا ہے ، حرمت شدیدکی حامل ہے کہ اس آیت میں شیطان کی برادری کی طرح ظاہر ہوا ہے اور جہاں پر نہ فائدہ ہوا اور نہ نقصان تو اس کی حرمت ایک پہلو کی حامل ہے اور اس وقت تو نقصان دہ بھی ہے لہٰذا اس کی حرمت بھی دو جانبہ ہے۔

مسئلہ۸۲۱۔ دھویں والے نقصان دہ مواد اگر سامراج کی ایک مدد بھی ہو جیسے امریکہ اور اسرائیل وغیرہ وغیرہ کی بنی سگریٹ تو اس کی تیسری حرمت بھی ہے -

کہ خود ایک سیاسی حرمت ہے اور کبھی کبھی دیگر محرمات سے بھی بدتر ہوگی اور اس مورد میں چوتھی حرمت بھی حاصل ہوجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسروں کی اذیت کا سبب ہو کہ یہاں پر کوئی حلال کام بھی اگر دوسروں کی اذیت کا موجب

ہو تو حرام ہو جاتا ہے جیسے اذیت پہونچانے والا کا چیخنا اور چلانا چہ جائیکہ ایسا حرام کام جو اذیت رساں بھی ہو جیسے یہ کہ کسی مجمع میں سگریٹ پیئے کہ ان لوگوں کی ناراضگی اور اذیت کا سبب ہو ۔

مسئلہ۸۲۲۔محرمات کا کھانا اور پینا ہی صرف حرام نہیں ہے بلکہ حرام کام کرنے والوں یا حرام کھانے اور پینے والوں کے ساتھ ایک دسترخوان اور ایک بزم میں بیٹھنا بھی حرام ہے مگر یہ کہ یہ بیٹھنا نہی از منکر کے عنوان سے ہو اور قرآن سے اس کی دلیل سورہ انعام کی آیت (وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ) (سورہ انعام آیت ٦٨) اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری نشانیوں کے بارے میں غور و خوض کررہے ہیں (کہ یا ان کی تکذیب کریں یا لوگوں کو شک و تردید میں ڈال دیں) تو ان سے دوری اختیار کرو تا کہ دوسری باتوں میں غور و خوض کریں اور اگر شیطان تمھیں بھلا دے تو ہوش میں آنے کے بعد کبھی ظالم گروہ کے ساتھ نہ بیٹھنا۔اور یہاں پر اسی آیہ کریمہ کے ذیل مین تمام ظلموں کی ہمنشینی کو حرام قرار دیا ہے ۔اگر چہ اس کے آغاز میں بدترین ظالموں کی بات کی ہے ۔اس اصل اور قانون کی روشنی میں (چہ جائیکہ ایک دسترخوان ہو) تمام ستمگروں کی ہمنشینی حرام ہے مگر یہ کہ نہی از منکر یا منکر سے بھی بدتر اور نازیبا اور اس کے مانند وغیرہ سے روکنا ہو۔

مسئلہ۸۲۳۔صرف شراب پینا ہی حرام نہیں ہے بلکہ جو چیز بھی انسان کو مست کردے خواہ کھانے کی ہو یا پینے کی حرام ہے ۔مثال کے طور پر اگر کافی مقدار میں انگور کا کھانا اور سالن دار گوشت جیسی نرم اور چرب غذا وغیرہ کا استعمال اس کے بعد سورج کی روشنی اور گرمی میں سونا تمھیں مست کردے گا تو اس طرح کا کام بھی حرام ہے ۔کیونکہ مستی اختیاری صورت میں چاہے جس وسیلہ سے ہو شراب خوری کی طرح حرام ہے۔

مسئلہ۸۲٤۔کھانے،پینے،پہننے،رہائش،شادی بیاہ اور اس کے مانند میں بھی اسراف کرنا حرام ہے کہ چند آیات کی روشنی میں اسراف کی ساری قسمیں شریعت مقدسہ الہی میں حرام اور ممنوع ہیں چہ جائیکہ تبذیر کہ مال اور حال دونوں کو ضائع کرنا اور دور پھنکنا ہے۔

مسئلہ ۸۲۵: انگور اور کھجور کا پانی کہ ثلث نہ ہوا ہو(اگر مست کرنے والا نہ ہو) تو حلال اور پاک ہے۔[240] کیونکہ آیہ کریمہ (وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ)[241]
غیر مسکر کو کلی طور پر '' رزقاحسناً'' کے عنوان سے یاد کیا ہے جو انگور اور کھجور کے تمام محصولات کو شامل ہے۔
ہاں، '' تتخذون'' کا تذکرہ کیا ہے کہ مجموعی طور پر ان دونوں کے علاوہ مسکرات کو حلال اور نیک جانا ہے۔ اور ذیل کی آیت '' انّ فی ذلک لایۃً لقوم یعقلون'' نے ان دونوں حکموں کو عقل مندوں کے لئے اللہ کی نشانی جانا ہے کہ نشہ لانے والی چیز کی حرمت '' مسکراً'' اور ''رزقاً حسناً'' کی حلیت شارع مقد س کے علاوہ عقل کا تقاضا بھی ہے۔
کیا کہا جا سکتا ہے کہ اچھا رزق نجس یا حرام ہے؟ جبکہ '' تتخذون'' کھجور اور انگور کے تمام محصولات کو شامل ہے کہ ان میں سے بعض '' مسکر'' مستی آور ہے اور ان میں سے باقی '' رقاً حسناً'' ہے اور بس اس قانون کی بنیاد پر اس کی حرمت پر فقہاء کی شہرت یا کچھ ان لوگوں کی جو اس کی نجاست کے بھی قائل ہیں لیکن افسوس کہ دونوں ہی گروہ نے '' قرآن کریم'' کی نص کے خلاف فتوی دیا ہے اور جن روایات نے بھی ۳/ انگور کے رس کو۱ شیطان کے لئے اور ۲/۳ دوسروں کے لئے معین کیا ہے یا ۲ / ثلث ہونے سے پہلے نشہ آور یا خود ان شیطانی روایات سے ہے جوقرآن کے مخالف ہے ،اس وقت اگر مکلفین کے ۱/۲ حرام ہے تو پھر کیوں شیطان کے لئے معین ہوا کہ تمام مکلفین کی طرح وہ بھی مکلف ہے ۔
مسئلہ ۸۲۶:اگر کوئی بھوکا یا پیاسا اضطرار کی حالت میں ہے اور آپ کے پاس ضررت سے زیادہ کھانا اور پانی ہے تو ان تمام کھانوں اور پانیوں کا آپ کے لئے اسراف اور تبذیر کے بغیر بھی استعمال حرام ہے۔
مسئلہ ۸۲۷: لوگوں کے اموال میں ان کی رضایت کے بغیر کھانا اور تصرف کرنا حرام ہے اور ان کی حقیقی رضایت سے حلال ہو جائے گا ، جز ان موارد کہ جن کا بعد میں ذکر آئے گا اور ان میں اجازت بھی ضروری نہیں ہے۔
مسئلہ ۸۲۸: اپنے گھر سے کھانا اور پینا (کہ خود تمہارا ، تمہاری بیوی اور تمہارے بچہ کا گھر ہے اسی طرح ماں اور باپ ، بھائی ، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں

---

[۲۴۰] ۔جیسا کہ نراقی، نے مستند میں محقق، علامہ، شہید اوّل ، شہید ثانی، فخر المحققین، سیوری اور اکثر تر متأخرین نے نقل کیا ہے اور معاصرین میں سے جو اسے پاک جانتے ہیں مرحوم آقا حکیم، خمینی، شریعت مداری، گلپائیگانی اور میلانی ہیں اور مرحوم سید ابو الحسن اصفہانی، خمینی اور اراکی کے فتوی کے مطابق کھجور اور اس کا پانی ۲/۳ ہونے سے پہلے حلال بھی ہے اور آقائے خمینی نےکشمش اور اس کے پانی کو بھی اس صورت میں حلال جانتے ہیں اور مرحوم سید ابوالحسن اصفہانی کے فتوی کے مطابق اگر کھجور کا پانی آگ یا سورج کی گرمی سے جوش کرنے لگےتو حلال ہے اور اسی طر ح ہے جوش دی ہوئی کشمش اور مفید کی مقنعہ اور سلار کی مراسم اور سید مرتضی کی ساری کتابوں ، عمانی، ابن جنید، اور کاشانی کا ظاہری بھی اس کی حلیت ہے، بلکہ یہ فتوی فقہاء کے درمیان مشہور ہے ، جیسا کہ محقق اردبیلی، شیرازی اور صمیری نے تصریح کی ہے اور شہید ثانی نے بھی اجماع کا دعوی کیا ہے کہ انگور اور کھجور ک ۲/۳ ہونے سے پہلے پانی حرام جانتے ہیں۔
[۲۴۱] ۔ سورہ نحل، آیت ٦٧.

اور خالہ ، نیز ان گھروں سے معمول کےمطابق کھانا اور پینا جو تمہارے اختیار میں ہیں اور اپنے خاص دوستوں کے گھر سے) حلال ہے اور ان کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگ بھی (ضرورت کے علاوہ) تمہیں اس سے روکنے کا حق نہیں رکھتے جیسا کہ (سورہ نور) کی ۶۱/ ویں آیت میں ذکر ہوا ہے۔

مسئلہ ۸۲۹: تم کو دوسروں کے گھروں کی چیزیں استعمال کرنے کا حق نہیں ہے مگر یہ کہ تم ان کے مہمان ہو یا تمہیں ان کی اجازت حاصل ہو

مسئلہ ۸۳۰: جن تکلفات کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ تمہارے استعمال کو ہرگز حلال نہیں کر سکتیں اور مطمئن ہونا چاہئے کہ یہ حقیقت کے لحاظ سے ہے۔

مسئلہ ۸۳۱: ’’ حق المارہ‘‘ (گزرنے والے) کا حق یعنی کسی کے باغ یا کھیتی کے قریب سے گذرنے والااس سے کوئی چیز کھانے یا اٹھانے کا حق رکھتا ہے کہ بعض حضرات نے فتوی دیا ہے کہ حلال ہے کہ اسی آیہ شریفہ کی نص سے جس نے حلال استعمالات کے موارد کو ذکر کیا ہے، حرام ہوگا کیوں کہ ان درختوں کےمیووں سے کہ تمہارے راستے میں پڑتے ہیں کہ ، کسی بھی دلیل سے کھاؤ گے تو حرام ہے۔(242)

نذر اور عہد قسم کے احکام

مسئلہ ۸۳۲: جتنے بھی مستحب امور ہیں ان کو شرعی سہ گانہ قرار داد ، ان کے انجام دینے کو واجب کردیتی ہیں ، جو چیزیں مرجوح ہیں، ان کےترک کرنے کو حرام کر دیتی ہیں ، کیونکہ ان تینوں قرارداد کا مورد شریعت کی نظر میں برتری رکھتا ہو کہ اس میں سے برتر کا انجام دینا مستحب اور برتر کا ترک کرنا مرجوح ہے اور اگر نذر یا عہد و قسم کا مورد کوئی واجب فعل ہو یا اس کا ترک کرنا حرام فعل ہو تو یہ واجب واجب تر اور وہ حرام ، حرام تر ہو جاتا ہے۔

نذر

مسئلہ ۸۳۳: شریعت الہی میں کوئی نذر درست نہیں ہے مگر یہ کہ خدا اور اس کی رضا کے لئے ہو کہ کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کو اپنے ذمہ لے اور اسے کسی واضح لفظ اور نیت کے ساتھ کسی بھی زبان اور حالت میں عاقلانہ ہونا چاہئے مثال کے طور پر فارسی میں کہے ’’ مجھ پر خدا کے لئے ایسا کرنا واجب ہے یا فلاں مقدار میں رقم خدا کی مرضی میں لگاؤں گا‘‘ خواہ اس قرار داد میں کوئی شرط بھی کرے جیسے اگر خدا نے مجھے صحت اور شفا دے دی یا بدون شرط بھی کر سکتا ہے۔

---

[۲۴۲] ۔ جیسا کہ سید مرتضی علامہ حلی،قدما میں سے محقق ثانی اور متاخرین میں سے علامہ کاشف الغطا،شیخ انصاری ،میرزا محمد تقی شیرازی، سید محمد حسن شیرازی ، طباطبائی، یزدی، سید اسماعیل صدر اور معاصرین میں سے سید ابو الحسن اصفہانی جیسےعلماء کےگروہ نے فرمایا ہے۔

مسئلہ ۸۳۴: چنانچہ جس سے نذر متعلق ہو وہ شریعت کی نظر میں برتری رکھتی ہو اور نذر کرنے والا عقلمند ہو، بیوقوف اور ہلکے دماغ کا نہ ہو ورنہ ایسی صورت میں اس کی نذر باطل ہے ، مگر یہ کہ کم عقلی اور ہلکے دماغ کا ہونے کے باوجود اس کی نذر عاقلانہ ہو، چنانچہ اگر کسی عاقل انسان کی نذر بھی احمقانہ اور غیر عاقلانہ ہو تو باطل ہے۔

مسئلہ ۸۳۵: مورد نذر کا ممکن ہونا ضروری ہے کہ اگر دانستہ یا نا دانستہ طور پر کوئی نذر کر لے کہ عقلا یا عرفاً یا شرعاً اس کی توانائی سے خارج ہو تو ایسی نذر باطل ہے۔

مثال کے طور پر اگر نذر کرےکہ امسال عرفہ کے دن کربلامیں ہوگا جبکہ اسے معلوم ہو کہ امسال اس پرحج واجب ہے اور اسے مکہ معظمہ جانا چاہئے یا نادانستہ طور پر ایسی نذر کرے اور بعد میں معلوم ہو کہ اس پر امسال حج واجب ہے بہر صورت اس کی نذر باطل ہے ، یا نذر کرے کہ فلاں دن پیغمبر یا آئمہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک امام کی زیارت کو جائے گا اور بعد میں معلوم ہو کہ اس دن رمضان ہے اور اس دن روزہ رکھنا چاہئے لیکن اگر اس کے باوجود سفر کرتا ہے تو یہ سفر عسر کی وجہ سے اس کے روزہ کو حرام کر دے گا اور یہ نذر بھی باطل ہے ، کیونکہ کوئی بھی کام یا سفر جو ماہ رمضان (تمام واجب اور معین روزوں میں روزہ کو باطل کردیتا ہے وہ کلی طور پر حرام ہے جز ضرورت اور اضطراری صورت کے۔

مسئلہ ۸۳۶: نذر (جیسا کہ گزر چکا) صرف کسی چیز کو واجب یا حرام کرنے والی ہے کہ شریعت کی نظر میں اس کا کرنا اور نہ کرنا برتر ہے اور خود کبھی رجحان دینے کا حق نہیں رکھتا ، بنابرایں میقات سے پہلے احرام کی نذر کرنا باطل ہے ، کیونکہ میقات سے پہلے احرام باندھنا نہ صرف یہ کہ رجحان نہیں رکھتا بلکہ بدعت اور حرام بھی ہے اور بدعت کو نذر کے ذریعہ سنت میں کس طرح داخل کیا جاسکتاہے ؟

مسئلہ ۸۳۷: اگر کوئی شوہر دار عورت یہ نذر کرے کہ وہ شوہر کے حق میں مزاحمت نہیں کرے گی تو ایسے مورد میں شوہر کی اجازت کبھی شرط نہیں ہے۔[243] اور شوہر بھی اگر نذر کرے اور عورت کے حق سے مزاحم ہو تو حرام اور باطل ہے۔

---

[۲۴۳] ۔مرحوم آقا ئے خوئی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے اور آقا منتظری اس کی حرمت کو محل اشکال جانتےہیں اور ان فقہاء کا مستند جو شوہر کی اجازت یا اس کے انکار نہ کرنے کو مطلقاً شرط جانتےمیں ایک خبر ہے جس میں ذکر ہوا ہے ''لیس للمراۃ مع زوجھا امرٌ فی عتق ولا صدقہ ولا تدبیر و لاھبۃ ولا نذر فی مالھا الا باذن زوجھا او برّ والدیھا اور صلۃ قرابتھا'' عورت کو اپنے مال میں آزاد کرنے ، صدقہ دینے ، نہ غلام اورکنیز آزاد کرنے نہ بخشش، نہ نذر کرنے میں شوہر سے کوئی سروکار نہیں ہے جز حج کرنے یا زکوۃ دینے ،والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور صلہ رحم کرنے میں شوہر کی اجازت شرط ہے۔ اور اس حدیث نے عورت کے صرف مالی تصرفات کو اس کے شوہر کی اجازت پر موکول کیا ہے نہ ہر رقم کے تصرف کو کہ نماز اور روزہ کی نذر کی طرح ہو اور اس وقت اس قسم کے مالی امور میں بھی شاید مقصود یہ ہو کہ شوہر مصلحت اندیشی کے عنوان سے عورت کے مالی تصرفات کو محدود کرسکتا ہے ،لیکن اگر عورت مصلھت کے مطابق اس قسم کے مالی تصرفات کو انجام دے کر کبھی مالی امور میں شوہر سے بھی زیادہ

مگر یہ کہ عورت مشروع اجازت دے دے اور کلی طور پر جو نذر بھی کسی حق کو ضائع کرے ، حرام اور باطل ہے نہ شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کی مطلق نذر (جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا ہے)۔

مسئلہ ۸۳۸: اگر کسی صاحب حق کی اجازت سے نذر کی جائے اور نذر کے ذریعہ اس کا حق ضائع ہوتا ہو اور نذر کرنے والا اپنی نذر پوری کرے تو صاحب حق اجازت دینے کے بعد اس نذر کو باطل نہیں کر سکتا ، مگر یہ کہ خود یہ اجازت احمقانہ،صاحب حق کی مصلحت کے خلاف یا شریعت کے خلاف ہو تو اس کی نذر ابتدا سے ہی باطل تھی۔

مسئلہ ۸۳۹: نذر کے صحیح ہونے کے لئے والدین کی اجازت شرط نہیں ہے مگر یہ کہ کسی نذر سے متعلق ان کا حق ضائع ہوتا ہو، یا پھر اپنی اولاد کے بارے میں جو مصلحت مد نظر رکھتے ہیں (اور ان کی خطا پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے) اس نذر کرنے سے (وہ مصلحت) ضائع ہو جائے یا ان کی ناراضگی کا سبب ہو ، مگر یہ کہ ان کی نارضگی خیالی رہی ہو اور اس پر کوئی شرعی دلیل نہ رکھتے ہوں ، کیونکہ اصولی طور پر باپ کی ولایت، مصلحت اندیشی کی بنیاد پر ہے۔ نہ ظلم و جور، خود پسندی، اور بیہودہ خیالات پر کیونکہ ولایت مجموعی طور پر حق کی جستجو میں ہے نہ خود پسندی اور نفس پرستی میں

مسئلہ ۸۴۰: جس نذر کو شرعی بنیاد پر انجام دینا چاہئے تو اس کا تمام قرار دادی خصوصیات کے ساتھ انجام دینا واجب ہے مثال کے طور پر اگر کسی نے نذر کی کہ فلاں دن روزہ رکھے گا تو اس دن مشقت یا سفر کرنے یا روزہ کے منافی کوئی کام کرنے یا اسے ترک کرنے کاحق نہیں رکھتا جز ضرورت کے وقت، اور اگر اس کا یہ سفر ضروری تھا اور روزہ کے لئے نقصان دہ ہو تو یہاں پر اس کا روزہ حرام ہے اور اس کی قضا بھی نہیں ہے اور اگر یہ روزہ طاقت فرسا بھی ہو تو بھی روزہ رکھنا واجب ہے کیونکہ کسی شرعی کام کے کرنے کی نذر صرف نقصان دہ ہونے کی صورت میں باطل ہے ، نہ بغیر نقصان کے صرف طاقت فرسا ہونےکی وجہ

مسئلہ ۸۴۱: اگر کسی معین دن روزہ رکھنے کی نذر کرے اور بعد میں معلوم ہو کہ اس دن کسی وجہ سے اس کے لئے روزہ رکھنا حرام ہے کہ یا حیض ہے یا نفاس یا اس دن عید فطر یاعید قربان کا دن ہے یا پھر اس دن بیمار یا اس کے مانند ہے تو ان تمام موارد میں اس کا روزہ باطل ہے۔

مسئلہ ۸۴۲: اگر مورد نذر کا انجام دینا ایسا عمل ہو کہ پہلے سے انجام دیا جا چکا ہے یا اصلاً اس طرح کا عمل کسی وجہ سے رجحان ہی نہیں رکھتا ہو تو یہاں پر بھی اس کی نذر باطل ہے ، جیسے یہ نذر کرے کہ فلاں مسجد یا فلاں حرم یا فلاں

مصلحت اندیش ہے تو یہاں پر شوہر کی اجازت کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ کبھی بھی ایسے شوہر کے مالی تصرفات اس طرح کی عورت کی صواب دید کے مطابق ہونے چاہیئں۔

مدرسہ کے لئے ایک فرش خریدے گا جبکہ اس کی نذر کا فرش پہلے سے خود اس نے یا دوسروں نے خرید لیا ہے اور اس کے علاوہ یہ بے موقع اور اسراف و تبذیر ہے، مگر یہ کہ اس طرح کے فرش کی مستقبل قریب میں اس جگہ کو ضرورت ہو، لیکن اگر دراز مدت اور برسوں میں اس طرح کے فرش کی ضرورت نہ ہو تو اس طرح کی نذر بے موقع تھی اور یہ خود ایک اسراف نذر کہلائے گی، بالخصوص جب دوسری جگہوں پر فی الفور اس طرح کے فرش کی ضرورت ہو۔

مسئلہ ۸۴۳: اگر متعلق نذر ایسا مال ہے کہ امام یا امامزادہ یا کسی شخص یا کسی مقدس مقام پر مصرف ہونا چاہئے تو یہ مال اس کی نذر کے مطابق اس جگہ پر خرچ کرنا چاہئے جہاں زیادہ ضرورت ہو اور اگر مزار سے متعلق کوئی ضرورت نہ ہو تو پھر اس مال کو زائرین اور اس جگہ کے فقیر اور محتاج خادموں پر خرچ کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس کی نذر کا متعلق مقدس جگہ کے حیوانات کے لئے گوشت ہو تو اس جگہ کے غرباء پر اس کا مصرف ہونا چاہئے اور ان حیوانات کے لئے اس کی ہڈیاں کافی ہیں۔

مسئلہ ۸۴۴: اگر کوئی مالی یا نماز و روزہ جیسی عبادت یا صدقہ کی نذر کرے ، لیکن اس کی مقدار معین نہ کرے تو اگر وہ مال، امکان اور توانائی کی مناسبت سے کمترین مقدار سے اپنی نذر پوری کرے تو کافی ہے۔

مسئلہ ۸۴۵: اگر اس کی نذر کا متعلق وہ چیزیں ہوں کہ خود نذر کرنے والے کے اختیار میں ہوں، خواہ اس شخص کا اختیار ہو خواہ وہ اختیار ہو جو وہ دوسروں کے بارے میں رکھتا ہے، صحیح ہے، بنابراین اگر نذر کرے کہ اگر خدا نے اس کو لڑکی عطا کی تو وہ اس کی کسی معین شخص سے ازدواج کرے گا تو یہاں پر اس نذر پر عمل کرنا لڑکی کی اجازت سے واجب ہے کہ اس نے خود بھی موافقت کی ہے اور شرعی وجہ کے بغیر مخالفت نہ کرے اور اس (لڑکی) کی رضایت کے بغیر معین شخص سے اس کی شادی کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں اگر کر سکے تو مصلحت کی صورت میں اس شادی پر اپنی لڑکی کو راضی کرنا واجب ہے کہ اس کی رضایت کی صورت میں اس طرح کی نذر صحیح ہے، کیونکہ اس کے اختیار کا ایک کام ہے اگرچہ دوسروں کی خواہش یا دیگر مناسب مقدمات سے ہو، مگر یہ کہ یہ خواہش اور مقدمات نقصان دہ ہوں، یا اس کے لئے ذلت و رسوائی کا باعث ہوں۔ کہ یہ سب اس کی توانائی سے باہر ہے اور ایسی صورت میں وہ نذر بھی باطل ہے اگر اس کے مد نظر اصل میں کوئی حرج نہ ہو، لیکن نذر کرنے والا خود کو زحمت اور حرج میں مبتلا کرے تو یہ حرج والی نذر بھی اسی طرح ثابت ہے ؛کیونکہ حرج کے سلسلہ میں تکلیف کا واجب نہ ہونا صرف حکم شرعی کی اصل کے لحاظ سے ہے نہ اس حرج کے لحاظ سے جس کا خود مکلف سبب بنا ہے جیسے کسی نے اپنا واجب حج استطاعت کے باوجود عمداً ترک کر دیا ہو اس کے بعد استطاعت خواہ عمدی ہو یا غیر عمدی ختم ہو

جائے تو ایسی حالت میں حج بھی اس طرح اس کے ذمہ باقی ہے کہ عسر و نقصان کے علاوہ بہر صورت اسے انجام دے ، لیکن عسر اور نقصان دہ ہونے کی صورت میں اس پر اس طرح کا حج ہرگز واجب نہیں ہے، بلکہ حرام بھی ہے ۔ اگرچہ عسر اختیار ہی ہو کیوں کہ اس نے یہاں پر صرف گناہ کیا ہے اور قضا نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی نذر کا وقت معین تھا۔ اور اگر کسی نے اپنی بیٹی کی شادی کا یا کسی دوسرے کی بیٹی کی شادی کا اختیار جو اس کی سرپرستی میں ہے نذر کرنے والے کے ذمہ دے دے (اگر احمقانہ نہ ہو) تو صحیح ہے کیوں کہ وہ اسے کسی معین شخص کے حوالہ کرنے کی نذر کرے مثال کے طور پر اگر نذر کرے کہ خداوند متعال میری مراد پوری کر دے تو اس لڑکی کی صرف اس شخص سے شادی کروں گا جو عالم ہوگا تو اس صورت میں مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے اس لڑکی رضایت سے یہ نذر صحیح اور واجب الاجراء ہے اور اگر یہ دونوں (مصلحت اور موافقت) شرطیں یا ان میں سے کوئی نہ ہو تو ایسی نذر ابتدا سے ہی باطل ہے اور صحیح نذر کے بغیر عذر کے ترک کر دینے کی وجہ سے اسے کفارہ بھی دینا چاہئے۔

مسئلہ ۸۴۶: نذر ترک کرنے کا کفارہ وہی عمداً واجب روزہ ترک کرنے کا کفارہ ہے کہ (اپنی درمیانی غذا میں سے) ۶۰/ فقیر کو کھانا کھلائے، یا دو ماہ پئے در پئےروزہ رکھے یا کسی ایک غلام کو آزاد کرے۔

مسئلہ ۸۴۷: اگر نذر کرے کہ کبھی سگریٹ نہیں پئیے گا یا کبھی نماز شب ترک نہیں کرے گا تو ایسے موارد میں امکانی حد میں وہ مکلف ہے اور وہ اپنی نذر پر عمل کرے اور نا ممکن صورت کی نسبت اس کی نذر باطل ہے اور یہ بالکل مجموعاً ان کاموں کی نذر ہے کہ ان میں سے بعض رجحان رکھتے ہیں اور بعض رجحان نہیں رکھتے کہ ان میں سے بعض صحیح اور بعض باطل کہ اس کا صحیح مورد نافذ اور قابل عمل اور غیر صحیح مورد باطل ہے۔

عہد و قسم

وہ تمام فروعات اور شرائط جو ہم نے نذر میں بیان کی ہیں ، وہ ساری کی ساری عہد و قسم میں بھی جاری ہیں اور عہد کی خلاف ورزی کرنے کا کفارہ روزہ اور نذر کے کفارہ کی طرح ہے، لیکن قسم کا کفارہ درمیانی غذا ہے جو خود اور تمہارے اہل وعیال کھاتے ہیں ۱۰ فقیر کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے یا جو تم خود کھاتے ہو (اگر تنہا ہو) یا تمہارے خانوادگی لباس کی طرح ۱۰ فقیر کو لباس دینا ہے اس کے بعد غلام آزاد کرنا ہے اور جب ان دونوں پر قادر نہ ہو تو صرف ۳ دن روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیہ کریمہ (كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُواْ أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ)[244] کا کفارہ دس فقیر کو کھانا کھلانا ہے اس درمیانی غذا کی

[244] ۲۴۴۔سورہ مائدہ، آیہ ۸۹.

طرح جو تم خود اور تمہارے اہل و عیال کھاتے ہیں یا انہیں لباس دینا قید سے آزاد کرانا کوئی اور گرفتار خواہ غلامی کی قید ہو(کہ ماضی میں تھی) یا مقروض قیدی ہو یا شخص ہو کہ یہ بھی اسی سابق غلام کی طرح ہے پس جسے یہ سب میسر نہ آئے تو ۳ دن روزہ رکھے۔

مسئلہ ۸۴۹: چنانچہ نذر، نذر کرنے والے کی صلاحیت کے اندر ہو اور شرعی رجحان بھی رکھتی ہو تو اس کا معاملہ صر ف خدا سے ہے اور عہد وقسم کا بھی مورد اس کے سوا کچھ نہیں ہے اور قسم خداوند متعال کے مخصوص کسی ایک نام سے ہو یا اس کے قصد سے ہو کیوں کہ غیر اللہ کی قسم بھی عہد و نذر کی طرح ہر گز شرعی صورت نہیں رکھتی اور صحیح نہیں ہے جیسے قرآن کریم، پیغمبر (ص) اور آئمہ معصومین علیھم السلام کی قسم چہ جائیکہ کہ ان کے علاوہ کسی اور کی قسم کہ کوئی شرعی ذمہ داری نہیں رکھتی اور عہد و قسم بھی کبھی مشروط ہے کہ اگر ایسا ہو تو ایسا کروں گا اور کبھی غیر مشروط بھی ہے، بالآخر ہم نے نذر سے جو تمام احکام اور فروع متعلق بیان کی ہیں وہی ساری عہد و قسم کے لئے بھی ہیں کہ (کفارہ کے سوا) تینوں کی بنیاد ایک ہی ہے۔ جیسا کہ اس کی قرار داد کا مورد خدا ہے اور بس۔

وقف

مسئلہ ۸۵۰: وقف مالی پابندی لگانے اور اسے ادھر اُدھر مصرف کرنے سے روکنا ہے اصطلاح میں کسی ملکیت کو اس کے مالک کی ملکیت سے ان کے شرعی مصارف کے لئے جن کو مالک شرعی مصلحتوں کی بنیاد پر معین کرتا ہے ،مالک کی ملکیت سے خارج کرنا ہے اور اصولی طور پر مورد وقف مال کو دونوں قسم کے عمل دخل سے روکنا ہے ایک مالکانہ عمل دخل ہے کہ مالک شرعی معیار کے مطابق جس طرح چاہے اپنے مال میں تصرف کرے کہ یا فروخت کر دے گا یا کرایہ پر دے دے گا یہ ادھار اور ھبہ کے عنوان سے دے دے کہ وقف محقق اور ثابت ہونے کی صورت یہ سارے تصرفات ممنوع ہو جائیں گے اور دوسرے قسم کا عمل دخل ملک میں غیر مالکانہ تصرف کرنا ہے اور وقف کے سلسلہ میں کلی طور پر مالکانہ عمل دخل متوقف ہو گیا اور دوسرا عمل دخل کہ شرعی قرار داد کے مطابق کہ مالک نے وقف کی نیت کی ہے ، جاری ہو جائے گا۔

مسئلہ ۸۵۱: جس طرح معاملات کی قسموں میں کسی لفظ کی شرط نہیں ہے، وقف میں بھی ایسا ہی ہےکہ عملی طور پر کسی چیز کو وقف کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کوئی شخص مسجد میں فرش بچھا دے، وقتی یا عاریہ جیسی حالت کا اظہار کئے بغیر کہ اس میں صرف نیت ہی کافی ہے۔

مسئلہ ۸۵۲: چونکہ وقف صرف اور صرف واقف کی ملکیت میں ہے تو اس قانون اور اصل کے مطابق عمومی اموال جو کسی سے مخصوص نہیں ہو سکتے (مگر

مذکورہ شرائط کے ساتھ استفادہ کرنے کی اولویت کے لحاظ سے) لہذا وقف کرنے کے قابل نہیں ہے (بنابر ایں زمین،دریا،جنگل اور نہریں وغیرہ وغیرہ کہ اس کی اصل قابل وقف نہیں ہے اس میں کام کرنے یا رقم خرچ کرنے کی وجہ سے) جز اس سے استفادہ کرنا کہ اگر مورد وقف خصوصی استفادہ کے لئے نہ رہ جائے تو اس سے سارے فوائد حاصل کرنا اصل مورد وقف کی طرح دوسروں کے لئے آزاد ہو جائیں گے ، مگر یہ کہ اس کے ساتھ ہمارے استفادے وقف ہوگئے ہوں کہ سب سے پہلے مثال کے طور پر کسی زمین کے زندہ کرنے کے نتیجہ میں تمام استفادے، اس سے مخصوص ہوں گے اور جس طرح یہ زندہ کرنے والا شخص اپنے اس حق اولویت کو خود دوسروں کے حوالہ کر سکتا ہے اسی طرح ایک مبلغ کے مقابلہ میں اس وسیع فوائد کو اسلامی مصلحت کے لئے وقف بھی کر سکتا ہے کہ اپنے کو اس اختصاص سے خارج کر کے کسی خاص جہت یا عام المنفعت میں قرار دے۔

مسئلہ ۸۵۳: چونکہ (وقف ، نمار، روزہ اور حج کی طرح) رسمی عبادتوں میں سے نہیں ہے تو اس کی صحت میں رسمی قصد قربت بھی اس کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے اور صرف اس کی اصلی شرط یہ ہے کہ ذاتی یا اسلامی عمومی مصلحت کے ساتھ خدا کے لئے ہو (کہ یہ خود قربت الہی ہے) اگرچہ راہ خدا کے علاوہ میں صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۸۵۴: اگر مورد وقف کوئی شخص یا اشخاص ہوں تو ان کے رد کرنے کی صورت میں باطل اور اس کے علاوہ (خواہ قبول کریں یا قبول کرنے والا سکوت کریں جو رضایت کی علامت ہو) صحیح ہوگا۔

مسئلہ ۸۵۵: وہ تمام شرائط جو عقود اور ایقاعات میں ذکر کی گئی ہیں ، وہی وقف میں بھی شرط ہیں کہ منجملہ وقف کرنے والے کا سفیہ اور مجبور نہ ہونا ہے۔

مسئلہ ۸۵۶: جب وقف کا نتیجہ موجودہ مورد وقف ملکیت کا توقف ہے تو موقوف علیہ (جس پر وقف ہو ایک ہویا زیادہ) ان کا وقف کے وقت موجود ہونا لازم ہے بنابریں اگر کسی چیز کو کسی ایسے گروہ پر وقف کر دیں جو ابھی دنیا میں آیا ہی نہ ہو تو صحیح نہیں، مگر یہ کہ نسل در نسل پر وقف ہو اور کم سے کم اس نسل کا ایک سلسلہ وقف کے وقت موجود ہو اور اس صورت میں بھی کہ مورد وقف کسی صورت فعلی وجود نہیں رکھتا لیکن آئندہ موجود ہوگا تو یہ وقف اس معنی میں صحیح ہے کہ اس کے موجود ہوتے ہی یہ وقف اس سے متعلق ہے اور اس سے پہلے اپنے مالک کی ملکیت ہے، لیکن دوسروں تک منتقل کرنے کا حق نہیں رکھتا جیسا کہ دیگر اوقاف میں بھی آئندہ کے لئے ابھی سے وقف کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۸۵۷: اگر کچھ اموال کا وقف کرنا، ورثا کی مالی صورت حال کو خراب کردے تو ایسا وقف ہرگز صحیح اور قابل عمل نہیں ہے کیونکہ وقف کرنے میں ذاتی اور عمومی اسلامی مصلحت کی رعایت شرط ہے اور جس کے پاس وارث موجود ہو

وہ اپنے سارے یا اکثر اموال کو ان کی مصلحت اور ان کے استفادہ کے خلاف وقف نہیں کر سکتا جز ۱/۳ مال کے وہ بھی اس صورت میں کہ وارثوں یا بعض ورثاء کی نسبت نقصان دہ نہ ہو اور وقف علی الاولاد نسل در نسل بھی اس صورت میں صحیح ہے کہ پہلی نسل جو میراث کے پہلے طبقہ میں ہوگی اس وقف سے ان کی زندگی مشکل نہ پڑجائے؛ کیونکہ وقف میراث کی طرح ایک شرعی قرار داد ہے کہ جب تک پہلے طبقے کے لوگ موجود ہیں بعد والے طبقے کو میراث نہیں ملے گی اور اس ثلث ۱/۳ مال سے متعلق بھی ایسا ہی ہے مگر ۱/۳ مال میں بالا ترین مصلحت کی صورت میں ورنہ شریعت کے خلاف ہے اور شارع کبھی اس بات سے راضی نہیں ہے کہ شرعی قرار داد کے ذریعہ واقف خلاف شرع یا انصاف کا ارتکاب کرے، مثال کے طور پر ان کتوں کے لئے کچھ اموال وقف کرے جو فلاں بزرگ کی قبر کے اطراف میں رہتے ہیں جبکہ اس کی اولاد یا تمام لوگ یا اس اطراف میں زندگی گزارنے والے اجنبی افراد موت آور اور بے چارگی کی زندگی گزار رہے ہوں تو ایسا وقف صحیح نہیں ہے۔(کتوں ہی کی طرح ہے)

بالآخر وقف بھی نذر، عہد، قسم، اور وصیت کی طرح دقیق شرعی حساب و کتاب سے ہونا چاہئے یا پھر شریعت کے جاننے والوں کے زیر نظر ہو، تاکہ وہ اموال جو مسلمانوں کی زندگی بنانے اور ان کی مصلحت کے لئے ہیں احمقانہ اور خود سرانہ ضائع نہ ہو جائیں اور اس سے بالاتر راہ کے ہوتے ہو اس سے کمترین راہوں میں اس کا مصرف نہ ہو اور جس طرح براہ راست مالی معاہدے جیسے عورت کا مہر اور اہل و عیال، والدین اور اولاد کا نان و نفقہ شرعی معیار کے مطابق ہونا چاہئے کہ اسراف اور تبذیر سے دور ہو نیز مصلحت سے خالی ہر قسم کے معاملہ سے دور ہو اسی طرح وہ اموال جو بالواسطہ وصیت، وقف ، نذر، عہد و قسم جیسے الزام سے ان کے مالکوں کی طرف سے معین ہو اسے بھی الاہم فالاہم کی بنیاد پر معین ہونا چاہئے ، جیسا کہ سورہ نساء کی آیہ کریمہ (وَلاَ تُؤْتُواْ السُّفَهَاء أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّهُ لَكُمْ قِيَاماً وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا)[245] میں ذکر ہوا ہے، تم اپنے اموال کو جو خدا نے تمہارے قیام کی خاطر(اور تمہاری زندگی کی اصلاح کے لئے) قرار دیا ہے انہیں ، احمقوں ، تنگ نظروں اور ہلکے دماغ والوں کے حوالہ نہ کرو ‘‘۔ اور ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ احمقوں کے اموال کو ’’ اموالکم‘‘ تمہارے اموال سے یاد فرمایا ہے کہ اصولی طور پر اس قانون کی منظر کشی کر رہا ہے کہ تمام خصوصی اموال دو خصوصی اور عمومی پہلو کے حامل ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے اموال کو عموم کی مصلحت کے خلاف یا ان کے نقصان میں مصرف کرے تو اس سے اسے روکنا چاہئے؛ کیونکہ یہ خود ایک احمقانہ عمل ہے ، یہ خصوصی اموال کا حکم ہے چہ

[245] ۔ سورہ نساء، آیہ ۵.

جائیکہ عمومی اموال کہ امکان اور توانائی کی صورت میں ان اموال کو عموم کی دسترس اور ان کی مناسب ضرورتوں اور سرگرمیوں میں قرار دیا جائے ۔
اور اگر وقف شدہ کوئی مال بھی وقف سے متعلق ضرورت سے خارج ہو جائے تو میراث کی طرح ورثہ میں منتقل ہو جائے گا اور اگر کوئی دوسرا مورد رکھتا ہو تو اس مورد میں مصرف ہو گا جیسے کوئی ایسی مسجد ہو جہاں کوئی نماز نہ پڑھتا ہو یا عام راستہ میں واقع ہو تو اس کا ویران کرنا ضروری ہے اور ایسی صورت میں اس کی قیمت کسی دوسرے ادارے یا کسی مسجد کے بنانے میں مصرف ہو گی ۔

''امر بالمعروف و نہی از منکر ''

اگرچہ میں نے فقہ سیاسی اسلام کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے ،لیکن امربالمعروف اور نہی از منکر صرف اسلام کی سیاسی اور حکومتی فقہ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ عبادی پہلو کا بھی حامل ہے اسی لئے ہم نے اس رسالہ میں ایک مختصر اور مناسب گفتگو کی ہے ۔

مسئلہ ۸۵۸:امر بالمعروف اور نہی از منکر آیات کی روشنی میں اور آیات کے پر تو میں بہت ساری روایات کے مطابق یہ دونوں دین کے دوستون ہیں اور ہم نے دین کے ان دونوں ستونوں سے متعلق ''اسلام کی محافظ فوج''نامی کتاب میں بسط و تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے یہاں پر ''معروف '' امر کی مناسبت سے کہ وجوب آور ہے ،وہ اسلامی ماحول اور فضا میں شناختہ شدہ واجبات سے عبارت ہے اور ''منکر ''بھی نہی کی مناسبت سے کہ حرمت پر دلالت کرتاہے،اسلامی فضا اور معاشرہ میں شناختہ شدہ محرمات سے عبارت ہے ،معروف و منکر کم سے کم ان واجب اور حرام میں سے ہیں کہ ان کی حرمت یا ان کا وجوب چنانچہ امر اور نہی کرنے والے کی نظر میں معلوم ہے ،اسی طرح جس کو اس سے روکا یا اس کا حکم دیا جا رہا ہے اس کی نظر میں بھی معلوم ہو،ورنہ اس کے علاوہ صورت میں امر یا نہی جائز نہیں ہے مگر یہ کہ آپ اپنے مد مقابل کوقانع کریں اور وہ بھی قانع اور مطمئن ہونے کے بعد خلاف ورزی کرے اور امر و نہی سے متعلق اس خلاف ورزی کی بھی تین حالت ہے کہ اس کی اہم ترین حالت واجب کا ترک کرنا اور حرام کام انجام دینا ہے اس کے بعد ان دو میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرنے کے بعد توبہ نہ کرنا اور کم سے کم واجب کے ترک کرنے او ر حرام کے مرتکب ہونے کا ارادہ ہے تو ایسی صورت میں واجب ہے کہ اسے مکمل اسلامی اخلاقی نصیحت کی جائے ۔اور امر و نہی میں سیاست کے مرحلوں کو گام بہ گام طے کرنا بھی اسلامی واجبات میں سے ہے ۔

مسئلہ ۸۵۹: آیۃ کریمہ (وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) (سورہ آل عمران ،آیت ۱۰۴)کے مطابق جب تک واجب کا

ترک کرنے والا اور حرام کا مرتکب ہونے والا شخص اس کے وجوب یا اس کی حرمت کو نہ پہچانے یا ان کے وجوب یا حرمت سے قانع اور مطمئن نہ ہوا ہو ،امر بالمعروف اور نہی از منکر کی گنجائش نہیں ہے ؛کیونکہ مذکورہ ترتیب کے مطابق اس آیۃ کریمہ میں سب سے پہلے ''یدعون الی الخیر ''ہے کہ خیر ، علم ،عقیدہ اور عمل سب کو شامل ہے اور اس کے بعد ''یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر ''ہے کہ جس واجب کو جانتا ہے اور اس کا عقیدہ رکھتا ہے اس کی انجام دہی میں سرپیچی کر تایا حرام کے بارے میں جانتا اور اس کا عقیدہ رکھتا ہے پھر بھی اس کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے امر و نہی کرنا چاہئے کہ اس امر و نہی کے بھی قلبی ، لفظی اور عملی تین مراتب ہیں کہ سب سے پہلے دل سے واجب پر عمل کرنے اور حرام کے مرتکب نہ ہونے کا ارادہ کرے اس کے بعد واضح لفظوں اور نرم لہجہ میں امر و نہی کرے اور اگر باتوں سے اس پر کوئی اثر نہ ہو تو پھر اس سے ملنا جلنا ،آنا جانا اور معاشرت سب کچھ ترک کر دے اور آخر میں عملی امر و نہی ہے کہ اس سے ناراض ہو جائے ،اسے دھمکی دے ،ڈرائے مناسب انداز میں اس کی مذمت اور ملامت کرے اور آخر میں تمام مرحلے طے کرنے کے بعد دیگر شرائط کو نظر میں رکھتے ہوئے مار پیٹ کر اسے امر و نہی کرے اور یہ خود امر و نہی کا تیسرا مرحلہ ہو گا کہ اس کا عملی حصہ ہے ۔

امر و نہی کے وجوب یا جواز کے شرائط

مسئلہ ۸۶۰:امر اور نہی کرنے والا امر و نہی سے متعلق واجب یا حرام کو بخوبی پہچانتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ طرف مقابل نے وجوب یا حرمت کا علم اور عقیدہ رکھتے ہوئے کسی عذر اور ضرورت کے بغیر واجب کو ترک کیا یا حرام کا مرتکب ہو اور توبہ بھی نہ کرے اور نہ ہی توبہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو یہاں پر امکان اور توانائی کی صورت میں امر و نہی واجب ہے ۔

مسئلہ ۸۶۱:امر کرنے والا اس چیز کا امر کرے کہ خود اسے بدون عذر ترک نہ کیا ہو اور نہی کرنے والا اس چیز سے منع کرے کہ اس نے خود بغیر عذر کے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو یا اگر اس نے کسی واجب کو ترک کیا اور حرام کو انجام دیا ہو تو توبہ کر لی ہو ؛ کیونکہ آیۃ کریمہ (أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ) (سورہ بقرہ آیت ۴۴۔)کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو فراموش کر دیتے ہو جبکہ تم لوگ کتاب الہی کو پڑھتے ہو تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے '' اور ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ کسی چیز کا امر کرنے والا فراموشی کا شکار ہو کر مورد مذمت واقع ہو اہے تو ایسے شخص کو نا عقلی سے یاد کیا ہے تو کیا واجب کا امر کرنا ناعقلی اور مور مذمت ہے؟ نہیں لیکن چونکہ یہ شخص واجب کا

ترک کرنے والا یا کسی حرام کا مرتکب ہونے والا ہوتا ہے ،اس لئے اس کی مذمت اور ملامت کی جاتی ہے ۔

نیز آیۃ کریمہ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (٢) كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (٣)) (سورہ صف،آیت ۲اور ۳۔)تم (ایسی)بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے خدا کے نزدیک بہت غضبناک ہے کہ یہاں پر امر یا نہی کرنے والے جب مورد امر کو انجام نہ دیں اور مورد نہی کو ترک نہ کریں تو یہ آیۃ ان کے شامل حال ہے ،لیکن اگر طرفین کی امر و نہی سے دونوں ہی امر و نہی کو قبول کریں یا کم سے کم اثر قبول کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں تو حرام ہونا تو دور کی بات ہے ،بلکہ واجب بھی ہے ؛کیونکہ امر و نہی کے وجوب کے اطلاقات اور عمومات کو شامل ہے ،نیز بالخصوص آیۃ کریمہ (كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ) (سورہ مائدہ ،آیت ۷۹۔) بھی ان کے شامل حال ہے کہ حرام کے مرتکب ہونے والے ایک دوسرے کو نہی کریں ،لیکن اگر اس امر و نہی کی تاثیر نہ ہو اور یہ لوگ واجب کے ترک کرنے اور حرام کے مرتکب ہونے پر اسی طرح اصرار کرتے رہیں تو امر و نہی حرام بھی ہے اور واجب بھی ،کیونکہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کے واجب ہونے کا مقدمہ مورد امر ہر عمل اور مور نہی کے ترک پر عمل ہے تو ایسی صورت میں واجب ہے کہ اپنی خود ہی اصلاح کرے یا پھر اصلاح کرنے کی فکر کرے اس کے

بعد امر بالمعروف اور نہی از منکر شروع کرے تاکہ ''لا یتناھون '' کا مصداق نہ بنے
۔

ہاں ،چونکہ امر بالمعروف اور نہی از منکر واجب ہے اسی طرح اس کے مقدمات کی فراہمی بھی واجب ہے اور اس معروف کا ترک کرنے والا اور نہی کو انجام دینے والا سب سے پہلے واجب پر کار بند ہو تاکہ امر کرنے کے لائق ہو سکے اور منکر کو ترک کرے تاکہ اس سے روکنے کا حق رکھے اس اصل اور قانون کی روشنی میں مورد امر کے ترک کرنے اور مورد نہی پر عمل کرنے سے اس نے اسی فریضہ اور واجب کو خیر باد کہا ہے اور امر بالمعروف اور نہی از منکر پر عمل کر کے بدون شرط کہ واجب کا انجام دینا اور حرام کا ترک کرنا ہے ایسے حرام کا مرتکب ہوا ہے اور یہاں پر امر و نہی وجوب و حرمت سے ٹکراؤ ہے کہ ایک جہت سے واجب ہے اور دوسری جہت سے حرام اور اس امر و نہی کا اجتماع جس کا مکلف خود ہی ذمہ دار ہے ،عقل او شرع کے نزدیک ہر گز باطل نہیں ہے ۔مثال کے طور پر کسی مکلف نے خود کو مردار کھانے پر مجبور کیا ہو تو جان کی حفاظت کے بقدر اس پر واجب ہے اور حرام بھی واجب ہے (اور بالاتر)اس کی جان کی حفاظت،اور حرام ہے (اور اس سے نیچے)؛کیونکہ اس اضطرار کا خود ہی سبب ہوا ہے اور قرآن کریم نے ''**الا ما اضطررتم** ''کے عنوان سے اس اضطرار کو حرام کے حلال ہونے کا سبب جانا ہے جو ناخواستہ ہو اور کلی طور پر اس کے حدود اختیار سے خارج ہو کہ اس نے ہر گز اس کے مقدمات علم آگہی کے ساتھ فراہم نہیں کیا ہے ۔

مسئلہ ۸۶۲:یہ امر و نہی ،اسے امر و نہی سے اہم خطروں سے دو چار نہ کرے ؛کیونکہ اہم کی رعایت کرنا ایک دائمی اور عمومی قانون ہے کہ ایسے دو واجب کے درمیان جمع کرنا ناممکن ہے اہم ،واجب سے زیادہ واجب ہے اور دوسرا کہ اس اہم کے ترک کرنے کا سبب ہے ،حرام ہے ۔چونکہ جان،مال،عزت و آبرو ،خاندان اور عقل و ایمان کی حفاظت کہ انہیں نوامیس پنجگانہ کہتے ہیں اور یہ تمام ادیان میں اصول واجبات میں شمار ہوتے ہیں ،بلکہ کوئی واجب بھی اگر ان سے نچلے درجہ میں واقع ہو تو ان کے مقابلہ میں واجب ہونا تو دور بلکہ حرام بھی ہے ۔یہ سب امر و نہی کے واجب نیز جائز ہونے کے شرائط ہیں اور اس کے ضرر سے حفاظت یا تاثیر کا احتمال اس کے درمیان کوئی بھی کوئی نقش نہیں رکھتا ۔جز اس ضرر سے کہ امر کے ترک کرنے اور نہی کے بجالانے سے زیادہ ہو یا اس کے برابر کہ پہلی صورت میں امر و نہی حرام اور دوسری صورت میں نہ واجب ہے اور نہ حرام ،بلکہ

" أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ " (سورہ بقرہ،آیت ۱۸۵۔)کے باب سے مستحب بھی ہو گا ۔اور اصولی طور پر امر و نہی نالائق گنہگاروں یا نادانوں سے گفتگو ہے تو قہری طور پر اس کے نقصانات ہیں کہ اگر واجب سے کم ترک ہوا ہو اور حرام انجام پایا ہو تو ان سب کو تحمل کرے جیسا کہ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کی نصیحت میں ذکر ہوا ہے ۔(يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ) (سورہ لقمان ،آیت ۱۷۔) امر بالمعروف اور نہی از منکر کرو اور اسی راہ میں تمہیں جن (مصائب و آلام) کا سامنا کرنا پڑے اسے تحمل کرو کہ یہ خود ہی (دینی) امور میں استقامت اور پائیداری ہے ۔بنا بریں صرف اس بات سے کہ مجھے فلاں سے نفرت ہے یا مجھے ڈر ہے کہ وہ ایسا اور ویسا کرے ،یہ سب اس اہم واجب الٰہی کے ترک کرنے کا سبب نہیں ہو گا ۔ورنہ اس قانون سے امر بالمعروف او رنہی از منکر پر بالکل ہی فاتحہ پڑھ دیا جائے گا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی ۔اور اصولی طور پر امر بالمعروف اور نہی از منکر جو جہاد اور دین کے ستونوں کے دفاع ،اور شرع مقدس کی حفاظت ،نگہبانی اور پاسداری کے عنوان سے اسباب اور وسائل اور قیامت تک دین مبین کی برقرار کرنے کا ذریعہ ہے ،ہر گز معقول نہیں ہے کہ ہر ضرر سے حفاظت اس کے وجوب یا جواز کی شرط ہو کہ نتیجتا ضرر سے بچاؤ کی قید سے ایمان کے یہ دونوں محافظ و نگہباں عموماً بے کار ہو جائیں گے اور کمر شکن ہو جائیں گے اور امن و امان کے ماحول میں امر و نہی کے جواز کا عقیدہ رکھنا اس بات کا باعث ہو گا کہ ظلم و جور ،فتنہ و فساد اور گناہ کے ماحول میں اس کا کوئی نقش ہی نہ رہ جائے اور بے کار ہو جائیں اور یہ بالکل اس کے مانند ہے کہ آپ کہیں جنگ و جدال اور قتل و کشتار اس وقت واجب جب جانی یا مالی کسی ضرر اور نقصان کا احساس نہ ہو تو ایسا فتویٰ یا نظریہ راہ خدا میں جہاد یا قتال کے تعطیل ہونے کے معنی میں ہے ۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ امر بالمعروف اور نہی از منکر کی راہ میں قتل کر دیئے جاتے ہیں ،لیکن قرآن کی نظر میں ممدوح اور مظلوم متعارف ہوتے ہیں جیسا کہ (إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) (سورہ آل عمران ،آیت ۲۱۔)آیات ان امر کرنے والوں کے قاتلوں کی مذمت کر رہی ہیں ،اور یہ خود جانی نقصان سے منافات نہیں رکھتا ،کیونکہ کبھی کبھی قتل ہونے کا خوف درکار نہیں ہوتا ہے ،لیکن اچانک اس راہ میں قتل کر دیا جاتا ہے اور کبھی ایک ایسا واجب کہ مورد امر ہے ،جان کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم ہے کہ سینکڑوں ،ہزاروں یا ساری جانیں اس پر قربان ہو جائیں ،بنابریں ولی امر (حضرت

حجت عجل اللہ تعالیٰ)اور آپ کے پاکیزہ مقاصد کے بارے میں متعلقہ زیارتوں میں ہم پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں (ارواحنا لتراب مقدمہ الفداء)ہماری ساری جانیں اس امام کے حکم اور آپ کے مقاصد پر فدا ہوں ۔

مسئلہ ۸۶۳:رہا تاثیر کا احتمال جسے امر بالمعروف اور نہی از منکر کے شرائط وجوب میں سے جانا ہے ،یہ بھی آیۃ اعراف کی آیت (**وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ**) (سورہ اعراف ،آیت ۱۶۴۔)جیسے آیت کے نص کے خلاف بھی ہے یہ آیۃ کریمہ سنیچر کے دن یہودیوں کی خداوند عالم کے فرمان کی نافرمانی کرنے سے متعلق ہے کہ یہ لوگ دھوکہ دھڑی سے سنیچر کے دن مچھلیوں کے راستوں کو بند کر دیتے تھے اور اس کے بعد والے دنوں میں ان کا شکار کرتے تھے اور یہ توجیہ کرتے تھے کہ ہم لوگ سنیچر کے دن شکار نہیں کرتے اور ان کے صالحین انہیں اس عمل سے منع کرتے تھے ،لیکن وہ لوگ مانتے نہیں تھے ۔اور اس کے درمیان کچھ لوگ ساکت رہتے تھے یعنی نہ وہ لوگ اسی کا ارتکاب کرتے تھے اور نہ ہی اس کا ارتکاب کرنے والوں کو روکتے تھے اور ایک گروہ ان نہی کرنے والوں پر اعتراض کرتا تھا :ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں خدا اپنے عذاب سے ہلاک یا دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا تو وہ لوگ جواب دیتے :تمہارے پروردگار کے نزدیک معذور ہونے اور شاید پرہیز کرنے لگیں یہاں پر نہی از منکر کے واجب ہونے کیلئے ایک دوسرے سے جدا دو محور معین ہوا ہے ایک ''خدا کے نزدیک معذور ہونا ''اور دوسرا ''شاید پرہیز کریں ''کہ اگر انہوں نے ہر گز پرہیز نہیں کیا اور ان کے منع کرنے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ،پھر بھی اس نہی اور ممانعت سے خدا کے نزدیک معذور ہوں گے ۔جیسا کہ پیغمروں کے بارے میں اس طرح ارشاد ہو تاہے (عذراًاو نذراً)(سورہ مرسلات ،آیت ۶)یاوہ لوگ اپنی دعوت میں معذور ہوں گے یا مو ثر ۔اس وقت اگر تاثیر کی شرط بھی کو ئی دلیل رکھتی تو اس میں منحصر نہ ہو تی کہ گنہگار صرف امر و نہی سے اپنے واجب کو انجام دے اور گناہ کو ترک کر دے ،بلکہ امر و نہی کی تکرار میں آثار اور فوائد پوشیدہ ہیں کہ منجملہ گنہگاروں کا آگاہ ہونا ہے اور اگر محتاط نہ ہوں تو امر و نہی کا یہ سلسلہ تو گنہگار اور تمام گنہگاروں پر دوگنا ہو گا ؛ کیونکہ اگر امر و نہی میں دو ام نہ ہو تا تو اس کی زبان زیادہ دراز ہوتی اور بڑھ بڑھ کر بولتا کہ اگر مجھے امر و نہی کیا جاتا تو ممکن ہے میں محتاط ہو جاتا اور اپنے کرتوت سے باز آجاتا ۔اور گناہ نہ کرتا ۔اور آیہ کریمہ (لئلاً یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل) (قرآن سے تلاش کریں)کہ پیغمبروں کے بھیجنے کادرمیان سے مقصد اٹھا لینا گمراہوں کے لئے ہر قسم کی حجت بتائی گئی ہے نیز اس حکم پر گواہ بھی ہے کہ یقینی تاثیر کا جواز یا امکان ہر گز وجوب دعوت کی شرط نہیں ہے ۔

دوسری بات یہ کہ تاثیر دیگر دو پہلوں کی بھی حامل ہے اس کا موجود ہ پہلویہ ہے کہ

امر و نہی کرنے والا یہ جانے یا احتما ل دے کہ اس کے کا م میں تاثیر ہے کہ حقیقت

آپ کے علم سے کہیں زیادہ وسیع ہے ۔اور امر و نہی کی مصلحت واقعیت سے متعلق

ہے اور صرف آپ کے موجود ہ فکر و علم میں نہیں ہے ۔بنابریں خواہ موجودہ تاثیر کا

احتمال دو یا نہ دو اگر اس سے اہم کوئی خطرہ تمہیں چیلنج نہ کر رہا ہو اور امر با

لمعروف اور نہی از منکر اس طرح واجب ہے ۔ہر صورت ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ

سینچر کے دن اصلی یہود گنہگاروں کے سلسلہ میں بعد کی آیت صرف نہی کر نے

والوں کو نجا ت یافتہ بتاتاہے اور جن لوگوں نے نہی از منکر نہیں کیا اور اس سے بد

تر کہ منع کرنے والوں کو منع کر نے کے سلسلہ میں ملامت بھی کرتے تھے،تو لوگ

عذاب الہی میں اصلی گنہگاروں سے مل گئے اگر چہ ان کا عذاب ان سے کم تھا،جیسا

کہ ارشاد ہو تا ہے :(فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا

بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (١٦٥) فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ)

سورہ اعتراف آیات ۱۶۰، ۱۶۶۔)اور جب انہیں جن چیزوں سے روکا گیا تو انہوں نے

،ان کو فراموش کر دیاتو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو نجات دی اور ظالموں کو

ان کے فسق کرنے کے عذاب سے بھی بد تر عذاب میں مبتلا کیا پس جب ان سے روکا

گیا اور انہوں نے نافرمانی کی تو ہم نے ان سے کہا ملعون بند ر ہو جا ؤ اور وہ ہو گئے

-

اور ہم ملاحظہ کر تے ہیں کہ اس معرکہ میں صرف اور صرف نہی کرنے والوں نے نجات پائی ہے اور ان میں سے جو دوسرے افراد تھے یا خاموش تھے اور ''نہی ''کو ترک کر نے والوں میں تھے ،(چہ جا ئیکہ اس سے روکنے والے)دونوں ہی گروہ عذاب شدگان میں قرار پا ئے اور کیسا عذاب ۔؟یہاں پر معلوم نہیں ہے،یہاں پر صرف گنہگاروں کے سرداروں اور تباہ برباد ہونے والوں کے ریئسوں کے مسخ ہونے جیسے عذاب کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ لعنتی بندروں میں تبدیل ہو گئے ۔

مسئلہ ۸۶۴:امت مسلمہ پر امر بالمعروف اور نہی از منکر واجب کفائی ہے اس معنی میں کہ('' وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ '' (سورہ آل عمران ،آیت ۱۰۴۔)تم مومنین میں سے ہر گروہ کو آمادہ رہنا چاہیے کہ دعوت الہٰی کی ہندسہ کی ''یدعون الی الخیر '' ''یامرون بالمعروف ''اور'' ینھون عن المنکر ''جیسے تینوں شعبوں میں بنیاد ڈالنی چاہیے اور امت مسلمہ کی ہر قسم کی سعادت اور خوش بختی کے بلند و بالا محل کو تعمیر کرنا چاہیئے۔

اس اصل کی بنیاد پر امت مسلمہ کے درمیان جو واجب بھی ترک ہو اور کوئی حرام بھی عملی ہو تو اس ترک اور فعل کے مقابلہ میں وہ ذمہ دار ہیں ،جز ان لوگوں کے جنھوں نے اپنے حدود امکان اور توانائی میں امر و نہی کے فرائض ادا کئے ہیں اور اسلام کے محافظ گروہ کی جلوہ نمائی تمام امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے اور اگر کچھ صالح لوگوں نے اپنے حدود امکان اور اپنی توانائی کے بقدر امر و نہی کا فریضہ انجام دیا اور مطلوبہ فائدہ حاصل نہ ہو اتو ان کی ذمہ داری ہے کہ امر و نہی کی صلاحیت رکھنے والے خاموش گروہ کو اپنے ہمراہ لیکر ہماہنگی اور اتفاق سے انہیں (ایسا کرنے)مجبور کریں اور اگر صالحین کی یہ ہماہنگی بھی بیکار ثابت ہو تو واجب ہے کہ دونوں گروہ ایک وہ جو ابھی سرگرم ہوا ہے دوسرو ں کی زیادہ سے زیادہ مناسب رعایت کرتے ہوئے ،مجبور کریں تا کہ وہ اپنے اندر امر و نہی کی صلاحیت پیدا کریں اوراجتماعی طور پر سرگرم اور فعال گروہ اس اہم فریضہ الہٰی میں مشغول ہو تاکہ جو اس (فریضہ)سے دھوکہ کر رہا ہے ،ذلیل اور رسوا ہو ۔

مسئلہ ۸۶۵:اگر کوئی شخص کسی ایسے واجب کا حکم دے جس پر وہ خود بھی عمل کرتا ہو ،لیکن دوسرے واجب کو ترک کیا ہو ،تو کیا ایسی صورت میں اس پرامر بالمعروف بھی حرام ہے ؟ جبکہ جس واجب کا حکم دے رہا ہے یا جس حرام سے منع کر رہا ہے ، اس کا خود بھی مرتکب ہوا ہے اور امر اور نہی کرنے والوں کی مذمت

کرنے والی آیات اور روایات کا مرکز صرف وہ لوگ ہیں جو ایسے معروف کا حکم دیتے یا ایسے منکر سے روکتے ہیں جس کے وہ خود ہی مرتکب ہوئے ہیں او راگر امر اور نہی ان لوگوں میں منحصر ہوتا جو بطور مطلق عادل ہوں تو یہ لوگ امت مسلمہ کے درمیان گناہ سے روکنے کے لئے کافی نہ ہوتے ،بنابریں امر اور نہی عادل افراد میں منحصر نہیں ہے ،بلکہ ایک عمومی فریضہ ہے اس ذمہ داری کی نسبت اپنی حد اور توانائی میں۔اور دوسری طرف سے آیات و روایات نے ان لوگوں کو جو امر بالمعروف اور نہی از منکر کے پابند ہیں تو امر بالمعروف اور نہی از منکر کا قبول کرنا امر اور نہی کرنے والے اور جس کو کیا جا رہا ہے ،دونوں ہی پر واجب جانا اور امر کرنے والے اور نہی کرنے میں عدالت مطلقہ کی شرط نہ ہونے کی ایک دوسری دلیل ہے ،کہ جو تم امر یا نہی کر رہے ہو ،تم سے قبول کیا جائے اور جس کو تم نے چھوڑ دیا ہے ، اس کا امر کریں تو تم کو بھی قبول کرنا چاہیے ۔
جیسا کہ آیۃ کریمہ (و أتمروا بینکم بمعروف)سورہ طلاق ،آیت ۶۔)تمہیں ایک دوسرے کا امر بالمعروف قبول کرنا چاہیے یہ امر کے باب میں ہے اور (کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ) (سورہ مائدہ ،آیت ۷۹) نہی کے باب میں کہ ان لوگوں کی مذمت ہے جو یکطرفہ نہی کرتے ہیں ،لیکن نہی کرنے والوں کی بات نہیں مانتے ۔
بالاخرامر بالمعروف اور نہی از منکر کی وزارت و بالفاظ دیگر سب سے پہلے خیر کی جانب دعوت پر مشتمل ہے ،اسے بھی تشکیل پانا چاہیے وزارت ارشاد اسلامی کی تشکیل (البتہ حقیقی معنی میں نہ مصلحتی اور تکلفاتی ارشاد و نصیحت)اسلامی حکومت کے واجبات اولیہ میں سے ہے ۔تاکہ یہ سہ گانہ فرائض درست اسلامی پروگرام کے ساتھ انجام پائیں اور اگر اسی طرح کی وزارت ان سہ گانہ فرائض کی انجام دہی سے عموم مسلمین کے لئے رکاوٹ کھڑی کریں،بالخصوص جب خود ان وزارتوں میں نقائص ،کمی ، کوتاہی اور تقصیر پائی جاتی ہو اس طرح سے کہ خود یہ وزارت خانے بھی ان تینوں جوانب میں ارشاد و ہدایت کے محتاج ہوں ۔بہر صورت سارے مسلمان اس عظیم ذمہ داریوں اور فرائض میں برابر کے شریک ہیں نہ صرف خاص افراد یا خاص گروہ ،اگرچہ اسلامی محافظ گروہ کی بنیاد ڈالنا اس عظیم ذمہ داری کے واجبات میں سے ہے ۔بالاخر احکام الٰہی کی تعلیم دنیا اور اس کو سیکھنا پھر اس کا گرویدہ ہونا اور اسے اہمیت دینا اور نتیجتاً اس پر عمل کرنا ،تمام مسلمانوں کا ایک فریضہ ہے کہ مناسب مراتب اور درجات کے اعتبار سے ان تینوں پہلوؤں میں ہم آہنگی رکھنا واجب ہے جیسا کہ سورہ ’’العصر ‘‘ ایمان اور عمل صالحات کے بعد (و تواصوا بالحق) علم ، عقیدہ اور عمل کا حق اثباتی پہلو سے او ر(و تواصوا بالصبر) نے بھی ان تینوں مورد میں سلبی رخ سے مومنین پر ذمہ داری عائد کی ہے کہ ہمیشہ ایک دوسرے کو واجبات کی تاکید کریں اور محرمات سے منع کریں ۔آخر کار کہنا چاہیے کہ جب امر و نہی کا الٹا اثر نہ ہو تو واجب ہے اگرچہ امر اور نہی کرنے والوں

نے واجب کو انجام نہ دیا ہو اور حرام کے مرتکب ہوئے ہوں کہ یہاں پر واجب اور حرام کے درمیان ایک جمع ہے ، یعنی واجب ایک جہت سے اور حرام دوسری جہت سے ہے کہ اگر واجب کا امر کرنے اور حرام کے ترک کرنے کی کوئی شرط بھی ہے تو بھی ان دو واجب کا ترک کرنا امر و نہی کے ترک کانے کا موجب نہیں ہے مگر بر عکس اثر ہونے کی صورت میں جیسے ہر قسم کے معنوی اور مادی بیمار کہ خود ہی اپنے علاج میں کوتاہی کرتا ہے ،لیکن دوسرے بیمار کو علاج کی تاکید کرتا ہے ۔

مسئلہ ۸۶۶:امر بالمعروف اور نہی از منکر کرنے والے خواہ اجتماعی طور پر یا انفرادی طور پر اصلاح کے راستوں کو طے کریں تاکہ اسلامی معاشرہ اپنی لیاقت کھونے نہ پائے اور (المومنون الخ سورہ توبہ ،آیت ۷۱ ۔) کہ تمام مومنین خواہ مرد ہوں یا عورت نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں ایک دوسرے پر ولایت رکھتے ہیں ،جیسی آیات کی روشنی میں امر اور نہی کرنے والے ایک دوسرے کے معاون اور مدد گار ہیں اور یہ لوگ بھی ان لوگوں کا اتباع کرتے ہوئے خود کی اور اپنے معاشرہ کی پھر سے تعمیر کریں ، چنانچہ اسلامی معاشرہ میں عالم ،تعلیم دینے کے لئے جاہل کے پیچھے دوڑے اور جاہل علم حاصل کرنے کے لئے عالم کے پیچھے کہ ہر کامل اور ناقص اپنی اور دوسروں کی اصلاح اور تعمیر کے لئے ایک دوسرے کے معاون اور شانہ بہ شانہ ہوں کہ اگر باکمال ہو تو پھر ناقص لوگوں کی تلاش کرو تاکہ ان کے نقص کو دور کرو اور نقص و کمی کی صورت میں باکمال افراد کی تلاش کرو تاکہ خود کو کامل سے کامل تر بناؤ۔

بہر صورت واجب پر عمل کرنے اور حرام کو ترک کرنے کے لئے قدم بہ قدم سیاست کا استعمال کیا جائے کہ نقص والوں سے ملاقات کرنے سے زیادہ سے زیادہ اور آخر کار بقدر ضرورت جسمانی تادیب عملی ہو ،البتہ اہم ترین اور موثر ترین رعایت کے ساتھ جیسا کہ احکام ربّانی میں اگرچہ بصورت نسخ عملی ہوئی ہے یہی سیاست ہے ،لیکن وعظ و نصیحت ،امر و نہی اکید ،کلام میں سختی ،غیظ و غضب ،دھمکی ،قید و بند ،شغل کا معطل کرنا وغیرہ وغیرہ ہر ایک میں مصلحت کی ترتیب اور اس کا عملی کرنا اس اہم میں گام بہ گام ایک ثابت اور پائیدار سیاست ہے ۔

(بعض گناہان)

۱۔جھوٹ بولنا

مسئلہ ۸۶۷: ''جھوٹ ''یعنی حقیقت کے خلاف کچھ کہنا یا دکھانا ہے اور قرآن کریم میں تقریباً ۳۰، بار اس کی کافی مذمت ہوئی ہے اور گوناگوں الفاظ میں تذکرہ ہوا ہے اور اس کے چند پہلو ہیں : کہ کبھی تمام اعتقادی پہلو اور د رحقیقت جھوٹ ہے کہ جو اس نے بیان کیا ہے نہ وہ اس کا عقیدہ رکھتا ہے اور نہ ہی اس کے بیانات حقیقت رکھتے ہیں یا اس کے بر عکس اس کا عقیدہ تو رکھتا ہے لیکن واقعیت نہیں رکھتا اور یہ تینوں ہی اپنے پہلوؤں کی کیفیت اور مقدار دونوں کے اختلاف کے ساتھ جھوٹ ہے

اور مکلفین کا تمام ابعاد اور جوانب میں راستگو ہونا واجب ہے اگرچہ چند درجوں کا حامل ہو اور اس کے خلاف بھی خطرناک نتیجہ کا حامل ہے ۔
کبھی عقیدہ ،نیت اور حقیقت کے لحاظ سے سچ ہے ،لیکن اس کا ظاہر جھوٹ ہے جسے ''توریہ '' کہتے ہیں اور اگر ان چاروں ضلعوں سے خارج ہو تو مکمل سچ ہے ۔
مسئلہ ۸۶۸ :جھوٹ اس کے ہر پہلو میں خلاف حقیقت خبر دینے میں منحصر نہیں ہے کہ انشائی اصطلاح میں کہ اگر جھوٹی خبر کو بھی شامل ہو تو درروغ اور جھوٹ ہے کہ اگر کسی سے دستر خوان پر بیٹھنے کی درخواست کریں لیکن نہ کھانا ہو اور نہ ہی کوئی دستر خوان یا ان میں سے کوئی ایک ہے اور دوسرا نہیں ہے یا پھر مہمان نوازی کی آمادگی نہیں رکھتے تو یہ بھی تینوں الفاظ کے ساتھ جھو ٹ ہے کہ حقیقت کے خلاف ایک ضمنی خبر ہے ۔
مسئلہ ۸۶۹:جھوٹ کا دائمی اور عام قانون اپنے چاروں رخ سے اور اخبار اور انشاء کے لحاظ سے حرام اور ناہنجار ہے ،جز ان موارد کے کہ کتاب اور سنت میں انہیں الگ قرار دیا گیا ہو یا کتاب اور سنت کی واضح دلالت کی روشنی میں جھوٹ سے اہم کوئی معاملہ کرے تو یہ جھوٹ واجب ہے یا کوئی دوسرا اہم کام جو اس سے ہم آہنگ ہے کہ یہ جھو ٹ نہ واجب ہے اور نہ حرام کہ اگر آپ مجبوراً ناخواستہ طور پر جھوٹ کی چند قسموں میں سے کسی ایک سے دو چار ہو جائیں تو ان میں سے ہر ایک آپ کے لئے حلال ہے نہ سارے کے سارے اگر جان ،مال ،عزت و آبرو یا کوئی بھی جھوٹ سے اہم چیز کے لئے جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے تو ایسے موارد میں کہ مناسب اور مصلحت ہو تو ایسا جھوٹ جس میں مصلحت زیادہ ہے ،یا حرام نہیں ہے یا واجب ہے جیسا کہ تقیہ کے سلسلہ میں بھی ایسا ہی ہے ۔البتہ مہم کے مقابلہ میں اہم کی رعایت کیساتھ کہ جھوٹ بولنے کا خطرہ اور نقصان سچ بولنے سے کم ہو (کہ یہاں پر آیات اضطرار ،حرج اور تقیہ کے علاوہ اس جھو ٹ کو جائز یا واجب کرتے ہیں جن کے بارے میں بہت ہی اہم روایات وارد ہوئی ہیں ۔جیسا کہ سکونی کی پیغمبر سے منقول روایت میں ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر اپنے بھائی کو نجات دو اور اسماعیل بن سعد اشعری کی صحیح میں حضرت امام رضا ؑسے ہے کہ حضرت سے ایک ایسے مرد کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ سلطان سے اپنے مال کے لئے خطرہ محسوس کرتا ہے تو کیا وہ جھوٹی قسم کھا سکتا ہے تاکہ اس کا مال محفوظ رہ سکے ؟ تو حضرت نے فرمایا:اس میں کوئی اشکال نہیں ہے ۔)اہم کی حفاظت کے مورد میں جس طرح جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح سچ بولنا حرام بھی ہے اور یہ خود ہی امکانی صورت میں توریہ کا اہم ترین طریقہ ہے ۔
مسئلہ ۸۷۰: جن موارد میں جھوٹ جائز یا واجب ہے حتی الامکان توریہ کرنا چاہیے کہ جھوٹ بات اور کذب بیانی کر کے صحیح اور درست معنی کی نیت کرو تاکہ

حتی الامکان خلاف حقیقت بیان کرنے سے بچو ،جیسا کہ حضرت ابراہیم ؑ نے بتوں کے توڑنے سے متعلق نمرودیوں کے جواب میں کہا :(بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون)سورہ انبیا ء ،آیت ۶۳ ۔)''بلکہ ان بتوں کو ان کے بڑے نے توڑا ہے پس ان سے سوال کرو اگر بول سکتے ہیں '' یہاں پر ''اگر ---''بڑے بت کے سلسلہ میں ابراہیم ؑ کی نیت میں ہے کہ اگر یہ بت بول سکیں تو یہ کام ان کے بزرگترین کا ہے لیکن یہ بولنے کی توانائی نہیں رکھتے پس اس کا کام نہیں ہے اور یہاں پر حضرت نے اس توریہ سے کذب بیانی بھی نہیں کی ہے اور بت پرستوں کے شعور کو بھی بیدار کر دیا ہے کہ (ثم نکثوا علی رئووسھم الخ سورہ انبیأ ،آیت ۶۵)پھر وہ لوگ شرمندہ ہوئے اور بولے کہ یقینا تم نے جان لیا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے ''۔
اور جب نمرودیوں نے اس حادثہ کو روکنے کے لئے حضرت کو عید کے دن دعوت دی کہ ان کے ساتھ شہر کے باہر جا کر اس طرح کا عذر کریں کہ ''انی سقیم ''(میں بیمار ہوں) کہ اس بیماری سے ان کی مراد روحانی اور اندرونی بیماری تھی کہ لوگوں کی بھاری اکثریت آخر ان بے جان بتوں کے سامنے اپنا سر کیوں جھکاتی ہے ؟ بالاخر جب تک توریہ کا امکان ہے اس وقت رسمی دروغ ہرگز حلال نہیں ہے ؛ کیونکہ صرف ناخواستہ اور حادثاتی اضطرار ہے جو اس کے گوناگوں جوانب میں جھوٹ کو حلال کرتا ہے اور جو شخص توریہ کر سکتا ہے یا اسے سیکھ سکتاہے تاکہ بے دین افراد کے اس قسم کے مہلکہ سے خود کو نجات دلائے تو وہ رسمی جھوٹ بولنے پر مجبور نہیں ہے اور اس وقت (الضرورۃ تقدّر بقدرھا)قانون کے مطابق جھوٹ (بھی)(صرف ناخواستہ ضرورت بقدر)حلال ہوتا ہے اور جب ظاہر ی جھوٹ یعنی توریہ کے ذریعہ اگر ضرورت برطرف کر سکتا ہے تو پھر حقیقی جھوٹ کی نوبت نہیں آئے گی۔
مسئلہ ۸۷۱:اس لحاظ سے کہ توریہ خود ایک قسم کا جھوٹ ہے صرف استثنائی موارد میں جائز یا واجب ہوتا ہے اس لئے کہ جو با ت بولنے والے کو حقیقت کے خلاف لے جائے اس لحاظ سے کہ جھوٹ کی اہم قسم ہے ،حرام ہے اور عام حالت میں اور کسی عذر کے بغیر جھوٹ کے حکم میں ہے اور شریعت الہٰی نے مومنین سے حتی الامکان سچ بولنے اور پاک و پاکیزہ زندگی گزارنے کا مطالبہ کیا ہے اور ہر قسم کی ڈینگیں مارنے ،بیہودہ گوئی اور فضول باتیں کرنے اور خلاف حقیقت بیان کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے ۔یہاں پر جو ہم نے جھوٹ کی چار قسمیں شمار کی ہیں اس کے گناہ کے گوناگوں پہلوؤں کے اختلاف کے ساتھ سارے کے سارے کلمہ ''جھوٹ ''کے ذیل میں حرام ہیں اور کبھی اس کا اول تینوں پہلو بھی حلال نہیں ہے ؛ کیونکہ ضرورت کی حالت میں بھی توریہ کرنا چاہیے (نہ جھوٹ بولنا چاہیے) مگر یہ کہ توریہ کرنا بھی ممکن نہ رہ جائے یا مکلف نہ جانتا ہو یا نہ کر سکتا ہو کہ (لا یکلف

اللہ نفساً الاّ وسعھا)خداوند سبحان کبھی کسی نفس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ''۔

مسئلہ ۸۷۲:جھوٹ اپنے ابعاد و جوانب اور مفہوم کے لحاظ سے یکساں نہیں ہے ،لہٰذا جھوٹ کا جتنا دائرہ وسیع ہو گا اتنا ہی اس کا گناہ زیادہ ہو گا کہ کسی حکم کی خدا کی طرف جھوٹی نسبت دینا یاعادی امور میں کسی کے حوالہ سے کوئی جھوٹی بات کہناہرگز یکساں نہیں ہے کہ وہ جھوٹ کفر ہے یا کفر کے نزدیک ہے اور یہ دوسر افسق اور عام گناہ ہے اور درمیانی ،درمیانی جھوٹ ہے ۔

مسئلہ ۸۷۳:کیا صرف وہ جھوٹ حرام ہے جو نقصان دہ ہو کہ اگر کوئی نقصان نہ رکھتا ہو توکوئی گناہ نہیں ہے ؟اور جن آیات اور روایات نے جھوٹ کی مذمت کی ہے وہ نقصان دہ جھوٹ سے متعلق نہیں ہیں اور اس وقت جھوٹ کا نقصان بھی کسی اس دوسرے شخص کے نقصان میں منحصر نہیں ہے جس سے اس نے جھو ٹ بولا ہے ،بلکہ اس کا سب سے پہلے خود تمہیں نقصان ہے کہ خود کو فضول گوئی اور حقائق پر پردہ ڈالنے سے آلودہ کیا ہے ۔ہاں !سچ بولنا ،سچ فکر کرنے ،سچا عقیدہ رکھنے اور صحیح عمل کرنے کی طرح خداپر ایمان لانے کے باب میں مومنین کی اچھی اور سچی صفات میں سے ہے کہ ہر گز کجی کی طرف مائل نہیں ہوں گے اور حتی الامکان کجروی اور جھوٹ سے آلودہ نہیں ہوں گے ۔

مسئلہ ۸۷۴:جھوٹ کا گناہ جھوٹ بولنے سے مخصوص ہرگز نہیں ہے کہ جھو ٹ کام ، جھوٹی تحریر ،جھوٹی خاموشی اور ہر قسم کی نمائش اور ظاہر داری جو حقائق پر پردہ ڈالے وہ بھی جھوٹ اور گناہ ہے اور اگر فضولیات لکھو یا کسی جھوٹی تحریر پر تصدیق یا دستخط کرو یا پھر اشارہ یا عمل سے کسی چیز کو حقیقت کے خلاف دکھاؤ یا اس کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرو یہ سارے کا سارا جھوٹ ہے اور جھوٹ کا گناہ بھی (جیسا کہ گذر چکا) اپنے ابعاد اور مفاہیم کے لحاظ سے مرحلے رکھتا ہے نہ کہ سارے جھوٹ یکساں قرار دیدیئے جائیں ۔

مسئلہ ۸۷۵:جھوٹ یا توریہ جو جھوٹ سے کم درجہ کا ہے اضطرار اور تقیہ کی صورت میں حلال ہوتا ہے کہ جھوٹا شخص خود اس اضطرار اور تقیہ کا سبب نہ ہو،کیونکہ ''الا ما اضطررتم '' کسی حرام کے حلال ہونے میں صرف اس اضطرار کو موجب جانتے ہیں جو اچانک اور ناخواستہ پیش آجائے ،کیونکہ عربی ادب کے لحاظ سے مجہول کا صیغہ ہے کہ ''اگر مضطر اور ناچار ہو گئے '' کہ اگر کوئی مجبوری ہو جائے خواہ آپ کی مرضی سے یا مرضی کے بغیر بنابریں یہ جھوٹ اور توریہ اضطرار یا تقیہ یا کسی عذر کے سلسلہ میں اس وقت حلال ہے کہ خود آپ اس اضطرار کا سبب نہ بنے ہوں اور یہ آپ کی مرضی سے نہ ہوا ہو بلکہ صرف ناخواستہ اضطرار پیش آجائے کہ جھوٹ یا ہر حرام جو جھوٹ کے برابریا اس سے کم کو اضطرار کی حالت میں حلال کرتا ہے ورنہ یہ حرام دیگر مجبوریوں میں اسی طرح

حرام ہے ،اگرچہ جان ،مال یا کسی دیگر اہم شیٔ کی حفاظت کے لئے واجب ہے کہ یہاں پر اصولی اصطلاح میں امر و نہی کا اجتماع ہو گا تو واجب بھی ہے اور حرام بھی ؛ کیونکہ اس کے تم خود ہی باعث بنے ہو کہ اسی کا انجام دینا اور ترک کرنا دونوں ہی حرام ہے کیونکہ اصل میں حرام تھا اور یہ اپنی مرضی کا اضطرار اسے حلال نہیں کرتا اور اس کا ترک کرنا بھی حرام ہے ؛کیونکہ جان و مال وغیرہ کی حفاظت اس سے زیادہ واجب ہے ۔

مسئلہ ۸۷۶:افراد کے درمیان اصلاح کرنے کی غرض سے جھوٹ ایک ایسی اخلاقی ضرورت ہے کہ مومن جس طرح ممکن ہو اس اختلاف کو برطرف کرے کہ (فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ) (سورہ انفال ،آیت ۱۔) اور (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ) (سورہ حجرات آیت ۱۰)پس اللہ سے ڈرو اور اپنے درمیان اصلاح کرو ،مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو ۔

دو فریق کے درمیان اصلاح کو اجتماعی واجبات کا جز قرار دیا ہے اور یہاں پر ایسا جھوٹ ہے جس میں اصلاً فساد نہیں ہے اور اگر فساد ہے بھی تو اصلاح سے بہت کم ہے یا صرف مصلح (اصلاح کرنے والا)ہے تو ایسے جھوٹ واجب ہیں جیسا کہ روایات میں اس معنی کی تصریح ہوئی ہے ۔(معاویہ بن عمار کی صحیح خبر میں ہے کہ وہ اصلاح کرنے والا جھوٹا نہیں ہے ''اور ہر جھوٹا مسئول اور ذمہ دار بھی ہے جز تین مورد کے کہ ان میں سے ایک دو شخص کے درمیان اصلاح کرنا ہے اور یحیٰ واسطی کی خبر میں ہے کہ ''کلام کی تین قسم ہے سچ ،جھوٹ اور دو فریق کے درمیان اصلاح کرنا ''تیسرے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا :اگر کسی سے تم کوئی چیز سنو اور وہ اس تک پہنچ جائے تو ناراض ہوتا ہے تو تم کہو گے کہ میں سنا ہے کہ فلاں (جس نے ناراض کیا ہے)تمہاری اس اس طرح سے تعریف کر رہا تھا اور حضرت رضا ؑسے مروی ہے کہ ایک شخص اپنے دینی بھائی کے بارے میں کوئی سچ بات کہتا ہے اور اسے زحمت میں ڈالتا اور اسے ناراض کرتا ہے تو وہ خدا کے نزدیک جھوٹا شمار ہے اور ایک شخص اپنے دینی بھائی کے بارے میں کوئی جھوٹی بات کہتا ہے کہ اس میں فائدہ ہے تو وہ خدا کے نزدیک سچا ہے ۔)

۲۔غیبت

مسئلہ ۸۷۷:''غیبت '' اس معنی میں ہے کہ کسی کے پیٹھ پیچھے دوسروں سے کوئی بات کہے جو اس کو نہیں جانتا اور جس کی تم نے غیبت کی ہے اگر وہ سنے تو اس کام سے ناراض ہو جیسا کہ قرآن کی آیات اور روایات (۱)میں بھی (قرآن کریم)کی روشنی میں کافی مذمت کی گئی ہے ۔کہ منجملہ (لَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ

أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ) (سورہ حجرات ،آیت ۱۲)اے مومنین ''تم میں سے بعض ،بعض کی ہر گز غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے ؟ یقینا تم ناپسند کرو گے ''اور(وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ) (سورہ ہمزہ ،آیت ۱۔)وائےہو ہر غیبت کرنے والے عیب جو ہو (لَّا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا) (سورہ نسأ ،آیت ۱۴۸ ۔)خداوند عالم کسی کی کھلم کھلا برائی کرنے کو دوست نہیں رکھا مگر اس شخص سے جو مظلوم واقع ہوا ہے ''کہ وہ ظالموں کے ظلم کا پردہ فاش کرے تاکہ وہ ظلم کرنے سے باز آجائیں یا کم از کم انہیں رسو ا کر دے اور (إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) (سورہ نور ،آیت ۱۹)یقینا جو لوگ تجاوز اور ظلم کرنے والوں کے گناہ کو مومنین کے درمیان فاش کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے درد ناک عذاب ہے ''((۱)منجملہ پیغمبر اسلام کی روایت ہے کہ'' غیبت زنا سے بھی زیادہ شدید (گناہ)ہے ''کیونکہ کوئی شخص زنا کرنے کے بعد (واقعی اور تہہ دل سے)توبہ کر لیتا ہے اور خدا اس کی توبہ قبول کر لے گا ۔لیکن غیبت کرنے والے کو نہیں بخشے گا مگر یہ کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ معاف کر دے اور نیز آنحضرت سے منقول ہے کہ ''جو شخص غیبت کرنے اور مومنین کے عیوب کو فاش کرنے کی فکر میں ہو تو اس راہ میں جو پہلا قدم اٹھاتا ہے جہنم میں (جاتا)ہے ''اور سب سے معمولی کفر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے برادر ایمانی کے بارے میں کوئی بات کرے کہ اس کے ذریعہ اسے رسوا اور بے آبرو کرے ''یہ لوگ خدا کے نزدیک کوئی حصہ نہیں رکھتے اور حضرت علی ؑسے مروی ہے کہ ''جو شخص کسی مومن کی نسبت کوئی بات کہے جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہو مگر مقصد اسے بے آبرو کرنا ہو اور اس کی جوانمردی کو پامال کرناہو تو وہ ان لوگوں کی فہرست میں ہے کہ خدا وند عالم ارشاد فرمارتا ہے : '' (إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) (سورہ نور ،آیت ۱۹۔) اور ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ کلمہ ''بعضکم ''نے مومنین کے گروہ کو ایک شخص کی جگہ ظاہر کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک گویا اس ایک پیکر کاعضو اور رکن ہے اور ایک دوسرے کی غیبت اور عیب جوئی کرنا گویا خود کو داغدار کرنا ہے ۔

مسئلہ ۸۷۸:آیات اور روایات کی روشنی میں صرف کسی مسلمان کی غیبت کرنا حرام ہے اور بس اور اسلامی برادری کی شرط صرف مسلمان ہونا ہے اور بس کہ ان

آیات اور روایات کی روشنی میں برادران اہلسنت کی آبرو بھی شیعوں کی طرح محترم اور ان کے پس پشت کی حفاظت واجب ہے ۔
کہ آیہ کریمہ (فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ) (سورہ توبہ ،آیت ۱۱)نے بھی اسلامی اخوت اور برادری کی صرف ان تین شرط پر بنیاد رکھی ہے کہ ''بت پرستی سے بے زاری اختیار کریں،نماز قائم کریں ،اور زکوۃ ادا کریں ''اور یہ ہمار ی فقہ کی حیرت انگیز باتیں ہیں کہ شیخ مرتضی انصاری جیسے عظیم المرتب فقیہ (کہ متاخرین کے درمیان)علی الاطلاق شیخ الفهاوالمجتہدین سے جانے گئے ہیں)شیعہ بچو ں کی غیبت کو حرام جا نتے ہیں اور برادران اہلسنت کی غیبت کرنا حلال جا نتے ہیں ،بلکہ واجب شمار کرتے ہوئے پہلے حکم میں آیہ کریمہ (وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) (سورہ بقرہ آیت ۲۲۰)''فی الدین''کا اضافہ کرکے کہ یہ کلمہ یہاں پر نہیں ہے اطفال شیعہ کی دینی اخوت کو ثابت کیا ہے اس کے بعد آیہ (أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ) (سورہ حجرات آیت ۱۲)کی رو شنی میں اطفال شیعہ کو اس آیت کا مصداق قرار دیا ہے جب کہ '' فی الدین '' سورہ انفال کی آیت میں ہے کہ دینی برادری ان تمام لوگوں کے درمیان قرار دیاہے جو شرک سے بیزاری کر تے ،نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور یہی جا بجا الٹا استدال جا بجا اور بے جا فتووں کا باعث ہو اہے ۔ جو فقہ اور فقہا ء کی (قرآن کریم) سے دوری کا نتیجہ ہے ۔
ہا ں !یہا ں پر''کم ''تمام مومنین کو شامل ہے نہ صرف شیعوں کو اور ایمان بھی کفر کے مقابلہ میں ہے جو تمام مسلمانوں کو شامل ہے نہ یہ کہ شیعہ ،سنی کو اور سنی،شیعہ کو مسلمان ہی نہ جانیں کہ اس کے درمیان قرآن کے ایمانی خطاب کی بھی گنجائش نہ رکھتےہوں !بالا خر غیبت کے سلسلہ میں عمومی قاعدہ یہ ہے کہ تمام مکلف مسلمانوں کی غیبت حرام ہے نہ ان کے بچوں کی مگراس صورت میں کہ اگر باخبر ہوں تو انہیں برا لگے اور آزردہ خاطر ہوں ؛کیونکہ وہ جو کام بھی کریں گے نہ وہ واجب ہے اور نہ حرام ،بنا بریں ان کے لئے واجب کا ترک کرنا اور حرام کا م کرنا ان کے لئے عیب نہیں ہے کہ موضوع رکھتا ہو (اگر چہ اس سے اجتناب کرنا اور کرانا شائستہ ہے)تاکہ اس سلسلہ میں ان کی غیبت کرنا موضوعیت رکھتا ہو ۔مگر اس صورت میں کہ اگر جان لیں تو انہیں بر الگے کہ یہاں پر ان کی اذیت کے اعتبار سے ہے اور (مجموعاً)حرام ہے نہ ان کی غیبت ،جیسا کہ حیوان کو بھی آذیت پہنچانا حرام ہے ۔لیکن غیبت نہیں ہے اور غیر مسلموں کی خواہ منافق ہوں یا غیر منافق غیبت حرام نہیں ہے مگر یہ کہ اس غیبت سے آگاہ ہو کر آزردہ خاطرہو کہ کسی کو نا حق اذیت

دینا حرام ہے ،ہا ں اگر اذیت کرنے کا استحقاق رکھتے ہو ں اگر چہ مسلمان بھی ہوں تو ان کے استحقاق کے لحاظ سے جائز ہے ۔

مسئلہ ۸۷۹۔ایک نظریہ سے مسلم ایک گناہ ہے کہ مسلمان کے پو شیدہ گناہ کو بر ملا کر تاہے کہ اس کی آبرو ریزی بھی کردی اور دوسروں کو گناہ پر ابھار بھی دیا اور گناہ کی قباحت اور برائی کو بھی ختم کر دیا اور منکر کو عام بھی کر دیا کہ اگر گنہگار زیادہ ہو جائیں گے اور لو گوں کی نظر میں گناہ کی اہمیت کم ہو گئی اوران کے لئے اس کے راستہ بھی کھل گئے اورآسان ہو گئے جیسا کہ (إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) (سورہ نو ر آیت ۱۹) اور (لَّا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا) (سورہ نساء آیت ۱۴۸)اس بات پر گواہ ہے کہ جو کا م بھی لوگوں کے گناہوں کو بر ملاکر دے اور گناہ کے رائج اور عام ہو نے کا موجب ہو وہ حرام ہے ۔

اور غیبت کا دوسر انظریہ اس صورت میں ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ اس سے باخبر ہوجا ئے اور آزردہ خاطر ہو اور یہ خود ایک دوسر اگناہ ہے ،با لاخر غیبت کبھی ایک پہلو کی حامل ہے اور مسلمان کے پوشیدہ گناہ کو برملا کر نا ہے اور کبھی دو پہلوکی حامل ہے کہ یہ گناہ کا عام اور بر ملا کرنا دوسروں کو بھی گناہ پر ابھا رے اورکبھی تین پہلو کی حامل ہے کہ جس کی غیبت کی گی ہے ، وہ آگاہ ہو کر آزردہ خاطر ہو کہ کم از کم غیبت کا گناہ یہی پہلا گناہ ہے اور اس کے بعد دوسرا اور تیسر ا جو دو بعدی اور سہ بعدی گناہ کو تشکیل دیتاہے ۔

مسئلہ ۔۸۸۰۔جس طرح کسی مسلمان کے گناہ کا بر ملا کرنا حرام ہے اسی طرح خود مکلف کا بھی اپنے پوشیدہ گناہو ں کو برملا کر نا اور بیا ن کر نا حرام ہے ؛کیونکہ یہ خود (تشیع الفاحشۃ)ہے کہ اپنی آبر و بھی لو ٹتا ہے اور دوسرو ں کے لئے گناہ کے راستہ بھی کھولتا ہے ، بالخصوص اگر پو شیدہ گناہ شخصیا ت کے ہوں کہ لوگوں کی نظر میں ایمانی ارکان میں شمار ہو تے ہو ں لہذا اس قانون کی رو شنی میں حاکم شرع کے سامنے گناہ کا اقرار بھی حرام ہے اور اس سے بھی زیا دہ حرام یہ ہے کہ حاکم شرع کسی کو اس کے گناہوں کے اعتراف کرانے پر مجبور کرے ، بالخصوص ایسے گناہ جس میں حد اور تغریر ہو تی ہے ؛ کیو نکہ اگر گنہگار کو پا ک کر نا مقصد ہے تو اس کا راستہ توبہ ہے ۔جس کا آپ سے کو ئی ربط نہیں ہے اور خود اس (گنہگار) سے ربط ہے اور اگر حد یا تغریر جا ری کر نا مقصد ہے تو یہ دو عینی گواہ کی گواہی میں منحصر ہے ؟بالخصوص جنسی گناہ میں کہ قرآن کر یم زنا اور لواط کے سلسلہ میں دو آیت کی روشنی میں چار عادل گواہ اور مساحقہ (چپٹی کھیلنے)میں چار عادل عورتوں کی گوا ہی اس کے شرائط کے ساتھ)شرط ہے کہ اقرار یا اس تعداد سے کم حد کے مور دمیں ہر گز قابل قبول نہیں ہے اور ان کجر دی اور انحراف

کے علم کی صورت میں صرف نہی از منکر کا مقام ہے اس کے شرائط کے ساتھ اور رسول اسلام ؐ سے منقول خبر میں ہے کہ ایک غا مدیہ نام کی عورت نے آپ کے سامنے زنا کا اقرار کیا توحضرت نے اس سے فرمایا :واپس جا کر استغفارکر و۔۔۔کہ یہاں پر گناہ کے اقرار کے بجائے استغفار مقرر فرمایا ہے ۔

مسئلہ ۸۸۱۔جو شخص اپنا گناہ خود بیان کرے یا پھر اس کے آشکار ہو نے کی اسے کو ئی پر وانہ ہو تو سب سے پہلے اس کو ہدایت کر نی چاہیے اور اس کام سے اسے روکنا چاہیے ۔چناچہ اگر اس نے با ت نہ مانی تو پھر اس کی غیبت حلال ہے ، مگر یہ کہ یہ راز کا فاش کر نا دوسروں کوگناہ کرنے پر ابھارے (پھر ایسی صورت میں یہ غیبت بھی جا ئز نہیں ہو گی) کہ غیبت کی حرمت ذاتی اور عمومی دونوں حق کی بنیا د پر ہے ۔او ر یہا ں پرخود شخص نے اپنا ذاتی حق ضائع کر دیاہے لہذا اس کا عمومی حق اپنی جگہ پر باقی ہے ۔

مسئلہ ۸۸۲۔منجملہ مواد جہاں پر یہ عمومی حق بھی ختم ہو جا تا ہے یہ ہے کہ صاحب غیبت ظالم ہو تو اسے لو گوں کے نزدیک رسو ا ہو نا چاہیے تاکہ اپنے ظلم سے باز آئے یا اس میں کمی کر ے یا پھر اعتبا ر اور حیثیت گر جا ئے تاکہ دوسرے افراد اسے دوری اختیار کر یں اور اس کے ظلم کا شکا ر نہ ہو ں کہ (الامن ظلم)جز اس کے کہ مظلوم واقع ہو اہے اسی سلسلہ کو بیا ن کر رہا ہے ۔

مسئلہ ۸۸۳یہ مظلومیت دو پہلو رکھتی ہے :ذاتی اور عمومی کہ اس کا عمومی پہلو تما م مسلمانوں یا مسلمانوں کے ایک گروہ یا اسلام کا مظلوم ہو نا ہے کہ ظالم ان دونوں پہلوں میں اپنے ذاتی حق کو پامال کر نے کے علاوہ اور اس کا عمومی حق اس کے ظلم کا پر دہ فاش کر نا اس کو رسو ا کر نے کے مقابلہ میں کوئی حرج نہیں رکھتایہاں پر اہم اور مہم کا مقابلہ ہے کہ اس کا اہم پہلو اس طرح کے ظالم سے کھلم کھلا ٹکرائو اور مقابلہ ہے ۔

مسئلہ ۸۸۴۔اگر کسی کا ذاتی ظلم اس ظلم کے عکس العمل سے کم تر ہو تویہاں پر اسی قانون کی روشنی میں راز فاش کر نا جا ئز نہیں ہے ،بلکہ ایک دوسرے طریقہ سے اس کے ظلم کا مقابلہ کر نا چاہیے کہ اس کے ظلم سے بد تر عکس العمل نہ رکھتاہو ۔

مسئلہ ۸۸۵ ۔اصولی طور پر اگر پو شیدہ گناہ کو فاش کر نا اگر خود گنا ہ سے بدتر عکس العمل نہ رکھتاہو تو حلال ہے کہ اس کے ظلم کے برابر ہے یا واجب ہے کہ راز فاش کر نے کا مناسب عکس العمل رکھتاہو ۔

مسئلہ ۸۸۶۔غیبت یا کسی دوسرے گناہو ں کے باب میں گناہوں کا مقابلہ کر نا اور اس کی تحقیق و بررسی لا زم ہے ۔جس کا گنا ہ کم سے کم ہے اس کی رعایت کی جا ئے او ر یہ موازنہ قرآن او رسنت قطیعہ کے مطابق ہو نہ تمام موازنہ اور دلائل کہ

شریعت کی نظر میں ہرگز کو ئی وزن اور اہمیت نہ رکھتے ہو ں اور اب ہم غیبت کے حلا ل یا واجب استثنائی موارد کا ذکر کریں گے ۔
مسئلہ ۸۸۷۔اس کا پہلامو ردیہ ہے کہ اگر کسی کی غیبت کسی ایسے شخص سے کر نا ہو جو اسے گناہ سے روک سکتاہو یا واجب کی طرف رہنما ئی کر سکتاہے تو یہانپر اس طرح کی غیبت نہ صرف حلال ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کے با ب سے واجب ہے ، کیو نکہ ((ان شیع الفا حشہ)) کا عمومی پہلو نہیں رکھتا اور اس کا خصوصی پہلو کہ اس کی ہتک حرمت اور بے عزتی ہے اس بر ائی کے تر ک کر نا کا عکس العمل کے مقابل یا اس کا ترک کر نا واجب جو بہت ہی ناچیز ہے ۔
مسئلہ۸۸۸۔اگر کسی کی غیبت کرنا ایسے خطرہ سے نجا ت دلانے کا موجب ہو جو غیبت کے فاش کر نے سے زیا دہ اہم ہو تو یہاں پر بھی اس کی غیبت کر نا واجب ہے جیسا کہ کبھی کبھی اما م صادق ؑ کی کچھ ایسے لوگوں کے پا س غیبت کر تے تھے تاکہ دشمنوں کے شر سے اس کی جان بچاسکیں بالاخر جس غیبت کی مصلحت مورد غیبت شحص یا کسی دوسرے یا اسلامی معاشرہ کی نسبت مفسرہ سے زیادہ مصلحت ہو تو ایسی غیبت کا حرام ہو نا تو دور بلکہ واجب بھی ہے جیسے کسی شخص یا کسی گروہ کے مال کو عیب دار بنا نا کہ وہ اہم ترین خطرہ سے اس کو نجا ت کا سبب ہو ، واجب ہے ۔جیساکہ حضرت خضر ؑ نے تنگدست اورفقیر افراد کی کشتی میں سوراخ کر دیا تھا کہ بادشاہ وقت اسے نہ لے سکے ۔
مسئلہ۸۸۹۔اگر کو ئی شخص آپ سے کسی معاملہ ، کسی کمپنی ،فیکٹری ،شادی بیا ہ یا کسی بھی دوسرے امر میں مشورہ کرے کہ یہ جو کر نا چاہتاہے اس کے حق میں ہے یا نہیں تو یہاں پر بھی اگر اس کی رہنمائی طرف مقابل کے بعض عیوب کے بیان کر نے کا باعث ہو تو یہاں پر مورد مشورہ شخص کی حفاظت سے زیادہ رہنمائی کرنے میں مصلحت ہو کہ اس نے وہ گناہ خفیہ طو ر پر انجا م دیاہے اور یہ بے گناہی ہے کہ کبھی اس گناہ میں مبتلا ہو جائے اور اپنی زندگی کو خراب کر ڈالے ،یقینایہا ں پر اس بے گنا ہ کی مصلحت کو تر جیح دینے کا مقام ہے ۔اور قرآنی قانون کی روشنی میں کہ شراب اور جوے کی علت کے با رے میں (وا ثمھا اکبر من نفعھا) ذکر ہو ا ہے یہ قانون کلی طور پر ہر اہم اور مہم کے درمیان تمام ضروری او ر غیر ضروری اور عصر و زمانہ اور ہر راستوں میں اہم ،مہم سے بالا تر ہے ۔
مسئلہ ۸۹۰ ۔اگر گزشتہ مسئلہ میں بیان شدہ شخص کے بارے میں آپ سب سے مشورہ لیا جا ئے تو ہدایت کے عنوان سے اسے اس معاملہ ایسے شخص سے معاملہ کرنے سے جس نے اس طرح کے معاملہ میں اپنی زندگی تباہ کر ڈالی ہے ،روکنا واجب ہے ۔اور اسے روکنے کے لیے اس کے راز کا فاش کر نا بقدر ضرورت ہو نا چاہئے نہ یہ کہ اس کے چھوٹے بڑے سارے گناہو نکو فاش کر نے کے لئے زبان کھول دو یا دوسروں کے نزدیک بھی فاش کر و ۔

مسئلہ ۸۹۱۔غیبت تو صرف کسی کے پو شیدہ گناہوں کو فاش کرنا ہے ،اس شخص کے بارے میں جو اپنے گناہ خود ہی فاش کر تاہے ،اس کی گنجائش ہی نہیں ہے ۔خواہ اس کے وہ گناہ ہو ں جسے اس نے چھپ کر انجام دیاہے اور خودہی اس گناہ کو علی الاعلا ن فاش کر تا پھرتاہے خواہ کھلم کھلا ہو کہ کسی پر واہ کے بغیر گناہ کر تا ہو۔ہر صورت اس طرح کے گناہ سے متعلق غیبت کر نا راز فاش کر نا اور ہتک حرمت نہینہے ،حرام نہیں ہے ،مگر یہ کہ دوسروں کو گناہ پر ابھارنے اور آمادہ کر نے کا موجب ہو تو اس عمومی حق کی رعایت کر تے ہو ئے یہاں پر بھی اس رخ سے اس کی غیبت حرام ہے یا جس شخص کی غیبت کی جا رہی ہے اس نے کسی مخصوص گروہ کے سامنے گناہ کیا ہو اور اس بات سے راضی نہ ہو کہ اس گروہ کے علاوہ کو ئی اورجا نے تویہاں پر بھی غیبت کا گناہ دو پہلو کاحامل ہے ۔
مسئلہ ۸۹۲۔کھلم کھلا فق کر نے والے لسے متعلق یعنی ایسا شخص جو لو گوں کے درمیان علی الاعلا ن گناہ کا مرتکب ہو تاہے تو ایسے شخص کی غیبت کر نا اس وقت جا ئز ہے جب اس کے اسی گناہ کو بیان کیا جائے جو اس نے کھلم کھلا اور عام کیا ہے ،نہ اس کے پوشیدہ فق (گناہ) کو بالاخر علی الاعلا ن فق اس کے آشکا ر پہلو میں غیبت کو جا ئز اور حلال کر تاہے نہ اس کے تمام پہلو وں اور اسعاد مینکہ اگر اس فق کا بیان کر نا ایک بے خبر اور لا علم گروہ کے درمیان ہو بالخصوص اگر گناہ کو ہلکا سمجھنے کا موجب ہو تو اس قسمکے مقامات پر اس کی غیبت حلال نہیں ہے ،چناچہ غیبت ان تمام گناہوں کی نسبت جو اس نے پو شیدہ طور سے انجام دیا ہے ،حرام ہے ۔
مسئلہ۸۹۳۔اگر گواہی دینے والے جھوٹی گواہی دیں یا گواہی دینے کی صلاحیت نہ رکھتے ہو ں تویہاں پر بھی اس شخص کی عزت و آبرو اور حیثیت کی حفاظت کر نا جس کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دی گئی ہے،ان جھوٹے گواہوں کی عزت اور آبرو کی حفاظت کرنے سے زیادہ واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ ان جھوٹے گواہوں نے جو کسی مسلمان کی عزت و آبرو لوٹنے کے لئے گواہی دی ہے کم سے کم فاش کرنے سے اس مسلمان کی آبرو کی حفاظت کرو ۔مسئلہ ۸۹۴۔اسی طرح اس راوی حدیث کا راز فاش کرنا جو فاسق اور جھوٹا ہے یا روایت حدیث کی لیا قت نہیں رکھتا کیو نکہ حدیث کی پا سداری کر نے کی صلاحیت نہیں رکھتا تاکہ خوش عقیدہ یا محقق افراد ایسے جھوٹے راوی کی روایت قبول کر کے گمرا ہ نہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ نہ کریں ۔اسی قانون کی روشنی میں وہ کتابیں جو دانستہ یا نا دانستہ طور پر دین کی طر ف جھو ٹی نسبت دیتی ہیں،ان کا بھی راز فاش کر نا واجب ہے ،البتہ اس طرح کے موارد قرآنی شریعت دونوں سے مخصوص ہے یا پھر اس عادل اور سنجیدہ مسلمان سے جو قرآن اور ایمان کی روشنی عالمانہ اور محققا نہ نفی و اثبات رکھتے ہیں نہ وہ

لو گ جو اپنی فکر کے تانے با نے اور فر ضیوں یا دوسروں کے فرضیوں سے عقیدہ کے مالک ہو ئے ہیناور اسی محور پر اپنے تقلیدی عقائد کو رد یا قبول کر تے ہیں ۔
مسئلہ ۸۹۵۔اسی طرح وا عظین،نظم پڑھنے والے یا وہ شریعت دان افراد جنہوں نے شریعت اور اسلام کوکھلو اڑ اور اپنے رزق حاصل کر نے کا وسیلہ بنالیا ہے اور اپنی گفتار اور رفتار میں ہمیشہ اپنے ذاتی مسائل کو نظر میں رکھتے ہینکہ ائمہ معصومین ؑ کی فرمائش کی روشنی مینایسے لوگ خائن اور غدار چرواہے ہیں لہذا جس معاشرہ میں یہ لوگ تبلیغی سرگرمی رکھتے ہیں ،اس میں ان کا راز فاش ہو نا چاہیے ۔
مسئلہ ۸۹۶۔اسی قسم سے ہے بدعت گزاروں کی نسبت راز فاش کر نا جو دین میں بدعت ایجا د کر تے ہینکہ یہ خود ہی اعتقادی فتنہ ہے اور چند آیا ت کی روشنی مینآدم کسی سے بھی بدترہے لہذا یہاں پر ایسے گمراہ کر نے والوں کا راز فاش ہو نا چاہئے تاکہ دھوکہ دھڑی کرنے والا ذلیل اور رسوا اورپیغمبر اکرمؐ کی صیحح روایت میں ہے کہ جب میرے بعد بدعت گزاروں اور شک کر نے والوں کو دیکھنا توان سے بیزاری کر نا اور جتنا چاہو انہیں لعنت اور ملامت کر و اور اپنے دین سے متعلق انہیں مورد بہتان قرار دو تاکہ اسلا م کو فاسد کر نے کی لا لچ پید انہ ہو اور لو گ ان سے دوری اختیار کریں اوران کی بدعتوں کی تعلیم حاصل نہ کر یں کہ خداوند عالم اس کے ذریعے تمہا رے نا مہ اعمال میں نیکیاں لکھے گا اور تمہارے درجا ت بلند کر ے گا ۔
مسئلہ ۸۹۷۔اصولا ہر عالم یا شریعت کے محافظ یا مزدور او ر نو کر یا تاجر یا کسان یا ڈاکٹر یا معما ر، معلم یا ہر وہ شخص جو دینی اور دنیاوی امور میں لوگوں کا مرجع ہے ، کی نسبت اگران میں سے کسی میں گمراہی یا غداری ملاحظہ کر و کہ ان سے رجو ع کر نے والوں کو نقصان اور انہیں تباہی سے دوچار ہو نا پڑے توصرف رجو ع کر نے والوں کے حدود میں اس کا راز فاش کر نا تمہا ری ذمہ داری ہے او ر بس جیسا کہ ہم نے جو تمام موارد شمار کیے ہیں ،سب میں ایسا ہی ہے ۔
مسئلہ۸۹۸۔راز کا فاش کرنا مذکورہ موارد میں جا ئز یا واجب ہے صرف اس صورت میں ہے کہ راز فاش کر نے والا اس طرح کی اہلیت رکھتا ہو کہ خود قرآنی شریعت دان ،عالم اورآ گاہ ہو یا پھر روشن ضمیر اور شائستہ مومن ہو نہ ہر کس و نا کس کو یہ حق ہے حاصل ہے کہ اسلامی معاشرہ کو ھرج مرج اور بے سروں مانی سے دوچار کرے ۔جیسے وہ احمق افراد جنہوں نے اپنے انقلابی ہو نے کے تصور سے لو گوں کی آبراور حیثیت پامال کر ڈالی ہے (الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا) (سورہ کہف آیت ۱۰۴) وہ خیال کر تے ہیں کہ پسندیدہ کا م کر رہے ہیں بلکہ وہ لوگ صیحح وسالم اسلامی معاشرہ میں غیبت اور تہمت کا ماحول بنا ڈالا ،نا امنی اور بے سکونی ایجا د کر کے آبرو ریزی کر تے ہیں کہ یہ خود ہی زمین میں فساد بر پا کر نا ہے ۔

مسئلہ۸۹۹۔غیبت کا اہم اور اصلی مورد پوشیدہ گناہوں سے متعلق راز کو فاش کرنا ہے کہ اگر دو یا چند افراد کسی گناہ سے باخبر ہیں تو گناہوں کو ان کے درمیان ذکر کرنا غیبت کرنے کے لحاظ سے حرام نہیں ہے مگر یہ کہ توہین ،تمسخر اور ان کے مانند دیگر عنوان کا حامل ہوجائے ؛کیونکہ غیبت "*ذِكْرُكَ أخاكَ بما يَكرَهُ* " ہے اگر *تم اپنے برادر دینی کو اس طرح یاد کرو کہ اگر وہ سنے تو اسے اچھا معلوم نہ ہو(اور وہ اسے ناپسند کرے) اور ناراض ہو تو آیۃ غیبت کی روشنی میں(أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ) (سورہ حجرات آیت ۱۲) برادر مومن کی غیبت مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے کہ اس کا مردہ ہونا اس کے غائب ہونے کے لحاظ سے ہے اور اس کے جسم کا گوشت کھانا اس کی آبروریزی کرنے اور اس کا راز فاش کرنے کے لحاظ سے ہے اور یہ سب صرف گناہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر نقص و کمی و نقصان سب کو شامل ہے ۔*

مسئلہ ۹۰۰ ۔"غیبت" اس چیز میں منحصر ہے جو واقعیت اور حقیقت رکھتی ہو لیکن پوشیدہ ہے یا اس کا مالک پوشیدہ رکھنے کا خواہاں اور عاشق ہے اور فا ش ہونے سے پریشان اب اگر کسی کی طرف کسی ایسے گناہ کی نسبت دی جائے کہ حقیقت نہ رکھتی ہو تو یہ بہتان اور تہمت ہے اور غیبت سے کہیں زیادہ برا اور نامعقول ہے کہ اگر کسی کی طرف زنا یا لواط یا ان کے مانند کی نسبت دو کہ تم خود بھی نہیں جانتے بلکہ اگر جانتے بھی ہو تو کیاتم نے خود دیکھا ہے ،لیکن اس پر شرعی گواہی کہ چار عادل گواہ ہوں ،نہیں رکھتے ہو تو یہاں پر اس کا فریضہ ہے کہ امکان کی صورت میں تم پر افترا کی حد جاری کرے ؛اس لئے کے جو لوگ کسی کی طرف کوئی نسبت دیتے ہیں اور اس پر شرعی گواہی نہیں رکھتے تو وہ قرآن کریم کی نص کی روشنی میں افترا کی حد کے مستحق ہیں کہ(وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) (سورہ نور آیت ٤) یہ ناروا تہمت کسی بھی شرعی وسیلہ سے حاکم شرع کے لئے محقق ہوا ور تہمت لگانے والے پر یہ حد جاری کرے اور اس تہمت کے سننے والوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی عدالت (اور دیگر شرائط کی) صورت میں اس افترا کی حاکم شرع کو خبر دیں۔

مسئلہ۹۰۱۔ غیبت یا تہمت جھوٹ کی مانند کہنے میں منحصر نہیں ہے بلکہ لکھنا،اشارہ کرنا اور سکوت اور اس کے مانند سے تصدیق کرنا بھی غیبت یا تہمت میں شمار ہوتے ہیں کہ (لایغتب) غیبت نہ کرو ایسا کام ہے کہ مسلمان کے خلاف راز فاش کرنا ہے خواہ زبان سے ہو یا لکھنے یا اشارہ اور اس کے مانند سے ہو۔

مسئلہ۹۰۲۔کبھی کبھی کچھ لوگ ہوشیاری اور شرعی(کلاہ گذاری) حیلہ کے خیال سے ایک مسلمان کی حیثیت کو گرادیتے ہیں اور اس طرح سے کہ قانونی غیبت سے بھی بدتر ہے مثال کے طور پر کہتا ہے :فلاں شخص کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا ، اس کے بارے میں کچھ کہنا غیبت ہے،ڈرتا ہوں کے کہیں غیبت نہ ہوجائے ورنہ اس کے بارے میں ایسی ایسی چیزیں جانتا ہوں کہ اگر آپ سنیں گے تو دماغ کھولنے لگے گا ۔اس طرح کے جملے جبکہ آپ نے اس طرح کے جملوں سے اس کے بارے میں سب کچھ کہہ دیا کہ اگر وہ ایک یا چند پوشیدہ گناہ بھی رکھتا تھا تو آپ نے اِس بے رنگ کلی بیان سے اس کے تمام ناموزوں رنگوں کو بیان کردیا ہے۔

مسئلہ۹۰۳۔جس طرح غیبت کرنا گناہ ہے اس کا سننا بھی گناہ ہے "لا یغتب" دونوں کو شامل ہوتا ہے جیسا کہ «*السامع للغیبۃ احد المغتابین*»غیبت کا سننے والا غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے۔

مسئلہ۹۰٤۔اس صورت میں غیبت سننا حرام ہے اور اس سے منع کرنا واجب ہے کہ سننے والا جانے کہ یہ غیبت مستثنیٰ موارد میں سے نہیں ہے اور اگر اس غیبت کے حرام یا حلال ہونے کے بارے میں نہ جانتا ہو تو اسے منع کرنے کا حق نہیں رکھتا ،کیونکہ معلوم نہیں کہ وہ منکر ہوگا اگر چہ احتیاطاً کسی غیبت میں اصل حرمت کی بنیاد پر اس کو نہ سنے اور دوسری طرف سے جو دلیل اس مشکوک غیبت کو حرام پر حمل کرتی ہے وہ بھی نہیں رکھتا اور اس لحاظ سے کہ اصولی طور پر کسی غیبت کو نہ سنا جائے مگر یہ کے میرے لئے اس کا حلال ہونا معلوم ہو ؛کیونکہ ادلہ غیبت کی عمومیت ان مشکوک موارد کو بھی شامل ہوتی ہے اور اگر معلوم نہ ہو کہ یہ غیبت استثنائی موارد میں احتیاط حق سے زیادہ قریب ہے ۔

مسئلہ۹۰٥۔کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو "انشااللہ غیبت نہیں ہے" کہکر حرام غیبت کو حلال کرنا چاہتے ہیں اور اس سے بدتر اور نا معقول کہ کسی کو واجب القتل شمار کر کے نہ صرف غیبت کو حلال کرتے ہیں بلکہ اسے واجب بھی کردیتے ہیں اور ان گمراہیوں اور کجرویوں سے خدا کی پناہ کہ بیہودہ خیالات سے حرام خدا کو حلال کردیتے ہیں۔

مسئلہ۹۰٦۔کلی طور پر رسول خدا کی مشہور روایت کی روشنی میں ایک مومن دوسرے مومن پر ۳۰ حق رکھتا ہےکہ اس سے کبھی بری الذمہ نہیں ہوسکتا مگر ان کے انجام دینے سے یا مورد بخشش واقع ہوجائےو اوروہ حقوق درج ذیل ہیں:

۱۔لغزش سے چشم پوشی کرے

۲۔اس پر پریشانی کی حالت میں رحم کرے

۳۔اس کے پوشیدہ عیوب کو پوشیدہ رکھے۔

٤۔اس کے عذر کو قبول کرے

٥۔اس کی غیبت کو رد کردے

٦ہمیشہ اسے نصیحت کرتا رہے

۷۔اس کی دوستی کی حفاظت کرے

۸۔اس کے عہد و پیمان اور امانت کی رعایت کرے

۹بیماری کے وقت اس کی عیادت کرے

۱۰۔اس کے مرنے کے بعد اس کی تدفین تکفین اور تجھیز میں شرکت کرے

۱۱۔اس کی درخواست کو قبول کرے

۱۲۔ اس کے ہدیہ کو قبول کرے

۱۳صلہ رحم کی تلافی کرے

۱٤۔اس کی نعمت کا شکریہ ادا کرے

۱٥۔ خوبی کے ساتھ اس کی مدد کرے

۱٦۔اس کی ناموس کی حفاظت کرے

۱۷۔اس کی حاجت کو پوری کرے

۱۸۔اس کی درخواست کو جہاں تک ہوسکے عملی جامہ پہنائے

۱۹۔جب اسے چھینک آئے تو یرحمک اللہ(خدا تم پر رحم کرے) کہے

۲۰۔اس کے گمشدہ کی رہنمائی کرے

۲۱۔اس کے سلام کا جواب دے

۲۲۔اس سے نرم لہجہ میں گفتگو کرے

۲۳۔اس کی نعمت کا جواب دے

۲٤۔اس کی قسم قبول کرے

۲۵۔اس کے دوستوں سے دوست ہوجائے اور ان سے دشمنی نہ کرے

۲٦۔اس کے ظلم کرنے اور اس کے مظلوم واقع ہونے میں اس کی مدد کرے(ظلم کرنے میں اس کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روکے اور مظلوم واقع ہونے میں مدد یہ ہے کہ اس کا حق واپس کرانے میں اس کی مدد کرے

۲۷۔اسے مشکلات میں تنہا نہ چھوڑے

۲۸۔اسے ذلیل نہ کرے

۲۹۔جو اپنے لئے پسند کرتا ہو وہی اس کے لئے پسند کرے

۳۰۔اور جو کچھ تمھیں ناپسند ہے اسے اس کے لئے بھی ناپسند کرو ۔

اگر تم میں سے کوئی ان برادرانہ حقوق میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس سے مطالبہ کرے گا اور خدا بھی اس کے خلاف حکم کرے گا۔

مسئلہ۹۰۷۔ان حقوق میں بہت سارے حقوق بالمقابلہ ہیں اگر آپ کا برادر دینی اس کی نسبت حقوق کی رعایت نہ کرے تو تم پر اس کی نسبت اس کی رعایت کرنا ضروری نہیں ہے لیکن ان میں سے بعض چیزیں بطور کلی اور مطلق واجب ہیں ۔مثال کے طور پر اگر وہ تمہاری مظلومیت میں مدد نہ کرے لیکن تم پر اس کی مدد کرنا واجب ہے اور اگر وہ تمہاری نسبت تمہاری غیبت میں حفاظت یعنی دفاع نہ کرے لیکن تم اس کے پیٹھ پیچھے اس کی حفاظت کرو ،اگر اس نے تمہاری ناموس ،عزت و آبرو ،مال وغیرہ کی حفاظت نہیں کی ہے تو تم اس کی ان تمام چیزوں کی حفاظت کرو بالاخر شرعی معیاروں کے مطابق معلوم ہے کہ ان ۳۰ حقوق میں سے کونسا مستقل طور پر واجب ہے اور کونسا بالمقابلہ اور سازگاری کی بنا پر واجب ہے۔

مسئلہ۹۰۸۔اگر جس شخص کی غیبت کی جاری ہے وہ غیبت کرنے والے کی نظر میں علی الاعلان فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے یعنی کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کسی شرم و حیا کے بغیر کوئی گناہ کرتا ہےتو اس کی غیبت حلال ہے لیکن اگر سننے والے کی نظر میں نہ کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور نہ ہی اس کی مانند تو اس کی غیبت حرام ہے اور اس طرح کی غیبت کا سننا بھی حرام ہے لیکن نہی از منکر کا بھی مقام نہیں ہے ،کیونکہ منکر اس کے انجام دینے والے کی نظر میں منکر اور برائی ہونا چاہیئے تا کہ اس سے روکا جا سکے مگر یہ کہ غیبت کرنے والے کی نظر میں خطا ہو تو اس صورت میں پہلے اسے قانع کرنا چاہیئے کہ وہ خطا کررہا ہے اس کے بعد

اگر اس غیبت پر عمداً اور جان بوجھ کر اصرار کررہا ہے تو اس کی بات نہ سننے کے علاوہ اسے نہی از منکربھی کرنا چاہیئے۔

مسئلہ۹۰۹۔غیبت کی شدید حرمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ غیبت کرنے والا جس کی غیبت کر رہا ہے اس شخص کی نسبت دورخی بات کرتا ہو یعنی جب اس کے سامنے آتا ہو تو اس کی تعریف کرنے لگے اور اس کے پیٹھ پیچھے نامناسب انداز میں اس کا راز فاش کرے کہ ایسے شخص کو روایات کی زبان میں "ذولسانین" کہا جاتا ہے جیسا کہ خبر میں ہے :ذولسانین (دو رخی کرنے والا انسان) قیامت کے دن دو آتشین زبان کے ساتھ میدان محشر میں آئے گا اور پیغمبر اعظم سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے برادر مومن کے سامنے اس کی تعریف کرے اور اس کے پیٹھ پیچھے اس کی غیبت کرے اور اس کا راز فاش کرے اور برا بھلا کہے تو ان دونوں کے درمیان برادر ایمانی کی عصمت تار تار ہوجاتی ہے اور حضرت محمد باقر ؑ سے مروی ہے کہ وہ بندہ کتنا برا بندہ ہے جو دو رخ اور دو زبان رکھتا ہے کہ اپنے بھائی کی موجودگی میں اس کی تعریف کرے اور اس کے پیٹھ پیچھے اس کے جسم کا گوشت کھائے۔

مسئلہ۹۱۰۔پوشیدہ گناہوں کو گنہکار اور ان لوگوں کے سامنے جو اس سے بے خبر ہیں ،کو بیان کرنا اور اور اس کے راز کو فاش کرنا بھی اس کی غیبت کے طرح حرام ہے بلکہ اس سے زیادہ گناہ ہے کہ اس کی غیبت میں کبھی آگاہ نہیں ہوتا اور اس سے رنج بھی نہیں ہوتا اور یہاں پر کہ ان کے سامنے راز فاش ہوتا ہے بہت زیادہ سخت ہے اگر چہ کبھی اس کی غیبت اس کے سامنے راز فاش کرنےسےبھی بدتر ہے ؛کیونکہ اپنی موجودگی کی صورت میں اپنا دفاع کرنے کا امکان رکھتا ہے ،لیکن پیٹھ پیچھے جبکہ اس سے آگاہ نہ ہو یہ امکان بھی سلب ہوچکا ہے اور یہاں پر گذشتہ تفصیلات کے ساتھ غیبت کے استثنا موارد جاری ہیں۔

تہمت

مسئلہ ۹۱۱۔تہمت ، غیبت سے کہیں زیادہ بر ی اور بدتر چیز ہے کہ مثال کے طور پر اگر کسی نے کسی کی طرف زنا ،لواط یا مساحقہ کی نسبت دی تو اس کی حد ۸۰ رتا زیا نہ ہے ، یہاں تک کہ اگر چار عادل سے کم مثلاً ۳, عادل گواہ حاکم شرع کے سامنے حرام کا ری اور جنسی عمل کر نے کی گواہی دینتو ان تینوں میں سے ہر ایک کو ۸۰ ۸۰کوڑا مارا جائے گا ۔
مسئلہ ۹۱۲۔مسلمان کی قسم کی بھی ناحق توہین حرام ہے ،اسی طرح عیب جو ئی اور چغلخوری ہے ۔اور (هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ) (سورہ قلم آیت ۱۱) دونوں ہی کی مذمت

کی گئی ہے اور ایسا کر نے والے پر لعنت کی گئی ہے اور مسخرہ کرنا بھی کہ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ) (سورہ حجرات آیت ۱۱) جس طرح غیبت زبان میں منحصر نہیں ہے اسی طرح آیا ت و روایات میں شمار کر دہ تمام موارد بھی جیسے تہمت اورغیبت کبھی اس طرح بد تر ہیں کہ اشارہ ،کنایہ تحریر وغیرہ وغیرہ سب حرام ہوں گے ۔اور کلی طور پر کسی مسلمان کو ناحق اذیت کر نا جس طرح سے ہو ،بالخصوص غیبت کر نا ،تہمت لگانا حرام ہے ۔

اذیت رسائی

(والذین یوذون المومنین الخ ص ۴۲۲ سو رہ حجرات آیت ۵۸) اورجو لوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کوناحق اذیت پہنچاتے ہیں (تو ان لو گوں نے ان کی شان کے مطابق کام نہیں کیا ہے) یقینا ان لوگوں نے بہتان اور عظیم گناہ کا (اپنی گردن پر) بوجھ اٹھایا ہے یہاں پر مومن کو اذیت دینا ایسے گناہ کے حدود میں قرار پایاہے کہ اس کے مستحق نہ ہوں اور بس ،پس اگر کسی مومن کو اذیت پہنچاؤ کہ وہ اس کا استحقاق نہیں رکھتا تو تم نے عملی طور پر ایسے گناہ سے متہم کیا ہی کہ گویا وہ اس اذیت کا مستحق ہے ۔

مسئلہ ۹۱۳ ۔ کلی طور پر اسلامی معاشرہ میں کسی قسم کی غیبت ، تہمت اور اذیت کی راہ ہموار نہ ہو نے پا ئے اور بد گمانی بھی کہ ایک عملی اثر کی حامل ہے ،حرام ہے یہ آصل قانون اسلامی اخلا ق سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کے سارے امور درست ہیں مگر یہ کہ قطعی طور پر اس کی نادرستگی معلوم ہو ۔بالاخر اسلامی معاشرہ اس درجہ پاک و پاکیزہ اورظریف ہو کہ کبھی کو ئی کسی دوسرے کے حق سے تعا رض نہ کرے ،جز اس صورت کے کہ شرعی معیا روں کے مطابق اس کے تعرض اور اذیت کا استحقاق رکھتاہو کہ یہاں پر بھی مصلحت کی صورت میں اس کو اذیت کر نے سے اجتناب کر ے ۔

مسئلہ ۹۱۴ جس طرح افراد کی غیبت کر نا ہے اسی طرح اجتماعی طور سے غیبت کر نا حرام ہے بلکہ اس سے بد تر ہے کہ مثال کے طور پر اگر کو ئی کیسے فلاں شہر یا دیہا ت یا محلہ والے ایسے ویسے ہیں یا اس معاشرہ میں چند یا ایک شخص ایسا ہے تو یہاں پر اس معاشرہ کے تمام لو گ غیبت ،تہمت اور بد گمانی کا نشانہ بنے یا یہ کہے کہ فلاں گلی میں ایک عورت فاسد ہے تو ایسی صورت میں اس گلی کی ساری عورتینبدگمانی کا نشانہ بنیں گی اور یہ بہت ہی عظیم گناہوں میں سے ہے ۔

مسئلہ۹۱۵۔کسی مسلمان اذیت کرنا حرام ہے ،مگریہ کہ اذیت کا مقابلہ خود وہ کر رہا ہو تو ایسی صورت میں اگر مصحلت کی گنجائش ہے تو اس سے چشم پوشی کر ے اور (ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ) (سورہ مومنون ،آیت ۹۶) جیسی آیات اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ بہترین روش سے اس کی برائی کو دو ر کر نا چاہیے ۔

مسئلہ ۹۱۶ ۔نا بالغ بچے کو اذیت کرنا اسی طرح اس کا فر کو اذیت پہنچانا جس نے کسی کو اذیت نہیں دی ہے حرام ہے، یہاں تک کہ حیوانات کو اذیت کر نا حرام ہے ۔

مسئلہ ۹۱۷۔اذیت کر نے کی بدترین قسم خدااور اس کے رسول کو اذیت کرنا ہے کہ ان میں اہم ترین مصداق (قر آن کریم) کو طاق پسیاں بنادیتااور اس پر عمل نہ کرنا ہے ۔اور اگر قرآن کے معانی کی جانب توجہ کرنے اور اس پر عمل کر نے کے بجا ئے صرف اسے حفظ کر نے اور پڑھنے کی ہمت کر ے اوراس کے مطالب سے بے خبر ہو یا اس سے بد تر اس کے مطالب کے خلاف بیا ن اور عمل کر ے تو یہ بد ترین گناہ اور اہم ترین محرمات میں سے ہے اور یہ حرام ہے ۔

لھو و لعب ،جوا اور شطرنج

مسئلہ ۹۱۸ ’’لھو‘‘ حق سے اعر اض اور روگردانی ہے اور چونکہ مسلمان کا فریضہ واجبات کی ادائیگی اورمحرمات سے اجتنا ب پس جو کا م بھی و اجب کے ترک کرنے اور حرام کے مرتکب ہو نے کا باعث ہو وہ لہو اور حرام ہے۔

مسئلہ ۹۱۹ ۔لہو کبھی انسان کو اصل دین سے رو گردانبنادیتاہے کہ یہ پہلے درجہ کے محرمات میں سے ہے اور کبھی انسان کو واجب کے ترک کرنے اور حرام کے مرتکب ہونے پر آمادہ کرتا ہے تو یہ دوسرے درجہ کی حرمت ہے اور کبھی انسان کو واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کرنے میں سست کردیتا ہے کہ یہ حرمت کا تیسرا درجہ ہے اور یہ ایک اسلامی قانون ہے کہ واجبات کے مقدمات واجب اور محرمات کے مقدمات حرام ہیں ۔

مسئلہ ۹۲۰:لہو کی حرمت کا لازمہ (جوا اور شطرنج کی طرح)ہارنا اور جیتنا نہیں ہے ،بلکہ خود لہو حرام ہے کہ اگر اس میں ہار اور جیت ہو اور اس کے مقابلہ میں مال ادا کیا جائے تو اس کی حرمت دو گنا ہو جائے گی ۔

مسئلہ ۹۲۱:جو کام بھی انسان کو اس کی شائستہ اور مناسب زندگی سے روک دیتا ہے کلی طور پر لہو اور حرام ہے جیسے شطرنج اور اس کے مانند کہ اگر فکر ی توانائی بڑھانے کی غرض سے ہو پھر بھی ناپسندیدہ نتیجہ رکھتا ہے جیسے وقت برباد کرنا ،دو آدمیوں کے درمیان دشمنی ڈالنا اور دیگر فضولیات اور مجموعی طور پر سنت قطعیہ کی روشنی میں شطرنج کلی طور پر حرام ہے ۔

مسئلہ ۹۲۲:اس چیز کی انجام دہی جو نوعاً لہو ہے اسلامی معاشرہ میں ممنوع ہے اگرچہ آپ بنفس نفیس خود اس میں مبتلا نہ ہوں ۔
مسئلہ ۹۲۳:''جوا ''کہ ہار اور جیت کے کھیل میں مشغول ہونا ہے خواہ درمیان میں مال ہو تو اور بھی بدتر خواہ نہ ہو دونوں صورتوں میں حرام ہے کیونکہ لہو ہے اگر مالی ہار ،جیت ہو تو لہو کے علاوہ مفت خوری بھی ہے اور جن آیات اور روایات نے لہو کو گناہ شمار کیا ہے ،اس گناہ کو مالی ہار اور جیت سے مخصوص نہیں جانا ہے ،بلکہ اس قسم کے موارد میں اس کے گناہ کو اس سے زیادہ بتایا ہے ،جیسا کہ سورہ مائدہ کی ۹۰ اور ۹۱ ویں آیت اس حقیقت پر واضح گواہ ہے کہ شیطان تمہارے درمیان شراب اور میسر (جوا) کے ذریعہ بغض اور عداوت ایجاد کرنا چاہتا ہے ۔اور تمہیں یاد خدا اور نماز سے روکتا ہے تو کیا تم ان سب (بری عادتوں اور حرام کاموں)کو ترک کر دو گے ؟
اس اصل اور قانون کی روشنی میں جو عمل بھی عداوت خیز اور بغض انگیز ہو یا انسان کو یاد خدا اور نماز یا دیگر واجبات سے کلی طور پر روک دے ،سب حرام ہے اور جوااپنی تمام اقسام کے ساتھ ایسا ہی ہے کہ مالی ہار اور جیت کے علاوہ بغض و عداوت کا بھی موجب ہے اور انسان کو یاد خدا ،نماز اور انفرادی و اجتماعی واجبات سے روکتا ہے ۔
مسئلہ ۹۲۴:اس قانون اور اصل کی روشنی میں جوا اپنی ساری قسموں کے ساتھ حرام ہے (جوا کی ساری قسمیں حرام ہیں)خواہ جوا کے مخصوص اسباب سے ہو یا نہ ،مالی ہار اور جیت ہو یا نہ کہ یہ سب جوا ہونے میں کہ لہو و لعب ہے اصل گناہ ہونے کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں ،اگرچہ گناہ کے شدت اور ضعف کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہے کہ جہاں پر مالی ہار اور جیت بھی ہو تو اس کا گناہ دوگنا ہے ۔حضرت امیر المومنین علیؑ سے مروی خبر میں ہے کہ آپؑ نے ''میسر '' کی تفسیر میں فرمایا :'' کل ما الھی عن ذکر اللہ فھو من المیسر ''جو چیز یاد خدا سے غافل کر دے وہ میسر ہے ''کہ اس سے مراد یاد الہٰی سے انحراف اور منصرف ہونا ہے کہ دلوں کو مردہ اور پژ مردہ بنایا اور دل سے یاد الہٰی کو فراموش کر دیتا ہے ۔
مسئلہ ۹۲۵:لہو و لعب اور جوے کے ہار جیت کی حالت جتنا زیادہ سے زیادہ ہو گی اتنا ہی اس کا گناہ بھی زیادہ ہے اور جوا اور شطرنج میں سے ایک ہے کہ کبھی فکر ورزش کے خیال سے اس کو صحیح قرار دیا گیا ہے ،جبکہ یہ خود خانہ برباد جوا ہے کہ کبھی کبھی کئی کئی دن ،ہفتے اور مہینے لگ جاتے ہیں ۔اور اصولاً انسان کو بہت سارے واجبات الہٰی اور اس کی عام اسلامی اور عوامی زندگی سے بھی روک دیتے ہیں اور اگر صرف اس جوا فکری ورزش اور کھیل ہونا اس کو حلال کر دے گا تو پھر اصولی طور پر کسی قسم کا جوا حرام نہیں ہونا چاہیے جز ہار اور جیت کی

صورت میں لیکن عام جوا (بالخصوص شطرنج میں)مالی ہار اور جیت سے زیادہ اہم حالی اور حیثیتی ہا ر،جیت ،وقت کا ضائع کرنا اور بہت سارے واجبات سے محروم ہونا ہے اور جیسا کہ گزر چکا سورہ مائدہ کی آیت نے شراب اور جوے کی حرمت کو ان چار اصول پر قراردیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اصل تنہا حرمت کے لئے کافی ہے اور اصولی طور پر جوا لہو و لعب کے گناہ کے علاوہ ہار اور جیت ایک گناہ کے علاوہ ہار اور جیت ایک گناہ ہے او ر(قرآن کریم)میں بھی صرف اور صرف جوا اور میسر کا ذکر ہوا ہے کہ جوا کلی طور لہو و لعب بھی ہے اور میسر بھی کہ خود ان دونوں کا نمایاں نمونہ ہو گا۔

۹۲۶:جیسا کہ غیبت اور تمام محرمات میں کبھی کبھی استثناً ہوا ہے ،ہار اور جیت میں بھی ایسا ہی ہے کہ تیر اندازی ،گھوڑ سواری ،تیراکی اور دوڑ کے مقابلہ معتبر نصوص کی روشنی میں ہار اور جیت حلال ہے کہ اس وقت گھوڑ سواری کے بجائے ہوائی ،دریائی اور زمینی گاڑیوں ہیں اور تیر اندازی کے بدلہ (ماضی میں تیر و کمان سے)تیر اندازی میں انواع و اقسام اسلحے ،میزائیلیں ،توپ ،ٹینک اور ان کے مانند اسلحے ہیں اور اس کے بعد تیراکی اور دوڑ کہ اب تک اپنے معمول کے مطابق ہی ہے -

مگر یہ کہ دوڑنے اور تیراکی کرنے کے لئے اسباب و وسائل فراہم ہوں کہ تیراکی اور دوڑ کا وسیلہ ہو ں اور چنانچہ یہ سب اسلامی معاشرہ کی دفاعی اور جنگی فوج کی بنیاد کو مضبوط کرنے کی غرض سے ہوں گے تو اسلامی حکومت و اسلامی اقدار کے ضروری اسباب میں ہوں گے ،چنانچہ اگر اس کی تشویق کے لئے کوئی رقم منظور ہو تو بہت ہی مناسب اور کام کو تیزی سے آگے بڑھانے میں ترغیب اور الہٰی فوج کی مکمل بنیاد کے تحقق کا موجب ہو گا ۔اور بالاخر یہ ہار اور جیت مفت خوری اور لہو و لعب نہیں ہے ،بلکہ جنگی افواج کی پھر سے تعمیر ہے جو امکان اور توانائی کی صورت میں واجب ہے ۔اور آیات(وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ) (سورہ انفال ،آیت ۶۰)کی روشنی میں تمام جنگی آلات او اسباب کی فراہمی ہے ہر فوج اور قوت کے مکلفین کے اختیار میں ہے اسے اسلام کا دفاع اور اسلامی ناموس کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جائے مگر اس کے جس کی حرمت میں میدان کار زار میں سستی دکھانے کی حرمت سے زیادہ یا اس کے برابر ہو ۔

مسئلہ ۹۲۷:''میسرۃ ''لغت میں آسانی یا آسان مکان کے معنی میں ہے کہ اصطلاحاً مصدر یا اسم مکان ہے کہ خود ہی بغض وعداوت اور ذکر اللہ اور نماز سے روکنے کا وسیلہ ہے چنانچہ مالی ہار جیت،عزت و آبرو اور حیثیت کے ہارنے اور جیتنے اور غلبہ کرنے کا وسیلہ ہے جو دشمنی کا موجب ہے اور چونکہ ان گناہوں کے

سارے اسباب و وسائل گناہ ہیں ،اس کے آسان وسائل کے میسر اور قمار ہے یہ بھی گناہ ہیں ،بلکہ بہت بڑا گناہ ہے اور اصولی طور پر ہر وہ کام جو کسی کو بربادی اور خلاف کاری اور انسان کو حرام کام کرنے پر مجبور کرے اور کسی واجب کی ادائیگی سے روکے اور حرام کام کے کرنے پر مجبور کرے ''اثم''اور گناہ ہے کہ انسان کو اس کے واجبات کی ادائیگی سے سست کرتا اور محرمات کی انجام میں چست اور تیز تر بناتا ہے ۔جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت میں ''شراب اور میسر ''کے جواب کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ (يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ) (سورہ بقرہ ،آیت ۲۱۹)چونکہ ''اثم ''ہر اس کام کو کہتے ہیں جو انسان کو واجبات کی ادائیگی میں سست کرتا ہے ''اثم کبیر ''بھی فطری طور پر وہ ہے جو واجبات سے روکتا ہے کہ واجبات کے ترک کرنے اور محرمات کے انجام دینے کا موجب ہے اور اس کے حرام ہار اور جیت کے سلسلہ میں (دیگر محرمات کے علاوہ)وہ مال ہے جو باطل طریقہ سے کھاتا اور کھلاتا ہے اور اس کے علاوہ اس کے جملہ محرمات میں سے بغض و عداوت کرنا اور ذکر اللہ اور نماز سے روکنا ہے ،یہاں تک کہ اگر انسان کو ان محرمات سے نزدیک کرے تو بھی حرام ہے چہ جائیکہ انسان کو ان سے آلودہ کر دے کہ یہ چاروں طریقے،تمام گناہوں کی طرح ''اثم ''کے لحاظ سے حرام ہیں چہ جائیکہ ''اثم کبیر'' ہو کہ بغض و عداوت اور یاد الہٰی اور نماز سے روکنا بھی ساتھ ساتھ ہو کہ یہ اعمال گناہاں کبیرہ میں شمار ہوتے ہیں کہ پہلے دو گناہ اجتماعی اور معاشرتی ہیں اور دوسرے دو گناہ براہ راست حضرت اقدس الہٰی کی نسبت ہیں اور ان چاروں گناہ کا کرنے والا گناہوں کے اصول کا مرتکب ہوا ہے ۔

مسئلہ ۹۲۸:یہ ''میسر ''باطل اور حرام ہے ،اس کے مقابلہ میں حق ''میسر '' بھی ہے کہ '' **سارعوا الي مغفرة من ربكم** '' کہ راہ مغفرت میں جلدی کرنے اور سرعت دکھانے کو واجب شمار کیا ہے کہ اس کا آسان راستہ میسر حق ہے جو بہتر اور تیزی کے ساتھ انسان کو فریضہ کی ادائیگی تک پہنچا دیتا ہے ۔

مسئلہ ۹۲۹:ہر وہ کام جو انسان کو تکلیف اور فریضہ الہٰی کی ادائیگی سے سست کرے ،چہ جائیکہ اس سے روک دے ''اثم ''ہے اور آیات حرمت کی روشنی میں ''اثم '' کلی طور پر حرام ہے ۔اور جو چیز اور کام بھی انسان کو آسانی کے ساتھ حرام کے ارتکاب کرنے یا واجب کے ترک کرنے کیلئے آمادہ کر دے باطل ''میسر ''ہے کہ اس کی حرمت میں کوئی شک ہی نہیں ہے ۔

اور اگر اس کے مقابلہ میں واجب کام کی ادائیگی اور حرام کے ترک کرنے کو آسان بنا دے تو وہ حق ہے اور یہ دونوں حق و باطل ،اس کا حق مشکل ترین مقدمات کی وجہ سے اور باطل مشکل ترین مقدمات کی وجہ سے زیادہ حق اور زیادہ باطل ہے

،لہٰذا جس طرح واجبات اور محرمات ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں اسی طرح ان کے مقدمات بھی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے مراتب اور درجات ہیں ۔

۶۔''آواز ،موسیقی ،رقص اور لہو و لعب ''

مسئلہ ۹۳۰:رقص و سرور ،موسیقی اور آواز وغیرہ وغیرہ اس صورت میں جب (عقلی احتمال کے ساتھ) حرام کا موجب ہو یا انسان کو واجب کی ادائیگی اور حرام کے ترک کرنے میں سست کرے وہ لہو و لعب اور حرام ہے اور اس کی تشخیص صحیح و سالم ایمانی عرف پر ہے ۔

مسئلہ ۹۳۱:مرد کا نا محرم عورت کے لئے اور عورت کا نامحرم مرد کے لئے بطور مطلق حرام ہے ۔

مسئلہ ۹۳۲:''لہو ''کے دو پہلو ہیں : ۱۔زندگی کے واجبات سے روکنا ۔۲۔ عبادی واجبات سے روکنا کہ دونوں ہی انسان کو فرائض کی انجام دہی سے روکنے اور انسان کو لا ابالی بنانے میں ہم آہنگ اور متحد ہیں بالخصوص عیش و طرب کی محفلیں کہ رقص و سرور اور سازو آواز کے ساتھ میں بالاخص جب عورتوں کے درمیان مردوں کی شرکت ہو تو اس قسم کی محفلیں قطعی طور پر لہو و لعب اور چند جانبہ حرام ہیں ۔

مسئلہ ۹۳۳:''لھو الحدیث ''یا کسی قسم کا لہو و لعب کہ چند آیتوں میں حرام قرار دیا گیا ہے ،کلی طور پر گفتگو اور اس کام کو شامل ہے جو ان دونوں قسم کی گمراہیوں یا کسی ایک کا حامل ہو ،مثال کے طور پر سورہ لقمان کی آیت ۶ میں (وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ) (سورہ لقمان ،آیت ۶۔)بعض لوگ لہو و لعب کے طالب اور خریدار ہیں تاکہ (لوگوں کو)راہ الہٰی سے گمراہ کر دیں ۔اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے (اور یہ وہ لوگ ہیں جو) راہ خدا کا مذاق اڑاتے اور اسے سنجیدگی کے ساتھ نہیں اپناتے ۔کہ یہاں پر جو گناہ کا اصلی محور ہے ''لھوالحدیث ''گمراہ کرنا ،گمراہ ہونا اور خدا کے راستے کو ہلکا لینا ہےکہ معمولی او رباطل قصے ،کہانیوں کو اہمیت دے اور اس سے دل لگائے اور نتیجتاً حق باتوں سے دور ہو جائے ۔

مسئلہ ۹۳۴:اس اصل اور قانون کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی حوزات علمیہ کے رائج علوم جو قرآنی محور پر نہیں ہیں ،بلکہ علوم اسلامی کے طلاب کو علوم قرآن سے دور کر کے معارف قرآن کے حصول کے لئے سد راہ بن گئے ہیں یہ سب ''لھو الحدیث ''کے نمونے ہیں اور ان سے دل لگانا گناہ اور بے راہ روی اختیار کرنا ہے اور انکار کا مقام بھی نہیں ہے کہ ہمارے حوزوں میں قرآن ایک اجنبی کتاب کی طرح ہے کہ اگر اس کا استعمال ہوتا بھی ہے تو جنبی اور حاشیہ دروس کے عنوان سے اور جن مقامات پر علوم حوزہ کی اصطلاحات اور خیالات سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے

تو اس کی باطل تاویل کر دیتے ہیں ،یا پھر ان کے اور ان کے نظریات سے آیۃ شریفہ کو معطل کر دیتے ہیں اور نص یا اس کے ظاہر کے خلاف نظریہ دے کہ اس پر عمل کرتے ہیں ۔

مسئلہ ۹۳۵:''لھو '' ہر کام اور ہر بات میں ہے جو آدمی کا دل مشغول کر کے اس کو مردہ بنا دیتا ہے اور اس میں روح و ایمان کو قتل کرتا یا شہوت میں غرق کر دیتا ہے ،بنا بریں آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ واجبات میں سست یا اس سے رو گرداں ہو جاتا ہے ۔ یا محرمات کے ترک کرنے میں اسے سست بناتا اوراس سے بد ترکہ اسکا استقبال کرتا ہے، یہ سب کا سب حرام ہے اور لہو و لعب، رقص و سرور، موسیقی، گانے بجانے اور آواز میں چار پہلو کا حامل ہے کہ ایک خوبصورت جوان رعنا عورت رقص کرے اور گائے اور جو چیز گا رہی ہے لہو و لعب ہو اور ساز بھی بجائے کہ یہ سب لہو و لعب اور حرام ہے ، بالآخر کبھی یہ حرمت وسیع ابعاد و جوانب پیدا کرتی ہے یہاں تک کہ ۲ یا ۳ یا ۴ پہلو سے لہو و لعب حرام ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۹۳۶۔ کبھی کبھی گانے والا جو گاتا ہے معنوی لحاظ سے صرف دل کو مشغول ہی نہیں کرتا اور اسے مردہ ہی نہیں بناتا بلکہ کبھی زندہ بھی کرتا ہے ، لیکن وزن کے لحاظ سے طرب آور اور لہو و لعب ہے چونکہ اس پاکیزہ معنی کی توہین ہے صرف اس رخ سے حرام ہے مگر یہ کہ مناسب اور یاد دہانی کرانے والے معنی سے ہم آھنگ ہو گیا ہے اس لئے اسکے وزن کی لہو و لعب والی حالت محو اور ناچیز ہو جاتی ہے اور اگر توہین بھی نہ ہو تو اس صورت میں حرام نہیں ہو گا جیسے قرآن ، مرثیہ اور اسکے مانند دلنواز صدا (جیسا کہ فیض کاشانی نے اپنی کتاب میں اسکا فتوی دیا ہے)نیز ہر وہ دلنواز آواز جو لہو و لعب کی حالت سے مخصوص نہ ہو۔

مسئلہ ۹۳۷۔ کبھی گانا برعکس ہے کہ آواز خود بخود لہو نہیں ہے ، لیکن جو مطلب پڑھ رہا ہے وہ لہو ہے اور یہاں پر معنی کے لہو ہونے کے اعتبار سے حرام ہے، جیسے ایسی نا پسند آواز جو خود بخود لہو نہیں ہے لیکن جو چیز پڑھ رہا ہے وہ معنی کے لحاظ سے حرام ہے بالآخر جہاں پر لہو پیش آتا ہے کہ موسیقی یا آواز یا رقص و سرور یا کوئی بھی بے معنی اور گمراہ کرنے والی چیز ہو تو ایسے موارد میں حرام ہے ۔

مسئلہ ۹۳۸۔ " لہو" کاتمام پہلووں کے لحاظ سے انجام دینا، اس سے استفادہ کرنا یا صرف ایسی بزم میں حاضرہونا چاہے آنکھ اور کان بند بھی کرلے جبکہ یہ لہو کسی فرد یا کسی گروہ کی موجودگی میں انجام پائے پھر بھی حرام ہے اور اس بزم میں رہنا بھی دو جہت سے حرام ہے۔

۷۔ " گناہوں کی بزموں میں شرکت"

اصولی طور پر گناہوں کی بزموں میں شرکت کرنا اگرچہ خود گناہ میں آلودہ نہ ہو پھر بھی حرام ہے ، مگر اس صورت میں کہ ان بزموں میں نہی از منکر کرو اور وعظ و

نصیحت اور رہنمائی کی صورت ہو جیسا کہ سورہ انعام کی ۶۸ویں آیت میں عمومی طور پر ارشاد ہوتا ہے: "وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ " [246] "اور جب تم دیکھو کہ کچھ لوگ ہماری آیات اور نشانیوں میں غرق ہیں کہ انکو بے اثر بنائیں یا نقض کریں تو ان سے روگردانی اختیار کرو تاکہ وہ دیگر باتوں میں غرق ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد دہانی کرانے کے بعد ہر گزظالم گروہ کے ساتھ نہ بیٹھو" کہ یہاں پر سب سے پہلے کافروں کے ساتھ انکی نشست میں شرکت کو جو آیات الھی میں غور و خوض کرتے ہیں منع فرمایا ہے ۔ اور آخر میں کلی طور پر ستمگروں کی بزم میں بیٹھنے کو حرام قرار دیا ہے اور حرام بزم جتنی بری سے بری ہو گی اتنا ہی اس بزم میں شرکت بری سے بری ہو گی۔کہ سورہ نساء کی آیت ۱۴۰ کی روشنی میں گناہ کی محفلوں اور مجلسوں میں شرکت کرنا گناہ کرنے والوں کی طرح جانا گیا ہے اور ارشاد ہوتا ہے: وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتابِ أَنْ إِذا سَمِعْتُمْ آياتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِها وَ يُسْتَهْزَأُ بِها فَلا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا في‏ حَديثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذاً مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جامِعُ الْمُنافِقينَ وَ الْكافِرينَ في‏ جَهَنَّمَ جَميعاً [247] "یقینا اس نے تم پر کتاب نازل کی (انعام کی آیت پر نظر ہے) کہ جب تم سنو کہ آیات الھی کا انکار ہو رہا ہے یا اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو انکے ساتھ ہر گز نشست نہ کرو یہاں تک کہ دیگر باتوں میں غور و خوض کرنے لگیں (والا) ورنہ تم لوگ بھی اس ناشائستہ نشست میں انہی کی طرح ہو اور یقینا خدا وند عالم کفار اور منافقین کو جہنم میں جمع کرے گا" اگرچہ اس بزم میں آیات الھی کا انکار اور اسکا مذاق اڑانے کا ذکر ہوا ہے لیکن سورہ انعام کی آیت کے آخری حصہ پر نظر کرتے ہوئے کہ ارشاد ہوتا ہے : وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ [248] کلی طور پر کافروں کے ساتھ بیٹھنا (بالخصوص انکے ظلم کرنے کی حالت میں) حرام بتایا گیا ہے چونکہ اس کا رنگ نفا ق کا رنگ ہے کہ اگر خود اس پر راضی نہیں ہے تو پھر گناہ کرنے والوں کے ساتھ بیٹھتے کیوں ہو ؟ اور اس اصل کی بنیاد پر نہ صرف کافروں کے جلسہ کفر میں بیٹھنا یا شراب خوروں کے ساتھ انکی شراب نوشی کی بزم میں بیٹھنا بلکہ عمومی طور پر تمام ستمگروں کے ساتھ بیٹھنا کسی بھی ستم میں انہی ستمگروں کے ہم قدم چلنا ہے کہ اپنی اسی نشست سے اس ظلم کی تائید کرو گے ۔ اور دوسروں کی نظر میں انہی کے زمرہ میں قلمداد ہو گے، مگر یہ کہ ایسی نشست میں وعظ و نصیحت اور

---

[۲۴۶] سورہ انعام آیت ٦٨
[۲۴۷] سورہ نساء آیت ١٤٠
[۲۴۸] سورہ انعام آیت ٦٨

نہی از منکر کا فریضہ ادا کرو تو حرام ہونا تو دور بلکہ واجب بھی ہے ، اتنی ہی دیر تک کہ اپنا واجبی فریضہ انجام دو نہ اس کے بعد تک اور آخرکار اگر تمہارا موعظہ اثر نہ کرے تو فورا اس بزم کو ترک کر دو اور یہ خود نہی از منکر کا ایک مرحلہ ہے۔

مسئلہ ۹۴۰- جیسا کہ ہم نے بیان کیا (لہو) سارے رخ سے حرام ہے یہاں تک کہ اگر کسی شکار میں حیوانات کی جان سے کھلواڑ کرو اور تمہیں اس کے گوشت کی ضرورت ہو ورنہ یہ شکارحرام ہے کہ حیوانوں کی جان سے کھلواڑ کرنا لہو و لعب کے علاوہ خود ایک ظلم ہے ۔

مسئلہ ۹۴۱- لہو و لعب کے عنوان سے کبوتر بازی بھی حرام ہے ، مگر اس صورت میں کہ لہو و لعب کا عنوان نہ ہو صرف کبوتروں کو اڑا کر ایک حلال تفریح کرو کہ تمہارے شرعی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ ڈالے لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے جلاد کبوتروں کے ذریعے دوسروں کے کبوتروں سے دست درازی نہ کرو۔

۸- "ظالموں کی مدد کرنا"

مسئلہ ۹۴۲ – ظالموں کی ان کے ظلم میں مدد کرنا بھی ایک ایسا گناہ ہے کہ ان کے ظلم کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے ظلم کے ہم آہنگ شمار ہو **اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُحِلُّواْ شَعَآئِرَ اللّهِ وَلاَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلاَ الْهَدْيَ وَلاَ الْقَلآئِدَ وَلا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُواْ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُواْ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**[249] گناہ اور تجاوز میں مدد نہ کرو ، یہ اس حکم میں ایک واضح نص ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ **مَنْ يَشْفَعْ شَفاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصيبٌ مِنْها وَ مَنْ يَشْفَعْ شَفاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْها وَ كانَ اللَّهُ عَلى كُلِّ شَيْءٍ مُقيتاً**[250] جو شخص بھی ناپسندیدہ اور بری ثالثی کرے تو اس کا بعض حصہ اسی کے لئے ہے ، کہ ظلم اور ہر گناہ میں کسی قسم کی مداخلت اور شرکت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور اس کے کرنے والوں کو گنہگاروں کے ہم پلہ اور ان کے شریک قرار دیا ہے ، اس قانون کی بنیاد پر کسی حلال چیز کا کسی ایسے انسان سے فروخت کرنا جو اسے حرام میں تبدیل کردے یا اس کا حرام طریقہ سے مصرف کرے تو یہ سب حرام ہے خواہ حرام کے مقدمہ میں ہو یا خود حرام ہو یا اس سے بدتر سب میں کمک کرو گے۔

---

[۲۴۹] سورہ مائدہ آیت ۲
[۲۵۰] سورہ نساء آیت ۸۵

مسئلہ ۹۴۳۔ اگر ظالم کی مدد کرنے کا اثر اس کی مدد نہ کرنے سے زیادہ ہو تو یہ جائز بلکہ واجب ہے مثال کہ طور پہ ظالم کی معمولی مدد کرکے انسان کشی وغیرہ جیسے بڑے ظلم سے روکنا مقصد ہو۔

۹۔"نالائق افراد کی تجلیل کرنا"

مسئلہ ۹۴۴۔ کسی نالائق یا مذمت کے حقدار انسان کی تعریف و توصیف کرنا بھی گناہ ہے جیسا کہ سورہ آل عمران کی ۱۸ ویں آیۃ کریمہ **لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ**[251] "ان لوگوں کو خوشحال خیال نہ کرو اس وجہ سے جو وہ کر چکے ہیں اور جو انہوں نے کیا نہیں ہے اس کی شکر گزاری کے خواہش مند ہیں انہیں ہر گز خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے دور ہیں اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے" پس اس قانون کی روشنی میں جو شخص ایسے افراد کی ستائش کرے ، اس نے جھوٹی تعریف بھی کی اور جو اللہ کی ناراضگی کا مورد ہے اس کی مدح بھی کی اوراصولی طور پر حقائق پر پردہ ڈالنا گناہ ہے اگرچہ یہ پردہ پوشی برے نتائج کے لحاظ سے گوناگوں ہے ۔

۱۰۔ "ہاتھ دیکھنا اور جادو"

مسئلہ ۹۴۵۔ ہاتھ دیکھنا اور قیافہ (چال، ڈھال، رنگ روپ، حالات و آثار سے کسی کے بارے میں غیب کی باتیں بتانا) کہ غیب گوئی پر مشتمل ہو گناہ ہے، کیونکہ غیب گوئی خداوند سبحان سے مخصوص ہے یا جو اس کے مخصوص بندے ہیں اور ہاتھ دیکھنے والے ، قیافہ دیکھ کر اندازہ لگانے والے ، فال دیکھنے والے اور ان کے مانند افراد اپنے غیب نما خیالوں سے کلی طور پر انسانی زندگی کے سالم اور پرسکون معیاروں کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور اس کے ذریعے حرام کام اور مفت خوری کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۹۴۶۔ جادو اورشعبدہ بازی کی ساری قسمیں قرآن کریم اورحدیث کی رو سے حرام ہیں اور اس کے ذریعہ یا غیر شرعی وسائل سے لوگوں کے جرائم اور سیاہ کارناموں کے بارے میں جو خبریں دی جاتی ہیں ، خود جرم ، افتراء اور شریعت کی نظر میں تحقیق و جستجو کی طالب ہے کہ مثال کے طور پر اس کے ذریعہ کسی پر چوری ، زنا یا آدم کشی اور اس کے مانند کا الزام لگائیں کہ یہ سب حرام اور تحقیق اور جستجو کا مورد ہے۔

مسئلہ ۹۴۷۔ امکان کی صورت میں سحر کے اثر کو باطل کرنا واجب ہے اور اس کا حدیث کی روشنی میں بہترین وسیلہ قرآن کریم کی ۱۰۰ آیتوں کا پڑھنا ہے اور سورہ یونس کی آیت **فَلَمَّا أَلْقَواْ قَالَ مُوسَى مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللّهَ لاَ يُصْلِحُ عَمَلَ**

---

[251] سورہ آل عمران آیت ۱۸۸

الْمُفْسِدِينَ[252] جو کچھ تم نے پیش کیا ہے وہ جادو ہے اور بیشک خدا وند متعال سحر کو باطل اور نابود کر دے گا ، کہ فرعون کے ساحروں کے بارے میں ہے لیکن ہمارے زمانے میں جادو کی اعلی قسم بھی فرعونی جادوگروں کے سحر سے بہت کم ہے حضرت موسی کے عصا کا اعجاز قرآن کے اعجاز سے بہت ہی معمولی ہے بنا براین قرآن کریم ۱۰۰ فیصد ساحر کے ہر سحر کو باطل کرنے پر قادر ہے، خواہ کسی ساحر اور جادوگر کا سحر ہو اسے باطل کر دے گا ، جیسا کہ بارہا تجربہ بھی ہوا ہے ، قرآن کی ۱۰۰ آیات کا پڑھنا اس وقت سحر کو باطل کرتا ہے جب ایمان اور عقیدہ کے ساتھ ہو اور سات مرتبہ "یا اللہ" کہ کر اخلاص کے ساتھ خدا وند قدوس سے حاجت طلب کرے۔

۱۱۔ "گالی بکنا اوربرا بھلا کہنا"

مسئلہ ۹۴۸۔ کسی مومن کو گالی دینا اور اسے برا بھلا کہنا حرام ہے کیوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ اذیت ہے اور اسوقت کسی جھوٹ کی نسبت دیتا ہے اور بغض و دشمنی کا موجب ہے بلکہ مشرکوں کو بھی برا بھلا کہنا اور انہیں گالی بالخصوص اگر یہ نازیبا حرکت خدا وند عالم اور اسلامی مقدسات کو برا بھلا کہنے کا موجب ہو حرام ہے کہ ارشاد ہوتا ہے **وَلا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّه فَيَسُبُّوا اللّه عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذلِكَ زَيَّنّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِما كانُوا يَعْمَلُونَ**[253] "جو لوگ خدا کے علاوہ کسی کی پرستش کرتے ہیں انہیں برا بھلا نہ کہو کہ وہ لوگ جہالت میں خدا کو برا بھلا کہیں گے " ہاں گالم گلوچ اور برا بھلا کہنا نہ گمراہوں کے خلاف تبلیغات کہ جتنی زیادہ اور بہتر سے بہتر ہو واجب ہے۔

مسئلہ ۹۴۹۔ اگر کسی مومن نے کسی مومن کو گالی دے دی تو اس کا گالی سے جواب دینا حرام ہے اگرچہ جس نے پہل کی ہے وہ زیادہ گنہگار ہے جیسا کہ ان دو افراد کے بارے میں جو ایک دوسرے کو گالی دے رہے تھے حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : ابتدا کرنے والا زیادہ ظالم ہے لیکن نتیجتا جواب دینے والا بھی ظالم ہے۔

۱۲۔ "واجبات کی اجرت لینا"

مسئلہ ۹۵۰۔ واجبات کی اجرت لینا کلی طور پر حرام ہے خواہ عینی واجبات ہوں یا کفائی اور خود ہی مفت خوری ہے اور ایسا کام ہے جو شریعت کے حکم سے (بدون اجرت بغیر اخروی اجر کے) تم پر واجب ہوا ہے اس کام کے لئے کسی سے اجرت لو اگرچہ وہ شخص اس واجب کے انجام دینے کے مورد میں رہا ہو اور تم نے بھی اس کی انجام دہی کے لئے کچھ مال خرچ کیا مثال کے طور پر امر بالمعروف اور نہی از

---

[۲۵۲] سورہ یونس آیت ۸۱
[۲۵۳] سورہ انعام آیت ۱۰۸

منکر کے لئے یا واجب احکام کی تعلیم یا مردوں کی نسبت واجبات کی انجام دہی کے لئے طرف مقابل سے اجرت لینے کا تمہیں حق نہیں ہے ، اگرچہ بیت المال کا تمہاری ضرورت پر اس قسم کے اخراجات کا ذمہ دار ہونا واجب ہے اور اگر آپ ضرورت مند بھی ہوں تو واجبات کے مقابلے میں کوئی رقم لینے کا جواز نہیں رکھتے کہ آپ کی معاشی ضرورت کسی دوسرے طریقہ یا آخرکار بیت المال مسلمین سے پوری کی جائے۔

۱۳۔ "براہ راست ولایت پر اجرت"

مسئلہ ۹۵۱۔ منجملہ موارد جہاں پر اجرت لینا قطعا حرام ہے کہ یتیم کا سرپرست جو اس کے کاموں کی نسبت ولایت رکھتا ہے البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ معمولا اس طرح کے کاموں کو انجام دینے کے لئے مزدور نہیں رکھا جاتا اور سورہ نساء کی چھٹی آیت اس حکم پر قوی نص ہے کہ **وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا**[254] اگر یتیم کا ولی بے نیاز ہو تو اس پر اپنی ولایت کے فرائض انجام دینے کے لئے اجرت نہ لینا واجب ہے اور اگر ضرورت مند ہے تو بقدر ضرورت اس میں سے کچھ لےلے کہ یتیم کے مال کے لئے قابل برداشت ہو اور یتیم کے بارے میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ یتیم کے بے سرپرست ہونے کے لحاظ سے مالدار افراد مفت اور بدون اجرت اور ناتواں اور ضرورت مند افراد بقدر ضرورت اجرت لے کر یتیم کی نسبت اپنی ولایت کے فرائض انجام دیں۔(شیخ طوسی نے نہایہ اور ابن ادریس نے سرائرمیں بقدر ضرورت اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے نہ اجرۃ المثل کو اور شیخ طوسی کی کتاب مبسوط اور ابن ادریس کی سرائر اور شہید ثانی کی مسالک میں اسے فقر اور احتیاج سے مشروط جانا ہے) اگر بے نیاز افراد تک رسائی ہے تو یہاں پر ضرورت مند افراد بھی اجرت لے کر ولایت کا حق نہیں رکھتے۔

مسئلہ ۹۵۲۔ واجبات کفائی جو معاشی نظام کی حفاظت کے لئے ہیں ، اس حکم سے مستثنی ہیں کہ تجارت، معماری، زراعت، اور طبابت اور اس کے مانند اصولی طور پر اس صورت میں امکان رکھتے ہیں کہ اپنی زندگی گزارنے کے لئے اس قسم کے شغل رکھتے ہوں اور صرف عبادی واجبات ہیں جن میں اجرت نہیں ہے جیسے واجبات کی تعلیمات ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ، مردہ کے لئے واجبات کی انجام دہی ، یتیم کی ولایت اور اس کے مانند امور لیکن معاشی واجبات ایسے نہیں ہیں ، بلکہ انکا وجوب اس صورت میں ہے کہ انسان کی زندگی کا ادارہ کرے اور اس کے علاوہ

[254] سورہ نساء آیت ٦

صورت میں مفت کھلانا اور حرام ہے مگر اس صورت میں کہ دونوں ہی کام اجرت رکھتے ہوں اور برابر سے ایک دوسرے سے معاوضہ ہوں ، آخر کار ہر وہ کام جو معاشی زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے ہے اسی اسرار معاش کی روشنی میں واجب کفائی کے عنوان سے معین ہوئے ہیں کہ کام کرنے والے کے لئے بھی اسرار معاش ہے ۔اور دوسروں کے لئے بھی کام نکالنا ہے مثلا "**تجارۃ عن تراض**" کہ اہم ترین واجبات کفائی میں سے ایک واجب ہے اس وقت معنی دار ہے جب اس سے فائدہ ہو اور زندگی کا ارادہ کرے ورنہ تجارت نہیں ہے ، بلکہ سستی، کاہلی، بے کاری اور خسارہ ہے کہ بے کاری سے بھی بدتر ہے مگر اس تجارت میں کہ تمہارا مد مقابل ضرورت مند اور مدد کے لائق ہو اور آپ کو بھی اس سے مدد لینے کی ضرورت نہ ہو۔

مسئلہ ۹۵۳۔ جس طرح ہر مکلف پر حرام کام کرنا حرام ہے اسی طرح دوسروں کو حرام کام کرنے پر مجبور کرنا یا ابھارنا بھی حرام ہے جس طرح ہر مکلف پر کسی حرام چیز کا کھانا اور پینا حرام ہے اسی طرح دوسروں کو کھلانا اور پلانا بھی حرام ہے۔

۱۴۔ "مردوں کے لئے ریشم اور سونا"

مسئلہ ۹۵۴۔ مرد کے لئے ریشمی لباس اور سونے کی کوئی چیز سے زینت کرنا حرام ہے، جز ضروری موارد کہ جیسے سونے کے دانت لگوانا کہ مورد استعمال دانتوں کی حفاظت کے لئے ہے (نہ زینت کے لئے) اور جنگ میں ریشمی لباس کے علاوہ۔

۱۵۔ "لباس شہرت پہننا"

مسئلہ ۹۵۵۔ مردوں کے لئے عورتوں کے مخصوص لباس پہننا اور عورتوں کے لئے مردوں کے مخصوص لباس پہننا حرام ہے اسی طرح لباس شہرت بھی ہےجس پر انگلی اٹھے اور غیبت تہمت اورمذاق اڑانے کا موجب ہو۔

۱۶۔"رشوت"

مسئلہ ۹۵۶۔ رشوت لینا اور دینا دونوں ہی بہت عظیم محرمات میں سےہیں ، جز اس راہ کے کہ رشوت کےذریعہ شائستہ شرعی حکم صادر کرے اگرچہ حاکم فاسق ہو اور حکم دینے کا حق نہیں رکھتا، لیکن مسلم حق کو لینے کے لئے اسے رشوت دینا حرام نہیں ہے اگرچہ ہر صورت میں لینا حرام ہے، کیونکہ اسکی مخصوص آیتوں میں **وَ لا تَأْكُلُوا أَمْوالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْباطِلِ وَ تُدْلُوا بِها إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقاً مِنْ أَمْوالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ**[255] ذکر ہوا کہ رشوت لے کر مفت خوری کرو اور رشوت مال دینے میں منحصر نہیں ہے ، بلکہ وہ تمام کام بھی جو حاکم شرع کو حکم کرنے کے سلسلہ میں سربلند اور خوشحال کرےخود معنوی رشوت اور حرام ہے۔

---

[۲۵۵] سورہ بقرہ ۱۸۸

۱۷- "بے مورد اجرتیں"

مسئلہ ۹۵۷- کسی ایسے کام کے سلسلے میں کوئی رقم لینا یا دینا جسکی اجرت حکومت یا کسی اور سے لیتا ہے یا لے چکا ہے ، حرام ہے لیکن یہ رشوت نہیں ہے ، کیوں کہ رشوت صرف اور صرف کتاب و سنت میں قاضی شرعی کے حکم کرنے میں ہے اور اس کے علاوہ صورت میں اس کی مذمت اس سے کم ہے ، مثال کے طور پر حکومت کا کار گزار جو تنخواہ لیتا ہے اس کے بدلے اس سے متعلق کام میں رجوع کرنے والوں کا کام کرے ، اگر اپنے فریضہ کو انجام دینے میں کوئی رقم لے تو یہ حرام ہے اور اگر جلدی انجام دینے کے لئے کوئی اجرت لے اور دوسروں کے حق کی تاخیر کا موجب ہو تو یہ بھی حرام ہے ، جز اس صورت کے کہ اضافی کام کرتا ہے اور کسی کا حق ضائع نہیں کرتا بطور اجرت کوئی رقم لے تو اشکال نہیں ہے بالآخر مفت خوری کی تمام قسمیں حرام ہیں اگرچہ حرمت کے مراتب مفت خوری کے لحاظ سے الگ ہیں۔

مسئلہ ۹۵۸- حاکم شرع بھی اگر دیگر شریعت دانوں کی طرح زندگی گزارنے کے لئے ضرورت مند ہے تو اس کے حقوق بیت المال سے دیئے جائیں ، لوگوں سے پہلے کوئی رقم لیئے بغیر یا لوگوں سے کوئی امید رکھتا ہو ، شرعی ججوں کا اس طرح ادارہ کیا جائے کہ ان کی روز مرہ کی زندگی ان کی شان کے مطابق ادارہ ہو تاکہ منفعت جوئی اور اضافہ طلبی کا عذر کلی طور سے برطرف ہو جائے اور کوئی طاقت اور دولت اس پر حاکم اور موثر نہ ہو سکے۔

مسئلہ ۹۵۹- فیصلے کے موارد کے علاوہ بھی اپنا مسلم حق لینے کے لئے کوئی رقم خرچ کرنا جائز ہے اگرچہ طرف مقابل کے لئے لینا حرام ہے جیسے ربا (سود) کہ کلی طور پر حرام ہے ، لیکن ضرورت اور مجبوری کے وقت دینا جائز ہے۔

۱۸- "مستی کے عوامل"

مسئلہ ۹۶۰- ہر مست کرنے والی چیز کا بنانا ، کھانا ، کھلانا ، خرید و فروخت کرنا اور اس کا لانا لے جانا کہ انہی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہو حرام ہے جیسے گاڑی کا کرائے پر دینا لینا یا شراب، عرق اور ہر مست کرنے والی چیز کو دینا حرام ہے۔

۱۹- "جن چیزوں کا معمولی استعمال حرام ہے"

مسئلہ ۹۶۱- موسیقی ، جوا اور اس کے مانند آلات کا معمولی فائدہ حرام ہے اور اس کو جا بجا کرنے میں خواہ اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت کے حرام ہے مگر یہ کہ اس کا حلال مصرف ہو۔

۲۰- "گمراہی کے اسباب"

مسئلہ ۹۶۲- آڈیو اور ویڈیو ، کتابیں اور سیڈیاں اور اس کے مانند اگر گمراہی ، لہو و لعب اوربے سرو سامانی کے اسباب ہیں تو مستی اور تمام حرام کاموں کے اسباب کی طرح حرام ہیں ، مگر یہ کہ اسطرح کی گمراہ کرنے والی کتابیں ان کے نقض اور رد کرنے کے لئے ہوں تو واجب ہے۔

۲۱- "کھانے کی نجس اشیاء"

مسئلہ ۹۶۳- کھانے کا نجس تیل اور کھانے اور پینے کی چیزیں اور اس کے مانند چیزیں نجس یا متنجس ہونے کی وجہ سے یا غصب کرنے اور اس کے مانند کاکھانا اور پینا حرام ہے تو ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے مگر اس صورت میں کہ غصب کے علاوہ مورد میں کھانے اور پینے کے علاوہ حلال کاموں میں استعمال ہو ، لیکن غصب کے مورد میں اس کا استعمال کسی صورت حلال نہیں ہے اس کا دوسروں کو کھلانا بھی حرام ہے۔

۲۲- "ایسا حلال جو حرام یا بے ارزش استفادہ کا مورد ہو"

مسئلہ ۹۶۴- کسی ایسے شخص سے انگور بیچنا کہ جانتا ہو یا عرفی اور عقلائی احتمال دےکہ اسے شراب بنانے کے لئے خریدرہا ہے ، اسی طرح ہر اس حلال چیز کا خریدنا جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ خریدار اسے حرام کاموں استعمال کرے گا چہ جائیکہ انگور شراب بنانے کے لئے فروخت کرےیہ سب (شفاعۃ سیئۃ) بری ثالثی کے ذیل میں آتے ہیں اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُحِلُّواْ شَعَآئِرَ اللّهِ وَلاَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلاَ الْهَدْيَ وَلاَ الْقَلآئِدَ وَلا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُواْ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُواْ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[256] بھی حرام پر مدد اور حرام کے وسیلہ کے عنوان سے کلی طور پر حرام ہے ۔

مسئلہ ۹۶۵- قاتلوں اور لٹیرے افراد کو قتل و غارت گری کے اوزار بیچنا خواہ کافر ہوں یا مسلمان حرام ہے کیوں کہ یہ بھی حرام کام میں مدد اور حرام کام کا وسیلہ ہونے کے لحاظ سے حرام اور ممنوع ہے۔

مسئلہ ۹۶۶- بے قیمت چیزوں کی خرید و فروخت یا لغو یا بے قیمت کاموں کے لئے اجرت دینا یہ سب بیوقوفی ، دیوانگی ، بلا عوض مفت خوری اور کھلانے کے لحاظ سے حرام ہے۔

۲۳- "شرط بندی"

[۲۵۶] سورہ مائدہ آیت ۲

مسئلہ ۹۶۷- لوگوں کے درمیان رائج ہر قسم کی شرط بندی حرام ہے ، اگرچہ یک طرفہ ہوکہ اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہیں اتنا پیسہ دوں گا مگر اس صورت میں کہ یہ کام تمہارے لئے کوئی منفعت رکھتا ہو کہ اصطلاح میں (جعالہ) ہے اور حلال قرارداد ہے ، خواہ دو طرفہ ہو کہ یہاں پر جوا ہے، بہر صورت جو شرطیں لگائی جاتی ہیں اور اس کے عوض جو رقم معین کی جاتی ہے اور اس میں حلال عاقلانہ نہ رکھتا ہو یا پھر مفت خوری کرنے اور کرانے کے عنوان سے ہو یا جوا کے عنوان سے کہ لہو ولعب بھی ہے ان تمام موارد میں اس کی حرمت چند جانبہ ہو جاتی ہے اور کلاہ شرعی کے عنوان سے کلمہ نظر کی شرط "اللہ علّی" (خدا کے لئے مجھ پر واجب ہے) کو حلال کرنے کے لئے ہو مثلا اگر آپ اکھٹا ۵ کلو انگور کھا جائیں گے تو میں آپ کوہزار تومان دوں گا ، تو یہ بھی حرام ہے ؛کیوں کہ یہ کھانا رجحان تو رکھتا نہیں مال اور حال کے اسراف کے عنوان سے دو جانبہ حرام ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے بالآخر نذر میں حلال مادی یا معنوی فائدہ شرط ہے لیکن یہاں پر مالی ، جانی اور حالی ضرر کے سوا کوئی اور چیز مقصود نہیں ہے پھر قہری طور پر اس کی مذمت بھی چند جانبہ ہے اور جعالہ میں بھی جیسا کہ گزر چکا ، قرار داد عاقلانہ ہونا چاہیئے تاکہ صحیح عقد کی طرح نافذ ہو اور بالآخر کوئی بھی کلاہ شرعی جیسے ٹکٹ ایسے مبلغ میں بیچتے ہیں کہ غریبوں کو فائدہ پہونچانے اور دوسری طرف ان لوگوں کو فائدہ کا وعدہ دیں جن کا نام قرعہ کشی میں آئے گا جبکہ بہت کم فیصد خریدنے والے غریبوں کے لئے یہ ٹکٹ خریدیں گے نہ وہ سب تو یہ بھی حرام ہے ، بلکہ اگر کسی کی مراد صرف غرباء ہوں تو کبھی اس قسم کا مبلغ نہیں دیں گے کہ قسمت آزمائی سے مخلوط ہو بلکہ براہ راست خود ہی ان غریبوں کو جنھیں وہ پہچانتے ہیں اپنے ہاتھ سے دے دیں گے ۔ آخر کار اس طرح کی قسمت آزمائی جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس کا کچھ فیصد بھی غریبوں تک پہونچے گا یا نہیں تو حرام اور خود عمومی جوا ہے جو خصوصی جوا سے زیادہ مذمت رکھتا ہے اور جب اس کا کچھ فیصد غریبوں کو ملے پھر بھی اس کا بعض دیگر حصہ حرام ہے۔

ہاں علمی ، ثقافتی اور ایمانی وغیرہ تشویق میں شرط لگانا جیسے جنگ کی تقویت اور مشرکین سے قتال کرنے اور اسلام سے تجاوز کرنے والوں سے جنگ کی آمادگی کرانے کے مقابلہ میں ضروری اور مناسب ہے بالخصوص اس وقت کہ جب مال دینے والا کوئی اور ہو کہ خود نیکی اور تقوی میں مدد اور تعاون ہے لیکن اثم اور عدوان میں تعاون مفت خوری اور مفت کھلانا ہے کہ شرط کے ساتھ ہو یا بدون شرط دونوں صورتوں میں حرام ہے ۔

مسئلہ ۹۶۸- لوگوں کو بیوقوف بنانے اور انھیں ٹوپی پہنانے اور ان کے ساتھ دھوکہ دھڑی کرنے کی تمام اقسام حرام ہیں ۔ خواہ حیلہ شرعی کے ساتھ ہو کہ اور ہی برا اور ناقابل بیان ہے ، خواہ عرفی کلاہ گزاری کے ساتھ ہو کہ یہ ساری دھوکہ دھڑی اور بے

ایمانی مفت خوری یا حق سے زیادہ لوگوں سے لینے کے لئے ہے اور یہ ساری کی ساری باطل اور حرام ہیں اوریا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَأْكُلُوا أَمْوالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْباطِلِ إِلاّ أَنْ تَكُونَ تِجارَةً عَنْ تَراضٍ مِنْكُمْ وَ لا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّه كانَ بِكُمْ رَحِيماً[257] جیسی آیات کی روشنی میں کلی طور پر ممنوع ہیں۔

مسئلہ ۹۶۹۔ آخر کار کلی اور مختصر طور پرسارے گناہ سورہ اعراف کی آیت قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُواْ بِاللّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ[258] کے ذیل میں پانچ قسم کے ہیں۔

مسئلہ ۹۷۰۔ "الفوحش" تجاوز کرنے گناہ ہیں کہ یا قتل ، چوری ، تہمت ، غیبت ، گمراہ کرنے ، فساد پھیلانے وغیرہ جیسے دوسروں کے ساتھ تجاوز کرنے والے ہیں یا پھر معمولی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں جیسے شراب خوری اور اگر دونوں قسم کے گناہ پر مشتمل تجاوز ہے تو پھر واویلا اور جو ہم نے شمار کیا ہے اگر دوسروں کے ساتھ تجاوز کرنے کا موجب ہو تو سارے کے سارے دو اعتبار سے یعنی تجاوز کرنے اور حرمت کے لحاظ سے حرام ہیں۔

مسئلہ ۹۷۱۔ (مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ) نے ہمارے شمار کرنے کے علاوہ گناہوں کو دو قسم میں تقسیم کیا ہے ایک آشکار اور کھلم کھلا اور دوسرا پوشیدہ کہ پوشیدہ جیسے شرک کا عقیدہ اور تمام انحرافی عقائد ہیں ، اور اس کا آشکار جیسے فاسد عقائد کا ظاہر کرنا اور غلط پروپیگنڈا کرنا یا کفر ، شرک ، بت پرستی ، اور تمام گناہوں کا ظاہر کرنا ہے۔

مسئلہ ۹۷۲۔ "اثم" تمام گمراہ کرنے والے افکار و خیالات ،رفتار ، گفتار ، خاموشی ، انحرافی نیت ،عقائد اور امور کہ انسان کو اس کے واجبات کی انجام دہی میں سست کرتے ہیں یا کوئی واجب کام جو ٹال مٹول اور کاہلی کا شکار ہو جائے یا فعل حرام ہو کہ اس کے ترک کرنے میں کوتاہی کی جائے اور اس کی نسبت لا پرواہ ہو جائے یہ سارے کے سارے اثم ہیں اور جو چیزیں انسان کو گناہ کے نزدیک کرتے اور اسے اس کے لئے آسان بناتے ہیں وہ ا"اثم "کے ذیل میں آتے ہیں کہ قرآن کریم کی ۴۸ ویں آیت میں صریحا حرام کئے گئے ہیں، حرام ہیں۔

مسئلہ ۹۷۳۔ (وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ) کسی پر ناحق ظلم کرنا کہ اسکے برابر ظلم کا جواب نہ ہو یا کسی سے ناحق کسی چیز یا کسی کام کا مطالبہ کرنا بالآخر ہر ناحق مطالبہ اور ہر غیر منصفانہ ستم گناہان کبیرہ میں سے ہے۔

---

[۲۵۷] سورہ نساء ۲۹
[۲۵۸] سورہ اعراف آیت ۳۳

مسئلہ ۹۷۴- (وَأَن تُشْرِكُواْ بِاللّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا) کہ تمام اوصاف میں خدا وند عالم کے لئے یا ذات الہی یا اس کے بعض صفات میں کسی شریک یا شرکاء کا قائل ہو جبکہ خدا وند عالم نے کسی شخص کو کسی چیز پر عالم تخلیق میں ربوبی تسلط نہیں دیا ہے یہاں تک کہ رسول جو وحی کے لانے والے ہیں اور شرک ، بت پرستی ، تینوں زاویوں سے ہے ،حرام ہے تمام توحیدی گمراہیوں اور ریا کاری اگرچہ ان کے درمیان فرق ہے۔

مسئلہ ۹۷۵- (وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ) اور جو کچھ تم لوگ وحی رسالت اور کتاب و سنت کے ذریعہ نہیں جانتے اس کی خدا کی طرف نسبت دو تو اس آیہ کریمہ کا مصداق ہے کہ خدا کی طرف جھوٹی نسبت دینا اور افترا پردازی کرنا ہے ۔ افسوس ان شریعت کے محافظین پر کہ کتاب اور سنت سے کوئی صحیح دلیل رکھے بغیر کسی چیز کی شریعت خدا کی طرف نسبت دیتے یا کتاب اللہ اور سنت قطعیہ کے خلاف فتوے یا نظریات بیان دیتے ہیں کہ اعوذ باللہ ان اکون من الجھلین۔

مسئلہ ۹۷۶- بالآخر تمام ظاہری گناہ " ماظھر " اور باطنی " ما بطن " "والاثم والبغی بغیر الحق" اسی ایک آیہ کے ذیل میں واقع ہوئے ہیں کہ اس کی تفصیل قرآن اور سنت میں واضح طور پر بیان ہوئی ہے۔

اور ہم نے بھی تفسیر شریف الفرقان میں اس سے متعلق بسط و تفصیل سے گفتگو کی ہے، آنکھ ، کان ، زبان ، منہ ، ہاتھ ، پاؤں ، شرمگاہ اور سارے اعضائے بدن کے ظاہری گناہ اور روح ، عقل ، غلط علم اور عقیدہ اور ان پر اڑے رہنا وغیرہ یہ سب باطنی گناہ ہیں اور اسی ایک آیت پر مشتمل ہیں اور گناہان کبیرہ اور صغیرہ میں تمییز بھی قرآن اور سنت کی روشنی میں واضح ہے۔

۲۴- "ذاتی حقوق کا دفاع"

مسئلہ ۹۷۷- اگر کوئی شخص آپ کی جان ، آپ کے مال اور آپ کی آبرو سے کھلواڑ کرے تو آپ اسی کے بقدر اپنی تلافی کرنے کا حق رکھتے ہیں ، لیکن اگر عفو و درگزر کے ذریعہ اسے گناہ سے روک سکتے ہیں تو بہت ہی اچھا ہے ، بلکہ نہی از منکر کے باب سے واجب ہے۔

مسئلہ ۹۷۸- ذاتی تجاوز کی تلافی ان مقامات میں محدود ہے کہ اگر اس کام میں کوئی دوسرا اشکال نہ ہو اور اگر کوئی شخص آپ پر تہمت لگائے یا غیبت کرے یا گالی دے تو آپ اس کی غیبت یا اس پر تہمت لگا کر یا اسی کی طرح گالم گلوچ کر کے اپنی تلافی نہیں کر سکتے یا اگر کوئی بے حیا کسی کی ناموس کے ساتھ تجاوز کرے تو وہ شخص اس کی ناموس کے ساتھ تجاوز کرنے کا حق نہیں رکھتا! یا اگر تم سے جھوٹ بولے تو آپ اسی کے بقدر جھوٹ نہیں بول سکتے ، اور اس طرح کے موارد میں تجاوز کا جواب صرف اور صرف اس کے مانند تلافی کرنا نہیں ہے بلکہ ان موارد میں

کلی طور پر دیگر احکام جاری ہیں کہ ان افراد کا حکم حدود اور تعزیرات کے باب میں معین ہوا ہے۔
مسئلہ ۹۷۹۔ صرف اور صرف مومن کی جان ، اس کے مال اور احترام کی نسبت جو اس کا حق ہے، تلافی کی گنجائش ہے کہ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ[259] نہ یہ کہ اس طرح کا جواب خدا کے اصل حکم سے بھی منافات رکھتا ہو اور اگر کوئی شخص آپ کو کسی عقیدہ میں گمراہ کرے تو آپ اسی کے بقدر یا اس سے کم تر اسے گمراہ نہیں کر سکتے اور کلی طور پر مسلمانوں کے تمام نفی و اثبات فساد دور کرنے اور صلح و اصلاح کرنے کے لئے ہونا چاہیئے۔
مسئلہ ۹۸۰۔ اگر کوئی آپ پر قاتلانہ اور جان لیوا حملہ کر دے تو امکانی حد تک اپنا دفاع کرنا واجب ہے اور اگر آپ نے دفاع کیا اور اس میں مد مقابل مر جائے تو اس کا خون بہا نہیں ہے اور کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔
مسئلہ ۹۸۱۔ اگر آپ تن تنہا اپنا دفاع نہ کر سکیں تو آپ پردوسروں سے مدد لینا واجب ہے اور اس غیر پر بھی امکان اور توانائی کی صورت میں ایسے موارد میں مدد کرنا واجب ہے ، جز اس صورت کے کہ اسے بھی جان کا خطرہ لاحق ہو تو پھر آپ پر اپنا دفاع کرنا واجب ہے۔
مسئلہ ۹۸۲۔ اگر کوئی چور آپا کا مال چرانے کے لئے آپ پر حملہ کر دے تو آپ پر اپنے مال کی حفاظت کی خاطر دفاع کرنا واجب ہے بشرطیکہ آپ کے لئے اور اس کے لئے کوئی جانی خطرہ نہ ہو مگر اس صورت میں کہ چور آپ کا مال لوٹنے اور چرانے کے لئے آپ کی جان کے ساتھ بھی تجاوز کرے تو ایسی صورت میں اپنی جان کی حفاظت کے عنوان سے گذشتہ دو مسئلوں کا حکم رکھتے ہیں اور اگر لا علمی میں اور نا خواستہ طور پر شرعی دفاع کے ضمن میں فریق مر جائے تو آپ پر اس کی دیت بھی نہیں ہے۔
مسئلہ ۹۸۳۔ اگر آپ چور پر کامیاب ہو گئے تو پھر آپ اسے تنبیہ کرنے کا حق نہیں رکھتے یا شرعی محاکمہ کے حوالے کرنے کا حق نہیں رکھتے ، کیونکہ اولا اس نے کوئی چیز چرائی نہیں ہے اور اگر اس نے چرایا بھی ہے تو اسے حاکم شرع کے سامنے دو عادل گواہ کے ذریعہ ثابت کر سکتے ہیں ، بنا بر این یہاں پر آپ کا فریضہ صرف اسے نصیحت کر کے آزاد کر دینا ہے ۔
مسئلہ ۹۸۴۔ اگر کوئی شخص اضطرار کی صورت میں نا خواستہ اپنی ضرورت زندگی پوری کرنے کے لئے بقدر ضرورت چوری کر لے تو اس کے بارے میں

[۲۵۹] سورہ بقرہ آیت ۱۹۴

چوروں کے کوئی احکامات جاری نہیں کر سکتے بلکہ توانائی کی صورت میں اس کی ضرورت کو برطرف کرنا چاہیئے یا اس کے لئے کوئی کام فراہم کرنا چاہیئے۔
مسئلہ ۹۸۵۔ اگر کسی شخص نے کسی مرد کو دیکھا کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ ہمبستری کر رہا ہے اسی طرح اگر بیوی اپنے شوہر کو دیکھے کہ کسی اجنبی عورت کے ساتھ منہ کالا کر رہا ہے تو دونوں ہی صورتوں میں اپنا دفاع اور نہی از منکر واجب ہے،اس کے برخلاف جو کہا جاتا ہے اس شخص کا قتل کرنا ہر گز جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے مگر یہ کہ اپنے دفاع کرنے میں وہ شخص مر جائے مجموعی طور پر اسلامی حقوق بالخصوص اجتماعی حقوق کا دفاع امکانی حد تک ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ اعتقادی لحاظ سے ہو یا سیاسی ، اخلاقی ، اقتصادی خواہ ہر وہ حق جو اسلام نے مسلمانوں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

۲۵۔ "فیصلہ"

قضائی مسائل اور فیصلہ سے متعلق امورمیں سوال و جواب ذکر ہوئے ہیں کہ ایک مستقل جزوہ میں مکمل طور پر اس کی تحقیق کی گئی ہے لیکن یہاں پر اختصار کے ساتھ یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں۔
مسئلہ ۹۸۶۔ حاکم شرعی حدود کا اجراء کرنے میں اپنے علم پر اعتماد نہیں کر سکتا جز جانی ، مالی یا نہی از منکر سے متعلق امور میں ۔
مسئلہ ۹۸۷۔ جنسی امور میں صرف عادلانہ گواہی موضوع کو ثابت کر سکتی ہے اور بس بشرطیکہ اس طرح کی گواہی کا ٹکروئنہ ہو ورنہ موضوع ہر گز ثابت نہیں ہو سکتا اور قہری طور پر نہی از منکر اور توانائی اور امکان کے بقدر عملی رکاوٹ ڈالنے کے بارے میں کسی قسم کا کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔
مسئلہ ۹۸۸۔ اگر حاکم شرع ایسے چار عادل مردوں کی گواہی کے بغیر جنہوں نے زنا کرتے ہوئے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو ، حد جاری نہیں کر سکتا ورنہ خود بھی اس حد اور حد افتراء کا مستحق قرار پائے گا ، اگرچہ خود دو دوسرے افراد کے ساتھ اس واقعے کو دیکھا ہو چہ جائیکہ اسکا ذاتی علم جو قرائن سے حاصل ہو ، کیونکہ آیات حد نے اس کو چار عادل مردوں کی گواہی میں منحصر جانا ہے کہ پوشیدہ طور پر زنا کرنے میں اس کا بھی امکان نہیں ہے۔اور اصولی طور پر جنسی حد اس لئے ہے کہ کہیں اسلامی معاشرہ اس طرح سے ناپاک نہ ہونے پائے کہ علنی طور پر جنسی عمل اس طرح کیا جائے کہ اس سلسلے میں چار عادل مردوں کے دیکھنے کا امکان رہ جائے کہ اس صورت میں منصف اور قاضی کا علم اور اس سے بالا تر زنا کار کا چار بار اقرار کرنا کبھی شہادت کی جگہ نہیں لے سکتا، جبکہ علم عادی اقرار کی بالخصوص تکرار کی صورت میں وہ علم بھی ہو جو شہادت اور گواہی سے حاصل ہوتا ہے کبھی زیادہ ہے لیکن حد کو ثابت کرنے والا نہیں ہے کہ اسے نہی از منکر

کرنا چاہیئے بالآخر حد کے سلسلہ میں صرف علم اور وہ اطمینان جو عادلانہ گواہی پر ہو وہ قابل قبول ہے۔

مسئلہ ۹۸۹- جنسی بے راہ روی میں بھی شہادت موضوعیت رکھتی ہے اور طریقت بھی کہ اس کے ذریعہ بھی گواہی کے متعلق حاکم شرع کو علم اور اطمینان حاصل ہوتا ہے ، اس اصل اور قانون کی روشنی میں جیسے شہادت کے بغیر علم اور علم و اطمینان کے بغیر شہادت ہر گز حد جاری کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

مسئلہ ۹۹۰- اس قانون کی روشنی میں زنا کی فلم حد کے لئے کوئی حکم ثابت نہیں کرتی بلکہ یہ عمل خود ایک دوسرا حرام کام بھی ہے کہ اس کے کرنے والوں پر شرعی حد کا موجب ہے اورجیسا کہ گزرا جنسی امور میں حد صرف اور صرف چار عادل مردوں کے عادلانہ شہادت میں منحصر ہے۔اگر اسی کے مانند گواہی میں ٹکراؤ نہ ہو۔

مسئلہ ۹۹۱- جنسی امور سے متعلق اقرار کرنا اور اقرار لینا حرام ہےاور اگر کوئی شخص اپنی مرضی اور اختیار سے چار بار اقرار بھی کرے تو چونکہ جس سے متعلق وہ اقرار کر رہا ہے وہ علم آور ہے لہذا اس کے سلسلہ میں نہی از منکر کے سہ گانہ مراحل انجام دئیے جائیں ، لیکن شرعی حد کے جاری ہونے کا سبب نہیں ہوگا اور خود یہ اقرار بھی حرام ہے کہ اس سے روکنا چاہیئے اگرچہ اس کی پہلی صورت علم آور اور نہی از منکر کا ذریعہ ہے۔

مسئلہ ۹۹۲- دوسروں کے گناہوں کی جستجو کرنا اور انکی ٹوہ میں لگنا آیت " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ "[260] کی نص کے مطابق حرام ہے

مگراس صورت میں مورد جستجو ایسا گناہ ہو جو اسلامی معاشرہ کے لئے خطرناک ہو تو اسے بھی بہت دقت مکمل احتیاط اور احترام کے ساتھ اسے تہمت لگائے بغیر اور اس کی ہتک حرمت اور آبرو ریزی کئے بغیر کی جائے اور حاکم شرعی طرفین میں سے کسی ایک کے لئے بھی کسی ترجیح کے بغیر (مگر عادلانہ گواہی کے) اس کے حق میں یا اس کے خلاف حکم کرے یہاں تک کہ اگر مسلمان اور کافر اور عادل و فاسق کے درمیان بھی فیصلہ کرے ، چہ جائیکہ رشوت لے کر خدا وند عالم کے فرمان کے خلاف کوئی فیصلہ دیدے۔

---

[۲۶۰] سورہ حجرات آیہ ۱۲

مسئلہ ۹۹۳- جیسا کہ (جنسی خلاف ورزیوں کے اقرار میں) گواہی کے بغیر علم کسی حد کا موجب نہیں ہے اسی طرح اقرار بھی ہے ، اگرچہ شہادت (فقہاء کے فتوی کے خلاف) والدین کے خلاف ہی ہو جیسا کہ آیات شہادت عمومی اور خصوصی دونوں طور پر اس طرح کی شہادت واجب جانتی ہیں جیسے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقَيرًا فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ وَإِن تَلْوُواْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا"[261] کہ والدین کو مورد نص قرار دیا ہے اور دیگر گواہوں کے مانند اسے بجا اور واجب جانتی ہیں۔

۲۶ ۔ "دیات"

مسئلہ ۹۹۴- مسلمان مرد کا خوں بہا مسلمان عورت کے خون بہا سے دوگنا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَى بِالأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاء إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ[262] اس آیت کے مطابق کہ مرد کو مرد کے برابر اور عورت کو عورت کے برابر قرار دیا ہے نہ مرد کے برابر اور سنت قطعیہ میں بھی مرد کا خوں بہا عورت کے دوگنا ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں کہ ان سب میں اہم ترین عورت کی نسبت مرد کا تولید مثل کرنا ہے ، بنا بر ایں یہ دوگنا ہونا جسمانی ارزش کے لحاظ سے ہے نہ روحی ارزش کے لحاظ سے کیوں کہ اس لحاظ سے (ان اکرمکم عند اللہ اتقکم) ہے (جو سب کو شامل ہے)۔

مسئلہ ۹۹۵- مرد اور عورت میں سے ہر ایک کے اعضاء کی دیت خود ان کے خون بہا کی نسبت ہے ، بنا بر ایں (تمام فقہاء کے فتووں کے خلاف) عورت کی چار انگلیں کی دیت اس کی تین انگلیوں کی دیت سے کم ہے اور دو انگلیوں کے برابر ہے اور اس قسم کے نظریات سورہ مائدہ کی آیت وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[263] کے خلاف ہے کہ مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو زخم لگانے کی دیت خود ان کی نسبت مقرر فرمائی ہے ، اس کے علاوہ یہ خود عقل کے بھی خلاف ہے کہ چار انگلیوں کی دیت تین انگلیوں کی دیت سے کم اور دو انگلیوں کے برابر ہو۔

---

[۲۶۱] سورہ نساء آیت ۱۳۵
[۲۶۲] سوورہ بقرہ آیت ۱۷۸
[۲۶۳] سورہ مائدہ آیت ۴۵

مسئلہ ۹۹۶۔ مکمل انسان کا خوں بہا ہر گز اس کے اعضاء کے لئے نہیں ہے ، بلکہ ہر عضو یا اعضاء کو پورے بدن کی نسبت اندازہ لگانا چاہیئے اور کل کا بعض خوں بہا نظر میں رکھنا چاہیئے اور اگر ایک عضو یا دو عضو کا خون بہا پورے بدن کے خوں بہا کے مطابق ہو تو تقریبا بدن کے ۲۶ گنا زیادہ ہوگا اس قانون کی روشنی میں یہ کہنا کہ عورت کا خوں بہا مرد کے ایک بیضہ کے برابر ہے بہت ہی نامناسب اور ہماری موجودہ رائج جعلی فقہ کی بنیاد پر ہے ، لیکن فقہ قرآنی اور اسلامی عدالت اور انسانی شعور کی بنیاد پر مرد کا یہ ایک عضو اس کے پورے بدن کی نسبت مرد کے ۳/۱ یا۳/۲ سے بھی بہت کم ہے ، چہ جائیکہ ایک عورت کا خوں بہا ہو بالآخر ایک عورت کے ہر عضو کی قیمت مرد کے اسی عضو کی نصف قیمت ہے ، جز غیر مشابہ عضو میں کہ داخلی حساب کے لحاظ سے ہر ایک کا پورے بدن کے لحاظ سے اندازہ لگانا چاہیئے۔ (جیسا کہ میں نے اسی کے سلسلہ میں حقوق زنان نامی کتاب میں قرآن کریم کی روشنی میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔)

"جدید مسائل"

انسان کے اعضاء کی تشریح اور پیوند

مسئلہ ۹۹۷۔ مسلمان یا غیر مسلمان میت کے اعضاء کو حیاتی ضرورت کی صورت میں کسی زندہ مسلمان شخص میں لگانا جائز ہے بلکہ واجب ہے اور اس میں ورثاء کی اجازت یا میت کی وصیت کی ہر گز شرط نہیں ہے کیوں کہ اسلامی حاکمیت اس حکم کا اقتضاء کرتی ہے اور یہ لوگ لینے والے سے صرف ان اعضاء کی قیمت وہ بھی لینے والے کے امکان اور توانائی کی صورت میں رکھتے ہیں ۔

مسئلہ ۹۹۸۔ یقینی طور پر موت سے قریب انسان جو نفری یا قلبی سکتہ میں مبتلا ہے دوسروں میں لگانا اس کی ضرورت کی صورت میں وہ اس وقت جائز ہے کہ اس کا مرنا یقینی ہو اور اس کے لئے زندگی کی بقاء کا ہرگز کوئی احتمال نہ ہو ، لیکن زندگی کی بقاء کے احتمال کی صورت میں اس کے بدن سے کسی عضو کو نکال کر دوسرے میں لگانا جائز نہیں ہے ۔ اور امکانی اور توانائی کی صورت میں (جیسا کہ جدید تھیوری انکشاف کرتی رہتی ہے) انسانی بے جان بدن کا ضروری پیوند کی خاطر بنانا واجب ہے کہ اس صورت میں مُردوں کے اعضاء کا پیوند لگانا اور ان کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ضرورت نہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۹۹۹۔ مسلمان بدن کا پوسٹ مارٹم ڈاکٹری پڑھنے والے طالبعلموں کے لئے اس وقت جائز ہے جب ان کی ڈاکٹری کی تکمیل کا اقتضاء ہو اور دیگر مسللمانوں کی جان بچانے کا موجب ہو ، البتہ اس بات سے مشروط کہ اس کام کے لئے غیر مسلم جنازہ نہ ملے اور جسم بھی پوسٹ مارٹم کرنے والے کی جنس سے ہو۔

مسئلہ ۱۰۰۰- مسلمان اپنے جسم کے بعض غیر ضروری اجزا کو مسلمان شخص کی حیاتی ضرورت کے لئے فروخت کر سکتا ہے ، بہر صورت اہم اور مہم میں اہم کے مقدم کرنے کے قانون کی رعایت کی جائے کہ کبھی کبھی ایسے واقعات کسی دوسرے مسلمان کی جان بچانے کے لئے مفت بھی واجب ہے۔
مسئلہ ۱۰۰۱- خون ہدیہ کرنا یا فروخت کرنا جانی نقصان نہ ہونے کی صورت میں جائز اور کبھی کبھی واجب ہے اور بہر صورت اہم کی مہم پر ترجیح خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی مناسب اور بجا ہے۔

"تلقیح"

مسئلہ ۱۰۰۲- مرد کی اپنی بیوی کے علاوہ کسی اجنبی عورت کے رحم میں منی کا ڈالنا حرام ہے ، اگرچہ ایسا کر دینے کی صورت میں بچہ دونوں کا ہو گا اور نان و نفقہ اور میراث کے لحاظ سے دیگر بچوں کے برابر ہے اور اس صورت میں ہے کہ تلقیح کی تعداد کے لحاظ سے کوئی شبہہ نہ پایا جاتا ہو اور یہ تلقیح ہر قسم کے جنسی رابطہ بالخصوص بچہ پیدا کرنے کی بنیاد پراس سلسلہ میں ہو ، اس سے متعلق آیات کی روشنی میں حرام ہے جیسے آیہ **کریمہ** **وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ؛ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ**[264] نے سارے جہنمی رابطوں (اوراہم ترین) اپنی بیوی کے علاوہ سے بچہ پیدا کرنے کے رابطہ کو حرام قرار دیا ہے چنانچہ اگر کوئی شبیہ پیدا ہو جائے اور صاحب نطفہ کسی طرح معلوم نہ ہو سکے تو یہ بچہ اپنی ماں سے ملحق ہو گا اور بس۔
مسئلہ ۱۰۰۳- اگر میاں اور بیوی دونوں راضی ہوں کہ تولید مثل عورت کے رحم میں نطفہ کی تلقیح کے ذریعہ ہو توضرورت کی صورت میں نطفہ حلال طریقے سے حاصل ہو اور شوہر یا عورت ڈاکٹر کے ذریعہ حلال طریقہ سے بیوی کے رحم میں تلقیح منی کی جائے تو کوئی اشکال نہیں ہے البتا ضرورت اس وقت ہے کہ ہمبستری کے ذریعہ کسی صورت بچہ دار ہونا ممکن نہ ہو اور بچہ کے بغیر ان کی زندگی دشوار ہو اور اگر دشواری کی حرمت (کہ خانوادگی اختلافات جیسے محرمات میں مبتلا ہونا ہے اور کبھی کبھی طلاق کی نوبت بھی آ جاتی ہےتلقیح کی حرمت کہ شرمگاہ کا دیکھنا ہے) سے زیادہ ہو تو تلقیح جائز ہے اور اگر تلقیح کی حرمت اس کے ترک کرنے سے زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے اور اگر دو شوھر کا نطفہ حلال طریقہ سے (مثلا پہلی بیوی سے دوسری بیوی میں تلقیح کرے) یا کسی حرام طریقہ سے کسی اجنبی عورت کے رحم میں نطفہ قرار پائے اور بچہ پیدا ہو جائے تو یہ بچہ دو ماں کا ہو گا ۔

---

[۲٦٤] سورہ مومنون آیت ۵،٦

۱۔ صاحب نطفہ کا یَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ[265] کی روشنی میں کہ صاحب نطفہ ہے۔
۲۔ صاحب رحم کا وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلاَدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لاَ تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلاَّ وُسْعَهَا لاَ تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلاَ مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُواْ أَوْلاَدَكُمْ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّآ آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ[266]
کہ صاحب رحم ہے لہذا فرزند کے سارے احکام جیسے محرمیت، ماں اور بچہ کے حقوق، ایک ماں کی میراث کا حق دونوں کے درمیان برابر ہے اور اس طرح کے حقوق اس ماں اور اس بچے کے درمیان اس مورد میں برقرار ہیں۔

"بینک کے معاملات"

مسئلہ ۱۰۰۴۔ اگر آپ بینک میں فکس کرتے ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ بینک طرفینی قرارداد کے بغیر ماہانہ آپ کو ایک مبلغ دے گا کہ اگر نہ دے تو آپ کا مطالبہ بھی نہیں ہے تو یہ جائز ہے ، بلکہ بینک اگر اس رقم سے استفادہ بھی کرے تو ایک رقم صاحب مال اپنی توانائی کے اندر دے کہ یہ خود ہی (جیسا کہ گزر چکا) " فحیوا باحسن منہا او ردوھا " ہے۔
مسئلہ ۱۰۰۵۔ اگر آپ بینک سے بطور قرض کوئی رقم لیں تو اس کے لئے کسی قسم کا کوئی نفع مدنظر نہیں ہونا چاہیئے ، مگر حقیقی مضاربہ اور اس مضاربہ میں مصالحت کے عنوان سے کہ آپ اپنی کمائی کا کچھ فیصد بینک کو دیں۔
مسئلہ ۱۰۰۶۔ اگر آپ بینک سے دوسری جگہ کا حوالہ صادر کرانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بینک کو عادلانہ حق الزحمت لینے کا حق ہے۔
مسئلہ ۱۰۰۷۔ حیلہ کر کے مزدوری اور اجرت لینا ناجائز ہے اور تمام شرعی بہانے ناجائز ہیں اور اس کے درمیان صرف عادلانہ حق الزحمت معین ہو سکتی ہے اور اس حق الزحمت میں مبلغ کی کمی اور زیادتی کا کوئی اثر نہیں ہے ، جز اس صورت کے کہ زیادہ مبلغ کے لئے زیادہ مراجعات ہوں کہ پئے در پئے مراجعہ کرنے والوں کی کثرت کی بناء پر اجرت بھی زیادہ سے زیادہ ہو جاتی ہے اور کم ترین مبلغ کے لئے بھی زیادہ سے زیادہ مراجعہ کے ساتھ حق الزحمۃ لیا جائے گا۔

"سفتہ"

مسئلہ ۱۰۰۸۔ حقیقی مدت دار سفتہ اس صورت میں کم تر نقد مبلغ سے قابل معاملہ ہے کہ یہ کمی زحمت اور اخراجات کے عوض ہو جو سفتہ کی رقم حاصل کرنے کے لئے

---

[۲۶۵] سورہ طارق آیت۷
[۲۶۶] سورہ بقرہ آیت ۲۳۳

ہوتی ہے کہ اس سے اضافی لینا سود اور حرام ہے مگر قیمت کے بڑھ جانے کی صورت میں کہ آئندہ کا زیادہ مبلغ موجود کم مبلغ کی نسبت ارزش کے لحاظ سے یکساں ہو کہ عاقلانہ اور عادلانہ مصالحت سے جائز بلکہ واجب ہے۔

مسئلہ ۱۰۰۹۔ نوٹ کی کم یا زیادہ مبلغ میں خرید و فروخت سود اور حرام ہے ، مگر ایسا نوٹ ہو جو مورد احتیاج پیسوں میں تبدیل کرنے کے لئے اخراجات اور زحمتوں کا طالب ہو کہ اخراجات کے بقدر اس کی قیمت کو کم اور زیادہ کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ ۱۰۱۰۔ سفتہ یا چیک کے مبلغ کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے قرض دینے والا دیر کرنے کے عنوان سے کوئی مبلغ دریافت کرنے کا حق نہیں رکھتا، بالآخر دیر کرنے کی مدت میں تاخیر کے عنوان سے جو رقم بھی لی جائیگی اگرچہ طرف کی رضایت سے بھی ہو سود اور حرام ہے جز اس صورت کے کہ اس کے دیر کرنے کی وجہ سے اس مبلغ کی قیمت گھٹ جائے تو یہاں پر صرف گزشتہ رقم کی ارزش اور قیمت لے سکتا ہے۔

مسئلہ ۱۰۱۱۔ دو قسم کے پیسوں کے مبادلہ میں جیسے ڈالر اور ایرانی نوٹ یہاں پر صرف حق الزحمۃ کے عنوان سے طرف مقابل ایک اضافی مبلغ کو نظر میں رکھ سکتا ہے ۔ اگر رقم حاصل کرنے اور ڈالر بیچنے کی زحمت سے زیادہ مبلغ لے تو حرام ہے جیسا کہ تمام معاملات میں ایسا ہی ہے کہ قیمت اور حق الزحمۃ سے زیادہ مفت خوری اور مفت کھلانا ہے۔

"سرقفلی"

مسئلہ ۱۰۱۲۔ جب مستاجر (کسی چیز کو کرائے پر لینے والا) مورد اجارہ مقام کو ایک عنوان دے کہ سابق تجارتی معمول سے زیادہ اعتبار کا مالک تو وہ اپنے حق کے اعتبار سے ایک مناسب مبلغ مد نظر رکھنے کا حق رکھتا ہے اور اگر مالک شرط کر دے کہ آپ اس ملک میں جو عنوان بھی دے دیں یا اس میں جو ضروری اخراجات کر دیں میں قبول نہیں کروں گا تو یہاں پر یہ شرط باطل اور لغو ہے چنانچہ اس کا کام سابق اعتبار کو بالا لے جائے تو یہ اضافی چیز مستاجر کی ہو گی چنانچہ مالک کی طرف سے کسی قسم کی کوئی موافقت نہ ہو تو یہ معاملہ باطل ہے یا مستاجر اسے فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

مسئلہ ۱۰۱۳۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ کو معین مدت کے لئے مخصوص اور معین مبلغ میں اجارہ پر دیدے تو مال الاجارہ صرف اجارہ کے وقت کا رائج نوٹ نہیں ہے بلکہ اس کی ارزش اجارہ کی پوری مدت میں مد نظر ہونی چاہیئے اور اگر مورد اجارہ ملکیت کی قیمت بعض جہتوں سے کہ خود مالک سے مربوط ہے ، زیادہ ہو جائے تو یہاں پر مستاجر اس عادلانہ زیادتی کو مطالبہ کی صورت میں مالک کو ادا کرے۔

مسئلہ ۱۰۱۴- اگر کسی شخص نے کسی جگہ کو عادلانہ طور پر اجارے پر لیا ہو اور مالک سے کسی دوسرے کو اجارہ پر دینے کی اجازت لے تو اس صورت میں کہ اس جگہ کا اعتبار بڑھ جائے اور قیمت اونچی ہو جائے تو پہلا مستاجر بعد کے مستاجر سے اس اعتبار کو لینے کا حق رکھتا ہے۔
مسئلہ ۱۰۱۵- مالک مستاجر سے اجارہ کے آغاز میں اس عادلانہ اعتبار کو لینے کا حق رکھتا ہے اور مستاجر سے شرط کر سکتا ہے کہ خالی کرتے وقت یا اجارہ کی مدت تمام ہونے کی صورت میں اس سر قفلی اور اعتبار کی اضافی رقم عادلانہ طور پر آپس میں تقسیم کریں گے مگر یہ کہ اضافی اعتبار صرف مستاجر کے عمل کرنے سے تعلق رکھتا ہو تو ایسی صورت میں سارا اعتبار مستاجر کا ہے۔

"دفاع"

مسئلہ ۱۰۱۶- اسلام کے اجتماعی واجبات میں سے کہ مسلمانوں کا محافظ اور نگہبان ہے ، داخلی اور بیرونی اغیار کے مقابلہ میں دفاع ہے ۔ اور مسلمانوں کو اس ہمہ جانبہ دفاع میں ہمیشہ سامراج ، استکبار ، استبداد ، کمزور سمجھنے والو اور ذلیل کرنے والوں کے مقابلہ میں دائمی مقابلہ کرنا چاہیئے تاکہ ثقافتی ، اخلاقی ، اعتقادی ، فقہی ،سیاسی ، اقتصادی ، نظامی اور اجتماعی پہلووں کے اعتبار سے ان کے جملوں کا اثر باطل ہو جائےاور کود ان کی طرف پلٹ جائے۔
مسئلہ ۱۰۱۷- مسلمانوں کو کبھی بھی اس اہم نکتے سے غافل نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ اسلام دشمن عناصر آغاز سے آج تک ہمارے ان اسلامی معارف کو جو قرآن کے بیکراں معارف کے پرتو میں ہے ہمارے معاشرے یہاں تک کہ ہمارہ حوزہ ھائ علمیہ بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے اور کرتے رہتے ہیں۔
مسئلہ ۱۰۱۸- مسلمانوں پر اپنے دشمنوں سے بھر پور مقابلہ کرنے کی آمادگی رکھنا واجب ہے خواہ اعتقادی لحاظ سے ہو خواہ مادی اور سیاسی زندگی کے لحاظ سے تاکہ کبھی بھی اسلام مخالف قوتیں مسلمانوں پر مسلط نہ ہونے پائیں اور اگر داخلی یا خارجی طاقتیں اسلام کے نام پر اسلام مخالف امور انجام دیں تو پھر اسلام کے محافظوں اور ذمہ داروں پر خالص قرآنی اسلام کی پاسداری اوراسے واضح انداز میں بیان کرنا واجب ہے تاکہ ان کا حملہ خود ان کی طرف پلٹ جائے۔

"بعض استفتائات کے جوابات"

مسئلہ ۱۰۱۹- مردوں کے لئے داڑھی رکھنا مستحب ہے لیکن اس کا مونڈنا حرام نہیں ہے کیوں کہ اس کی حرمت پر قرآن اور سنت سے ہمارے پاس ہر گز کوئی دلیل موجود نہیں ہے چونکہ یہ مسئلہ فقہی اصطلاح میں مبتلی بہ ہے اس لئے اس کا قطعی طور پر بیان کرنا دیگر مسائل کی نسبت زیادہ واجب ہے اور جن روایتوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو حرام کہا ہے صرف یہود کے مشابہت کے باب سے ہے کہ وہ

لوگ داڑھی مونڈوا دیتے تھے اور مونچھیں چھوڑ دیتے تھے اس باب سے اسے منع کیا ہے اور اگر مشابہہ اور ایک جیسے ہونے کا عنوان ہوتا تو صرف اسی داڑھی کو ہی حرام کرتی کہ ان دونوں کو مونڈوانے کو یا صرف مونچھ مونڈواو یا دونوں چھوڑ اس دو حلال ہے صرف اورصرف یہودیوں اور کافروں سے مشابہت حرام ہوتی لیکن وقت تو سارے لوگ ہی ایک جیسے ہیں اور جو مشابہت اس کو حرام کرتی ہے وہ بھی پائی نہیں جا رہی ہے ، نتیجتا داڑھی مونڈنا جس طرح سے بھی ہو حرام نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۰۲۰۔ خارجی فیشنوں کی پیروی اور کفار سے مشابہت اسراف اور تبذیر کے علاوہ دوسری حرمت بھی رکھتی ہے اور زندگی کے سارے پہلووں میں اسلامی استقلال کی حفاظت کرنا واجب ہے نیز مسلمین اور اسلامی معاشرہ کو اغیار کی منفی تاثیر کے مقابلہ میں مضبوط پل اور باند ہونا چاہیئے۔

مسئلہ ۱۰۲۱۔ اسلامی حجاب عورتوں کے چہرہ اور ان کے دونوں ہاتھوں کے علاوہ پورے جسم کے ڈھانپنے میں خلاصہ ہوتا ہے ، خواہ معمولی چادر کے ذریعہ ہو یا مقنعہ اور کشادہ اور غیر محرک مانتو کے ذریعہ ہو اور قرآنی آیات صرف عورتوں کے مقام زینت کے چھپانے کے بارے میں ہیں (ما ظھر منھا) کے علاوہ کہ زندگی کی ضروری اور طبیعی طور پرظاہر ہے کہ ہاتھ اور چہرہ ہی ہوگااور روایات بھی اسی صرف عورتیں مردوں کے جنسی تحریکات سے پرہیز کریں پردہ کی تائید کرتی ہیں خواہ اپنی حرکتوں یا کپڑوں کے ذریعے ہو کہ اصل حجاب کے ساتھ ساتھ انکا پردہ اور ڈھانپنے کا ذریعہ معمولی اور جذبات ابھارنے والا نہ ہو۔

مسئلہ ۱۰۲۲۔ معطر اور شہوت بھڑکانے والی چیزوں (آڈیو ویڈیو وغیرہ) عورت کے لئے اس جگہ پر جہاں نامحرم موجود ہویا شوھر کے علاوہ محرم ہو جو اس کی شہوت بھڑکانے کا موجب بنے تو حرام ہے۔

مسئلہ ۱۰۲۳۔ نامحرم عورت کی آواز کا غور سے سننا اس صورت میں حرام ہے کہ سننے والا بے قرار ہو جائے اور تحریک صرف بعض عورتوں کی دلنواز اور دلربا آواز سے ہوتی ہے کہ مرد سن کر بیقرار ہو جاتا ہے ، لیکن کبھی نامحرم عورت کی آواز سننا مستحب یا واجب ہے جیسے حضرت زھراء کا خطبہ اور آپ کی بیٹیاں زینب و ام کلثوم اور آپ کی پوتی سکینہ اور دیگر باکردار اور شائستہ عورتوں کا خطبہ کہ جنہوں نے نازک موقعوں پرناموس اسلام اور قرآن کا دفاع کرنے کے لئے قیام کیا ہے اوراپنے طرز عمل اور موثر بیان سے اسلام کی پاسداری کے لئے خدا پسند اقدام فرمایا ہے۔

مسئلہ ۱۰۲۴۔ کلی طور پر شہوت کی نظر سے کسی بھی نامحرم عورت کے چہرہ کو دیکھنا اور نامحرم عورت کا بھی اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے مرد کی طرف دیکھنا حرام ہے خواہ موجود ہونے کی صورت میں ہو یا ٹی وی سے نشر ہونے کی صورت میں یا ریکارڈ کی ہوئی فلم کے ذریعہ ہو یا اس کے علاوہ مگر اس صورت

میں کہ اس عورت تک رسائی اور دیگر عورتوں کی نسبت ظالمانہ شہوت ایجاد نہ کرے لیکن اگر شہوت کی نظر سے نہ ہو یا اصلا شہوت انگیز ہی نہ ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں ہے لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط کلاسوں میں حاضر جبکہ الگ الگ بیٹھے ہوں اور شہوانی اور تحریک کرنے والی کلاس کے اندر یا باہر کوئی حرکت اور گفتگو نہ کرتے ہوں (اگرچہ اس فرض کا تصور بھی بہت ہی مشکل ہے) بہرحال اگر ایسا ہی ہوتو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن امکان کی صورت میں بالخصوص جمہوری اسلامی میں لڑکوں اور لڑکیوں کی کلاسیں جدا ہونی چاہیئں تاکہ جنسی تجاذب اور تحریکات سے بھی دور رہیں کیوں کہ لڑکا اور لڑکی کا اکھٹا بیٹھنا اور ایک ساتھ ہونا قہری طور پر لاعلمی میں بھی شہوانی رابطہ پیدا ہو ہی جاتا ہے کہ یہ سب حرام ہے۔

مسئلہ ۱۰۲۵۔ حقیقی ضرورت اور ہمجنس کے نہ ملنے کی صورت میں بیمار مرد کا نامحرم نرس سے انجکشن لگوانا اور اسی طرح برعکس یا جنسی میلان نہ ہونے کی صورت میں اشکال نہیں رکھتا مگر یہ کہ کسی نہ کسی طرح شہوت ابھارنے کا موجب ہو اور ہمجنس کی موجودگی یا امکان کی صورت میں نا محرم سے استفادہ کرنا کلی طورپر حرام ہے ۔

مسئلہ ۱۰۲۶۔ ان وسائل سے نسل بندی اگر عضو کے ناقص ہونے کا اور دائمی بچہ دار نہ ہونے کا سبب نہ ہو تو ضرورت کی صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے اور کلی طور پر اگر تولید مثل میں حرج یا مشکل ہو اور اس طرح کی تولید مثل حرج کی صورت میں واجب نہیں ہے اور مشکل ہونے کی صورت میں حرام ہے، کیوں کہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُواْ حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُواْ لأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّكُم مُّلاَقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ[267] اس صورت میں تولید مثل کا حکم دیتی ہے اور اس کی تجویز کرتی ہے کہ آپ کے لئے شرعی مصلحت رکھتا ہے۔

مسئلہ ۱۰۲۷۔ سقط جنین اگرچہ نطفہ ہو چہ جائیکہ خلقت ناقص ہو بالخصوص اگر زندہ ہو تو کسی صورت جائز نہیں ہے ، کیوں کہ قتل نفس ہے مگر اس صورت میں کہ ماں کی جان بچانے کے لئے سقط جنین کے سوا کوئی چارہ نہ ہو کہ یہ خود ماں کی جان کی حفاظت کے لئے ماں کی طرف سے ایک دفاع ہے۔

مسئلہ ۱۰۲۸۔ مرد کے لئے نماز کی حالت میں سونا پہننا حرام ہے اور نماز کے علاوہ بھی اگر سونے کا زینت کے عنوان سے استعمال ہو تو حرام ہے جیسے سونے کی گھڑی اور انگوٹھی ، لیکن اگر زینت کے لئے نہ ہو جیسے معالجہ کے لئے سونے کے دانت یا دانتوں کو خرابی سے بچانے کے لئے اوپر سے لگائے جائیں تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

---

[۲۶۷] سورہ بقرہ آیت ۲۲۳

مسئلہ ۱۰۲۹۔ کنگ فو اور اس کے مانند ورزش کرنا جو توانائی بخش ہوتی ہے اور انسان کو عام خطرہ یا اس سے اہم جنگی خطرہ سے بچانے کے لئے آمادہ کرتی ہے ، صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ امکان اور حرج نہ ہونے کی صورت میں واجب بھی ہے کیوں کہ وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ[268] نے دشمن کے خلاف تمام آمادگیوں کو ایک عام فریضہ اور ذمہ داری بتایا ہے۔

مسئلہ ۱۰۳۰۔ باکسنگ مقابلے میں اگر ہار جیت نہ ہو اور باکسنگ کرنے والوں کے درمیان دشمنی کا موجب نہ ہو بالخصوص جب دفاع کے کام آئے اور نقصانات اور زخم نہ رکھتا ہو تو مباح ہی نہیں بلکہ مستحب یا واجب بھی ہے بالآخر باکسنگ اور اس کے مانند مقابلہ خود بنفس نفیس حرام نہیں ہے ، مگر یہ کہ خطر آفریں ہو یا کسی حرام کا مقدمہ یا نتیجہ ہو۔

مسئلہ ۱۰۳۱۔ ہیپنوٹزم یا ہر وہ کام جو طرف کو بے بس کر دے اور اسے اپنے یا دوسروں کے خلاف اقرار کرنے پر مجبور کرے تو حرام ہے اور ایسا اقرار ، اعتراف اور خبر دینا جو اختیاری نہ ہو اختیاری اقرار ، اعتراف اور خبر دینے کا حکم نہیں رکھتا اور کلی طور پر اصل ہیپناٹزم اور اس کے مانند (البتہ مد مقابل کی اجازت یا شائستہ مصلحت کے ساتھ) محرمات میں سے نہیں ہے مگر یہ کہ کسی حرام کا حامل ہو۔

مسئلہ ۱۰۳۲۔ تعزیہ اور شبیہ خوانی اگر معصومین کی شان میں توہین وغیرہ کا حامل نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن شریعت کا دستور بھی نہیں لہذا اسے شریعت کے حساب میں نہیں سمجھنا چاہیئے ، لیکن قمہ زنی اور اس کے مانند حرام ہے کیوں کہ خود کو زخمی کرنا کسی سلسلہ میں جائز نہیں ہے اور روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت زینب سے فرمایا: میری مصیبت پر گریبان چاک نہ کرنا اور اپنے رخسار پر طمانچے نہ مارنا اور حضرت زینب کا محمل سے سر ٹکرانا اختیاری نہیں تھا۔

مسئلہ ۱۰۳۳۔ جفر اور سحر کی تعلیم حاصل کرنا اور اس کا استعمال حرام ہے اور شعبدہ (نظر بندی) اگر سحر کے مانند نہ ہو تو تفریح کے بقدر اگر لہو و لعب سے خالی ہو تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۰۳۴۔ مرتد اسے کہتے ہیں جو مسلمان ہونے کے بعد عقیدہ کے ساتھ کسی دوسرے دین کو اختیار کر لے اب اگر وہ مرتد فطری ہو لیکن مسلمان ماں اور باپ کی آغوش میں تربیت نہ پایا ہو اورمکمل ایمانی عقیدہ نہ رکھتا ہو اور کافر ہو جائے تو وہ مرتد نہیں ہوگا بالآخر اگر اس کا ارتداد علم اور عناد و دشمنی کے ساتھ ہو بالخصوص

[268] سورہ انفال آیت ٦٠

اگر اس کی تکرار ہو تو اس کی توبہ قابل قبول نہیں ہے اور قرآنی نص کے مطابق اگر کوئی شخص علم اور عقیدہ کے ساتھ ایمان لے آئے اس کے بعد عناد کے ساتھ کافر ہو جائے اور پھر ایمان لائے اور دوبارہ کافر ہو کر معاشرہ میں اپنے کفر کو رائج اور عام کرے تو اگر اس کا یہ ارتداد دوسروں کی گمراہی کا باعث ہو تو وہ واجب القتل ہے ، کیوں کہ (الفتنة اکبر من القتل) اور (اشد من القتل)۔

مسئلہ ۱۰۳۵۔ بعض مذہبی مسائل میں شک و تردید یا ان کا انکار اگر صحیح دلیل ہے توخود مذہبی مسائل میں سے ایک ہے ، بلکہ قانع کرنے والی دلیل تک پہونچنے کے لئے بعض مسائل میں شک خود ایک پاکیزہ شک ہے ۔ بالآخر دین اپنے تمام پہلووں میں برھان اور دلیل رکھتا ہے کہ اگر کتاب اللہ یا رسول خدا کی سنت قطعیہ جیسی دلیل سے فقیہ کے مسلم فتووں کے خلاف کوئی حکم کرے تو اسلام کے خلاف تو ہر گز نہیں ہے ، بلکہ سب پر دلیل کے ساتھ قبول کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، کیوں کہ احسن القول (بہترین قول) وہ قول ہے کہ اس کا قول محکم ترین اور واضح ترین دلیل پیش کرے اگرچہ قائل اپنے نظریہ میں تنہا ہو کہ یہ ایک شخص اگر سینکڑوں افراد کے مقابلے میں بھی ہو (تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا) ، کیونکہ جب احسن القول ثابت ہو جائے تو مخالفین خواہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں نہ وہ اسے رد کرنے کا حق تو رکھتے ہی نہیں بلکہ دوسروں کو اس کے مفہوم پر عمل کرنے کی تشویق کریں اور ترغیب دلائیں ورنہ انہوں نے دین اور اسلام کے خلاف عمل کیا ہے اور عدالت سے خارج ہیں۔

مسئلہ ۱۰۳۶۔ اسلامی تبلیغ کے وجوب کے لحاظ سے کافروں کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے قرآن کریم کا دینا اگرچہ اس کا احتمال ہی ہو جائز یا واجب ہے ، کیونکہ حرمت اس صورت میں ہے کہ اس قرآن کریم کی نسبت توہین کا پہلو ہو اور کافر کو یہ قرآن دینا خود احترام ہے نہ توہین اور اگر کافر کے مس کرنے میں طہارت بھی شرط ہو گی تو اہم کے مہم پر مقدم کرنے کے وجوب کے لحاظ سے یہاں پر یہ شرط بھی ساقط ہے۔

مسئلہ ۱۰۳۷۔ احترام کے عنوان سے غیر معصوم کا ہاتھ چومنا حرام ہے ، کیونکہ یہ چومنا خود معصومین اور دوسروں کے درمیان برابری کرنا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے (اذ نسویکم برب العالمین)

مسئلہ ۱۰۳۸۔ کسی خیالی رکاوٹ کی بناء پر مباح کام کے نہ کرنے کی پابندی حرام ہے اور اسی طرح ہر وہ عمل کہ کسی حرام کا مقدمہ ہو حرام ہے اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہے۔

مسئلہ ۱۰۳۹۔ ہنر اس صورت میں اسلامی ہے جب شرعی معیاروں کے مطابق ہو ، بنا بر این منارہ ، گنبد بنانا ، کاشی کاری ، سونے کاکام کرنا وغیرہ کے بارے وجوب یا استحباب کا حکم تو دور کی بات بلکہ ان کے ممنوعیت کے سلسلےمیں روایات بھی

وارد ہوئی ہیں لیکن اہم اور مہم کے درمیان تقدم کے موقعہ پر ہمیشہ اہم کو مقدم کرنا چاہیئے اور ہم اس وقت مشاہدہ کر رہے ہیں کہ شادی کے قابل جوانوں کی اکثریت (بالخصوص ضروری اور واجب ازدواج) تنگدستی اور فقر و فاقہ میں گزار رہی ہے اور ممکن ہے ان کا بیکار رہنا اور ان کی واجب ضرورتوں کا پورا نہ ہونا برے نتائج اور غلط اثرات کی حامل ہو لہذا مذکورہ چیزوں کا جائز ہونا تو دور بلکہ یہ موارد اور اس جیسے دیگر موارد جیسے حج اور تمام مستحبی زیارتیں اوقاف نذورات بے جا مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ بھی مورد اشکال ہیں اور جو اموال اور دولتیں مستحب کاموں یا بعض واجب کاموں میں خرچ ہوتی ہیں ان کا اہم ترین اور زیادہ واجب کاموں میں استعمال ہونا چاہیئے اور روایت میں ہے کہ جب حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں گے تو اس قسم کی فضول خرچیوں اور بے جا استعمال کا سد باب کریں گے اور بہت سارے امور جو اسلامی نعروں کے ساتھ رائج ہو گئے ہیں آپ انھیں ختم کر دیں گے۔

مسئلہ ۱۰۴۰۔ اگر کوئی کتاب یا نوشتہ دینی گمراہی اور بے راہ روی ایجاد کرے تو وہ گمراہ کن کتابوں اور نوشتوں میں ہے اور اس کا لوگوں کی دسترس میں قرار دینا حرام ہے لیکن یہ گمراہ کرنے والی کتابیں ان لوگوں کے لئے جنکی گمراہی کا سبب نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی طرح سے ان کے رد اور نقض کرنے کا سبب ہو تو پھر اشکال تو دور بلکہ جواب دینے کے لئے ان کا خریدنا ، پڑھنا اور جواب دینے والوں کی خدمت میں قرار دینا واجب ہے۔

مسئلہ ۱۰۴۱۔ معصوم کے سوا کوئی شخص مطلق نہیں ہے اور مصلحت کی تشخیص بھی شریعت کے حدود میں ہے اور فقیہ کی ولایت مطلقہ بھی معصوم کی برابری اور نہ ہونے والا امر ہے۔

مسئلہ ۱۰۴۲۔ حوزہ ھائے علمیہ کے طلبہ خواہ ابتدائی طلب علم ہوں یا متوسط یا فارغ التحصیل ان کی تعلیم کا اصلی محور قرآن کریم ہونا چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ سنت قطعیہ اور حوزہ علمیہ کے رائج علوم طلاب کو اسلام سے قریب کرنے کے بجائے قرآنی معارف سے بہت سارے رخ سے دور کرتے ہیں اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ کلمہ لا الہ الااللہ حوزہ ھائے علمیہ اور دینی مدارس میں اپنا نقش چھوڑے تو سب سے پہلے جو دروس اور کتابیں قرآنی محور نہیں رکھتیں یا اس سے برتر قرآنی محور کے خلاف ہیں درسی نصابوں سے الگ کر دی جائیں اور اس کے بعد ان کی جگہ پر خالص قرآنی معارف جو روز روشن میں سورج کی طرح واضح صاف و شفاف اور روشنی بخش ہیں ، انھیں ہونا چاہیئے اور ہم قرآن عظیم کی تعلیم اور تعلم سے قرآنی معارف کے طلاب اور اپنے قلوب کو ان ظلمتوں اور تاریکیوں سے نجات دینے کے ساتھ ان کے دلوں کو قرآن کریم کے نور سے روشن اور منور کریں اس طرح کے کاموں کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کے مطالب کے خلاف موجود کتابوں یا جو

اس سے موافق نہیں ہیں کو درسی نظام سے نکال دیں اس کے بعد قرآن اور سنت کی روشنی میں کتاب تالیف کر کے اس خلا کو پر کریں اور یہ خود مدرسین اور شریعت کے ماہرین پر انتہائی اہم اور حساس ذمہ داری ہے کہ ایک سو فیصد قرآنی مدرسہ کی بنیاد ڈالیں۔

مسئلہ ۱۰۴۳۔ جان کے قصاص کے سلسلہ میں ہم یہاں پر صرف ایک اہم مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ مرد اور عورت کے درمیان قصاص میں مساوات کا نہ ہونا ہےاور آیہ کریمہ ((الحر بالحروالانثی بالانثی)) اس عدم مساوات پر خود ایک واضح اور روشن دلیل ہے کہ مرد کے خون اور اس کے خون بہا کو عورت سے زیادہ جانا ہے اور سنت کے مطابق بھی دوگنا ہے اور یہ عدم مساوات مرد کی عورت پر فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صرف مرد کے زیادہ استعمال میں آنے اور اس کے زیادہ سے زیادہ تولید مثل بچہ پیدا کرنے کے لحاظ سے ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں ہی جانی لحاظ سے برابری رکھتے ہوں لیکن مرد میں تولید مثل کا امکان عورت کے دوگنا ہے اور عورتوں کی تعداد بھی مردوں سے زیادہ ہے اس کے علاوہ زندگی کا ادراہ کرنے معاشی آمدنی اور حفاظت کرنے کے لحاظ سے بھی مرد کے اندر عورت کی نسبت زیادہ توانائی اور امکان پایا جاتا ہے بالآخر جس مرد نے کسی عورت کو عمدا قتل کر ڈالا ہو تو اس پر قتل کا حکم صادر نہیں کیا جائے گا گرچہ مرد کا اضافی نصف خون بہا اس کے ورثاء کو دیا جائے کیوں کہ جان خرید و فروخت کے قابل نہیں ہے اور مثل سے زیادہ آگے بڑھنے کی گنجائش بھی نہیں ہے کیوں کہ عورت کے ورثاء صرف اورصرف مرد کی نصف جان کا قصاص کرنے کا حق رکھتے ہیں اور دوسرے نصف کو مال سے خرید بھی نہیں سکتے تو پھر تیسری راہ باقی بچ جاتی ہے کہ چونکہ ماضی میں امکان نہیں تھا اور اس کے سلسلہ میں روایات بھی وارد نہیں ہوئی ہیں اور ہم **الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ**[269] جیسی آیات سے یہاں پر کہ عورت کی جان مرد کی نصف جان کے برابر ہے، اسے نیم جان کریں گے اس معنی میں کہ ممکن حد تک اس کے نصف بدن کو قطع یا مفلوج اوربے کار بنادیں گے کہ اس کے نصف سر کے بال محو کرنے سے لیکر اس کا نصف پاؤں کاٹنے تک موت کا موجب ہونے والے اعضا ء کے علاوہ(مرد کے بدن کا نصف کاٹنا اور بے حس وبے کار بنانا اگر موت کسی دوسرے اعضاکے نقصان کاباعث ہو تو پھر خون بہا میں تبدیل ہو جائے گا ،کیونکہ اس قاتل مرد کے جسم کا مکمل حصہ مقتول کے ورثہ کا ہے ۔)کاٹنے یا بے حس کرنے کا کام کریں اور اس کے اخرجات اس کا ایک گردہ فروخت کر کے پورے کئے جائیں اگر ایساکرنے سے کوئی خطرہ نہ ہو اور اگر آپریشن کرنے کے بعد

---

[۲۶۹] سورہ بقرہ آیت ۱۹۴

کوئی مبلغ باقی بچ جائے تو یہ باقی ماندہ عورت کے ورثہ کا ہے کیونکہ اس مجرم کے نصف بدن کے یہ لوگ مالک ہیں ۔اور اس مردکے نصف بدن کے دیگر اجزاء کی نسبت بھی ایسی ہی ہے کہ ہاتھ یا پاؤں یاکوئی دوسری چیز کو بھی عورت کے ورثہ قطع یا مفلوج کر سکتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ ایسا کرنے سے اس کے دیگر اعضائے بدن یا مرد کی جان کو کوئی نقصان نہ ہو چونکہ عورت کے ورثہ قاتل مرد کے نصف بدن سے قصاص لینے کاحق رکھتے ہیں لہذا آپریشن کے اخرجات بھی ان کے ذمہ ہیں ، چنانچہ ایک گردہ یا قاتل کے دیگر اعضا کوفروخت کرنے سے آپریشن او ر ہسپتال کا اخرجات پورے کریں اور مبلغ کا کسر بھی انہی کے ذمہ ہے او رامکان نہ ہونے کی صورت میں بیت المال ذمہ دار ہے ۔چنانچہ کسی اعضاء فروخت کے بعد آپریشن کے اخرجات سے بچی ہوئی رقم عورتوں کے ورثہ سے مخصوص ہے ۔

ایسی صورت میں یہ واقعہ بھی مورد قصاص شخص کے لئے ایک تنبیہ اور اشارہ ہے اور دوسرے مردوں کے لئے بھی کہ اس طرح کاکام کرنے سے پرہیز کریں اور اس قسم کا قصاص بھی کلی قصاص کی طرح زندگی کا سلسلہ آگے بڑھانے کا موجب ہے کہ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاْ أُولِيْ الأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ(اور قصاص میں حیات ہے اے صاحبان عقل شاید کہ تقویٰ اختیار کرو)اور جانی قصاص بھی دو پہلو کے اعتبار سے بھی استمراء حیات کی ضمانت اورظالمانہ آدم کشی سے اجتناب ہے ۔

یہاں پر اگر عورت کے ورثہ متفقہ طور پر اس طرح کی چیز چاہیں تو انجام پانا چاہیئے اور ہر صورت قصاص یا خون بہا کے سلسلہ میں ان کا اختلاف یا پھر جانی مسئلہ میں بخشش بھی ان کے درمیان تقسیم ہوگی ۔

اس صورت میں کہ مجرم شخص(مرد) عورت کے ورثہ کی پیشکش اپنا کلی یا جزئی قصاص خرید سکتا ہے تو خریدے اور یہ واجب ہے ورنہ (اسلامی مصلحت کی صورت میں)دوسروں کے ذمہ ہے کہ اس کی صحت اور سلامتی کو حقوق اللہ سے خریداری کریں اور خون کے وارثوں پر شائستگی اور امکان کی صورت میں اس قصاص سے اجتناب کرنا چاہیئے

مسئلہ ۱۰۴۴: اسلامی حکومتوں اور ملتوں کے بین الاقوامی روابط اور ان کی سیاست اس طرح ہونا چاہیئے کہ دوسروں کو اپنی اسلامی روش سے اسلام سے قریب کرے نہ یہ کہ اسلام اور اسلامی فرائض میں کمی کرکے دوسروں سے روابط رکھ سکے۔

مسئلہ۱۰۴۵: حضرت ولی عصر(عجل اللہ فرجہ الشریف)کے عصر غیبت میں دینی رہبری اور سیاست آیہ کریمہ :وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا

رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ[270] کی روشنی میں اسلامی دانشوروں علماء اورفقھاء کی شائستہ کمیٹی کے ذمہ ایک الٰہی رسالت ہے اس صورت میں اولاً گونا گون نظریات ایک دوسرے سے نزدیک تر ہوں گے پھر ان میں سے اکثریت کے نظریات خداوند عالم اورخدا والوں کے نزدیک مودر قبول واقع ہوں گے انشاالله کہ یہ خود (احسن)کا قبول کرنا اور (جیسا کہ گذر چکا)سورہ زمر کی آیت ۳۹ کی روشنی میں واجب ہے ۔

مسئلہ ۱۰۴۶:مرجعیت اور سیاسی رہبری کی اعلیٰ کمیٹی صرف اور صرف حقیقی ماہرین اور جانکار افراد کے ذریعہ قابل قبول ہے جیسا کہ شورائے اسلامی کے نمائندے بھی وسیع تر انداز میں ان ماہرین کے ذریعہ کہ شائستگی کے ساتھ اسلامی پارلمنٹ سے باخبر ہیں ، یقیقن ہو اور بالاخر ملکی مسائل میں سے ہر مسئلہ میں شورة کی بنیاد سی متعلق آگاہی رکھنے والے افراد سے مربوط ہے اسلامی انتخاب کی بنیاد ااور صرف اکثریت آرائ نہیں ہے بلکہ اکثریت شائستگی اسلامی ہے اور بس کہ رائے دینے والوں کی تعدادکے لحاظ سے اکثریت اگر کسی ایسے کا انتخاب کرے جو شائستہ ترین اقلیت کے مقابلہ میں صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کی تعداد کی رائے بہت کم احسن القول اور قابل قبول ہے نہ کہ اکثریت کی رائے کی ایک منفرد اور آخروٹ سینکڑوں خالی اور سڑے گلے آخروٹ سے بہتر ہے پس تعداد کے لحاظ سے اکثریت معیار نہیں بن سکتی ۔

مسئلہ۱۰۴۷: غیر معصومین کی اسلامی حکومت میں ہرگز استبداد اور خود رائے نہیں پائی جاتی ،سارے کام مورد اختلاف اور شبیہ ہیں کواہ انفرادی احکام ہوں یا اجتماعی اور سیاسی احکام لائق اسلامی دانشوروں اور ماہریں کے مشورے سے ہونا چاہیئے ، کیونکہ اسلامی قانون تمام شخصیتوں پر ترجیح رکھتا ہے یہاں تک کہ معصوم بھی اپنی عصمت کے سہارے خدا وند عالم کے قانون کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکتا یا کوئی کام نہیں کر سکتا ۔

مسئلہ ۱۰۴۸: اسلامی حکومت کے کار گزران کو مہارت اور امانت داری کے ساتھ اپنے اسلامی فرائض انجام دینا چاہیئے اور حکومت ان کی خدمتوں کے مقابلہ میں ان کی اقتصادی اور معاشی زندگی کا ممکنہ حد میں ارادہ کرے تاکہ وہ کم کام کرنے یا رشوت خوری کا شکار نہ ہوں بالخصوص حکّام اور شریعت کے منصفین حضرات کہ اسلامی حکومت ان کا مقام سب سے زیادہ حساس اور نازک ہے اور کلی طور پراس وقت توخدا کا شکر کہ صدیوں بعد اسلامی حکومت ہم تک پہونچی ہے۔ اپنی توانائی اور امکان کی حد میں اسلام کی اس طرح جیسا کہ ضروری ہے اور ہونا چاہیئے حفاظت اور پاسداری کرنا اور ملک کے اندر اور باہر ایک بہترین نمونہ اور اور عمدہ دعا کے عنوان سے تعارف واجب ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلامی

---

[270] سورہ شوریٰ ۳۸

طاقت کے ساتھ اسلاممخالف امور ہم سے سر زدہوجائیں کہ نتیجاً رسمی اور قانونی کافر اور ظالم حکومت سے بھی ہم بد تر ہوجائیں اور ظالم مستکبر ہماری بے سروں سامانی سے اسلام کے خلاف استفادہ کرنے لگیں ۔

ہم آخر میں قرآن اور سنت کے متروک احکام کے طالبوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ جو کچھ اس رسالہ میں ذکر ہوا ہے اس وقت مؤلف کاآخری نظریہ ہے مختصر طور پر بیان ہوا ہے اور اس کی تفصیل (تسلسلی اور موضوعی) تفسیر الفرقان ،تبصرة الفقھا ء اصول الاستنباط، علی شاطہ الجملہ عربی زبان میں،فقہ گویا،لغت خواران ،اسرارومناسک اورادلہ حج ، حقوق زنان ، سپاہ نگہبان اسلام، استفتائات وغیرہ اور میری تألیف کردہ تمام کتابوں میں موجود ہے مولف تمام اسلامی سوالوں کا جواب دینے کے لئے ہر طرح کے ذرائع ابلاغ اور ارتباط سے آمادہ ہے ۔

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

قم المقدسہ (جامعہ علوم القرآن)محمد صادق تہرانی ۔
ٹیلیفون ۳۲۹۳۴۴۲۵۔
پتہ : جامعۃ علوم القرآن انٹرنٹ
URL:www.forghah-ORG
forghah-ORG@Email:sadeqi